شہزادہ میر گوہر علی خاں مبارز جنگ مبارز الملک

مبارز الدّولہ

(ایک تاریخی سوانح)

۱۷۹۵ : ۱۸۵۴

"تحریک مجاہدین میں حیدرآباد دکن کا حصہ
اور مبارزالدّولہ"

فرزند سوم آصف جاہ ثالث نظام سکندر جاہ (۱۷۶۳ / ۱۸۲۹)

برادر خورد آصف جاہ رابع نظام ناصر الدولہ (۱۷۸۹ / ۱۸۵۷)

از

ابو سعادت جلیلی

5

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

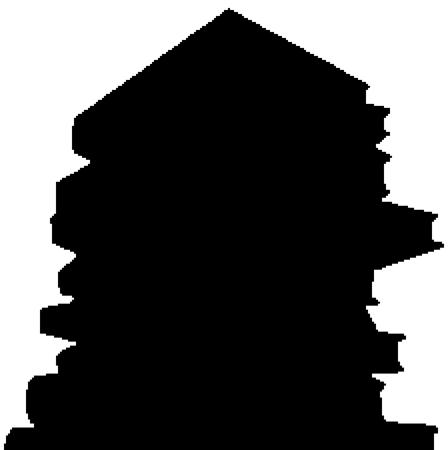

Marfat.com

ذخیرۂ پروفیسر محمد اقبال مجددی

جو 2014ء میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو

ہدیہ کیا گیا۔

CALL NO.

PUNJAB UNIVERSITY LIBRARY

LAHORE

Marfat.com

5609

شہزادہ میر گوہر علی خاں مبارز جنگ مبارز الملک

مبارز الدّولہ

(ایک تاریخی سوانح)

۱۷۹۵ : ۱۸۵۴

"تحریک مجاہدین میں حیدر آباد کا حصہ
اور مبارز الدّولہ"

فرزند سوم آصف جاہ ثالث نظام سکندر جاہ (۱۷۶۳ / ۱۸۲۹)
برادر خورد آصف جاہ رابع نظام ناصر الدولہ (۱۷۸۹ / ۱۸۵۷)

از :
ابو سعادت جلیلی

نیشنل بک فاؤنڈیشن
اسلام آباد
لاہور ۔ راولپنڈی ۔ ملتان ۔ کراچی ۔ سکھر ۔ پشاور ۔ کوئٹہ

Marfat.com

134202 C

جملہ حقوق محفوظ ھیں

طبع اوّل ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۱۹۹۸ء ایک ہزار

کوڈ نمبر جی پی او آر/ پی ۵۹۶/ ۱۰۰۰

-: مطبع :-
نیو مجاز پریس
کراچی

Marfat.com

نسبت

ارضِ پاکستان
میں آسودۂ خاک
تحریک مجاہدین کے بانی قائدین
کے دور افتادہ اور گم نام سپاہی
کی داستان جہد

اور

جنوب میں تحریکی عمل کی توسیع و اشاعت
کی تاریخ

شہدائے بالاکوٹ کی نذر !

ہرچند کہ یہ حقیر سی نسبت کسی طور مہتم بالشان نہیں
اور انتہائی عاجزانہ سی پیشکش ہے !!

(ابو سعادت جلیلی)
کراچی ۱ / ۱۱ / ۱۹۹۱ء

Marfat.com

ب

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

مبارزالدولہ ایک تاریخی سوانح

عنوانات	ضخامت
عنوانیہ ابواب	(۴) صفحے
تشکرات و تکریمات	(۸) صفحے
تعارف کتابیات	(۲۴) صفحے
حصہ اول	
(۱) ۱۹۶۰ : کتاب کہانی	(۱۴) صفحے
(۲) ۱۷۲۴ : پس منظر	(۲۷) صفحے
حصہ دوم	
(۳) ۱۷۹۵ : ابتدائی حالات	(۱۷) صفحے
(۴) ۱۸۱۵ : "جنگ مبارزالدولہ"	(۳۰) صفحے
(۵) ۱۸۲۹ : شورش خزانہ	(۲۹) صفحے
حصہ سوم	
(۶) ۱۸۳۸ : وہابی تحریک	(۲۵) صفحے
(۷) ۱۸۳۹ : مقدمہ بغاوت	(۳۳) صفحے
(۸) ۱۸۴۰ : روداد مقدمہ	(۲۶) صفحے
حصہ چہارم	
(۹) ۱۸۵۴ : مرگ آشفتہ سر : ۱	(۱۲) صفحے
(۱۰) ۱۸۵۴ : مرگ آشفتہ سر : ۲	(۲۱) صفحے
(۱۱) ۱۹۶۴ : شجرۂ آل واولاد	(۱۰) صفحے
(۱۲) ۱۹۹۶ : اختتامیہ	(۶۷) صفحے
چار اجزاء، بارہ ابواب، صفحات :	(۲۰۶) صفحے

Marfat.com

Marfat.com

مبارزالدولہ : عنوانیہ ابواب

مبارزالدولہ : ایک تاریخی سوانح

عنوانات	صفحہ
تشکرات و تکریمات	۱
تعارف کتابیات	
استفاضہ : مصادر و منابع	۹
استفادہ : مطالعہ و جائزہ	۱۵
کتاب کہانی	
"مبارزالدولہ : ایک سیاسی سوانح" : ۱۹۶۰ تا ۱۹۹۱	۳۳
"مبارزالدولہ : ایک سیاسی سوانح" : تصویر کے چند رخ	۳۸
پس منظر	
۱۷۴۴ : اٹھارویں صدی کا ہندوستان اور مبارزالدولہ	۴۷
سلطنت آصف جاہی کا قیام و انصرام	۶۰
آصف جاہ ثالث نظام سکندر جاہ	۶۵
مملکت آصفیہ حیدر آباد اور کمپنی کی حکومت	۷۰
ابتدائی حالات	
۱۷۹۵ : مبارزالدولہ کا سال ولادت	۷۹
والدہ اور حقیقی بھائی بہن	۸۱
عطائے خطابات و مناصب شاہی	۸۴
تعلیم و تربیت اور مذہبی و ادبی شغف	۸۷

Marfat.com

"جنگ مبارزالدولہ" صفحہ

۱۸۱۵ : "جنگ مبارزالدولہ" اور اس کے راوی ۹۳
پس منظری واقعات عوامل اور کردار ۹۵
"جنگ مبارزالدولہ" کی ابتداء کی تفصیلات ۱۰۰
رزیڈنٹ کی عرضداشت اور نظام کی اجازت ۱۰۴
رزیڈنٹ کی فوجی جارحیت اور ہزیمت ۱۰۷
دوبارہ حملے کی تیاری اور مصالحتی کوششیں ۱۱۳
مبارزالدولہ کی نظربندی اور حواریوں کی سرکوبی ۱۲۰
مبارزالدولہ قلعے کے اندر اور باہر ۱۲۴

شورش خزانہ

۱۸۲۹ : مبارزالدولہ کی نئی تنظیم اور اس کے ارکان ۱۳۱
آغاز شورش، تدارک و مفاہمت اور دوبارہ محاصرہ ۱۳۵
مبارزالدولہ کا دفاعی انتظام اور مقابلے سے گریز ۱۳۸
گرفتاری اور قلعہ گول کنڈہ کو منتقلی ۱۴۰
شاہی محل میں کہرام اور والدہ کی قلعہ کو روانگی ۱۴۳
قلعے کے سرکاری خزانے پر قبضے کی کوشش ۱۴۵
رزیڈنٹ کی افواج کی مدد سے خزانے کی منتقلی ۱۴۸
کرنل ٹیلر کے ذریعے مبارزالدولہ کا اظہار اضطراب ۱۵۱
والدۂ ناصرالدولہ و مبارزالدولہ کے اثرات سے رہائی ۱۵۴
رہائی کی خوشی اور درباری جشن کا اہتمام ۱۵۷

وہابی تحریک صفحہ

۱۸۳۸ : وہابی تحریک اور مبارزالدولہ ۱۶۱

Marfat.com

سید احمد بریلوی کے نمائندہ ولایت علی کی آمد ۱۶۵

وہابی تحریک کا حیدر آباد میں نفوذ و ارتقاء ۱۷۲

"مبارز الدولہ کی عزیمت" اور سفارت سندھ ۱۸۰

مبارز الدولہ کے یہاں مولوی سلیم کی رسائی ۱۸۴

مقدمہ بغاوت

۱۸۳۹ء : رزیڈنٹ پر انکشاف اور نظام سے اظہار ۱۹۱

مبارز الدولہ پر مقدمہ بغاوت کی عرضداشت ۱۹۷

نظام ناصر الدولہ کی مفاہمتی مساعی ۲۰۱

مبارز الدولہ کی گرفتاری اور نظر بندی ۲۰۵

مبارز الدولہ کے حامی نواب کرنول کا حشر ۲۱۰

وہابی تحریک مدراس پریسیڈنسی میں ۲۱۳

سرکاری تحقیقاتی کمیشن کا قیام ۲۱۸

روداد مقدمہ

۱۸۴۰ء : روداد مقدمہ بغاوت ۲۲۵

مبارز الدولہ کے گرفتار شدہ آدمیوں کے بیانات ۲۲۶

گواہوں کے انکشافات پر کمیشن کا تبصرہ ۲۳۴

مبارز الدولہ کی دیسی شہزادوں سے مراسلت ۲۳۷

برطانوی سپاہ کو آمادۂ بغاوت کرنے کیلئے مبارز الدولہ کی سازش ۲۴۳

وہابیوں سے اتحاد کیلئے مبارز الدولہ کی خط و کتابت ۲۴۶

مبارز الدولہ منظم بغاوت کے لئے حالات پیدا کر رہے تھے ۲۴۹

صفحہ

تحقیقاتی کمیشن کی روداد کا ضمیمہ ۲۵۳

Marfat.com

مرگ آشفتہ سر ۔ ۱	**صفحہ**
۱۸۵۴ : مبارزالدولہ : مرگ آشفتہ سر	۲۵۵
مبارزالدولہ کی سیاست و مبارزت : نگاہ واپسیں	۲۶۷
"جنگ مبارزالدولہ" ۱۸۱۵ : نتائج و عواقب	۲۷۵
شورش خزانہ ۱۸۲۹ : سود و زیاں	۲۸۱
مرگ آشفتہ سر ۔ ۲	
وہابی تحریک ۱۸۳۸ : مضمرات و موثرات	۲۸۹
مرگ آشفتہ سر : افتادِ طبع سے عجز طبیعت تک	۳۰۴
شجرۂ آل و اولاد	
۱۹۶۴ : مبارزالدولہ کی آل و اولاد کی فہرست سازی	۳۳۱
مبارزالدولہ کے بیٹوں کے مختصر حالات	۳۳۳
مبارزالدولہ کی لڑکیوں کے کوائف	۳۳۵
مبارزالدولہ کے تین بیٹوں کی اولادیں	۳۴۰
مبارزالدولہ کے آخری بیٹے میر عابد علی خاں کی اولاد تا حال	۳۴۲
اختتامیہ :	
۱۹۹۶ء : جزوی اکتساب : تصانیف و تراجم اور تالیفات و نگارشات	۳۴۸
پیشرو اور معاصر ادوار کا ادبی منظر اور مبارزالدولہ کی تعلیم و تربیت	۳۵۹
وہابی تحریک میں مبارزالدولہ کا حصہ : چند اور بیانات	۳۶۷
تحریک مجاہدین مدراس سے سندھ تک بحوالہ مبارزالدولہ	۳۷۴
مبارزالدولہ کی سوانح نگاری میں جدید تحقیقات	۳۷۹
دریافت طلب مباحث و متعلقات اور وسائل	۳۸۴
مبارزالدولہ اور تاریخ کے تئیں محققین و مورخین کا رویہ	۳۹۸

Marfat.com

مبارزالدولہ : تشکرات و تکریمات

"مبارزالدولہ ایک سیاسی سوانح" کے لئے جو حقیر کاوشیں ممکن ہو سکیں ان میں ۱۹۶۰ء تا ۱۹۹۱ء چند افاضل سے بذریعہ مراسلت و ملاقات فیض طلبی شامل رہی۔ اپنے ان سب محسنین کے حضور آج راقم فردا" فردا" امتنان گزار ہے۔ گو ان کے گراں مایہ و گراں قدر احسانات کا کوئی حق ادا کرنے کے کسی طور پر قابل نہیں۔ ان کرم گستر و گرامی قدر شخصیات کی بیش قرار نوازشوں میں عطائے معلومات و متون جیسی عنایتیں شامل حال رہی ہیں جن سے حسب موقع و مقدرت اکتساب اور اضافوں کی سعادت حاصل کی گئی ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف ناگزیر ہے کہ ان سب طالب علم نواز اور کرم فرمایانہ عطیات میں سے کسی ایک کی بھی عدم موجودگی اس عاجزانہ منصوبے کے تشنہ تکمیل رہنے کا سبب ہو سکتی تھی' چنانچہ مفصلہ ذیل نوازشات میں سے کسی کے بھی بغیر کتاب کے جامع و مکمل ہونے کا امکان نہ تھا۔

اولا" تین عشروں بعد کتاب کی حتمی تشکیل و تہذیب نو پر "مبارزالدولہ ایک تاریخی سوانح" کی پیشکش کے حوالے سے احقر سربراہ ادارہ اور ان کے رفقائے ادارہ کا ممنون کرم ہے کہ انہوں نے ازراہ علم دوستی یہ ذمہ داری قبول فرمائی اور متعلقہ زحمات بھی گوارا کیں۔ ساتھ ہی جن ارباب علم و نظر نے ہر طرح سے دستگیری اور استمداد کا اہتمام فرمایا ان کا قلبی شکرانہ انفرادی طور پر واجب ہے۔

حیات مبارزالدولہ کے معرض تصنیف میں آنے کے تعلق سے راقم سب سے پہلے ڈاکٹر ثمینہ شوکت صاحبہ کا سپاس گزار ہے جن کے مقالہ گرامی "جہاد آزادی کا اولین مجاہد مبارزالدولہ" مطبوعہ "نوائے ادب" اکتوبر ۱۹۶۰ء کے مرکزی نظریے اور خیالات سے اختلاف نے مبارزالدولہ کے احوال کے تحقیقی جائزے کے لئے **اکسایا** کیا۔ پروفیسر صاحبہ موصوفہ کے چند دعووں پر راقم کا ردعمل اگر طالب علمانہ شدت و سختی سے اختلافی نوعیت کا نہ ہوتا تو شاید ہی اس ساری کاوش کی کوئی واقعی ضرورت لاحق ہوتی۔ مبارزالدولہ کی زندگانی کی باضابطگی و تیزی سے جستجو اور کتاب کی بعجلت تکمیل کے لئے حقیقتاً ڈاکٹر ثمینہ شوکت کی نگارشات عالیہ یعنی متذکرہ تحریر اور افسانوی کاوش "باغی شہزادہ" مشمولہ "خیال" کا مئی اپریل ۱۹۶۱ نے ہی اکسایا تھا۔ ممدوحہ کی تحقیقی و تخلیقی نگارشوں کی تحریک سے ہی اس کام کی

Marfat.com

توفیق ہوئی جو اگر کسی قابل ہے تو اس کا کریڈٹ پروفیسر ثمینہ شوکت کی تحریروں سے ملنے والی قوت کار کو جاتا ہے' اور اگر یہ کام کسی لائق نہیں تو اس کے تمام ترعیوب کی سراسر ذمہ داری اسی خاکسار پر عائد ہوتی ہے۔ مبارزالدولہ پر ان کے ادعا سے عدم اتفاق کے باوجود فاضل محترمہ کے کارنامے اور اس سقیم سی کوشش میں اس کے بنیادی عطیے کا راقم آج ۳۰ سال بعد پہلے سے کہیں زیادہ قایل و معترف ہے۔

مولانا نصیرالدین ہاشمی سے راقم نے ایک پیشرو مطالعاتی منصوبے کے جزو "دکھنی انوار سہیلی" پر حصول معلومات کے لئے گزارشیں کی ہوئی تھیں کہ مبارزالدولہ پر کام کا سلسلہ چل نکلا اور ان کی خدمت بابرکت میں حضوری کی بھی سعادت مل گئی۔ بزرگ مغفور نہ صرف پائے کے محقق تھے بلکہ طالب علم پرور اخلاق کے مالک تھے۔ چنانچہ راقم کی گزارشوں کو تحمل سے سماعت فرماتے اور تحریری سوالات کے بھی جواب عنایت کرتے۔ مبارزالدولہ پر نصیرالدین ہاشمی صاحب کے مقالات سے اٹھنے والے کسی نہ کسی مسئلے کے حل کے لئے راقم ۱۹۶۲ء میں اپنے عریضے اور معروضے بطور سایل گزرانتا تھا۔ آرٹس کالج سے "تاریخ گلزار آصفیہ" اور دوسری مطبوعات کی جلدیں اپنے معروضوں کی سند کے بطور ساتھ لے کر مولانا نصیرالدین ہاشمی کے دولت کدے واقع روبرو درگاہ حبیب شاہ کٹل منڈی قدیم پر احقر کئی بار حاضر ہوا تھا۔ مبارزالدولہ کے معاصر تذکروں کی افشاء و اخفا کی ملی جلی جھوٹ سچ کی کیفیتوں کی بنا پر راقم اپنے ذہنی اشکال پیش کرتا اور رہبری فرمانے کی استدعا کیا کرتا۔ مرحوم بزرگ بجا طور پر ارشاد کرتے تھے کہ میاں پرانے مورخین ذاتی مصلحتوں سے کہیں کچھ چھپا جاتے تھے تو کہیں بڑھا چڑھا کر لکھ دیا کرتے تھے۔ اس لئے ان کے ہر بیان یا واقعے کو بعینہٖ گویا بالکلیہ فیس ویلیو پر قبول یا فرض کرکے اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ ممدوح نے کبھی راقم کے شکوک سے اتفاق نہیں فرمایا اور خاکسار بھی ہم خیالی کی سعادت سے محروم رہا لیکن ان کے لطف و کرم کا فیض یافتہ ہونے کا احساس ہمیشہ ہی ایک قیمتی سرمایہ رہا ہے۔ مولانا نصیرالدین ہاشمی نے اپنے علم و فضل کے باوجود کبھی نہ فرمایا کہ قلمی یا بالمشافہ اکتساب کا وسیلہ اختیار کیا جائے بلکہ راقم ازخود سایلانہ طریق پر عرایض نویسی کرتا اور حاضری دیتا رہا۔ دلی افسوس ہے کہ اتنے بڑے اسکالر کی بزرگانہ شفقت فرمائی کے تئیں ممنونیت کا شرف ان کی رحلت کے بعد مل رہا ہے۔

Marfat.com

سنٹرل ریکارڈز آفس ارم منزل کے ذمہ دار حضرات کو متجسس سے طلباء سے شاید زیادہ پالا نہیں پڑا کرتا تھا۔ پھر بھی ایسا ایک شوقین جو ہاتھ دھو کر ہی پیچھے پڑجاتا ان کے نصیبوں میں تھا۔ ان صاحبان نے "حیدر آباد افیرز" کی مخزونہ مجلدات کے علاوہ اپنی مطبوعہ "کرانالاجی" سے قلمی نقول تیار کرنے کی اجازت دی نیز "فریڈم اسٹرگل" مہیا کردی جو تازہ مطبوعہ ہونے کے باوجود نایاب تھی اور غالباً" صرف وہیں ہم دست تھی۔ بعد میں ان بزرگوں کے من جملہ محترمی سید محمد اسمٰعیل صاحب نے جو دفتر کے سینئر متعلقین میں سے تھے راقم کے عریضوں کے جواب میں تاریخوں اور اندراجات سمیت کئی اطلاعیں خود اقتباس کرکے ارسال فرمایں۔ حکام دفتر کی اجازت سے منقولہ معلومات کا اضافہ نیز بخصوصیت جناب سید محمد اسمٰعیل کی توجہ فرمائی سے تواریخ کا داخلہ وانطباق باآسانی ہوسکا ورنہ ایک بڑی سوانحی ضرورت پوری نہ ہوسکتی اور یہ کمی رہ جاتی۔

۱۹۶۲ء میں مبارزالدولہ کے آخری بیٹے عابد علی خان کے پوتے صاحبزادہ میر لطف علی خان سے راقم کی اخباری اپیل کے جواب میں رابطہ استوار ہوا اور ان کی عنایات سے خاندانی شجروں کا حصول ممکن۔ صاحبزادہ موصوف نے اپنے لطف خاص سے مبارزالدولہ تک پورا سلسلہ نسب نقل فرمایا جو متعلقہ باب میں پیش ہے۔ لطف علی خان صاحب سے مبارزالدولہ کے موجودہ ورثاء کے احوال کا بھی علم ہوا اور انہوں نے دوسرے بزرگوں یعنی صاحبزادہ میر عابد علی خان کے پوتوں سے ملایا۔ البتہ مبارزالدولہ کی قبر موقوعہ درگاہ برہنہ شاہ کو راقم ان حضرات سے تعارف سے کئی ماہ قبل دریافت کرکے ۱۱ر نومبر ۱۹۶۱ء کو اس کی زیارت کرچکا تھا۔ "احاطہ مبارزالدولہ" براستہ قدیم محلہ ملک پیٹھ درگاہ اجالے شاہ کے آگے واقع ہے اور برہنہ شاہ کی درگاہ کی حدود میں مبارزالدولہ کی تدفین کا علم مورخ خورشید جاہی کی سند پر ہوتا ہے۔

جناب پی سیتو مادھورا و سرکاری تاریخ "فریڈم اسٹرگل" کی تالیف کے منصوبے کے وقت صوبائی وزارت تعلیم کے معتمد تھے اور اسی نسبت سے وقتاً" فوقتاً" قائم شدہ مجالس منتظمین و محققین کے داعی رہے۔ صاحب موصوف عہدہ دارانہ حیثیت کے علاوہ بھی تالیفی مجالس کی نظامت کے لئے نہایت درجہ موزوں شخصیت تھے کیونکہ ذاتی طور پر وہ ایک اونچے اور قابل احترام عالم تھے اور تاریخی تحقیقات سے انہیں خصوصی شغف تھا۔ متعدد محققانہ

Marfat.com

مقالات اور علاقہ مرہٹواڑی کے کئی اضلاع کے جرائد یعنی گزیٹیر کی تالیف کے علاوہ اپنے ہم زبان اور ہم نسل طبقے یعنی مرہٹوں کے خاص حوالے سے ان کی مورخانہ تصنیف "The Eighteenth Century Deccan" پایہ اعتبار کی حامل تسلیم کی گئی ہے۔ دکن کی ماضی قریب کی تاریخ پر سیتوماد ھوراو صاحب کی گہری نظر تھی اور حیدر آباد کی مخصوص سہ لسانی ریاستی ترکیب کے علمی پس منظر کے ساتھ وہ ان افاضل میں ممتاز تھے جن کی قدیم فارسی تواریخ اور تذکروں پر دسترس تھی۔ بزرگ موصوف کی اس فاضلانہ علمی دستگاہ کا بھرپور اندازہ ان کی متعدد مطبوعات سے ہوتا ہے جو فارسی منابع پر مبنی تھیں۔ "فریڈم اسٹرگل" کے مولفین کے مآخذ اور تصنیفی عمل کے نتائج پر ان کی نگاہ محققانہ و عالمانہ انداز کی تھی۔ ان کے مقدمہ کتاب کے ان ملاحظات کو رسمی یا عہدہ دارانہ نوعیت کا نہیں سمجھا جا سکتا۔

"Throughout the period 1800-1857 A.D. attempts were made by men who resented British rule to disrupt the power of the East India company. Among these the names of Raja Mahipat Ram and Mubarizud Dowla stand out prominently". (P. XV)

"Raja Mahipat Ram intrigued with Holkar while the attempts of Mubarizud Dowla were a part of the all India Movement which is generally known as the Wahabi Movement in India" (P. XV)

سیتوماد ھوراو صاحب کی اس رائے کے بارۂ خاص میں احقر یہ عرض کرنے کی جسارت کررہا ہے کہ "فریڈم اسٹرگل" کے تعارف میں ان شخصیتوں پر کھل کر لکھنے کا موقع تھا نہ اظہار اختلاف کا ورنہ درحقیقت مورخ موصوف رسماً ہی منقولہ اشارات تحریر فرمانے پر مجبور تھے۔ راقم کے معروضے کی وجہ یہ ہے کہ قریب ۳۰ برس قبل راقم نے راو صاحب ممدوح سے بھی ارتباط و استفادہ کا موقع حاصل کیا تھا اور اس ملاقات میں مبارزالدولہ کی کرداری ساخت اور سیاسی منصوبہ سازیوں پر انھوں نے جو تاثر ظاہر فرمایا تھا مختلف ہی نہیں برعکس واقع ہوا تھا۔ مارچ ۱۹۴۳ء میں اپنی بہن کو چھوڑنے کے لئے کراچی سے حیدر آباد جانا ہوا تو راقم نے واپسی کے سفر میں صوبائی معتمدی بمبئی کے دفاتر میں جناب پی سیتوماد ھوراو سے

Marfat.com

بخصوصیت ملاقات کی تھی جو کسی محکمے کے سیکریٹری تھے۔ غالباً" مرہٹہ ہونے کے سبب لسانی یا فرمائیشی بنیاد پر ان کا تبادلہ آندھرا پردیش نامی نئے تلنگو صوبے کے قیام ۱۹۵۶ء کے بعد حیدر آباد سے مہاراشٹر میں ہوگیا تھا۔ گوراو صاحب موصوف ریاست کے علاقہ مرہٹواڑا کے متوطن کے طور پر خالص اور پرانے حیدر آبادی ہی تھے۔ سیتو مادھوراو صاحب کا خمیر حیدر آباد کے ہی تہذیبی خاکدان سے اٹھا تھا اور وہ نہ صرف اردو بڑی شستہ و رواں اور بہت عمدہ بولتے تھے بلکہ فارسی مصادر پر ان کی دستگاہ عالمانہ اور محققانہ سطح کی تھی۔ حیدر آباد کی تحریکات آزادی کی تاریخ کی تدوین کے علمی منصوبے کی تحقیقی و تالیفی مجالس کے وہ ہمیشہ ہی دائمی یا معتمد کے طور پر رکن رہے۔

"مبارزالدولہ ایک سیاسی سوانح" کا مکمل مسودہ راقم جناب پی سیتو مادھوراو کے ملاحظے میں گزراننے کی غرض سے ساتھ لیتا گیا تھا تاکہ ان کی بزرگانہ رائے سے اکتساب ممکن ہو۔ وہ ابتدائی ابواب جن کے مبیضے تیار تھے پیش کرنے پر مادھوراو صاحب نے ایک طالب علم کی محنت کی داد دی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ ان کا ارشاد تھا کہ بطور مقالات کتاب کے اجزاء کی اشاعت پر تراشے حاضر کروں تاکہ وہ باقاعدہ مطالعہ فرما کر اپنی رائے گرامی عطا کرتے۔ راقم کی اپنی بدخطی نیز مادھوراو صاحب کی دفتری اور علمی کثرت کار کے باعث ان کا ان مبیضوں کو انہی دنوں ملاحظہ کرنا غیر ممکن تھا' بالاصرار عرض کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور گفتگو سے استفادہ پر اکتفاء کیا۔

پی سیتو مادھوراو صاحب کے ارشادات کا خلاصہ یہ تھا کہ ان کی نظر میں مبارزالدولہ سمیت حیدر آباد کے راہ نمایان آزادی کی ترجیحات محدود ہی نہیں مشکوک بھی تھیں اور ان کی انگریز دشمنی کی حقیقی وجوہ ذاتی انا اور ہوس اقتدار پر مبنی تھیں۔ ان کے تاثر کے مطابق مبارزالدولہ کی سرکشی کے واقعات میں اور قبل و بعد کی بغاوتوں میں فی نفسہ کوئی فرق نہیں تھا اور جاہ طلبی ہی اصل میں کارفرما تھی' ان سب عمائد میں سے کسی کو کھوئے ہوئے اقتدار کا غم تھا تو کوئی از خود حصول اقتدار کی فکر میں غلطاں و پیچاں تھا۔ مبارزالدولہ کی ضد اور دوسری مزاجی کیفیتوں کے باعث ان کی سیاست مورخ سیتو مادھوراو کی نگاہ میں شکوک و شبہات سے بالاتر نہ تھی۔ راو صاحب ممدوح ان بزرگ علماء میں سے تھے جن کی سوچی سمجھی رائے یہ تھی کہ نہ صرف مبارزالدولہ بلکہ دوسرے قائدین محض انگریز دشمنی کے جذباتی مظاہروں اور

Marfat.com

اقدامات کی بناء پر ملک کی آزادی کے بعد جو حیثیت اور اہمیت اختیار کر گئے اور اعزاز و امتیاز کے مالک قرار پائے، اس کے اتنے مستحق نہ تھے کیونکہ ان کے مزعومات مشتبہ اور منصوبے مشکوک تھے۔ ان لیڈروں کے پاس منزل کا تعین و تیقن نہ تھا اور زیادہ سے زیادہ یہی کہا جائے گا کہ اپنے اقتدار کا حصول ہی ان کے لئے نشان منزل تھا۔ مبارزالدولہ کی شوریدہ سری سے ان کے والد اور بھائی اپنے اپنے وقت میں خائف رہے کیونکہ وہ انگریز مخالف کارگزاریوں کے باوجود جاہ پرست تھے اور اس کلیے سے مثلاً "مرہٹہ قیادت کا بھی استثناء نہیں تھا کہ اپنے اپنے مقامی اقتدار کی بحالی و بازیابی ہی اس کو مقصود تھی۔ عمومی طور پر اور مبارزالدولہ کے خاص حوالے سے عزائم و مطلوبات کی محدودیت اور وسیع تر قومی ترجیحات کی عدم موجودگی پر مورخ سیتومارھوراو کے تاثرات کا ملخص یہی ہے جو راقم نے اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے اور ہر دو کو خاکسار اپنی ذاتی ذمہ داری پر ضبط تحریر میں لارہا ہے۔ راقم جہاں تک سمجھ سکا ہے اسکالر موصوف اس کے حق میں نہیں تھے کہ مبارزالدولہ وغیرہم کو تحریکات آزادی کا چیمپئن قرار دیا جائے مگر غالباً" متعلقہ محققوں اور "نظریۂ اسٹرگل" کے فاضل مورخین کا اپنا اور سرکاری موقف بھی یہی تھا اور سیتومادھوراو صاحب کے لئے تعارفی مقدمے میں منقولہ گزشتہ مصلحت اندیشانہ خیالات کے اظہار کے سوا کوئی چارا نہیں تھا۔

راقم اس وقت نیا نیا جامعہ عثمانیہ سے بی۔ اے کر کے نکلا تھا اور اعلیٰ سطحی تحقیق کے تجربے سے محروم تھا مگر اسکالر ممدوح نے اپنے زاویہ نگہ اور فرمودات کے قطع نظر اس سوانحی منصوبے کی پوری پوری ہمت افزائی فرمائی۔ راقم کا بمبئی میں چند دن اور قیام تھا اور اگر مادھوراو صاحب طلب فرماتے تو روزانہ ان کی خدمت میں حاضر ہونا مشکل نہ تھا کہ جہاز کی روانگی تک انجمن اسلام اردو انسٹیٹیوٹ میں پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی و عبدالرزاق قریشی صاحبان سے استفاضہ کے علاوہ اور مشغلہ نہ تھا۔ یہ عرض کرنے پر کہ پاکستان کی حد تک "مبارزالدولہ ایک سیاسی سوانح" کے موضوع کی پذیرائی کا امکان معدوم ہوگا کیونکہ ایک اہل علم مدیر نے یہ فرماتے ہوئے کہ "اس مرے مردہ خاندان سے کس کو دلچسپی ہوگی" کتاب کا کوئی باب شائع کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جناب بی سیتومادھوراو نے "اردو" نیز "نقوش" اور "العلم" وغیرہ کے ذکر کے ساتھ ارشاد کیا تھا کہ ان کی وساطت سے ابواب کی سلسلہ وار یا مختلف اقساط میں پیشکش کی کوشش راقم کو کرنی چاہیے جن کے علاوہ "معارف" اور

Marfat.com

"برہان" وغیرہ میں بھی مضامین طبع ہوسکتے تھے۔ سوئے اتفاق کہ حیات مبارزالدولہ سے متعلق اجزائے مطالعہ بطور مقالات شائع نہ ہوسکے لیکن راقم کی خوش بختی کہ مورخ سیتوماد ھوراو کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات زریں ان کی موقریادگار ثابت ہوئے۔

یہاں یہ اضافہ بے محل نہ ہوگا کہ ۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۳ء کے دوران مبارزالدولہ کے بشمول جن موضوعات پر راقم کے جائزے شائع ہوئے ان پر راقم نے جو قلمی نام استعمال کیا وہ اپنے انٹر کے زمانے ۱۹۵۴ء تا ۱۹۵۶ء کے چادر گھاٹ کالج کے ایک سینئر ہندو ساتھی کے انتقال سے متاثر ہوکر انھی سے منسوب کرتے ہوئے اختیار کیا تھا۔ وہ جواں مرگی کا شکار نہیں ہوتے تو فارسی کے ایک اچھے جدید اسکالر ثابت ہوتے۔ راقم بی۔اے کے لئے جامعہ عثمانیہ میں ۱۹۶۰ء میں داخل ہوا تو خیال تھا کہ وہ ڈاکٹریٹ کررہے ہوں گے مگر معلوم ہوا کہ ان کی ناگہانی موت واقع ہوچکی تھی۔ خاکسار اس دور کے کتابی منصوبوں کے اجزاء بطور مضامین اسی قلمی نام سے رسائل کو گزرانتا تھا اور مراسلت بھی اسی نام سے ہوتی۔ جنوری ۱۹۶۲ء میں والد معظم کی رحلت کے معاً بعد زیر طبع مقالات پر قلمی نام میں ان سے نسبت کے اضافے کی اطلاع مدیران کرام کو فی الفور ارسال کی اور یوں وہ "راج انیل پرشاد جلیل" کے قلمی نام سے اشاعت پذیر ہوئے۔ ترک وطن کے بعد یہاں کام کا تسلسل چونکہ پندرہ سولہ برس تک قائم ہی نہ ہوسکا۔ مختلف مواقع کی تحریروں پر علیحدہ قلمی نام درج ہوتے رہے۔ نعمانی ابن جلیل' ابن جلیل عثمانیہ' ع احمد جلیلی۔ حتیٰ کہ دسمبر ۱۹۷۸ء میں عزیز احمد کی رحلت سے متاثر ہوکر ان پر تالیفی نوعیت کے منصوبوں کا جب آغاز کیا تو موجودہ قلمی نام اختیار کیا کہ عزیز احمد کے نام نامی سے التباس اور مماثلت و مشابہت سے بچنے کی خاطر ہی سن شعور سے مختلف نام زیر استعمال رہے۔

مبارزالدولہ پر کام کی تیس سال بعد تجدید اور قلمی تکمیل کی مناسبت سے راقم خواہاں و کوشاں رہا کہ چند متون کی بازیافت کے لئے ہندوستان میں رابطہ کرے جہاں سلسلہ جنبانی کا اتفاق رہتا تھا۔ چنانچہ عرض مدعا پر ایک ظاہرا غیر متعلق بلکہ اجنبی شعبے سے وابستہ ایک نئی محسن نے مدد فرماکر بڑی محرومی سے بچالیا۔ انجینئرنگ یونیورسٹی روڑکی میں لائبریرین محترمہ ایم ایس رانا صاحبہ نے راقم کی درخواست پر ہسٹاریکل کانگریس ۱۹۵۶ء کی روداد میں شریک جناب نتی گوپال چودھری کے مقالے کا عکس مرحمت کیا۔ اس کا مترجمہ متن دونوں افاضل کے شکرانے کے ساتھ وہابی تحریک حیدرآباد ۱۸۳۸ء کے خلاصے کے بطور درج ہوا ہے کیونکہ اس

Marfat.com

سے صرف حوالوں کا اضافہ اس کی علمی وحدت اور نئی معلومات کے اعتبار سے تحت ناکافی ہوتا۔ یہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے تھیسس کا جو غیر مطبوعہ ہے اور کلکتہ یونیورسٹی میں محفوظ ایک جزو ہے اور جنابہ مس رانا صاحبہ کے علاوہ اس کا عکس پروفیسرس ایم جی واملاننی و قیام الدین احمد صاحبان کے ہاں سے بھی بعد ازاں موصول ہوا۔

بندہ نواز پروفیسر رفیع الدین ہاشمی صاحب نے ۱۹۸۶ء کے سفر حیدر آباد کی یادگار چند کتابی تحائف بغرض استفادہ ارسال فرمائے تھے جن میں ایک اسم بامسمی جدید فاضل ڈاکٹر لئیق صلاح کی تحقیق "ارسطو جاہ" بھی تھی، عکس کتاب کو دکنی کے لسانی مطالعے میں اکتساب کے خیال سے محفوظ کیا گیا تھا۔ آصف جاہ ثانی کے دور پر وقیع اطلاعات کا وسیلہ بھی یہ تصنیف ثابت ہوئی۔ راقم قبلہ رشید شکیب صاحب کا بھی رہین منت ہے کہ انہوں نے اپنی مرتب فرمائی ہوئی تالیف "سوغات دکن" اور "تحریک آزادی اور مملکت حیدر آباد" مصنفہ ڈاکٹر معین الدین عقیل عطا کی اور دونوں کتب اضافہ معلومات کی موجب رہیں۔ خاکسار کے مستقل اور انتھک زحمت فرما۔ جناب محمد ارشد خاں لیکچرار اردو اسلامیہ کالج لاہور نے باری علیگ کی تحقیق بروقت عنایت کرنے کی تکلیف کی۔

بزرگوار محتشم و معظم حضرت احسان الحق انصاری مدظلہ کی عنایات کے تئیں بھی عرض سپاس ناگزیز ہے کہ ممدوح نے اپنے کتب خانہ خاص سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تصنیف "تجدید و احیائے دین" نیز مولانا مسعود عالم ندوی کی تحقیق "محمد بن عبدالوہاب" اور محمد سلمان قاسمی فرخ آبادی کی کتاب "کاروان اہل حق کربلا سے بالاکوٹ تک" کا منت کش کیا۔ ہم دونوں کے نانا حضرت مولانا فضل حق کے دادا اور وہابی تحریک حیدر آباد ۱۸۳۸ء کے بزرگ رفیق مولانا کرامت علی صاحب کے بارۂ خاص میں ہم لوگوں کے ماموں جان مولانا صفوۃ الرحمٰن صابر کے ارشادات سے اکتساب کے لئے رہبری بھی مشفقی و محترمی جناب احسان الحق انصاری صاحب نے فرمائی۔ اپنے دو اور خالہ زاد بزرگوں کا بھی قلبی شکرانہ احقر پر واجب ہے کہ ان حضرات کے ذاتی ذخیرہ ہائے کتب سے بھی استفادہ کی سعادت راقم نے پائی تھی۔ حضرت صادق بدیع الدین کے کتب خانے میں مولانا مودودی کی متداول "دکن کی سیاسی تاریخ" کے طبع اول موسومہ "تاریخ سلطنت آصفیہ" کی ابتدائی جلد کی زیارت نصیب ہوئی تھی جب کہ قبلہ سراج الحسن نعمانی صاحب کے کتب خانے میں مولانا ابوالحسن ندوی کی "سیرت سید احمد شہید" سے اکتساب کا موقع ملا تھا۔

(کراچی، ستمبر ۱۹۹۱)

Marfat.com

مبارزالدولہ : تعارف کتابیات

استفاضہ : مصادر و منابع

فہرست ہذا کو دو انواع میں منقسم رکھا گیا ہے۔ (ا) استفاضہ اور (ب) استفادہ۔ "استفاضہ" سے مراد وہ سارے مخطوطہ و مطبوعہ مآخذ ہیں جن سے حوالے اقتباس ہوئے ہیں اور جن کا مختصر سا نام مصنف یا کتاب کے عنوان میں سے زیر استعمال ہے۔ ذیل کے اندراجات میں اولاً یہ مجمل نام ہی مذکور ہے جس کے ساتھ مکمل تعارف پیش ہے۔ "استفادہ: مطالعہ و جایزہ" سے مقصود وہ کتب اور تحریریں ہیں جن سے اخذ و اکتساب کا کوئی موقع اور نتیجتاً" دوران متن جن کا کوئی داخلہ نہیں آیا ہے البتہ ان کی معلومات جستہ جستہ مدنظر ہیں اور ضرورتاً ان کی اطلاعات سے فایدہ بھی اٹھایا گیا ہے۔

فہرس "استفاضہ" کے بارۂ خاص میں یہ معروضہ ناگزیر ہے کہ تواریخ دکن کے من جملہ کوی سی اردو فارسی اور انگریزی کتاب فی الحال احقر کی ملکیت میں تو درکنار زیرنگہ بھی نہیں ہے بلکہ ان ساری مطبوعات سے ۱۹۶۰ تا ۱۹۶۲ء کے دوران فیض یابی اور قلمی نقول تیار کرنے کے مواقع ملے تھے۔ جامعہ عثمانیہ کی لایبریری جو آرٹس کالج کا حصہ تھی نیز کتب خانہ آصفیہ اور سنٹرل ریکارڈز آفس میں ان سب کتابوں سے اقتباسات جمع کرکے راقم نے محفوظ کرلیے تھے اور وہی فارسی و اردو اور انگریزی نقول موجود ہیں۔ مبارزالدولہ سے متعلق ہر بات اور ایک ایک لفظ کو نقل کرنا راقم نے بڑا ہی ضروری فرض کرلیا تھا اور اسی لیے اغلب یہ ہے کہ مطلوبہ معلومات میں سے کوئی خدانخواستہ چھوٹ نہیں گئی ہے اور سبھی اطلاعیں منقول و محفوظ ہیں۔ اس قسم کے ماخذات میں سے فرداً فرداً ہر ایک کے حوالے میں بھی یہ صراحت کی جارہی ہے کہ ان کی اصل نہیں صرف نقل ہی سامنے ہے۔

"استفاضہ" اور "استفادہ" کی یہ تعارفی فہرستیں تاریخی ترتیب سے پیش ہیں' یعنے سنین تحریر و اشاعت کے پہلو بہ پہلو احاطہ و قایع کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے مثلاً کرنل میڈوز ٹیلر کی خودنوشت ۱۸۷۴ء کی مصنفہ ہے مگر اس کا ایک باب ۱۸۲۹ کے چشم دید احوال پر مبنی ہے اس لیے اس کا داخلہ ۱۸۲۹ کے قبل و بعد کی مطبوعات کے درمیان کیا جارہا ہے' وعلیٰ ہذا القیاس۔ اسی مناسبت سے ہر اندراج میں متعلقہ سال کا اضافہ ابتدا کردیا گیا ہے جو تصنیف و طبع اور

Marfat.com

واقعہ منقولہ کسی ایک کو نشان زد کرتا ہے۔ مستقل مطبوعات کے ہمراہ متفرق و مجمل تحریروں اور مقالات میں کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے کیوں کہ کئی کتب سے صرف ایک آدھ جملہ یا پیراگراف ہی منقول ہے۔ اسی رعایت سے معاصر علماء کے مکاتیب بھی شریک ماٰخذ ہیں۔

(۱) "اپنڈکس" (۱۸۱۵) یعنے کمپنی کی حکومت کلکتہ کے صدر دفاتر کی سرکاری فائیل جو "جنگ مبارزالدولہ" کا اولین ریکارڈ ہے۔

"Appendix B. Abstract form the Proceedings of Government in the Secret Dept. under dates the 20th & 27th September and 7th October 1815, respecting the commotions at Hyderabdad" dated Fort William 1st December 1815.

راقم کو اس کا علم آرٹس کالج کے ایوان حوالہ جات Reference Hall کے تذکرہ ہائے کتب و مخطوطات کے حصے میں موجود S.C.Hill کے مرتبہ "کیٹلاگ آف دی ہوم مسیلینیس سیریز آف دی انڈیا آفس ریکارڈس" لندن ۱۹۲۷ سے ہوا جس میں "اپنڈکس" کو اختصار سے متعارف کرایا گیا تھا۔ انڈیا آفس لائبریری کے اس مخطوطہ نمبر۶۰۳/۳ سے سات اوراق نمبری ۳۲۵ تا ۳۳۱ کی عکسی نقول راقم کی گزارش پر اسسٹنٹ کیپر کے مراسلہ نمبر آر/ ۴۱۰۱/۶۲ مورخہ ۱۵/۶/۱۹۶۲ کے منسلکات کے بطور موصول ہوئی جس پر دفتر روابط دولت مشترکہ کے شعبہ انڈیا آفس ریکارڈ کے جے آڈم کی توثیقی دستخط ثبت ہے۔ احقر "جنگ مبارزالدولہ" ۱۸۱۵ پر باب کا مبیضہ تیار کرچکا تھا کہ یہ مختصر مفید روداد حاصل ہوئی اس لیے یہ متن اجمالی تعارف کے ساتھ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے جرنل بابت جنوری ۱۹۶۳ میں اس وقت کے قلمی نام سے شائع کروایا گیا۔ اب "مبارزالدولہ: ایک سیاسی سوانح" کی حتمی مبیضہ نویسی کے موقع پر ابتدا یہ خیال ہوا کہ نگاہ واپسیں سے متعلق تجزیاتی باب میں بطور اعادہ و تلخیص "اپنڈکس" کا ترجمہ شریک رکھا جائے مگر پھر زیادہ ضروری یہ محسوس ہوا کہ ۱۸۱۵ کے باب میں ہی اصل متن کا جستہ جستہ اور مکمل اضافہ کردیا جائے۔ یہ ایک نادر دستاویز ہے جس میں سرکاری نقطہ نظر سے احاطہ و تبصرہ کیا گیا ہے۔ جو معلومات میں اہم تر اور کمپنی کی حکومت کے اپنے ردعمل پر نئے اضافوں کا وسیلہ ہے۔ "جرنل" میں اشاعت سے یہ روداد اب غیر مطبوعہ نہیں رہی ہے البتہ اس کے متن سے ماخوذ تمام تر سطور کے لیے اس کے اپنے

Marfat.com

صفحوں کا حوالہ دیا جارہا ہے۔

(۲) "نگارستان" (۱۸۱۶) یعنے "نگارستان آصفی" فارسی از سید التفات حسین خاں میر منشی رزیڈنسی مصنفہ قیاساً مابعد ۱۸۱۶ کہ ۱۲۳۱ھ تک کا احوال زیر اکتساب ہے۔ "باہتمام عزیز جنگ ولا" ولا کی کتاب کے ہمراہ شایع شدہ "محبوب السیر با نگارستان آصفی۔" سنہ ندارد۔ خانوادہ کی ولادتوں کی تفصیل منقولہ ،صفحات ۲۱، ۲۲ محفوظ ہے۔ ڈاکٹر نبی ہادی نے ،صفحہ ۲۵۳ خاص اسی برس کی مصنفہ لکھا ہے۔

(۳) "کلکتہ ریویو" (۱۸۲۴) یعنے "حیدر آباد افیرز" جلد دوم ۱۸۸۳ میں ،صفحہ ۱۳۷ منقول "کلکتہ ریویو" بابت ۱۸۴۹ میں درج سرکاری رپورٹ مورخہ ۱۸۲۴ کے مشاہدات متعلقہ محاربہ ۱۸۱۵۔ "کلکتہ ریویو" کا پورا حوالہ:

"Calcutta Review No. xxi vol. xi 1849 "Hyderabdad Papers" printed in confirmity to the Resolution of the Court of Proprietors of East India Stock on the 3rd March, 1824." Re-produced in "Hyderabdad Affairs" Vol. ii P.137 under the title "Contingent & Subsidiary Forces".

(۴) "ٹیلر" (۱۸۲۹) یعنے کرنل میڈوز ٹیلر کی سوانح مصنفہ ۱۸۷۴ باہتمام دختر الالیس

Philips Meadows Taylor : "The story of my life" London 1920.

باب ۴ جو ۱۸۲۹ کی دوگوشہ شورش تن خواہ و خزانہ کے دوسرے حصے کے چشم دید واقعات پر مبنی ہے۔ کرنل دوران "قید" قلعے میں مبارزالدولہ کی طرف سے سرکاری خزانے پر قبضے کی تدارکی مہم کا ذمہ دار تھا جس کی روئداد صفحہ ۷۵ تا ۷۹ کی نقل موجود ہے اس کے علاوہ مبارزالدولہ کی بہن کمال النسا بیگم کا ایک واقعہ بھی روایت ہوا ہے۔ ٹیلر کی دوسری نیم افسانوی و مشاہداتی تصانیف کی طرح اس کا بھی عکسی ایڈیشن حالیہ برسوں میں ہندوستان میں شایع شدہ ہے۔

(۵) "یادگار مکھن لعل" (۱۸۳۲) یعنے مکھن لعل شاہ جہاں پوری کی فارسی "تاریخ یادگار مکھن لعل" مصنفہ قیاساً مابعد ۱۸۳۲ء کہ ۱۲۴۷ھ تک کا احوال منقول ہوا ہے۔ بمطابق

Marfat.com

سرورق حسب فرمائش چارلس مٹکاف سنہ ندارد' "باہتمام مولوی سید برہان الدین احمد وکیل ہائی کورٹ سرکار نظام مطبع برہانیہ واقع حیدر آباد دکن میں رونق طبع پائی۔" چند مقامات سے کیفیت زیر اقتباس ہے گو واقعاتی تفصیل منکشف نہیں ہے۔ مختلف سنین کے حالات بطور یادداشت یا روزنامچہ مذکور ہیں مگر سال تصنیف کا کوئی حوالہ نہیں ہے' اشاعت کا برس بھی درج نہیں ہے اس لیے تعین ممکن نہ ہوسکا تھا۔ راقم کی قلمی نقول صفحات ۱۷' ۱۸' ۱۲۴' ۱۲۷ نیز ۱۸۱ سے ماخوذ ہیں جو زیادہ تر عمروں اور ولادتوں کو متعین کرنے میں کار آمد ہیں۔

(۶) "شجرۂ آصفیہ" (۱۸۳۶) یعنی فارسی "تصنیف نواب معظم الدولہ معظم الملک بدرالدین خاں ابن امیر کبیر شمس الامرا" مولفہ ۱۲۵۲ھ ربیع الاول" مطابق قریب ۱۸۳۶' تکملہ و تتمہ نواب منصور جنگ میر جہانداد علی خاں ۱۳۰۱ حکیم سید شمس اللہ قادری مطبوعہ حیدر آباد ۱۹۳۸۔ مبارزالدولہ کے بھائی نظام ناصرالدولہ کے عہد میں بزرگ شاعر میر شمس الدین فیض اور میر عبداللطیف حکیم کے حسب ایما یہ شجرہ مرتب ہوا۔ صفحات ۵۴' ۵۵' ۵۶' ۶۴' ۶۵ نیز ۷۵ سے نقل محفوظ ہے۔ مصنف کی ایک اور فارسی تالیف "وقائع معظمہ" سے سکندر جاہ کی اولادوں پر کوی اقتباس کیا اس کا اپنا پورا حوالہ بھی موجود نہیں ہے۔

(۷) "پروسیڈ نگس" (۱۸۴۰) یعنی وہابی تحریک حیدر آباد ۱۸۳۸ کے سرکاری تفتیشی کمیشن کی روداد مخبری و جاسوسی اور اعترافاتی۔

"Proceedings of the Commission of Enquiry on Wahabee Movement." As recorded / compiled 1840.

مولفہ ۱۸۴۰ مشمولہ "فریڈم اسٹرگل ان حیدر آباد" ۱۹۵۶۔ اس کی تحقیقات کا مکمل متن تو تاحال غیرشایع شدہ ہے مگر بکثرت اجزاء "فریڈم اسٹرگل" میں مطبوعہ ہیں اور باب ۱۲ میں صفحہ ۱۳۳ تا ۱۷۱ پر منقول "پروسیڈ نگس" سے مراد اس کے مختلف و متعدد سیکشنوں سے "فریڈم اسٹرگل" میں ماخوذ کثیر اقتباسات ہیں۔ اس کا اپنا علیحدہ و مستقل داخلہ یوں ناگزیر ہے کہ مبارزالدولہ سے متعلقہ تمام تر اجزاء کا ترجمہ بطور باب شریک ہذا ہے۔ ان کئی عدد سیکشنوں سے وقتاً فوقتاً اقتباس کرنے سے روداد کی معلوماتی وحدت متاثر ہوتی ہے اس لیے یک جا مترجمہ متن کی پیشکش سے ایک علمی ضرورت کی تکمیل مقصود رہی ہے۔ "فریڈم اسٹرگل ان حیدر آباد" کے اپنے تاریخی جایزوں کے لیے جو اس کے کئی ابواب سے مستفاد

Marfat.com

ہیں بذاتہ "فریڈم اسٹرگل" کا حوالہ مستعمل ہے "کتاب موجود ہے۔

(۸) "گلزار" (۱۸۴۲) یعنی فارسی "تاریخ" گلزار آصفیہ" از خواجہ غلام حسین الخاطب بہ خان زمان خان مصنفہ ۱۲۵۸ھ قریب ۱۸۴۲ مطبوعہ حیدر آباد ۱۲۶۵ھ طبع دوئم ۱۳۰۸ھ۔ یہ حیات مبارزالدولہ کے تینوں اہم حوادث بابت ۱۸۱۵ نیز ۱۸۲۹ و ۱۸۳۸ کا از خود مشاہدہ اور تذکرہ کرنے والا واحد مورخ ہے۔ معاصرین کے من جملہ سب سے زیادہ تفصیلی ریکارڈ کر گیا ہے مگر خانوادہ کا مقرب ہونے کے باعث "حذرا ے پردگیاں پردہ درے پیدا شد" والا کردار ادا کرنے میں حائل رہا ہے۔ راقم نے سب سے زیادہ اقتباسات اسی کتاب سے اخذ کیے جو صفحات ۱۰۶ تا ۱۰۹، ۱۳۳ و ۱۳۴، ۱۳۹ و ۱۴۰، ۱۴۷ تا ۱۵۱، ۱۸۴، ۳۹۰ نیز ۶۴۴ سے پندرہ اوراق میں نقل ہوئے اور جابجا درج ہیں۔ طوالت کے خیال سے دو غیر اہم بیانات قلم انداز کیے ہیں، ایک صفحہ ۱۵۶ پر دمدار ستارے پر ہے جس کے زیر اثر بقول مصنف "جنگ مبارزالدولہ" وقوع پذیر ہوئی۔ صفحہ ۱۳۹ اور ۳۹۰ پر ۱۸۲۹ کی نظربندی کے لیے مبارزالدولہ کی قلعے کو منتقلی کے سفر میں کرامت شاہ نامی مجذوب پر ان کے التفات کی منظر کشی ہے جس میں وہ محروم حواس بے نیاز ہی رہا۔ متذکرہ صفحوں سے عبارات کا اضافہ غیر ضروری معلوم ہوا گو نقل کی ہوی ہیں۔

صاحب "گلزار آصفیہ" نے مبارزالدولہ کا احوال وہابی تحریک کے دورانِ مقدمہ تذکرے کے بعد پھر روایت ہی نہ کیا اور ان الفاظ کے ساتھ فیصلے وغیرہ کی تفصیلوں سے اغماض برتا ہے: "ہر روز تا سہ ماہ حال فردا فردا وہابیاں را بدریافت تمام آوردہ بسیار کساں را از قید رہا کروند و مولوی سلیم را معہ دیگر مولویان و اشخاص مخصوصان ایشاں تاحال مقید داشتہ اند کہ رہائی ایں ہا بنظر نمی آید" (صفحہ ۱۵۱)۔ مورخ نے یہ سطریں ۱۸۴۰ میں لکھی ہوں گی جب کہ تفتیشی کمیشن کے اجلاس ختم ہو چکے تھے اور یوں مبارزالدولہ کے خلاف فیصلے کو ضبط تحریر میں لانا کیا اس کی طرف اشارہ تک سے گریزاں رہا۔ صفحہ ۶۴۷ کے اختتامیہ اور قطعہ تاریخ سے سن تصنیف ۱۲۵۸ھ ظاہر ہے جو مقدمے کے خاتمے کے چند سال بعد کا ہے مگر شاید اپنے تعلقات کے خیال سے یا پھر نظام ناصرالدولہ کے تئیں احتراماً اس نے ان کے بھائی کے خلاف فیصلے اور ان کے سزا مقید رہنے کا سرے سے ہی مذکور نہ کیا۔ ۱۸۲۹ کے واقعات میں حالت "نظربندی" میں مبارزالدولہ نے قلعے کے سرکاری خزانے پر تصرف بے جا کی جو

Marfat.com

جارحانہ کوشش کی تھی مصنف نے دو گوشہ شورش عروب و افاغنہ کے واقعاتی پس منظر کی طرح اس دوسری کارگزاری کو بھی پوری طرح صرف نگہ کر دیا۔ مورخ کا تعارف ڈاکٹر نبی ہادی نے صفحہ ۲۰۱ دیا ہے۔

(۹) "فریزر" (۱۸۵۰) یعنے وہابی تحریک ۱۸۳۸ کے دوران رزیڈنٹ کا مجموعۂ مراسلات و مکاتیب مرتبہ پسر:

"Memoirs & Correspondence of Gen. James Stuart Fraser" London 1885."

صفحہ ۳۷ و ۳۸، ۶۰ تا ۶۴ نیز ۳۱۱ سے منقولہ مندرجات جن میں فریزر کے خطوط مورخہ ۱۹/۶/۱۸۳۹ اور ۳۰/۵/۱۸۵۰ نیز اس کے بیٹے کرنل ہیسٹنگز فریزر کے مشاہدات شامل ہیں۔ فریزر کی مراسلت سے نبی گوپال چودھری نے کمپنی کی حکومت کے دفاتر کلکتہ میں مخزونہ کاغذات کی مدد سے بھی حوالے دیے ہیں جو اس مجموعے کے علاوہ ہیں۔

(۱۰) "رشید خانی" (۱۸۵۴) یعنے "تاریخ رشید الدین خانی" مصنفہ امام خان ہجر جس نے اپنے مربی اقتدار الملک رشید الدین خاں سے معنون کرکے یہ نام رکھا، مادۂ تاریخ بھی عنوانِ کتاب سے برآمد ہوتا ہے۔ "رشید الدین خانی" ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۴ مطبوعہ حیدر آباد ۱۸۶۶ صفحات ۳۲۶ نیز ۳۵۳ سے ۱۸۱۵ کے حوادث پر اشارات کی نقل موجود ہے۔ صفحہ ۳۶۴ پر وہابی تحریک ۱۸۳۸ کا غیر اہم سا حوالہ ہے جس سے متصل اپنے مربی کی شادی کے رنگا رنگ مناظر دو صفحوں پر کھینچے ہیں۔ مورخ مبارز الدولہ کا ہم عصر اور خاص کر ۱۸۳۸ کے واقعات کا عینی شاہد تھا مگر بددیانتی کے ساتھ اس کی تفصیلی قلم زد کر گیا اور معاصرانہ تاریخ نویسی کے صحت مند تقاضوں سے مجرمانہ عدم اعتناء کا مرتکب ہوا۔ وہ وہابی تحریک اور مبارز الدولہ کی اس میں شرکت کا اتنا مجمل ذکر کرتا ہے گویا کوئی بات ہی نہ تھی حالاں کہ نظام کے بھائی اور پہلے سے شہرت یافتہ مبارز الدولہ کی وابستگی نے دار الحکومت میں بڑی اہمیت اختیار کر لی تھی۔

(۱۱) "برگس" (۱۸۶۱) یعنے ہنری جارج برگس معتمد بلدیہ بمبئی کی کتاب جلد اول لندن ۱۸۶۱ صفحات ۹۸ و ۹۹

"The Nizam : His History & Relations with the British Government."

Marfat.com

واقعات ۱۸۱۵ پر مختصر اطلاعات جو اس کے دوران سکندر جاہی محل کی اندرونی کشمکش کا پردہ چاک کرتی ہیں۔

(۱۲) "خورشید جاہی" (۱۸۶۸) یعنی "تاریخ خورشید جاہی" تصنیف محمد امام خان سن ۱۲۸۴ مطابق ۱۸۶۸ مطبوعہ حیدر آباد ۱۸۷۵۔ مذکورۂ بالا "رشید خانی" کے سرپرست کے بیٹے محی الدین خان خورشید جاہ سے معنون۔ صفحہ ۴۴۸ تا ۴۵۳ میں مبارزالدولہ کے حالات سلسلہ وار تحریر کیے ہیں جس سے حسب ضرور عبارات نقل ہیں۔ بیانات افشاء اور اخفاء کا ملا جلا روپ ہیں مگر بہرحال اضافۂ معلومات کے بموجب مکمل اقتباسات کا شمول ممکن نہ ہوتا اس لیے صرف نئی اطلاعوں پر اکتفا کیا گیا تاہم خوفِ اعادہ و طوالت کے قطعِ نظر ساری تفصیل دی جاسکتی ہے۔ مورخ نے سابقہ مصنفوں کے علاوہ چشم دید راویوں سے بھی حوالے دیے ہیں چناں چہ ۱۸۱۵ کی "حقیقتِ حال" جو روایت کی ہے وہ "دیکھے ہوئے متعدد آدمیوں سے" شنیدہ ہے۔

(۱۳) "پائنیر" (۱۸۷۴) یعنی اخبار "PIONEER" الہ آباد مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۸۷۴ء اس میں ایک روداد یا مراسلہ مطبوعہ ہے جس کا علم ہونے پر راقم نے لندن سے ہی اس کا عکس حاصل کرلیا تھا۔ اس کا قلق ہے کہ وہ عکسی نقل سخت تلاش پر بھی دستیاب نہیں ہو رہی ہے نہ اس کا کوئی جزو کسی باب کے ابتدائی سیفے میں اقتباس ہوا ہے' فی الوقت صرف داخلہ دستیاب ہے۔ یہ مستحضر نہیں کہ مبصر نے آیا حیات مبارزالدولہ کے تینوں سانحات کا جایزہ لیا' غالبًا اضافہ احوال کم اور تنقیدی گفتگو میں اخذ کا امکان زیادہ تھا۔ "جنگ مبارزالدولہ" ۱۸۱۵ پر باب کے ابتدائی سیفے کے اضافوں میں ایک مقام پر یہ تاثر درج ہے کہ "اخبار پایونیر کے مبصر نے جس کا ذریعہ معلومات ہم پر ظاہر نہیں اس خصوص میں ولی عہد شہزادہ ناصرالدولہ کا بھی نام لیا ہے کہ وہ اس نظربندی کے مخالف تھے۔" چوں کہ عکسی متن فی الحال زیرِ نظر نہیں ہے راقم منقولہ عبارت اس موقع پر اضافہ نہیں کر رہا ہے البتہ اس گم شدہ دریافت کی بازیابی کے امکان کے خیال سے یہ داخلہ ضروری سمجھتا ہے۔ اختتامیہ ۱۹۹۶ کے دوران کاغذات سے برآمد ہوگیا ہے اور وہیں اقتباس بھی کیا جارہا ہے۔

(۱۴) "ٹائمس" (۱۸۷۴) یعنی "ٹائمس آف انڈیا" بمبئی مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۸۷۴ کا ایک

Marfat.com

جایزہ جو "حیدر آباد افیرز" جلد دوم میں ۔صفحہ ۲۳۵ درج ہے اور منقول ہذا۔ مبصر نے برگس کا تاثر دہرایا ہے۔

(۱۵) "حیدر آباد افیرز" (۱۸۸۳) یعنے سید مہدی علی بلگرامی معتمد محکمہ مال حیدر آباد کی ترتیب دادہ ضخیم اور بسیط تاریخی مجلدات ۲ تا ۴ مطبوعہ بمبئی ۱۸۸۳ءمملکت کے انواع و اقسام کے سرکاری مسایل اور امور و معاملات پر لاتعداد جایزوں کا مجموعہ جہاں نما۔ مبارزالدولہ کے حالات کا عکس بیرون حیدر آباد کی صحافت کے تبصروں میں رونما اور ان تالیفات میں منقول ہوتا رہا۔ فایق مولف کے موقع بموقع ملاحظات کے علاوہ حسب تفصیل اخذ و استفادہ کیا گیا ہے جو مجمل تو ہے مگر مفید بھی ہے۔

(الف) ۱۸۲۴ کی سرکاری رپورٹ مطبوعہ "کلکتہ ریویو" ۱۸۴۹ (ب) ۲۷ اکتوبر ۱۸۷۴ کے "ٹائمس آف انڈیا" سے بھی ایک مراسلے / روئیداد سے اقتباسات منقولہ جلد دوم بطور ماخذ دونوں کا اندراج گزرچکا ہے۔

(۱۶) "بلگرامی" (۱۸۸۳) یعنے سید حسن بلگرامی اور سی ولموٹ کی مشترکہ تالیف جلد اول مطبوعہ ۱۸۸۳ جس کا صرف ایک جملہ مبارزالدولہ پر ہے:

"Historical & Descriptive Sketch of His Highness the Nizam's Dominions"

(۱۷) "دربار آصف" (۱۹۰۰) یعنے غلام صمدانی خاں گوہر کی "تاریخ دربار آصف" شائع کردہ خادم العلماء ملا مراد' سنہ ندارد۔ سال تحریر بھی مذکور نہیں ہے البتہ "ناشر" سے مصنف کا سن ولادت ۱۲۸۰ معلوم ہوا ہے اور بربنائے قیاس اس نے ۵۰ برس کی عمر میں قریب ۱۹۰۰ یہ کتاب لکھی ہوگی۔ کتب خانہ آصفیہ اور جامعہ عثمانیہ میں اس کے متعدد ایڈیشن دستیاب تھے مگر کسی پر بھی سنین تصنیف و اشاعت درج نہیں۔ مورخ نے سلاطین آصفیہ میں سے سب کے ادوار کا حال "گل اول" "گل دوم" وغیرہ کے عنوان سے جمع کیا ہے۔ صفحہ ۸۷ نیز ۹۰ تا ۹۶ کی خطی نقول سے ۱۸۱۵ و ۱۸۲۹ کی پس منظری تفصیلیں سامنے لائی جارہی ہیں۔

(۱۸) "برٹن" (۱۹۰۵) یعنے : "History of the Hyderabad Contingent" از میجر ر بجنالڈ جارج برٹن مطبوعہ کلکتہ ۱۹۰۵ صفحہ ۱۱۶ سے ۱۸۲۹ کی شورش مبارزالدولہ میں دستے

Marfat.com

کے استعمال پر اقتباس محفوظ ہے۔

(۱۹) "مولانا مودودی" (۱۹۳۰) یعنی تصنیف موسومہ "دکن کی سیاسی تاریخ" جو اولاً مولانا سید ابوالاعلے مودودی کے قیام حیدر آباد قریب ۱۹۳۰ میں "تاریخ سلطنت آصفیہ" تا "دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ" کے محققانہ سلسلہ کتب کے افتتاحیہ کے بطور ثانی الذکر عنوان سے معرض تحریر میں آئی۔ کتاب کے طبع اول موسوم بہ "تاریخ سلطنت آصفیہ" سے راقم نے ابتدا اپنے بڑے خالہ زاد بھائی حضرت صادق بدیع الدین کے ذاتی ذخیرے سے استفادہ کیا تھا۔ اس کے پاکستانی ایڈیشن "دکن کی سیاسی تاریخ" کے نام سے شایع ہوا کرتے ہیں' زیر نظر غالبًا اولین طبع پاکستان ہے جس کا سرورق اور اشاعت کا اندراج بھی ضایع ہوگیا ہے۔ نظام الملک آصف جاہ بانی ریاست کے تاسیسی کارنامے پر یہ افتتاحی جلد ختم ہوجاتی ہے جس سے آگے تصنیفی عمل کی توسیع میں غالبًا "ترجمان القرآن" کا حیدر آباد سے ہی اجراء حایل ہوا۔ یہ تحقیق نہ صرف بیش قیمت پس منظری معلومات کا مجموعہ ہے بلکہ آصفی ادوار پر کئی قلمی ماخذات کو بھی منکشف کرتی ہے جن کو سید مودودی کے ذوق تدقیق نے بازیاب کر دکھایا اور جو نوادر میں سے ہیں۔

(۲۰) "تاریخ دکن" (۱۹۳۰) یعنی اختر یار جنگ اختر مینائی اور فصاحت جنگ جلیل کی مشترکہ تصنیف "تاریخ دکن از عصر حکومت ہنود تا عہد سلاطین اسلام" مطبوعہ حیدر آباد ۱۳۴۸ھ قریب ۱۹۳۰/۱۹۳۵۔ صفحہ ۴۷۶ و ۴۷۷ پر مبارزالدولہ کا مختصر ترین حوالہ جس میں وہابی تحریک کا ذکر ہی بے حد سرسری ہے' نہیں معلوم اس ضخیم کتاب کی دوسری تفصیلوں کے اعتبار و استناد کی کیا حقیقت ہے۔ مبارزالدولہ کے معاصر اور قریبی متعاقب ادوار میں حیدر آباد میں جو کتابیں تاریخ اور تذکرہ کی لکھی گئی ہیں ان میں ان کا کچھ نہ کچھ حال کسی نہ کسی طور تو آیا ضرور ہے' مگر "دربار آصف" سے لے کر اس "تاریخ دکن" تک اور غالبًا بعد میں بھی انگریزوں کے اثر و نفوذ کے زمانے کی مطبوعات میں مبارزالدولہ کا حال کجا وہابی تحریک کا تک ذکر مفقود بلکہ معدوم ہوگیا ہے۔

(۲۱) "سکندر جاہ" (۱۹۴۲) یعنی "سکندر جاہ آصف جاہ ثالث" نامی مختصر رسالہ از سید مراد علی طالع مطبوعہ حیدر آباد ۱۹۴۲۔ صفحہ ۲۲ سے "اولاد" کے من جملہ صرف دختروں کی فہرست نقل ہوئی ہے۔

Marfat.com

(۲۲) "الحق" (۱۹۴۶) یعنے مولانا صفوۃ الرحمٰن صابر مدیر ماہ نامہ "الحق" حیدر آباد کا اداریہ رمضان ۱۳۶۶ھ قریب ۱۹۴۶۔ راقم الحروف بزرگ مغفور کا خواہرزادہ ہے۔ اداریہ "فکر و نظر" میں نانا حضرت مولانا فضل حق کے دادا مولانا کرامت علی صاحب کا حوالہ ہے۔ "مبارزالدولہ: ایک سیاسی سوانح" کے اوراق میں اسی حوالے سے سند لی گئی ہے کہ مولانا کرامت علی مبارزالدولہ کے معاصر اور وہابی تحریک حیدر آباد ۱۸۳۸ کا ایک کردار تھے۔

(۲۳) "ڈاکٹر زور" (۱۹۵۱) یعنے تصنیف زور "داستان ادب حیدر آباد" مطبوعہ ۱۹۵۱۔ مبارزالدولہ کے اتالیق "میر شمس الدین محمد فیض" کے تذکرہ صفحہ ۱۳۴ تا ۱۳۵ میں سے صفحہ ۱۳۶ کا اقتباس۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے پیشرو تالیف "فیض سخن" حیدر آباد ۱۹۳۷ کے سوانحی مقدمے میں بھی متعلقہ اطلاع تحریر فرمائی تھی۔ آزاد کشمیر کے فاضل محقق جناب سید عالم (ایس اے کیانی) نے اپنے مقالے "میر شمس الدین محمد فیض" مندرجہ "سیارہ" لاہور مئی ۱۹۷۱ میں "فیض سخن" مرتبہ پروفیسر زور کی سند پر مبارزالدولہ کے شاگردانہ تعلق کا حوالہ دیا ہے مگر منقولہ فہرس تلامذۂ فیض میں مبارزالدولہ کا نام درج نہیں ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ مبارزالدولہ شاگرد اور تربیت یافتہ فیض ہی تھے نہ کہ تلمیذ حضرت فیض۔

(۲۴) "کرانالوجی" (۱۹۵۴) یعنے "دی کرانالوجی آف ماڈرن حیدر آباد" مرتبہ و مطبوعہ سنٹرل ریکارڈز آفس ۱۹۵۴۔ صفحہ ۱۵۴ تا ۱۵۶، ۱۶۸، ۱۹۴ و ۱۹۸، ۲۰۲، ۲۱۶ نیز ۲۷۴ سے منقولہ تفصیلات۔ یہ حیات مبارزالدولہ کے تینوں حوادث پر مستند اطلاعات کو جامع ہیں نیز ۱۸۲۲ و ۱۸۲۶ کا بھی کچھ مذکور ان میں ہے۔ "مبارزالدولہ: ایک سیاسی سوانح" کے لیے مختصر سی قیمتی و معتبر معلومات کا منبع۔ حیدر آباد کی عام خاص اور تمام تر سیاسی تاریخ کا یہ روزنامچہ مکمل طور پر سرکاری اسنادات اور فائلوں سے ماخوذ اور انھی سے محصلہ کیفیات پر مبنی و مشتمل ہے۔ سلاطین آصف جاہی کا شجرۂ نسب تواریخ میں مندرج ہے مثلاً شاہ تجلی علی تجلی کی فارسی "تزک آصفیہ" وغیرہا لیکن "کرانالوجی" کے لیے سرکاری ریکارڈ میں محفوظ سنین ولادت وغیرہ سے سند لی گئی ہے مثالاً محکمہ آثار قدیمہ میں مخزونہ "تختۂ سلاطین آصفیہ" اور کتابچہ یا فہرس موسومہ "جاگیرداران و انعام داران فرخندہ بنیاد حیدر آباد۔"

(۲۵) "سیاست" (۱۹۵۵) یعنے مولانا نصیرالدین ہاشمی کا مقالہ "جنگ آزادی میں حیدر آباد

Marfat.com

کا حصہ: جنگ آزادی کا پہلا قیدی" روزنامہ "سیاست" مورخہ ۲۶ جون ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۔ "فریڈم اسٹرگل" نامی سرکاری تاریخ کی تحقیقی و تالیفی مجالس مین مولانا ہاشمی بھی رکن رہے اور یہ مقالہ اسی اثناء میں تحریر فرمایا۔ بقول خود مولانا نصیرالدین ہاشمی نے مقالہ کی تصنیف میں غیر مطبوعہ ذرائع سے بھی استفادہ فرمایا اور مبارزالدولہ کا یہ اولین تعارف تحریر کیا۔

(۲۶) "تحریک مجاہدین" (۱۹۵۵) یعنی مولانا غلام رسول کی تحقیق مصنفہ و مطبوعہ لاہور ۱۹۵۵ء وہابی تحریک حیدر آباد ۱۸۳۸ء کے منتظم اعلیٰ مولوی محمد سلیم کے پیشرو ناظمین مولوی سید محمد علی رام پوری اور مولانا ولایت علی عظیم آبادی کی حیدر آباد میں ماموری کا ابتدائی اور مختصر ذکر ہے۔ پیش نظر متعاقب ایڈیشن ہے' سن ندارد۔

(۲۷) "سرگزشت مجاہدین" (۱۹۵۶) یعنی مولانا مہر کی متصل تصنیف کا طبع تازہ' سن ندارد۔ حصہ دوئم "مولوی سید نصیرالدین دہلوی" کا باب ۸ "دکن میں دعوت و تبلیغ" حیدر آباد میں تحریکی ارتقاء پر نایاب و موثر معلومات کو جامع ہے جو بیشتر مبارزالدولہ کے بارۂ خاص میں ہے۔ وسعتِ کار اور طولِ عمل کے باعث فائق محقق نے مبارزالدولہ کے سابقہ سیاسی مشاغل حیطۂ نگاہ و قلم میں لانا شاید مناسب خیال نہ فرمایا' غالباً" دکنی مطبوعات بھی زیر ملاحظہ نہ ہوں گی۔ مبارزالدولہ کی تحریکی مصروفیات پر مولانا غلام رسول کے مصادر میں سے صرف ایک کا حوالہ درج ہے یعنی مخطوطہ "اخبار مولوی سید نصیرالدین دہلوی" جس تک اور کسی محقق کی رسائی نہیں ہوئی۔ مولانا کی منقولہ سب اطلاعات نادر اضافہ ہیں جو غالباً" اسی فارسی "اخبار نصیرالدین" سے منقول ہیں اور آئندہ مواقع پر زیر اقتباس "مبارزالدولہ ایک سیاسی سوانح" کی تکمیل کے حتمی مرحلے میں مولانا مہر کی یہ جڑواں تصانیف نظرافروز ہوئی ہیں اور اس تنگ وقت میں قلمی "اخبار سید نصیرالدین" کی جستجو کی کوشش بامراد نہ ہو سکی ہے۔ ان تحقیقات میں مبارزالدولہ کے اپنے کوائف کے فقدان کے نقصانات کے من جملہ یہ بھی ہے کہ حیدر آباد میں وہابی تحریک ۱۸۳۸ء کے اصل روح رواں مولوی محمد سلیم کا حوالہ محض ایک سطر تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ جنوب میں تحریکی کارگزاریوں کی توسیع کا بھی کوئی تذکرہ نہیں ہے جب کہ حیدر آباد کی حد تک اشاعت اور سندھ کی سفارت دونوں کے تعلق سے حیدر آباد کو مرکزی حیثیت دینے میں مولوی سلیم کا تنظیمی عمل بالکلیہ نظرانداز ہوگیا ہے۔ بااین ہمہ "دکن میں دعوت و تبلیغ" کا مختصر مفید باب علمی انکشافات سے مملو ہے اور اندازہ یہی ہے کہ آئندہ اگر

Marfat.com

"اخبار مولوی سید نصیرالدین دہلوی" کا خطی نسخہ بازیاب ہوگیا تو "مبارزالدولہ: ایک سیاسی سوانح" میں پر مغز اضافوں کی بنیاد بن سکے گا۔

(۲۸) "فریڈم اسٹرگل" (۱۹۵۶) یعنی حیدر آباد کی سرکاری تاریخی تالیف جو بڑا معتبر تحقیق وسیلہ ثابت ہوئی ہے صرف مجلد اول۔

"The Freedom Sruggle in Hyderabad" Vol.1 Hyderabad 1956.

دو ابواب بعنوان "مبارزالدولہ" اور "مبارزالدولہ اور وہابی تحریک" خاص الخاص اور غیر معمولی قدر و قیمت کے حامل ہیں۔ ثانی الذکر میں تفتیشی کمیشن کی روداد کے کیثرا" کثیرہ اقتباسات کے ہمراہ رزیڈنسی ریکارڈز سے برآمد ہونے والے مراسلوں اور کاغذات سے خوب خوب تفصیلیں جمع کی گئی ہیں۔ جن سے راقم نے حتی الوسع فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ تحقیق اس تاریخ کی ترتیب و تسوید کے لئے مقررہ سرکاری مجلس کی طبع کردہ ہے۔ صوبائی محکمہ تعلیم کے معتمد وقت اور مؤرخ پی سیتاما دھوراو مصنف "دی اٹھینتھ سنچری دکن" اس مجلس کے داعی و ناظم تھے، ارکان میں مولانا نصیرالدین ہاشمی اور جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر قاسم علی سجن لعل مصنف "اسٹیڈیز ان دی ہسٹری آف دکن" جیسے افاضل موجود تھے۔ متذکرہ ابواب کے علاوہ دیگر اجزاء بھی تاریخی نوادر کا مجموعہ ہیں جنھیں درجہ استناد حاصل ہے کہ دستاویزات ان کی اساس ہیں۔

(۲۹) "نینی گوپال چوہدری" (۱۹۵۶) یعنی مقالہ مصنف مندرجہ روداد تاریخی کانگریس اجلاس آگرہ ۱۹۵۶ء بعنوان

"The Wahabi Conspiracy in Hyderabad 1838-1840" (PP. 343-353)

ڈاکٹر قیام الدین احمد کی تاریخ سے علم ہوا اور عکس مضمون محترمہ ایم ایس رانا صاحبہ یونیورسٹی لائبریرین روڑکی سے حاصل ہوا۔ چونکہ ابواب متعلقہ کی تازہ ترین اور حتمی مبیضہ نویسی کے بعد موصول ہوا جابجا اضافے ناممکن تھے، تجزیاتی حصے میں مکمل ترجمہ پیش ہے تاکہ نئے انکشافات کا شمول ہو سکے۔

(۳۰) "مقالہ صبا" (۱۹۵۷) یعنی مولانا نصیرالدین ہاشمی کی تحریر "۱۸۵۷ اور حیدر آباد" مطبوعہ ماہ نامہ "صبا" حیدر آباد اگست ۱۹۵۷ء۔ مبارزالدولہ کے حالات کا مختصر مفید تذکرہ و تبصرہ جو فاضل محقق کی سوانحی دلچسپی کا مظہر ہے۔

Marfat.com

(۳۱) "مقالہ ساقی" (۱۹۵۷) یعنی مولانا ہاشمی کی مستقل نگارش موسومہ "جنگ آزادی ہندوستان میں حیدر آباد کی جدوجہد" مشمولہ "ساقی" کراچی ستمبر ۱۹۵۷۔ مبارزالدولہ کے واقعات کا اجمالی ذکرو جائزہ جو مولانا کی دل بستگی کا نمونہ ہے۔

(۳۲) "مقالہ ہاشمی" (۱۹۶۰) یعنی مولانا ہاشمی کا "نوائے ادب" جنوری ۱۹۶۰ء میں مندرج مطالعہ "حیدر آباد میں جنگ آزادی کا اردو ادب" جو مبارزالدولہ پر مفید اشارات رکھتا ہے۔ ۱۹۶۲/ ۱۹۶۳ کی ملاقاتوں کے دوران فایق مقالہ نگار کا عطیہ۔

(۳۳) "ڈاکٹر ثمینہ شوکت" (۱۹۶۰) یعنی پروفیسر صاحبہ موصوفہ کا جائزہ "جہاد آزادی کا اولین مجاہد: مبارزالدولہ" جو "نوائے ادب" اکتوبر ۱۹۶۰ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ پہلی پہلی نگارش جس نے مبارزالدولہ کی زندگانی کے بغایر مطالعے کے لئے ایک طالب علم کے جذبہ تجسس کو فی الفور مہمیز کرکے تیزی سے آمادۂ عمل کیا اور مختصر ترین عرصے میں اسی سنگ بنیاد پر "مبارزالدولہ: ایک سیاسی سوانح" کی یہ عمارت کھڑی ہو سکی۔ تین عشروں سے زائد بعد محض اس ڈر سے کہ کہیں عزیز احمد کا کہا پورا ہونے کا وقت آجائے کہ

نہیں اس کاخ کی ترمیم و مرمت ممکن
اس عمارت سے ہوا جاتا ہے مزدور الگ

اس عمارت کا یہ مزدور اب اس کی تزئین و آرائش کرکے اپنی اس حقیر سی قلمی مزدوری کی کارگزاری ارباب ذوق کی نذر کر رہا ہے۔

ڈاکٹر ثمینہ شوکت صاحبہ کی معلومات کا محور "گلزار آصفیہ" ہے مگر چندولعل کی حیات و شاعری پر ان کی تحقیق کے باوجود مقالے میں دوسرے ہمعصر منابع کے حوالے مفقود ہیں، گو ممدوحہ نے چندولعل پر کتاب میں مبارزالدولہ کا تذکرہ شریک رکھا ہوگا جیسا کہ قیاس غالب ہے۔

مبارزالدولہ کی معاصر تواریخ کے علاوہ خود جدید دور کی اہم ترین تحقیق "فریڈم اسٹرگل" بھی مقالے میں بے اعتنائی کی نذر ہوگئی ہے۔ جس کا فقط یہ حوالہ دیا گیا ہے۔ "فریڈم اسٹرگل ان حیدر آباد میں مبارزالدولہ کو جنگ آزادی کے پہلے مجاہد کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔" (صفحہ ۱۹) پروفیسر صاحبہ ممدوحہ نے مبارزالدولہ کا ایک قصیدہ اپنی ادبی دریافت کے طور

Marfat.com

پر مقالے کے ہمراہ شائع کیا' جس کا حوالہ اتفاقاً" تشنہ رہ گیا اور راقم کے التماس پر انہوں نے اپنے والا نامہ میں اس کی صراحت فرمائی جو آگے منقول ہے۔ مبارزالدولہ کا کہا ہوا مدحیہ قصیدہ شعری و ادبی سے زیادہ سوانحی و سیاسی اہمیت رکھتا ہے جیسا کہ اس کے اشارے کنائے مظہر ہیں۔ چونکہ یہ قصیدہ ایک بار کا طبع شدہ ہے اور شاعرانہ کمال کیا کسی خوبی کا حامل نہیں ہے۔ راقم نے ذریعہ ہذا اس کے اعادہ کی سرے سے ضرورت محسوس نہیں کی۔

(۳۴) "قاموس الکتب" (۱۹۶۱) یعنی "قاموس الکتب اردو" مرتبہ انتظام اللہ شہابی برائے انجمن ترقی اردو کراچی۔ ۱۹۶۱ء

(۳۵) "تذکرۂ زور" (۱۹۶۱) یعنی ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کا ترتیب دادہ "تذکرۂ مخطوطات ادارۂ ادبیات اردو" جلد ۴' صفحہ ۲۵۷۔ مخطوطہ ۸۹۲ جو حضرت تمکین کاظمی کا معطیہ بے نام قلمی تذکرہ ہے اور زور صاحب نے فاضل معطی سے اس کو معنون فرمایا۔ مبارزالدولہ کی ایک غزل سے تین اشعار درج ہیں جو ادارۂ ادبیات کے مراسلے کی سند پر اور ادارہ کے شکریے کے ساتھ مبارزالدولہ کے ابتدائی حالات کے باب میں منقول ہیں۔ غزل اصلاح شدہ معلوم ہوتی ہے اور بسا غنیمت۔ مخطوطے کا عنوان بعد ازاں "تذکرہ عروس الاذکار" معلوم ہوا ہے۔

(۳۶) "مکتوب ادارہ" (۱۹۶۱) یعنی ڈاکٹر زور کے ادارہ ادبیات کا مراسلہ ۸۸' مورخہ ۳ نومبر ۱۹۶۱ء مخطوطہ "عطائے تمکین" متذکرۂ بالا سے مبارزالدولہ کی غزل کے تین اشعار تحریر کرکے راقم کو عطا کیے گئے جو پیش ہو رہے ہیں۔

(۳۷) "یادداشت" (۱۹۶۱) یعنی ۹ نومبر ۱۹۶۱ کو مبارزالدولہ کے مزار پر فاتحہ خوانی کے موقع کی راقم کی یادداشت جو باب موسوم "مرگ آشفتہ سر" میں بعینہٖ منقول ہے۔ درگاہ برہنہ شاہ میں واقع اس "احاطہ مبارزالدولہ" کا منظر تین عشروں کے بعد بھی آنکھوں میں بسا ہوا ہے مگر حسرت یہ ہے کہ مبارزالدولہ کی قبر کی تصویر بنوانے کا اتفاق نہیں ہو سکا تھا۔

(۳۸) "لاطوش" (۱۹۶۲) یعنی مقالہ مصنف شائع شدہ ہندوستان ٹائمس" دہلی سنڈے میگ" ۱۴ار ار ۱۹۶۲

Theodore W. LA Touche: "The Princely Prisoner of Golconda."

134202

Marfat.com

یہ شمارہ راقم نے اخبار کے دفتر سے بطور خاص حاصل کیا تھا کیونکہ اس میں اہم ترین انکشاف مبارزالدولہ کی تصویر کا تھا۔ یہ تصویر "مبارزالدولہ : ایک سیاسی سوانح" کی زینت ہے۔ راقم نے انہی دنوں اخباری تصویر کا نگیٹو تیار کروا کے محفوظ کیا ہوا ہے۔ فاضل مقالہ نگار حیدر آباد کے ہی عالم تھے اور سکندر آباد میں مقیم جس میں عیسائی برادری رہائش پذیر تھی۔ اسکالر موصوف سے اپنی ہی بے توفیقی سے ملاقات اور یا مراسلت کا کوئی موقع نہ ہوا اور یوں تصویر کے ذریعے سے لاعلمی ہی رہی۔ سوئے اتفاق کہ تراشہ بھی نہیں معلوم کس طرح غایب یا تلف ہوگیا' فی الحال موجود نہیں اور نہ ہی کوئی تاثرات ابتدائی مبیضوں میں منقول گو راقم کی کتابیات میں مقالے کا عنوان درج ہے۔ یہ یاد رہے کہ مضمون میں زیادہ تر وہابی تحریک کے حوالے سے ہی مبارزالدولہ کا تعارف تھا۔

(۳۹) "مکاتیب ثمینہ شوکت" (۱۹۶۲) یعنی ڈاکٹر ثمینہ شوکت کے کرم نامے جن میں پروفیسر صاحبہ موصوفہ نے راقم کی استدعا پر کچھ سوالوں کے صایب جواب سے مستفیض کیا۔ مقالہ "نوائے ادب" میں اتفاقیہ ڈاکٹر صاحبہ محترمہ کے دریافت اور شائع کئے ہوئے مبارزالدولہ کے قصیدے کا حوالہ نامکمل تھا' ممدوحہ نے مکتوب والا مورخہ ۴ مئی ۱۹۶۲ء میں ارشاد کیا۔ "مبارزالدولہ کا قصیدہ مجھے جس بیاض میں دستیاب ہوا وہ کتب خانہ سالار جنگ کی مخزونہ ہے' بیاض کا نمبر ۳۸ ہے۔"

(۴۰) مکتوب لطف علی" (۱۹۶۲) یعنی صاحبزادہ لطف علی خان کا تلطف نامہ مورخہ ۲۴ر جون ۱۹۶۲۔ راقم کی اخباری اپیل طبع شدہ "سیاست" ۱۲ر جون ۱۹۶۲ء کے جواب میں مبارزالدولہ کے آخری فرزند صاحبزادہ میر عابد علی خاں کے پوتے لطف علی صاحب نے مختصر خط لکھا تھا جس کے بعد صاحبزادہ موصوف سے رابطہ و استفادہ کا سلسلہ رہا۔ بعد ازاں اپنے خاندانی شجروں سے دو نقول خود تیار کر کے عطا کیں جو ان کے دادا اور مبارزالدولہ کے سب سے چھوٹے بیٹے تک کے سلسلہ کی شاہد ہیں۔ ان نقول کے ہمراہ کوئی خط نہیں ہے اور اغلب ہے کہ وہ نقلیں راقم نے لطف علی صاحب سے ملاقاتوں میں حاصل کی تھیں۔

(۴۱) مکاتیب اسمٰعیل" (۱۹۶۲) یعنی جناب سید محمد اسمٰعیل صاحب منتظم سنٹرل ریکارڈ آفس کے مکرمت نامے۔ فاضل موصوف سے ارم منزل میں ملاقات و رہبری سے استفادہ کے بعد راقم نے کچھ ممنون کے تعین کے لئے گزارش کی تھی۔ ایک ایرو گرام پر درج سکندر جاہ کے

Marfat.com

خاندان کے افراد سے متعلقہ تاریخوں اور ان کے متبادل عیسوی و اسلامی سال کی نشاندہی کے معروضے پر اسمٰعیل صاحب نے تکملہ کر کے مرحمت کیا۔ ساتھ ہی ۱۴ر جولائی ۱۹۶۲ کے خط میں کچھ اور صراحتیں بھی تحقیق سے تحریر فرمائیں۔ صاحب موصوف نے "مطلوبہ متبادل ہلالی و عیسوی تواریخ" کے حصول و اندراج کیلئے "کرانالوجی کے علاوہ مختلف کیلنڈرز Indian Ephemeries وغیرہ کو ریفر (Rèfer)" کرنے کی زحمت گوارا کی۔ جناب سید محمد اسمٰعیل کے ان تقویمی ماخذات کو Consult کرنے کا فیضان راقم کی کاوشوں کو حاصل ہوسکا اور ان کی راہنمائی کی روشنی میں سکندر جاہ و فضیلت النساء بیگم کی اولادوں پر متعلقہ حصے میں اضافے کئے جو بطور مضمون شایع شدہ ہے مگر بخیال طوالت اس کتاب سے محذوف ہے۔

"مبارز الدولہ: ایک سیاسی سوانح" میں قمری اور مسیحی سال کے کسی مقام پر تطابق میں کوئی خامی اگر واقع ہوئی ہے تو اس غلط اطلاق کی ذمہ داری خود اسی خاکسار پر آئے گی۔ اسمٰعیل صاحب موصوف کے متعین کیے ہوئے چند سنین کی مناسبت سے راقم نے ۱۴ار رمضان ۱۲۰۸ھ منگل مطابق ۱۵ار اپریل ۱۷۹۴ تا ۹ر جمادی الثانی ۱۲۹۳ھ بموافق ۲ر جولائی ۱۸۷۶ تک کوئی ۳۵ تاریخوں کے انطباق کی فہرست سازی کی۔ انہی اندراجات کو کتاب میں حسب ضرورت منطبق کردیا گیا ہے اور ممکن ہے اس فہرست کی تیاری میں کوئی غلطی ہوگئی ہو۔ مبارز الدولہ کی معاصر ساری ہی مقامی اردو فارسی کتب میں ہجری سن و تاریخ کا داخلہ جگہ جگہ ملتا ہے جو منقول ہے اور حقیقتاً" وہی درست و معتبر ہے۔ راقم کی طرف سے متبادل عیسائی ماہ و سال کا اطلاق بعض مقامات پر تو مصدقہ ہے مگر زیادہ تر قیاسی ہے جس میں کچھ فرق و اختلاف ممکن ہے واقع ہوگیا ہے۔ جناب سید محمد اسمٰعیل صاحب کی کرم فرمائی کے بغیر متبادل اندرجات غیر ممکن ہوتے اور ان کے استخراج اور استعمال میں جو بھی غلطی رونما ہوئی ہو اس سے وہ یقیناً" بری الذمہ ہیں۔

(۴۲) مکاتیب ہاشمی" (۱۹۶۲) یعنی مولانا نصیرالدین ہاشمی کے نامہ ہائے شفقت جن میں مرحوم بزرگ نے راقم کی سایلانہ گزارشوں سے اعتناء فرمایا۔ یہ مکتوبات ۱۹۶۲ء کی آخری سہ ماہی کے تحریر فرمائے ہوئے ہیں۔

(۴۳) "ڈاکٹر قیام الدین احمد" (۱۹۶۶) یعنی پروفیسر موصوف کی تحقیق مترجمہ پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی بعنوان "ہندوستان میں وہابی تحریک" بسال ۱۹۷۱ء طبع دوئم کراچی ۱۹۷۶۔

Marfat.com

باب ۴ "ولایت علی و عنایت علی" کا جزو (ب) موسوم "حیدر آباد میں وہابی سازش" بصفحات ۱۶۵ تا ۱۶۹ مفید اطلاعات سے پر ہے۔ البتہ مبارزالدولہ کے دو گزرے ہوئے ادوار سے فاضل محقق بھی لاعلم رہ گئے ہیں جبکہ تحریکی عہد کی ان تفصیلات سے بھی بے خبر ہیں جو دکنی ذرائع سے منکشف ہوتی ہیں۔ غالباً" طوالت کے خیال سے نینی گوپال چودھری سے معلومات زیادہ اقتباس نہیں کیں حالانکہ جنوب کے ارتقائے تحریک پر یہ ان کا واحد وسیلہ تھا۔ مولانا مہرکی دریافت "اخبار نصیرالدین" اغلب ہے کہ پروفیسر قیام الدین کو ہمدست نہیں ہے تاہم ان کی تحقیقات کی افادیت پر کوئی فرق نہیں پڑا۔

(۴۴) "وہابی مومنٹ" (۱۹۶۶) یعنی ڈاکٹر قیام الدین احمد کی اصل انگریزی تصنیف کا متعاقب پاکستانی ایڈیشن اسلام آباد ۱۹۷۹۔ مسودہ کتاب کی تسوید و تہذیب کے بعد حاصل ہوا' متن میں جستہ جستہ اضافے ممکن بنائے گئے۔

(۴۵) "بمبئی مخطوطات" (۱۹۹۰) یعنی ڈاکٹر حامد اللہ کا تحقیقی تذکرہ "کتب خانہ جامع مسجد" کے اردو مخطوطات "نئی دہلی ۱۹۹۰" حالات محمد علی واعظ احوال مدراس" نامی نسخے کی کیفیت سے وہابی تحریک کے مدراس میں نفوذ نیز اس کے اثرات کے خلاف علمائے سو کے رد عمل کی تفصیل منقول ہوا ہے۔ حتمی تکمیل کار کے طور پر اوایل ۱۹۹۴ء میں ذیلی سرخی کے تحت اضافہ شدہ۔

استفادہ : مطالعہ و جائزہ

جیسا کہ عرض ہوا مطبوعات ذیل اندریں اثناء زیر نظر رہی ہیں مگر ان سے کسی خاص حوالے کی نوبت نہیں آسکی ہے۔ چند ایک سے بعض جگہ اقتباس کی ضرورت تو تھی لیکن طول عمل کا سبب ہوتا۔ باقاعدہ اخذ و اندراج کے بجائے ضرورتاً" متعلقہ مقامات لو زیر نگاہ رکھنے تک محدود رہنا پڑا ہے۔ قوسین کا سال طبع اول یا سنہ تصنیف کا ہے اور ترتیب سن وار ملحوظ ہے کتابیں اور تحریریں علیحدہ درج ہیں۔

(الف) کتب پیش نگہ:

(۱) مولوی سید امجد علی اشہری "ٹیپو سلطان" (۱۹۰۸) دہلی ۱۹۹۰۔

Marfat.com

(۲) سید ابوالاعلیٰ مودودی "تجدید و احیائے دین" (۱۹۴۰) لاہور ۱۹۷۱ء۔

(۳) مسعود عالم ندوی "محمد بن عبدالوہاب" (۱۹۴۱) فیصل آباد ۱۹۷۵ء۔ مع مکتوب مورخہ قریب ۱۹۳۵ موسومہ سید الطاف علی بریلوی مندرجہ "العلم" کراچی ستمبر ۱۹۹۱ء۔

(۴) باری علیگ "کمپنی کی حکومت" (۱۹۴۵) لاہور ۱۹۶۹ء۔

(۵) محمد سلیمان قاسمی فرخ آبادی: "کربلا سے بالاکوٹ تک" (۱۹۷۱) دہلی ۱۹۸۷ء۔

(۶) عبداللہ فہد فلاحی: "تاریخ دعوت و جہاد برصغیر کے تناظر میں" (قبل ۱۹۷۶) کراچی ۱۹۸۸ء۔

(۷) شیخ سعید اختر: "مسلمان تاریخ نویس" لاہور ۱۹۷۶ء۔

(۸) ثناء الحق صدیقی: مسلمان مورخین" (ترتیب و مقدمہ) کراچی ۱۹۷۷ء۔

(۹) پروفیسر ابوالنصر محمد خالدی: تقویم ہجری و عیسوی" دہلی مارچ ۱۹۷۷ء۔

(۱۰) پروفیسر گوربخش سنگھ کپور: "ہسٹری آف انڈیا: برٹش پیریڈ: ۱۹۴۷/۱۷۵۷" (قبل ۱۹۸۶) دہلی ۱۹۸۹ء۔

(۱۱) ڈاکٹر لئیق صلاح: "عہد ارسطو جاہ: علمی و ادبی خدمات" حیدر آباد ۱۹۸۶ء۔

(۱۲) ڈاکٹر مبارک علی خاں: "تاریخ سندھ: مغل دور حکومت" لاہور ۱۹۸۷ء۔

(۱۳) محمد سعید صدیقی: "مسلمان مورخین کا اسلوب تحقیق" لاہور ۱۹۸۸ء۔

(۱۴) رشید شکیب: (مرتب و مولف): "سوغات دکن" کراچی ۱۹۸۹ء۔

(۱۵) ڈاکٹر معین الدین عقیل: تحریک آزادی اور مملکت حیدر آباد" کراچی ۱۹۹۵ء۔

(۱۶) ڈاکٹر مبارک علی: "برصغیر میں مسلمان معاشرہ کا المیہ" لاہور ۱۹۹۳ء۔

(پروفیسر صادق علی گل کی تصنیف "اسلامی تاریخ نویسی کا آغاز و ارتقا" مطبوعہ ۱۹۹۳ کا صرف علم تاحال ہو سکا ہے۔)

(ب) نگارشات سوانحی و تاریخی:

(۱) نظام الملک آصف جاہ: "فاؤنڈر آف دی حیدر آباد اسٹیٹ" از ڈاکٹر یوسف حسین، در: "اسلامک کلچر" حیدر آباد شمارہ ہائے ۱۹۳۴، ۱۹۳۵ء۔ کتابی ایڈیشن ازاں بعد طبع شدہ، تاہم صرف اقساط مد نظر ہیں۔

Marfat.com

(۲) "حرفوں سے بنی عہد مغلیہ کی تاریخ" از حسن وارثی، در: "برگ گل" کراچی ۱۹۵۵ سے انتخاب "اویماق مغل"۔

(۳) "مبارزالدولہ: خاندان آصفی کا ایک باغی شہزادہ" (۱۹۵۷) از حسینی شاہد، در: صورت گران دکن" حیدر آباد ۱۹۷۹۔

(۴) "باغی شہزادہ" افسانہ از ڈاکٹر ثمینہ شوکت، در: "خیال" کامٹی۔ مارچ ۱۹۶۱۔ شمس زبیری کے "نقش" نامی ڈائجسٹ کراچی کے "خواتین افسانہ نگار نمبر" (اکتوبر ۱۹۶۶) نیز طبع دوم ۱۹۶۷ میں بھی منقول۔

(۵) پرنسلی پرزنر آف گول کنڈا" نامی مقالہ تھیوڈور لاطوش کا ترجمہ، در: "ملاپ" حیدر آباد ۲۶، ۱، ۱۹۶۲۔ (تراشہ گم شدہ)

(۶) "جنگ آزادی کا پہلا مجاہد: نواب مبارزالدولہ" از ابن الحسین، در "پیام مشرق" دہلی ۲۸۔۱۔۶۲ (گم شدہ)

(۷) کوہ نور اور شاہ شجاع از حبیب اللہ رشدی، در نقوش" نمبر ۱۵۶ دسمبر ۱۹۶۶۔

(۸) "میر شمس الدین محمد فیض" از سید عالم (بعدہ ایس اے کیانی)، در "سیارہ" لاہور مئی ۱۹۷۱۔

(۹) "آصف جاہ ثالث" از خواجہ ظفر نظامی، در "معلومات" لاہور جنوری ۱۹۷۲۔

(۱۰) "آصف جاہ رابع" از خواجہ ظفر نظامی، در ایضاً"۔

(۱۱) "آصفیہ سلطنت حیدر آباد دکن" از (بعدہ ڈاکٹر) ظہیر عطش درانی، در ایضاً"۔

(۱۲) "غلام قادر روہیلہ شہید" از سید الطاف علی بریلوی (انگریزی ۱۹۴۳)، مترجمہ: ڈاکٹر سراج الحق قریشی در "العلم" کراچی ستمبر ۱۹۹۱۔ (نقطہ نظر عنوان سے عیاں ہے۔ جب کہ ایک حالیہ جائزہ کا نکتہ نگاہ بھی مختلف نہیں ہے)۔

(۱۳) "ایک غیر مدرک تاریخی کردار: غلام قادر روہیلہ" از محمد اسلم اعوان، در "ماہ نو" لاہور جنوری ۱۹۹۲۔

(۱۴) "عبدالرزاق لاری کی وفاداری" از ڈاکٹر سید داؤد اشرف، در حاصل تحقیق حیدر آباد ۱۹۹۲۔

(۱۵) مجاہد آزادی مولوی علاء الدین: حالات اور شخصیت کے نئے گوشے"، در مجموعہ

Marfat.com

مصنف ایضاً"۔

اس طویل فہرست سازی میں "کمپنی کی حکومت" کے سوا کوئی اور کتاب کمپنی کی تاریخ پر اضافہ نہیں کی جارہی ہے۔ کمپنی کی ابتداء اور جستہ جستہ ترقی و مضبوطی پر ایک ذیلی سرخی کا تک شمول غیر متعلق اور طوالت بے جا کا موجب رہتا جس کا یہ نرا سوانحی مسودہ متحمل نہ ہوسکتا۔ تاہم اگر نفس مضمون شخصیت کے ذاتی احوال اور واقعات کی ریزہ ریزہ چُنی ہوئی تفصیلوں کے بعد بھی گنجائش اجازت دیتی تو بھی کمپنی کے قیام اور استحکام اور اقتدار کے کوائف ایک مبتدیانہ سا اضافہ ہی ہوتے جس کا راقم کے نزدیک کوئی محل نہ ہوتا۔ اسی خیال سے راقم نے معاً" بعد کی تحقیق "فورٹ ولیم کالج کے ہندی اسکالر للولال جی کوی: ایک ادبی سوانح: احوال و آثار" میں بھی کمپنی تو کمپنی خود کالج اور شعبہ ہندوستانی کی تک کیفیتوں کو شریک نہ رکھا۔ یہاں بھی مبارزالدولہ کی سوانحی کتابیات میں "کمپنی کی حکومت" کے سوا جو حقیقتاً" ایک انتقاد ہے اور عمدہ بلکہ بہترین تجزیہ نگاری کا محققانہ نمونہ ہے، کسی باقاعدہ تاریخ کو شامل رکھنا سخت غیر ضروری سمجھا ہے۔

قصہ مختصر کمپنی کی تاریخ کا باضابطہ آغاز اکبر اور ایران کے صفوی خاندان کی معاصر ملکہ ایلزبتھ کے منظور اور عطا کردہ ۱۶۰۰ کے شاہی منشور سے ہوا۔ انگریزوں کو اولاً" اکبر نے ہی دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دی تھی جبکہ یورپیوں کی ہندوستان آمد اور ایک سو سال قبل ۱۴۹۸ کی تھی جب واسکوڈی گاما پرتگال سے تین جہاز لاکر جنوبی بندرگاہ کالی کٹ میں لنگرانداز ہوا تھا۔ کئی عشروں بعد انگریزوں نے اسی نام پر مشرق میں اس شہر کی بنیاد رکھی جو آج علاقہ کا عظیم ترین شہر ہے یعنی "کلکتہ"۔ غرض تجارتی کوٹھیوں کی ابتدا بھی پرتگالیوں سے ہی منسوب ہے۔ یہی کوٹھیاں ۱۶۱۳ سے انگریزوں کی طرف سے تمباکو نیز خشک میووں اور گرم مسالوں وغیرہ خام پیداوار کے گوداموں کے بطور "فیکٹری" سے موسوم ہوئیں۔ ملکہ کے فرمان یا چارٹر کے بعد جہانگیر نے انگریزوں کو سورت میں اولین کوٹھی کی اجازت بخشی۔ ۱۶۴۰ میں قلعہ مدراس کی بھی اجازت ملی۔ بعدازاں ملکی سیاست چھوٹی بڑی سلطنتوں کے امور حتیٰ کہ ریاستی حدود اور تاج و تخت اور حکومتوں کے انتظامی معاملات میں اپنے متعین فوجیوں اور سفرا از قسم ایجنٹ و ریذیڈنٹ کے ذریعے دخل اندازی، محاذ آرائی و فوج کشی اور مختلف سطحوں پر متعدد مراکز اقتدار پر رسوخ کے حصول اور پے بہ پے اضافوں کی انفرادی یادداشتوں اور سوانحی

Marfat.com

کتب سے لے کر تاریخوں اور تحقیقات کی تا حال کوئی کمی نہیں ہے۔ ۱۸۵۷ کے آخری مشترکہ کل ہند جہاد آزادی کی نئی پرانی مطبوعات کو چھوڑ کر محض کمپنی پر ہی اور صرف انگریزی کی غیر توضیحی کتابیات کئی جلدوں میں جمع ہو سکتی ہے۔

مبارزالدولہ کی ولادت تک سلطنت آصفیہ کے قیام و استحکام پر کمپنی کی ہی طرح مطبوعہ و مخطوطہ مصادر کی بھی فہرست سازی نہ تو مطلوب تھی اور نہ ضروری۔ اسی لئے صرف زیر نظر ان سوانحی و تاریخی ماخذات کے اندراج تک محدود رکھا گیا ہے جو راست مبارزالدولہ کی زندگانی کے متعلقات کو روشن تر کرنے میں معاونت فراہم کرتے ہوں یعنی اس خاص حوالے سے بھی جیسے مبارزالدولہ کی ساٹھ سالہ زندگی کے اپنے حوادث کے مکمل و مفصل اکتساب کے لئے انحصار و ارتکاز کیا گیا اور ان کی حیات کے دورانیے کے عام واقعات سے کوئی تعرض نہیں کیا اسی طرح فہرست کی تیاری میں بھی احتیاط روا رکھی گئی۔ مبارزالدولہ کی برپا کردہ متصل شورش تن خواہ و خزانہ ۱۸۲۹ سے ہم رشتہ مہدوی فسادات کی بھی تفصیلی مطلوب نہیں۔ کیونکہ پہلی قید سے مبارزالدولہ کی رہائی ۱۸۲۰ سے لے کر مبارزالدولہ کی اس دوسری مناقشہ آرائی تک اس صورتحال کے وقفے وقفے سے جاری رہنے کے باوجود ان فسادوں اور متصلہ تاریخی عمل کا نہیں بلکہ چند افراد کا ۱۸۲۹ کے واقعہ سے تعلق تھا۔ فسادات کو مبارزالدولہ کی سرپرستی بھی بالکل ناممکن تھی۔

۱۹۹۴ء میں اخیر اپریل تک محصلہ کچھ اہم کتابی ذرائع سے بھی اس فہرست کی از سرنو ترتیب میں اضافے نہیں کئے گئے ہیں۔ انھیں اختتامیہ کتاب میں بعنوان "جزوی اکتساب" متعارف کرایا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ ان نئے ماخذ کی تازہ تر اطلاعات کو سوانح کے متن میں جہاں تہاں بڑھانا بہت کچھ ناگزیر ہوتے ہوئے بھی ان اضافوں کا اہتمام عملاً سخت غیر ممکن ہی ہے۔ بامر مجبوری ان پر تعارفی سطور مسودۂ ہذا کی ناشر ادارہ سے حتمی منظوری پر بطور تتمہ ہی تحریر کی جا سکتی ہیں۔ اس مرحلہ پر نئی فہرست سازی میں ان ذریعوں کی بھی نشاندہی کا خیال ہے جو مبارزالدولہ کے سوانحی متعلقات کو روشنی میں لاتے ہوں اور جن پر معلومات کی ضرورت اصل متن کی بجائے محض اطلاعاً" ہی رہے گی۔ اس طرح کئی خاص خاص واقعات اور رجال پر بھی اس بدرجہا ناقص و خام کارانہ تصنیف میں حقہ تج د ... الی جا سکنے والی کمی کچھ نہ کچھ پوری ہو جائے گی۔ مبارزالدولہ کے ہمعصر وسائل مثلاً "گلزار آصفیہ" وغیرہ فارسی، اردو اور

Marfat.com

انگریزی تواریخ نیز سوانحوں میں بھی ان کے معاصر حالات و افراد کے کوائف بالتفصیل درج ہیں۔ لیکن جمع شدہ حالیہ کتب کی نسبت ان قدیمی مطبوعات سے اخذ و اقتباس جناب پروفیسر معین الدین عقیل صاحب کی جاپان سے مستقل واپسی کے بغیر ناممکن ہے۔ ممدوح فاضل مکرم نے وطن مالوف و متروک کے تئیں سچی علمی لگن اور حقیقی قلبی محبت کے جذبات صادق کے زیر اثر مطبوعہ و مخطوطہ ذخائر بلکہ خزینوں اور دفینوں کی جمع آوری کا اہتمام خاص فرمایا ہوا ہے۔ یہ وسیع الذیل اور کثیرالتعداد مجموعۂ مطبوعات اپنی جگہ بے مثال و بینظیر واقع ہوا ہے۔

"استفاضہ و استفادہ" کی ابتدائی فہرست صرف گیارہ راست منابع اور چھے حوالوں تک محدود تھی۔ جو اس تازہ ترتکمیل کار تک ۴۵ عدد بنیادی ماخذوں اور ۳۲ ثانوی ذریعوں تک بڑھ پھیل چکی ہے۔ "جزوی اکتساب" کے تحت تتمہ کتاب میں قابل داخلہ مطبوعات کی تعداد فی الوقت ۱۵ ہے۔ جن کا تعارف مختصرہ ہے اور جن میں اضافہ کا بھی امکان ہے۔ سطور بالا میں جیسا کہ عرض ہوا متعدد عنوانات یعنی حوادث اور اشخاص پر کتابوں اور نگارشوں کے اندراج تک ان فہرستوں کی توسیع سے گریز کیا گیا ہے۔ یہ افراد اور حالات زیادہ تر احاطہ نظر میں ہیں اور حسب موقع و ضرورت ان کے حوالے محض اشارتی انداز میں دینے پر قناعت کی گئی ہے۔ ان میں کی واضح اکثریت نفس مبحث شخصیت اور سوانح سے راست متعلق نہیں ہے۔ اس لئے ان فہارس اور حواشی کتاب میں بھی مآخذ کے اضافے نہیں کئے گئے ہیں۔

مبارزالدولہ کی اس تاریخی و سیاسی سوانح کی حالیہ برسوں میں ترتیب و تشکیل نو میں مبیضہ نویسی کا عمل ضرورتاً غیر مرتب انداز میں جاری رہا۔ آغاز کار تیسرے حصے کے ایک جزو یعنی ترجمہ روداد تفتیشی کمیشن سے ہوا اور آخر میں کتاب کے ابتدائی اجزا لکھے گئے۔ تیس سال پہلے کے اولین مبیضوں کی تیاری کتاب کی ترتیب کی مطابقت میں ہوئی تھی۔ کام کی شروعات کی اثناء میں راقم والد ماجد جلیل احمد نعمانی کی سخت علالت کے سبب یونیورسٹی ہاسٹل سے نظام آباد منتقل ہوگیا تھا۔ ابتدایہ لکھنے کے دوران زندگی کا پہلا تاریخی سانحہ رونما ہوا' ۹ر جنوری ۱۹۶۲ کو اباجان کی رحلت واقع ہوئی۔ ابتدائیہ کتاب کا دوسرا جزو "مآخذ اور استفادہ" عین سویم کے دن ۱۱ر جنوری کو مکمل کیا اور اس طور "ابتدائیہ" کی تکمیل پر راقم نے قلمی نام اور دستخط میں پہلی بار جلیل کا اضافہ کیا۔ والد معظم سے نسبت کا یہ عزو شرف اور اعزاز و افتخار ان تین عشروں سے زائد عرصہ میں متصل حاصل یعنی ہر قلمی نام میں جاری اور

Marfat.com

ان کی ذات والا صفات کے مستقل فیوض و برکات کے طور پر شامل رہا۔

مولوی جلیل احمد نعمانی کو ان کے اسم گرامی کی خاص مناسبت سے "بطل جلیل" تو کہا جا سکتا ہے لیکن کم از کم الفاظ میں وہ "نظام آباد کے سرسید" تھے۔ انجمن اسلامیہ کے بانی و مستقل معتمد کے بطور اباجان اس آخری علالت میں فریش ہونے تک شب و روز فعال و مستعد اور سرگرم عمل رہے۔ اسی کے تحت انہوں نے تعلیمی و تربیتی یتیم خانہ قائم کیا اور جامع مسجد کا انتظام سنبھالا' نیز یتماء و مساکین اور بیواؤں کی عملی اور دیرپا فلاح کے لئے مستقلاً" ذاتی طور پر تیس سال جدوجہد کی۔ حیدر آباد کیا ملک بھر میں مسلمان معاشرہ ایسے بے لوث و پرجوش اور مخلص ترین عملی کارکنوں سے یقیناً" خالی نہیں تھا' اس لئے یہ ضرور ممکن ہے کہ اباجان کا یہ کردار اور عمل کوئی خاص بات نہ ہو۔ میرے اپنے حقیر لیکن حتمی تجزیے کی رو سے نظام آباد کی تاریخ کو ان کا حقیقی اور بہت بڑا کنٹریبیوشن یہ تھا کہ انہوں نے اپنی معاصر سوسائٹی میں علم کے حصول کا ذوق و شوق عام کرنے کی ایک خاموش اور موثر تحریک کی حیثیت میں کام کیا۔ انجمن اسلامیہ کے تحت ان کا قائم کردہ "کتب خانہ عثمانیہ" ("عثمانیہ جوبلی لائبریری") غالباً" ریاست بھر کا سب سے بڑا غیر سرکاری اور مستقل کتب خانہ تھا۔ اردو ہی نہیں انگریزی اور تینوں ریاستی زبانوں تلنگی' مرہٹی' کنڑی نیز گجراتی حتیٰ کہ سندھی مطبوعات کا ذخیرہ سال بھر جمع ہوتا تھا۔ سقوط کے بعد سیاسی و سماجی صورت حالات منقلب ہوئی اور اکثریتی طبقہ کے لیڈروں نے ممبروں کی جمہوریت کے نام پر کتب خانہ پر قبضہ کیا تو اس کی تنظیمی بنیادیں اتنی مستحکم تھیں کہ اردو کے کسی قسم کے مفادات کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکا۔ تاہم اباجان نے انجمن کے تحت دو الگ محلوں میں خالصتہ" اردو کے دو نئے کتب خانے قائم کروائے۔ ایک اپنے ہی محلے حطای کی مسجد کے روبرو' دوسرا پھلانگ میں۔

اشاعت و ترویج علم کی اس خاموش مگر مستقل اور عامتہ الناس میں اثر آفریں تحریک کا ہی نتیجہ تھا کہ ان کتب خانوں میں استفادہ کے لئے ڈپٹی کلکٹر اور چھوٹے بڑے عہدہ دار و افسر صاحبان سے لے کر معمولی پڑھے لکھے لوگ بھی بڑی تعداد میں اور باقاعدگی سے آیا کرتے۔ آج یہ باتیں یاد آ آ کر پھر ایک بار حیران کر رہی ہیں کہ میں نے خود الیکٹریشن اور دفتری ایسے چھوٹے موٹے کام کرنے والے طبقات کے ہر عمر کے افراد کو نہ صرف دارالمطالعوں میں "الجمعیت" اور "صدق" و "ہماری زبان" بلکہ "نگار" اور "معارف" و "برہان" سے علمی

Marfat.com

جراید پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش میں اشتیاق کے ساتھ مصروف دیکھا بلکہ اس سطح کے شائقین ادب بھی سنجیدہ اور ٹھوس قسم کی کتابیں بطور اراکین گھر لے جایا کرتے تھے۔

عوام الناس کے لئے حصول علم اور ذوق مطالعہ کا جو معیار ابا جان کو مطلوب تھا اور جو انھوں نے اپنی اس خاموش تحریک کے ذریعے ان کتب خانوں میں قائم کیا، گھر میں بھی ویسا ہی معیاری ماحول انھوں نے پیدا کیا۔ ابا جان نے کبھی ہم لوگوں کو اس امر کے لئے راغب یا متنبہ نہیں کیا کہ فلاں قسم کے ادب یا ادیبوں، شاعروں کو پڑھا جائے یا ضرور پڑھا جائے اور فلاں طرح کی کتابوں یا شاعری کو خبردار جو پڑھنے کی کوشش کی۔ اخبارات و رسائل تک خاص نوعیت کے آیا کرتے تھے اور کتابوں کا انتخاب ہر برس ابا جان خود کر کے منگوایا کرتے تھے۔ سقوط کے بعد لاہور کے ادبی جراید "عالمگیر" و "ھمایوں" اور "مخزن" کی آمد مجبوراً" بند ہوئی مگر "شمع" تو "شمع" ابا جان کی تحویل سے "کتب خانہ عثمانیہ" کے نکل جانے کے باوجود ۱۹۶۰ تک بھی "بیسویں صدی" کو وہاں داخلہ نہیں مل سکا تھا۔ خود ابا جان کا اپنا ہفتہ وار جس میں ادباء کی نگارشات بھی ہوتیں "ترجمان اضلاع" بڑا معیاری تھا۔

عرض کرنے کا منشا یہ ہے کہ ابا جان کو جو اونچی ذہنی سطح اور کیفیتِ علمی افرادِ معاشرہ میں پیدا کرنی مقصود اور عزیز تر تھی اس کی خاطر انھوں نے خود کو اشاعت علم کی موثر و موقر تحریک بنا لیا تھا۔ راقم سطور اس اخلاقی جرات اور ذہنی ترفع سے اپنی قدرتی کم مائیگی کے باعث محروم محض ہے، اور اسی لئے خواہاں و کوشاں ہے کہ اب قلم کے وسیلہ سے ہی کسی طرح اور کچھ نہ کچھ علم حاصل کرے۔

ان صفحات کو سیاہ کرنے کا ایک مقصد یہی کچھ ہے کہ حصول علم میں جتنی زیادہ سے زیادہ کسر رہ گئی ہے اس کی تھوڑی بہت سہی تلافی اس طریقہ سے کی جا سکے، ورنہ خدا رسول تو بڑی بات ہے ابا جان کو کیا منہ دکھایا جائے گا!

(نظام آباد: دسمبر ۱۹۶۱ جنوری ۱۹۶۲، کراچی: ۱۹۹۱-۱۰-۲۱ کراچی ۱۹۹۴-۴-۲۴)

Marfat.com

مبارزالدولہ : کتاب کہانی

"مبارزالدولہ : ایک تاریخی سوانح" : ۱۹۶۰ تا ۱۹۹۱

تحقیق : حیدر آباد : ۱۹۶۰ تا ۱۹۶۲

(جامعہ عثمانیہ 'کتب خانہ آصفیہ 'سنٹرل ریکارڈز آفس 'مبارزالدولہ کے خاندانی ذرائع)

تحریر : نظام آباد : ۱۹۶۱ تا ۱۹۶۲

ترجمہ : ملتان : ۱۹۶۴

مبیضہ : کراچی : ۱۹۹۱

اختتامی اضافہ : کراچی ۱۹۹۶ء

کتنے شہروں سے دیاروں سے گزر گاہوں سے
کتنی یادوں کے چلے آتے ہیں لشکر اس رات (عزیز احمد)

اکتوبر ۱۹۶۰ میں "مبارزالدولہ : ایک سیاسی سوانح" کا بنیادی خیال ایک دلچسپ اختلافی بحث کے سر آغاز کے بطور متشکل ہوا جس کے بعد کتاب کا تصنیفی منصوبہ تیزی سے صورت پذیر ہونے لگا۔ مبارزالدولہ کی شخصیت اور خدمات پر راقم کی حقیر سی طالب علمانہ دل بستگی و جستجو کا مظہر جو ابتدائی مسودہ کتاب اور اسی پر مبنی و مشتمل اولین مبیضہ تھا اس کی حتمی تکمیل و تہذیب تین عشروں کے طویل تعطل کے بعد اکتوبر ۱۹۹۱ میں ممکن ہو سکی ہے۔

۹ر نومبر ۱۹۶۱ کو احقر العباد نے مبارزالدولہ کے مرقد موسومہ "احاطہ مبارزالدولہ" واقعہ درگاہ برہنہ شاہ صاحب نزد درگاہ اجالے شاہ اندرون بلدہ یعنی قدیم حصہ شہر حیدر آباد کی زیارت کی تھی۔ آج پورے اکتیس سال بعد "مبارزالدولہ : ایک سیاسی سوانح" کی یہ آخری سطور بطور ابتدائیہ کتاب نذر قرطاس کرتے ہوئے راقم کے عاجزانہ احساسات کا عین وہی عالم ہے جو چونے میں لپٹی ہوئی مٹی کی اس قبر پر حاضری کے لمحات میں طاری رہا:

——— مبارزالدولہ کی شخصیت کے جلال پادشاہی کا رعب'

——— مبارزالدولہ کے حسرتناک انجام کا تصور'

Marfat.com

------- مبارزالدولہ کی قربانی کے زیاں کا خیال،

------- مبارزلدوالہ کی زندگی اور موت میں رائیگانی کے غلبے کا قلق۔

"نوائے ادب" اکتوبر ۱۹۶۰ء میں ڈاکٹر ثمینہ شوکت صاحبہ کے مقالے سے استفادہ سے اس خیال کی تحریک ہوئی تھی کہ مبارزالدولہ کی زندگی اور جدوجہد ممکن ہے من و عن وہ نہ ہو جس کا واعیہ اس جائزے میں بالا اصرار بلکہ بشدت پیش کیا گیا تھا' اور یہی "مبارزالدولہ: ایک تاریخی سوانح" کا نکتہ آغاز تھا۔ قبل ازاں مولانا نصیرالدین ہاشمی اپنے مقالات میں مبارزالدولہ کی قائدانہ حیثیت اور سیرت پر اشارات سپرد قلم فرماتے رہتے تھے' مگر "نوائے ادب" کے مضمون سے جتنے اختلافی زاویے سامنے آئے ان میں ایک طور سے دعوت مبارزت محسوس ہوتی رہی۔ کچھ تو طالب علمانہ خروش نیز کچھ اختلافات کی جسارتوں کا زور اور کچھ تجسس کی فراوانی کہ کام نہ صرف فوراً شروع ہوا بلکہ تیزی سے ختم بھی ہوگیا۔ بسرعت تمام اختتام کار کی عملی وجہ یہ ہوئی کہ نومبر ۱۹۶۱ء میں ہی والد ماجد جلیل احمد نعمانی عارضہ قلب سے سخت علیل ہو کر فریش ہوئے تو راقم کو جامعہ عثمانیہ کے اے ہاسٹل میں اپنی رہائش ختم کرکے فوری نظام آباد منتقل ہونا پڑا تھا۔ اوائل جنوری ۱۹۶۲ء میں اباجان کے سانحہ ارتحال کے بعد حیدر آباد واپس آکر مارچ میں بی۔اے کا امتحان دیا اور پھر جتنی ذہنی فرصت نصیب ہوئی بیشتر اسی منصوبے کی تکمیل مسودہ نویسی اور چند مبیضوں کی بھی تیاری میں صرف ہوئی۔ ۱۹۶۴ء میں خاندان کی ہجرت کے موقع پر "مبارزالدولہ: ایک سیاسی سوانح" کے تمام تر ابواب راقم ساتھ لیتا آیا' اس کے قبل و بعد کے عرصے میں بطور مضامین مرسلہ اجزاء میں سے صرف چند ایک مختلف قلمی ناموں سے شائع ہوسکے۔ انڈیا آفس سے محصلہ فورٹ ولیم کی انگریزی روئیداد کا متن مختصر تعارفی سطور کے ہمراہ طبع ہوا جبکہ کئی برس بعد ایک مجموعی مگر اجمالی تعارف بھی پیش کرنے کا موقع ملا۔ یہ سبھی تحریریں حسب تفصیل ذیل ہیں۔

(۱) "اردو ادب" علی گڑھ شمارہ نمبر ۳' ۱۹۶۱ "شہزادہ مبارزالدولہ: آل و اولاد کا شجرہ" صفحہ ۹۴۔۹۹'

(۲) "سب رس" حیدر آباد دسمبر ۱۹۶۲ "سکندر جاہ کی آل و اولاد کا شجرہ" صفحہ ۱۳۔۱۷'

(۳) "جرنل پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی" کراچی جنوری ۱۹۶۳ء "پرنس مبارزالدولہ آف حیدر آباد دکن" این آفیشل رپورٹ آف دی کمپنی گورنمنٹ آن دی ایونٹس آف

Marfat.com

۱۸۱۵" صفحہ ۵۹ ۔ ۶۳'

(۴) "معلومات" لاہور جنوری ۱۹۷۲ "آصف، مبارزالدولہ" صفحہ ۶۲۳ ۔ ۶۲۵۔

ان سب مضامین میں جو اصلا" "مبارزالدولہ: ایک سیاسی سوانح" کے مختلف اجزاء تھے راقم نے مبارزالدولہ کو متعارف کراتے ہوئے بطور مجاہد آزادی ان کی زندگی کو اجمالا" پیش کیا۔ چونکہ کتاب کے ان حصوں کی اشاعت بطور تعارفی تحریروں کے مقصود تھی مبارزالدولہ پر اپنے نقطہ نظر اور نتیجہ تحقیق کی تفصیل پیش کرنی نہ تو ممکن تھی نہ ضروری۔ مدعا یہی ہے کہ خدانخواستہ زیرنگہ معروضات کو اپنے ہی گزشتہ موقف سے انحراف یا روگردانی پر محمول نہ فرمایا جائے کیونکہ اس احقر کا بنیادی نکتہ نظر اور تجزیہ بھی شروع سے ایک ہی رہا ہے۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ ظن و گماں کی رو سے مبارزالدولہ کے عمل اور کردار پر جو شکوک اور سوالات سر اٹھا رہے تھے وہ ان کی معاصر تواریخ کے بنظر غائر مطالعے اور جائزے کے ساتھ یقین اور حقیقت میں تبدیل ہوتے چلے گئے۔

۲۳ر مارچ ۱۹۹۱ء کی مناسبت سے "للو لال جی کوی: ایک ادبی سوانح" کا مبیضہ تیار ہوتے ہوتے یہ خواہش زور کرنے لگی کہ قبل ازاں ۱۹۸۹ اور ۱۹۹۰ میں مکمل شدہ کتب "قدیم ہندی علوم و ادب کا اردو منظرنامہ تحقیقات سہیل بخاری کی روشنی میں" اور "حشر کے ہندی ڈرامے تعارفی جائزہ" کے بجائے جو ۱۹۸۶ میں مصنفہ "ڈاکٹر سہیل بخاری: ایک علمی سوانح" کا موضوعاتی تسلسل ہیں، اولا" اور ترجیحی طور پر "مبارزالدولہ: ایک سیاسی سوانح" کی تشکیل نو شروع کی جائے۔ خدشہ یہی تھا کہ اس کتاب کے مسودات اور مبیضے کرم خوردہ نہ ہوتے جا رہے ہوں یا کم از کم بدرنگ یا بے رنگ نہ ہو چکے ہوں۔ کاغذات یکجا کرنے پر معلوم ہوا کہ "مبارزالدولہ: ایک سیاسی سوانح" ۱۹۶۱ء میں ہی مکمل ہو چکی تھی جبکہ صرف مسودہ نویسی اور مضامین کی ترسیل ہی مستخر تھی۔ یوں طویل مدت کی لاتعلقی سے خود راقم کتاب کے لئے یہ ایک انکشاف تھا کہ کتاب تین عشرے قبل تیار ہو گئی تھی۔ ۱۹۶۴ء میں ملتان میں روداد تفتیشی کمیشن کے ترجمے کے بعد اس قدر فرصت نصیب ہی نہ ہو سکی تھی کہ "مبارزالدولہ: ایک سیاسی سوانح" کا بغرض اشاعت مبیضہ لکھا جاتا۔ چنانچہ مسودۂ کتاب کاغذات کے انبار میں دبا رہ گیا۔ اندریں اثناء پست ہمتی کا عملی سبب یہی تھا کہ راقم ایک بینک سے وابستگی کے سبب اس قابل ہی نہیں رہتا تھا کہ ہفتہ وار تعطیلوں میں کسی دماغی کام سرانجام دے سکتا، یوں

Marfat.com

حتمی مبیضہ نویسی کی تکمیل درکنار شروعات ہی ممکن نہیں ہو سکی۔

اپریل ۱۹۹۱ء میں "مبارزالدولہ : ایک سیاسی سوانح" کے پرانے مسودوں اور ابتدائی مبیضوں کے برآمد ہونے کا فائدہ یہ ہوا کہ فقط بعد میں جمع شدہ کتب و نگارشات کی مدد سے اضافوں کی ضرورت معلوم ہوئی نیز کاغذ کی بوسیدگی اور سیاہی کے پھیکا پڑنے کی وجوہ سے سابقہ مبیضوں کا بھی از سرنو تحریر کرنا ضروری محسوس ہوا۔ نئے سرے سے آغاز و تجدید کار کے ساتھ تصور یہی تھا کہ کام تیزی سے پورا ہو جائے گا مگر اندازہ غلط نکلا کیونکہ اہم اضافے وقت لینے لگے جو ناگزیر تھا۔ ابتدا" خیال تھا کہ تفتیشی روئیداد کی طرح انڈیا آفس کی فائل کا بھی ترجمہ کرلیا جائے جس کا متن متعلقہ باب کا پہلا مبیضہ تیار ہونے کے بعد ۱۹۶۲ء میں حاصل ہوا تھا۔ مگر اب کہ سارے مسودات کی نئی نقول کی تیاری لازم ہوگئی تھی اس رپورٹ سے جستہ جستہ اقتباسات کی صورت اس کے اصل مشاہدات کے مکمل اندراج کا موقع مل گیا۔ حالیہ تکمیل کار کے دوران موصولہ نینی گوپال چوہدری کے مقالے کا ترجمہ بطور خلاصہ سمو دیا گیا ہے۔

ء

ابتدائی منصوبے میں بطور پس منظر و پیش منظر اولین و آخری دو ابواب کا وجود نہیں تھا یعنی اول الذکر کا کوئی خیال ہی نہ تھا اور تنقیدی جائزہ ضبط تحریر میں نہیں آسکا تھا' چنانچہ ان اضافوں کی توفیق حال حال میں ہوئی ہے۔ پس منظری باب کی ضرورت یوں سامنے آئی کہ ملک اور ریاست کے حالات ماقبل مبارزالدولہ بالکل غیرواضح رہ جاتے' کوشش پر بھی اس میں نہ زیادہ اختصار ممکن تھا نہ طول بیان کہ دونوں ہی صورتیں بے فائدہ ہوتیں۔ مبارزالدولہ کے نام اور کام سے پیوستہ سلسلہ واقعات کے نکتہ بہ نکتہ حوالے سے تاریخی و سوانحی تفصیلوں کا احاطہ اصل مباحث کی ضروریات سے زیادہ ہو جاتا۔ دکن کی سابقہ ریاستوں اور مغلیہ ہندوستان کی قدیم تواریخ اور جدید تحقیقات مفصل کیفیتوں سے بھری پڑی ہیں جن کی جزیات کیا تلخیص کا بھی یہ منصوبہ متحمل نہ ہو سکتا تھا۔ ادھر مبارزالدولہ کی سیاسی زندگانی کے کوائف سے ہم رشتہ ہونے کی بناء پر پس منظری باب کو زیادہ مختصر کرنا بھی ناکافی ہوتا گو طوالت کے خوف سے چند پیراگراف محذوف بھی ہوئے۔

تجزیے کے طور پر جس کے حتمی یا حرف آخر ہونے کا کوئی دعویٰ خدانخواستہ مطلوب نہیں ہے نگاہ واپسیں ناگزیر معلوم ہوتی تھی چنانچہ اختتامی جائزہ بھی نیا اضافہ ہے۔ چونکہ اس

Marfat.com

حصہ کتاب تک آتے آتے "مبارزالدولہ: ایک سیاسی سوانح کا تین چوتھائی قارئین کی نظروں سے گزر چکا ہوگا' یہاں تبصرۂ واقعات کے پہلو بہ پہلو خلاصہ واعادہ ایک قدرتی امر ہے۔ اس غرض سے وہابی تحریک حیدر آباد ۱۸۳۸ء پر نینی گوپال چوہدری کے نئے محولہ متن کا بطور تلخیص فائدہ اٹھایا ہے۔ اصل منصوبے میں اضافوں کے ساتھ ساتھ تھوڑی بہت کمی کی بھی ضرورت لاحق ہوئی جس کا اثر مبارزالدولہ کے حقیقی بھائی بہنوں کی تفصیلات پر پڑا۔ چنانچہ سکندرجاہ اور ان کی پہلی محل فضیلت النساء عرف چاندنی بیگم کی پانچ اولادوں کی وہ تفصیلیں جو بطور خاص ان کے سنین ولادت کے تعین کی بحثوں سے متعلق ہیں اور "سب رس" میں مطبوعہ اسی خیال سے حذف کی گئی ہیں کہ صفحات پر بار نہ پڑے۔ ایک تبدیلی یہ بھی ہوئی کہ ابتدائی حالات کے پرانے مسودے سے مبارزالدولہ کی اپنی اولاد کی فہرستیں جو مطبوعہ ذرائع سے ماخوذ تھیں اور "اردو ادب" میں شائع شدہ انھیں آخر میں منتقل کردیا گیا۔ آخری باب میں اس فہرست سازی میں مبارزالدولہ کے پڑپوتے ثم پڑنواسے صاحبزادہ میر لطف علی خاں کے عطا کردہ سلسلہ نسب کا بھی اضافہ کردیا گیا ہے۔

"مبارزالدولہ: ایک سیاسی سوانح" کے حتمی مسودے میں یہ ساری تبدیلیاں کام کے جاری رہنے کی اثناء میں ظہور میں آتی رہیں اور رفتار کار پر اثر انداز ہوئیں۔ ارادہ تو یہی تھا کہ "للولال جی کوی: ایک ادبی سوانح" کی ۲۳ر مارچ کو تکمیل کی طرح یہ کتاب ۱۴ر اگست کو مکمل کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی۔ یہ بہت خوب رہتا مگر یہ مناسبت ملی بھی تو اواخر اکتوبر و اوائل نومبر ۱۹۹۱ء کو جب "مبارزالدولہ: ایک سیاسی سوانح" پر آغاز کار کو اکتیس سال پورے ہورہے ہیں۔ منصہ شہود پر کتاب کے آنے میں اور کتنا عرصہ لگے گا یہ راز صرف عالم الغیب ہی جانتا ہے جو اپنے خزانہ غیب سے ایک قلمی مزدور کے دماغ کا چھپر پھاڑ کر مضامین نو کی دولت کے انبار دیئے جارہا ہے۔ قلم کا مزدور تو اپنی "کاگد کی ناو" ہی "ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم" کہہ کر بسم اللہ کردیتا ہے' آگے خدائے بخشندہ جانے کہ وہی اس کا ناخدا!

"کتاب کہانی" کی سطور بالا تک مبیضہ پہنچا تھا اور دوسری سرخی کی شروعات کرنی ہی تھی کہ راقم کے کرم گستر گرامی قدر پروفیسر اے۔ سی لکیکر صاحب یونیورسٹی لائبریرین جامعہ بمبئی کا مکرمت نامہ مورخہ ۱۸ر اکتوبر ۱۹۹۱ نظرافروز ہوا اور ان کے تازہ ترین عطایا باصرہ نواز۔ پنڈت سیتا مادھوراو صاحب قبلہ کے بارۂ خاص میں راقم کے التماس پر جناب پروفیسر

Marfat.com

ٹلیکر صاحب نے مطلع فرمایا ہے کہ بزرگ ممدوح جناب سیتوماد ھوراو نہ صرف حیات ہیں بلکہ اگست ۱۹۹۱ میں مادھوراو صاحب کی طویل علمی خدمات کے تئیں اعتراف کمال کے بطور ان کا اکیاسی سالہ جشن عام مناکران کا استحسان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ کلمات تکریم و تعظیم میں احقر نے عرض کیا ہے فاضل موصوف فارسی مصادر پر عالمانہ تبحر رکھتے ہیں اور اب جناب ٹلیکر صاحب کی مرسلہ طویل فہرست مطبوعات مادھوراو سے ممدوح کی محققانہ دلچسپیوں کی بیش از بیش تفصیل منکشف ہوئی ہے۔ اس فہرس نیز "اٹھارہویں صدی کا دکن" نامی انگریزی تاریخ کے ملاحظات مصنف اور مندرجات سے بخوبی عیاں ہے کہ پنڈت سیتوماد ھوراو کی تحقیقی و تصنیفی دل بستگی کا دائرہ عمل فارسی مآخذ و منابع سے اکتساب سے لے کر مطبوعہ و مخطوطہ فارسی تواریخ کی باقاعدہ و مستقل ترجمانی تک وسعت رکھتا ہے۔ چنانچہ "اٹھارہویں صدی کا دکن" سمیت صاحب موصوف کی چند تاریخی کتب جو مرہٹوں اور نظام نیز مرہٹوں اور مغلوں جیسے طویل تقابلی موضوعات و مباحث کو محیط ہیں فارسی ماخذات کے خصوصی جائزوں کو محتوی ہیں۔ غرض جناب سیتوماد ھوراو صاحب کا وجود مسعود مغتنمات زمانہ میں سے ہے اور راقم بزرگ موصوف کے زریں خیالات و افکار سے استفاضہ کے لئے ان سے رابطہ استوار کررہا ہے۔

"مبارزالدولہ ایک سیاسی سوانح" تصویر کے چند رخ

مبارزالدولہ کی اپنی شان میں اس حقیر سے جو گستاخیاں سرزد ہوئی ہیں ان کے ارتکاب کے لئے راقم اپنے آپ کو خود مبارزالدولہ کے حضور ذمہ دار نیز جوابدہ اور قابل پرسش سمجھتا ہے۔ مسودہ کتاب کی تہذیب نو کی اثناء میں بارہا گمان گزرا کہ یہ معروضات خاکسار کی اپنی عجز نگاہ سے لیکر سوئے فہم کا نتیجہ اور نمونہ گویا سراسر اور محض اسی کا قصور نہ ہوں۔ ان معروضوں پر راقم کے اپنے تجسس کا عکس ہے اور چونکہ حاصل تدقیق کو پردۂ اخفاء میں رکھنے کا مطلب اپنی حقیر دانست میں علمی بددیانتی کے سوا کچھ نہ ہوتا نتیجتاً" تاریخ کا گناہ گار ہونا پڑتا۔ اسی لئے کم تر درجے کی خرابی گویا Lesser Evil کے بطور خود مبارزالدولہ کا گنہ گار ہونا قبول کرنا پڑگیا تاکہ انکے احوال و کوائف کی حقیقت و اصلیت سے چشم پوشی کے الزام سے بچا جائے۔

Marfat.com

مبارزالدولہ کی زندگانی میں جذباتی سیاست اور ہیجانی نشیب و فراز کا جو قوی و موثر عمل دخل رہا اس کی بناء پر مبارزالدولہ کی موت ہی نہیں ان کی زندگی بھی ایک المیہ تھی اور محض سیاسی ہی نہیں ذاتی حالات بھی ایک سانحہ تھے۔ ایسے اور اتنے سانحات آصفی شہزادگان والا شان میں سے کسی اور کے ساتھ پیش نہیں آئے اور تھوڑا بہت کسی کے ساتھ جو کچھ ہوا اس سے معمولات زمانہ سے زیادہ تواریخ اور تذکروں نیز بعد کی تحقیقات میں بھی شاید ہی کوئی اہمیت منسلک کی گئی ہو۔ مبارزالدولہ کے واقعات اور متعلقہ حقائق بہت کچھ اور بوجوہ چباچبا کر مگر کسی نہ کسی طور ان کے معاصروں کے ہاں روایت ضرور ہوئے اور آزادی کے بعد مجاہدین حریت کی یادآوری کے مواقع پر مبارزالدولہ کا نام معمول سے خاصا زیادہ اہمیت اختیار کرگیا بلکہ کہنا چاہیے کہ غیرمعمولی۔ تحریکات آزادی کے تجزیہ و سوانح نگاروں اور محققین کے طبقے میں وہ کافی مقبول و محترم ہوئے اور ان کے محاربوں میں سے اولین و آخری کی کیفیتوں کو ان کے پراجیکشن کے لئے خصوصیت سے استعمال کیا گیا۔ مگر یہ ایک متوازی اور تلخ حقیقت بھی ہے کہ مبارزالدولہ کی سیاست سے دلچسپی لینے والے قوم پرست مورخوں اور مبصروں کے من جملہ بطور خاص حیدرآباد سے تعلق رکھنے والے علماء نے چند گوشوں کی طرف سے اغلب ہے کہ دانستہ اغماض کا مظاہرہ فرمایا' اور ادھر دیگر افاضل دکن کے ماخذوں کی عدم دستیابی سے مبارزالدولہ کے کردار و عمل کے کئی ایک پہلوؤں کی اصلیت سے ہی تقریبا" بالکلیہ لاعلم رہ گئے۔ تمام تر اسکالروں کے رجحانات اور مبارزالدولہ کے تئیں ان کے عقیدت کیشانہ میلان کے اظہار سے بصد ادب و احترام عاجزانہ اختلاف کی جسارت کرنے والے ایک بے حیثیت سے طالب علم کے طور پر راقم ادبا" اور دست بستہ معافی کا خواستگار ضرور ہے۔

مبارزالدولہ کے ہم عصروں کی جانب سے واقعاتی صداقتوں اور حقیقتوں کے اخفاء اور ہمارے معاصر محققین و مبصرین کی طرف سے چند در چند پہلوؤں سے ان کی تلخ کیفیتوں کے سبب بے اعتنائی کی بنا پر ہی مارے تجسس کے ہربات کی کرید کی سوجھی۔ جب بہت سی تلخ و ترش حقیقتیں ایک ایک کرکے نقاب برافگندہ ہوئیں تو مبارزالدولہ کی قائدانہ اور مجاہدانہ حیثیتیں قدرتا" ایک سوالیہ نشان بن کر رہ گئیں۔ راقم کو اس پر بھی کوئی اصرار نہیں ہے کہ مبارزالدولہ کی بس یہی کچھ اصلیت ہے جو ظاہر ہوئی ہے بلکہ معاملات کا یہ رخ راقم کی سنجیدہ رائے میں خاصی تحقیق مزید اور جانچ پرکھ کا طالب ہے اور وہ خود مجرد انہی تفصیلات کی بناء

Marfat.com

پر ان کے خلاف فیصلہ صادر کرنے کو کسی طور مطالعہ تاریخ و سوانح کی مقتضیات کے مطابق نہیں سمجھتا ہے۔ دراصل جستجو و تدقیق کا دروازہ آج تک نہ تو کبھی بند ہوا ہے اور نہ آئندہ بند ہو گا بلکہ ازل سے کھلا ہے اور ابد تک کھلا رہے گا کہ انسانی سماج کی ترقی کا واحد وسیلہ علوم کی تحصیل و اشاعت ہی ہے۔ مبارزالدولہ کے بارۂ خاص میں حقیر سے مطالعہ و تحقیق کا جو کچھ ماحصل ہے پیش ہے البتہ اس کے جلو میں جو کچھ کہا جارہا ہے راقم اس کے لئے انہی کا گنہ گار اور ان کے روبرو قابل مواخذہ ہے۔

اس امر سے انکار قطعی غیر ممکن بھی ہو گا خلاف واقعہ بھی کہ مبارزالدولہ ایک تاریخی شخصیت تھے البتہ ہر طرح کے مبالغے بلکہ غلو سے دامن بچا کر جس کی پیشرو افاضل نے کوئی احتیاط نہ فرمائی خالصتہ "تحقیقی اور تنقیدی" اساس پر ان کے کردار یا مقام کو عہد آفرین ثابت کرنے کی ذمہ داری مستقبل کے محققوں اور تجزیہ نگاروں پر رہے گی۔ آئندہ موزخین و مبصرین کو چاہیے کہ رزیڈنسی ریکارڈز اور دیگر شائع شدہ و غیر مطبوعہ آثار کو برآمد کرنے کا اہتمام کریں اور تمام تر حقایق کا خود بھرپور جائزہ لیں' اپنے نقاط نگاہ کا آزادی سے تعین کریں اور جو موقف بھی اختیار کریں خواہ وہ کسی کے حق میں ہو یا خلاف اس پر ثابت قدمی سے قائم رہ کر پوری قوت اور جرات سے اپنے نتائج تدقیق کو سامنے لائیں۔ مبالغہ آرائی سے بچ کر محتاط انداز میں تحقیق دیانت کے ساتھ اور شخصیت پرستی کی جذباتی ذہنیت سے اجتناب کرتے ہوئے جو فیصلہ حقائق و صداقت کی بنیاد پر کیا جائے گا حقیقت پسندانہ ہو گا' حرف اعتبار کا رتبہ پائے گا اور خدا اس کا حامی و ناصر ہو گا۔

راقم اپنا یہ موقف عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ مبارزالدولہ کی آخری قید کو مبارزالدولہ کی قربانی سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے' خواہ اس کو ان کے اپنے دیرینہ "ارمان ریاست" کا نتیجہ قرار دیا جائے اور تسلیم کیا جائے یا نہیں' کیونکہ کوئی بارہ سال کی متواتر سعی کے باوجود مبارزالدولہ کا اس آخری اسارت سے برات پانا سخت غیر ممکن بنا رہا اور مر کر ہی ان کی جان چھوٹی۔ اس قربانی کے درجے میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے مگر خواہ مبارزالدولہ کو بڑا یا کسی رتبے کا مجاہد یا ہیرو سمجھا جائے یا نہیں ان کی اس قربانی کو تاریخی سمجھنے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی۔ البتہ مبارزالدولہ کے نام اور کام سے وابستہ پورے سلسلہ عمل کو تحریکات آزادی کا تاریخ ساز حصہ باور کرنا ان کی شخصیت یا سیاست پر ایسا زبردست

Marfat.com

بار گراں ڈال دینے کے مترادف ہوگا جس کی وہ شاید ہی متحمل ہوسکتی ہو۔ معلوم کوائف اس خیال کی تصدیق کے لئے کافی ہیں۔

ابتدا" نہ صرف جدید حیدر آبادی افاضل مولانا نصیرالدین ہاشمی، تھیوڈور لاطوش اور ڈاکٹر ثمینہ شوکت نے مبارزالدولہ سے تحقیقی و تجزیاتی اساس پر دل بستگی کا اظہار کیا بلکہ "فریڈم اسٹرگل" نامی سرکاری تالیف میں مبارزالدولہ پر دو ابواب محققانہ اور تاریخی طرز پر شامل ہوئے۔ راقم نے جو کام از خود ذمہ لیا وہ بعجلت تمام کتابی صورت میں متشکل ہونے پر بھی منظرعام پر نہ آسکا۔ تاہم خاصی توقع تھی کہ جامعہ عثمانیہ کے شعبہ تاریخ میں مبارزالدولہ پر عمدہ اور معیاری علمی تحقیق کا اہتمام ہوگا کیونکہ "فریڈم اسٹرگل" کے تالیفی عمل سے پروفیسر قاسم علی سجن لعل جیسے فاضل بھی وابستہ رہے۔ بعد میں مرکزی حکومت کے خصوصی منصوبے کے تحت اعلیٰ تعلیمی اور تحقیقی اغراض و ضروریات کی تکمیل کے لئے حیدر آباد میں ایک اور بڑی پوسٹ گریجویٹ یونیورسٹی قائم ہوئی۔ راقم کی محدود معلومات کی رو سے دونوں جامعات سے اور آزادانہ بھی کوئی محققانہ کام مبارزالدولہ پر تاحال نہیں ہوا۔

اس اشارے سے عرض کرنے کا منشاء فقط یہ ہے کہ اوراق ہذا کسی اچھی بنیاد اور اعلیٰ پیانے کی رہبری سے استفاضے کے بغیر ہی معرض تحریر میں آئے ہیں۔ یہ امر یقینی ہے کہ ان سے علمی و تاریخی نیز تحقیقی و تنقیدی سطحوں پر کسی نوع کی توقع ان کی بے قاعدگی اور ان کے راقم کی بے بضاعتی سے بہت زیادہ ہوگی۔ حقیقت یہی ہے کہ اسی لئے خاکسار "مبارزالدولہ: ایک سیاسی سوانح" کو کسی بھی ادعا کے بغیر پیش کررہا ہے۔ حتیٰ کہ لفظ سوانح بطور عنوان کے شریک رکھا گیا ہے وگرنہ تاریخی سوانح نویسی کا کوئی دعویٰ قطعاً" مقصود نہیں ہے بلکہ یہ اس معمولی سے جائزے کے محض نام کے طور پر مستعمل ہے۔ مبارزالدولہ کے کردار اور عمل پر کسی دعویٰ کے تمام تر حقوق راقم مستقبل کے محققین و مورخین کے نام محفوظ سمجھتا ہے جن کی سنجیدہ جگر کاوی سے اونچا عالمانہ سطح کا مطالعہ اور انتقاد یقیناً سامنے آئے گا۔ تمام تر آثار و قراین سے اندازہ یہی ہے کہ مبارزالدولہ کے تین بڑے حوادث یعنی ۱۸۱۵ کی "جنگ مبارزالدولہ با جمیعت سرداران انگریزی" شورش ہائے تن خواہ و خزانہ ۱۸۲۹ اور وہابی تحریک حیدر آباد ۱۸۳۸ کے حوالے سے محض حیدر آباد ریذیڈنسی ریکارڈز کی چھان بین کی بنیاد پر ایک مبسوط سوانح معرض تصنیف میں آسکتی ہے۔ حتیٰ کہ تذکرہ باقیات میں رسل سے لے کر بُشبی تک

Marfat.com

مبارزالدولہ کی زندگی میں آنے والے ہر رزیڈنٹ کے طبع شدہ اور قلمی نوعیت کے نجی و سرکاری کاغذات شامل ہیں۔ ان کی خاطر اس تدقیقی عمل کو کمپنی کی حکومت کے صدر دفاتر واقع فورٹ ولیم کی کلکتہ آرکایوز سے لے کر انڈیا آفس کے محفوظات مخزونہ برٹش لائبریری کی قلمیات تک توسیع دی جاسکتی ہے بلکہ دینی پڑے گی۔ ان سب کے من جملہ صرف چند مخطوطے مطبوعہ ہیں مثلاً" رسل (۱۹۵۵) اور بعض نئی تحقیقات میں ان کے جائزہ و احاطہ کا غالب امکان ہے مثلاً" رسل کے ہی دور پر ڈاکٹر زبیدہ یزدانی کا تھیس جو شائع شدہ ہے(۱۹۷۶)۔

یہاں اس موضوع کے واقعاتی پس منظر کے مقامات آہ و فغاں میں سے ایک پر معروضے کی جسارت پر قلم اٹھ رہا ہے۔ گو تاریخ کے ایک کم سواد طالب علم کے منصب سے سوا ہوگا۔ اٹھارہویں صدی کے بالعموم وسیع و عریض ملکی تناظر میں اور علی الخصوص تاریخ دکن کے پس منظر میں ایک بڑا قابل غور و توجہ نکتہ ہے۔ کئی فریقین کے باہمی محاربات کے دوران آبادی کی اکثریت کا تباہی و بربادی کے طویل عمل سے خموشی سے گزرتے جانا اور اس کے ہی بھیانک اور بدترین نتیجے کے طور پر حکمران وقت اقلیتی طبقوں کی مابعد نسلوں کا انتقامی عواقب کا نشانہ بننا۔ مجموعی صورت احوال کے جرات مندانہ تجزیے سے ہمارے جدید ماہرین تاریخ و سیاسیات نے شعوری اجتناب کا رویہ اپنایا ہوا ہے کیونکہ ایسے کسی جسارت آمیز تحقیق و ناقدانہ عمل کا ہر مرحلہ کڑوی گولی نگلنے کے برابر ہوگا۔ ایسے ہر مبصرانہ جائزے میں محققین کو بار بار مراحل سخت جاں سے گزرنا پڑے گا اس لئے اس جانب تاریخ و سیاست کے تجزیہ کاروں نے اعتناء کی کوئی زحمت ہی نہیں کی ہے۔ ہم وطن افاضل کے من جملہ ڈاکٹر مبارک علی خاں واحد اور جسور و جری مورخ ہیں جنھوں نے بڑی ہوش مندی سے نازک و سنگین حقائق پر متوجہ کرانا چاہا ہے اور پوری دل سوزی سے۔ برصغیر کے پیچیدہ و حساس تاریخی مسایل ڈاکٹر مبارک علی خاں کی باریک بیں نگاہوں کی بھرپور اور محکم گرفت میں ہیں، ان کی دقیق النظری حقیقت پسندانہ انداز میں ان کی تہہ تک جا پہنچی ہے اور متعلقہ مضمرات و موثرات کی پرتیں کھولتی ہے۔ ڈاکٹر مبارک علی خاں نے اپنے مخصوص و منفرد طرز میں تاریخ ہند کی سنگین و پیچیدہ حقیقتوں پر سے نقاب الٹا ہے اور توقع ہے وہ تاریخ دکن کے بھی پہلودار اور حساس و نازک امور کا حکیمانہ تجزیہ اپنے جرات پسندانہ طریق پر کریں گے۔ "آخری

Marfat.com

عہد مغلیہ" نامی تحقیق میں زیر نگہ عرصے کے بڑی حد تک شمال کے باہمی جنگ و جدل کے سانحات پر خصوصیت سے اور بالعموم دو اور تصنیفات "تاریخ اور روایات اور تاریخ کا المیہ" میں ڈاکٹر مبارک علی خاں نے بے انتہا پر بصیرت و چشم کشا اسلوب میں ان سب گوشوں کو تاریخ کے مدفن سے نکال کر پیش کیا ہے جن پر عبرت کی نگاہ کرتے ہوئے ایک عام اور روایتی مورخ گھبرا اٹھتا ہے اور آنکھیں موندنے میں ہی عافیت سمجھتا ہے۔ اس اشارے سے اتنا مقصود ہے کہ حیدر آبادیوں اور میسوریوں کی باہمی متصل و شدید تاخت و تاراج کا شکار آبادی کی جو کثیر تعداد بنتی تھی وہ ایک لمحے کے لئے بھی اپنی زمین پر دندناتی پھرتی اور قیامت پر قیامت اور عذاب پر عذاب ڈھاتی ہوئی انسانی بستیوں کو مرگ انبوہ کا نشانہ بناتی ہوئی کسی بھی فریق کی افواج قاہرہ میں سے آخر کس کی حامی و ناصر ہوتی تھی۔ ایک دوسرے سے مسلسل متصادم یہ حکمران اسی لئے وسیع عوامی حمایت سے محروم رہے اور ان کے ہم قوموں کی نسلیں اسی جغرافیے میں قانون مکافات عمل کی بے تکان کارروائیوں کی زد میں ہیں کہ انسانی تاریخ کا پہیہ گھوم رہا ہے۔

اوراق ہذا دراصل راقم کے وسیع منصوبے "تحریکات آزادی کی دو تصویریں" کے حصہ اول پر مشتمل ہیں جس کا دوسرا جزو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی عدیم المثال اور فرد فرید سی شخصیت عظیم اللہ خاں کو نفس موضوع کرے گا' انشاء اللہ العظیم! راقم کی اپنی ہی بدقسمتی کہ "مبارزالدولہ: ایک سیاسی سوانح" کی ۱۹۶۲ء میں ابتدا" تکمیل کے باوجود آج تک منشی عظیم اللہ خاں کانپوری کی تاریخی شخصیت کا جائزہ شروع کرنے کی سعادت سے محرومی رہی ہے۔ اب یہ موقع ملازمت کے مستقل قریب میں انجام بخیر پر ہی ملے گا جس کے آثار روز بروز واضح تر ہوتے جا رہے ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کی طالب علمی کے دوران مبارزالدلہ کی طرح عظیم اللہ خان کی معاصر نایاب کتب سے اخذ و اقتباس کا اہتمام زیادہ ممکن نہ ہو سکتا تھا اور اسی خیال سے ۱۸۵۷ء پر صرف تازہ مطبوعات کی گرد آوری تک محدود رہنا پڑا تھا۔

تحریکات آزادی کے لحات زریں کے قیمتی اوراق پر عظیم اللہ خاں نے اپنی انتہائی بے لوث اور نہایت درجہ بامقصد و فعال اور مفید و مثبت قیادت کے جو نقوش مرتسم کیے ہیں وہ کم سے کم الفاظ میں لافانی اور عدیم النظیر تسلیم کئے جائیں گے۔ عظیم اللہ خاں کے فقید المثال کردار سے تقابل کی غرض سے واقعہ یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی پیشرو تحریکوں میں درکنار خود اس

Marfat.com

جنگ آزادی کے پر ہجوم منظر نامے میں بھی کوئی شخصیت نہیں ملے گی۔ حضرت سید احمد بریلوی کو ایک لحاظ سے استثناء حاصل ہے گو محدود مقاصد کے سبب تحریک مجاہدین کا اپنا تناظر آزادی کے ملک گیر قومی منصوبوں سے خاصا مختلف ہی نہیں متصادم و متضاد بھی رہا ہے۔ عظیم اللہ خاں کی ذاتی عظمت اور کرداری سربلندی کا تصور فرمائیے کہ مسلمانوں کے ایک علمی حلقے میں متعصب قرار پانے والا مورخ لیکن ۱۸۵۷ء کا اہم محقق و نقاد ویرداموورساورکر بھی "انڈین وار آف انڈپنڈنس" میں عظیم اللہ خان کی مجاہدانہ زندگی کا بے حد مداح و معترف ہے۔

مبارزالدولہ کو ان کے قبل و بعد اور ہم عصرادوار کی تحریکوں کے پس منظر کی تاریخی وسعتوں میں صرف اور بہ مشکل دکن کی تحریکات آزادی کا ایک کردار سمجھا جا سکتا ہے مگر اس کے لئے ان کے ثناخواں جدید مبصروں کی مداحی کوئی شافی جواز نہیں ہے بلکہ گہری کھوج کے بغیر اس کا اثبات آسان نہیں ہوگا۔ تاریخ آزادی کے ہندوستان گیر تناظر میں مبارزالدولہ کو نہ تو کسی طور اولیت و سبقت حاصل رہی ہے اور نہ ہی دوسروں پر کوئی برتری و فوقیت' اس کی وجوہ تاریخی بھی ہیں کرداری بھی جو "مبارزالدولہ ایک سیاسی سوانح" کی آخری تقابلی گفتگو میں زیر نظر ہوں گی۔ ان معروضات میں کوئی چیلنج نہیں دیا جارہا ہے اور ان سے ہرگز یہ مقصود نہیں ہے کہ مبارزالدولہ کے دکن کی حد تک سہی قائدانہ مرتبہ و مقام کے تصور کا خدانخواستہ استرداد یا ابطال کردیا جائے۔ واقعہ یہی ہے کہ مبارزالدولہ کے ایک مجاہد حریت ہونے کا کیا محض آزادی خواہ ہونے کا خیال بھی رد کیے بغیر ان کی بے تدبیری و خام کاری اور ان کی منصوبہ سازی کے بے اصل اور بے اساس ہونے کی سامنے کی حقیقتوں کو احاطہ نظر میں رکھا جاسکتا ہے جنھیں قلم انداز کرکے کوئی بھی جائزہ مطالعہ تاریخ کی صداقتوں اور سوانح نویسی کی دیانت کے برخلاف اور منافی ہوگا۔ ان کی موجودگی سے بطلان لازم نہیں آتا ہے۔

"تحریکات آزادی کی دو تصویریں" کے اس جزو اولیں "مبارزالدولہ : ایک تاریخی سوانح" کی پیشکش کی ہندوستان اور پاکستان میں بیک وقت کوشش کے لحاظ سے اس کا تعارفی عنوان ذرا سا مختلف کردیا گیا ہے۔ یعنی ہندوستان کی حد تک "تحریکات آزادی میں حیدر آباد کا حصہ اور مبارزالدولہ" اور پاکستان میں "تحریک مجاہدین میں حیدر آباد کا حصہ اور مبارزالدولہ"۔ اس تعلق سے بڑا ضروری سا معروضہ ہے کہ اس سے آزادی کی تحریکوں اور یا تحریک مجاہدین سے تحقیقی یا مطالعاتی نسبت کا داعیہ قطعی مقصود نہیں ہے کہ دونوں

Marfat.com

موضوعات کے بحر ناپیدا کنار سے اس قطرۂ بے مقدار کو کیا مناسبت ہو سکتی ہے۔ کتاب صرف اور صرف حیات مبارزالدولہ سے متعلق ہے اور اسی تک مرکوز و محدود البتہ دونوں ملکوں میں پائی جانے والی علیحدہ موضوعاتی دلچسپی کے زیر اثر "مبارزالدولہ ایک سیاسی سوانح" کو الگ الگ عنوان سے موسوم کرکے متعارف کرایا جارہا ہے۔ کسی قسم کی متنی تبدیلی کو روا رکھا گیا ہے اور نہ ہی ترتیب ابواب میں کسی فرق کو۔

نجد و حجاز کے مصلح اعظم محمد بن عبدالوہاب کی برپا کی ہوئی تحریک اور برصغیر میں اسی سے بالعموم منسوب و معروف "تحریک مجاہدین" نیز ہندوستان میں ماقبل ۱۸۵۷ کی بھی تحریکوں کی تفصیلات کا خلاصہ ایک مبتدیانہ سا اضافہ ہوتا کیونکہ ان سب کی اتنی مفصل کیفیتیں متحقق ہو چکی ہیں کہ ان کی تلخیص نامناسب رہتی۔ نجدی اور ہندی تحریکوں پر اولین تحقیقات کے مصنف مولانا مسعود عالم ندوی ابتدا" دونوں کے باہمی رشتہ و تعلق پر خود بھی کسی نتیجے تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ ان کی دوسری کتاب "ہندوستان کی اولین اصلاحی تحریک" سامنے نہیں آئی ہے مگر ان کے قریب ۱۹۳۵ کے ایک خط موسومہ سید الطاف علی بریلوی سے ظاہر ہے کہ وہ دریافت احوال کی فکر میں تھے۔ "العلم" ستمبر۱۹۹۱ میں منقول عکسی تحریر میں مولانا مسعود عالم کا یہ ارشاد آج ایک یادگار انکشاف ہی معلوم ہوگا:"اس وقت "وہابیوں کی سیاسی تحریک" کے متعلق کچھ معلوم کرنا ہے------ دریافت طلب امور یہ ہیں: سید احمد" صاحب کی جماعت کا نجد سے کچھ تعلق تھا یا نہیں؟ سید صاحب حج میں ان لوگوں سے ملے تھے یا نہیں؟ تمام انگریزی کتابوں میں بتایا جاتا ہے کہ وہ حج کے بعد نجد کے وہابیوں سے یہ جذبہ لےکر آئے۔" (صفحہ۲۹)

"مبارزالدولہ: ایک سیاسی سوانح" کے نفس مضمون اور حجم دونوں کی حدود سے ان سبھی تحریکوں کی کیفیات کا قصّہ غیر متعلق تو خیر نہیں مگر زیادہ ہو ہی جاتا اسی لئے مبارزالدولہ کے والد سکندر جاہ کے نام بانی تحریک حضرت سید احمد کے مراسلے تک اس حوالے کو محدود رکھا گیا ہے۔ ادھر اتفاقیہ حضرت شہید کی سیرت مبارکہ اور ان کی شہادت عظمیٰ پر سوانحی مطالعات میں مبارزالدولہ کا اپنا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے۔ مثلاً" بطور تبرک مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ابتدائی تصنیف "سیرت سید احمد شہید" ملاحظہ فرمائی جائے جس میں مبارزالدولہ کی تحریکی کارکردگی چند کلمات تک محدود ہے۔

Marfat.com

بطور ابتدائیہ "مبارزالدولہ: ایک تاریخی سوانح" کی "کتاب کہانی" کی یہ آخری سطور مکرم و محترم ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب کے قلبی شکرانے کے طور پر سپرد قلم کرنا راقم کے اپنے لئے ایک خوشگوار فریضے کے مصداق ہے۔ آج ہی صبح جناب سید معین الدین عقیل سے نیاز حاصل کرنے پر ممدوح نے مولانا کرامت علی کے بارۂ خاص میں اپنی جستجو سے مستفید فرمایا جو انھوں نے راقم کے التماس پر کی۔ تمام تر حقیر مساعی کے باوجود راقم کے ننھیالی بزرگ مولانا کرامت علی کی وہابی تحریک سے وابستگی یا اس میں ان کے کسی طرح کے فعال و متحرک کردار کی ادائیگی کی موثق اور حقیقی تفصیلات کی تاحال دریافت و ترتیب ناممکن بنی ہوئی ہے۔ کیونکہ ان کی زندگانی اور عالمانہ مصروفیات کی کیفیتوں سے راست تحریکی تعلق کی کڑیاں نہیں مل پارہی ہیں۔

احقرالعباد محترم سربراہ ادارہ کا ایک اور بار امتنان گزار ہے کہ ان کی بندہ نوازی سے "مبارزالدولہ: ایک سیاسی سوانح" کو علمی منظر پر رونما ہونے کا یہ خوش آئند موقع حاصل ہو رہا ہے۔

۹ر ۱۱ر ۱۹۹۱

ابو سعادت جلیلی

سلیمان پلازا سی۔ایک گلشن اقبال نمبر۱۰
کراچی۔۴۷ پاکستان۔۷۵۳۰۰

Marfat.com

مبارزالدولہ : پس منظر

۱۷۲۴ء: اٹھارویں صدی کا ہندوستان اور مبارزالدولہ

۱۷۲۴ء میں میر قمرالدین چین قلیچ خاں نظام الملک آصف جاہ کے ہاتھوں دکن میں مملکت آصفیہ کی تاسیس اورنگ زیب کی وفات ۱۷۰۷ کے بعد دم توڑتی ہوئی مغل سلطنت کے محمد شاہ کی سند پر عمل میں آئی۔ ۱۱ر اگست ۱۶۷۱ کو اعلیٰ درجے کے امرائے دربار کی رسم کے مطابق شاہ جہاں کے وزیراعظم علامی سعداللہ خاں کا نواسہ اور میر شہاب الدین فیروز جنگ اور سعید النساء بیگم کا نومولود عالم گیر کے روبرو پیش کیا گیا تو شہنشاہ ہند نے اس کو "میر قمرالدین" سے موسوم کیا۔ اورنگ زیب سے نام کے عطیے کے علاوہ میر قمرالدین نے بیس سال کی نوعمری میں اپنے دادا قلیچ خاں خواجہ عابد کی مناسبت سے "چین قلیچ خاں بہادر" یعنی چھوٹی تلوار کا خطاب نیز اس کے پوتے فرخ سیر سے "نظام الملک فتح جنگ" کا اور پڑپوتے محمد شاہ سے "آصف جاہ" کا خطاب پایا جس سے ان کی قائم کردہ ریاست معنون اور مشہور و معروف ہوئی۔ آصف جاہی حدود ۱۳۴۷ میں قائم شدہ دکن کی اولین مسلمان سلطنت بہمنیہ کے جانشینوں یعنی برید شاہیوں اور عادل شاہیوں نظام شاہیوں عماد یا احمد شاہیوں اور قطب شاہیوں کے علاقوں میں بڑی تعداد کے علاوہ وسیع تر خطے کو محیط تھیں جو مغل اصطلاح میں "شش صوبہ دکن" تھا۔ بہمنیوں کی بالواسطہ وارث ہونے کے علاوہ نئی مملکت آصفیہ متذکرہ ریاستوں کے تہذیبی جوہر اور علاقائی خواص کی بھی تمام و کمال امین و نگہبان ہوئی۔ تاہم چونکہ عالمگیری افواج کے ہاتھوں بیجاپور اور گولکنڈہ کی سلطنتوں کے سقوط اور پھر آصف جاہی مملکت کے قیام میں خاصا تفاوت زمانی ہے۔ اس لئے نئی ریاست اپنی مقامی تمدنی میراث کے قطع نظر مغل ہندوستان کی موروثی اور رائج الوقت سیاست کے موثرات کی زد میں رہی۔ تاسیس اور انصرام و استحکام کے اولین عشروں میں یعنی ختم صدی تک سلطنت آصفیہ مغلوں کی مجموعی جانشین کمپنی کی حکومت کے عزائم و اقدامات کے تصرف اور غلبے میں بھی آگئی۔ آصف جاہی ریاست کی ابتدائی تاریخ کے یہ چند پہلو ہیں۔

برصغیر کے ماضی قریب میں اٹھارویں صدی کو ایسے سیاسی جھٹپٹے کی حیثیت حاصل ہے۔ جس میں کل ہند طوائف الملوکی کے زیراثر مغلیہ عہد کا آفتاب غروب ہو رہا تھا اور انگریزی

Marfat.com

عملداری کی سیاہ رات طاری ہو رہی تھی' نیز اسی اثناء میں مغل ہندوستان کے ورثاء کے بطور کمپنی کی حکومت کے ہمسرو ہم چشم نئے علاقائی حکمران اپنی چھوٹی بڑی مملکتیں قائم اور مستحکم کر رہے تھے۔ اس طرح اٹھارویں صدی اس ہندوستان گیر نظم و نسق کی جو مغلیہ حکومت کی مرکزیت سے عبارت تھا شکست و ریخت اور متوازی سیاسی و حربی عمل کے وسیلے سے کمپنی کی حکومت میں منتقلی و تشکیل نو کا ایک ایسا نقشہ پیش کرتی ہے جس میں کئی چھوٹی بڑی وحدتیں آزادانہ تشخص کے لئے سخت جدوجہد کرتی دکھائی دیں گی۔ مثلاً شمال میں اودھ کے برہان الملک سید امین سعادت علی خاں' مشرق میں بنگال کے مہابت جنگ علی وردی خاں' وسط ہند میں بھوپال کے دوپست محمد خاں اور جنوب میں میسور کے حیدر علی کی نیم خودمختار ریاستیں جن کی تاسیس مملکت آصفیہ کے قریب العہد ہے۔ اٹھارویں صدی کے دوران اور خصوصاً" ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی سے لے کر ۱۷۹۹ کی جنگ سرنگاپٹم تک کے زمانے اور منقلب سیاسی جغرافیے میں تاریخ کے ایک حسین اتفاق کے طور پر سلطنت آصفیہ نے اپنی وحدت کا آزاد وجود ایک طرف مغل بادشاہوں سے تسلیم کروایا تو دوسری جانب کمپنی کی حکومت سے بھی اپنا خودمختار تشخص منوالیا۔ ازاں بعد کئی ایک تاریخی بحرانوں اور جغرافیائی تاراجی و تشکیل نو سے گزر کر یہ ریاست ۲۲۵ برس تک قائم بھی رہی اور پھر ۱۳۴۷ میں دکن کی پہلی مسلمان سلطنت بہمنیہ کے قیام سے لے کر مغل حکومت تک کے تاریخی تسلسل کی پاسبان یہ آخری مسلمان مملکت حیدر آباد ٹھیک ۶۰۰ سال بعد ۱۹۴۸ میں صفحہ ہستی سے مٹ گئی۔ بقول آخری شہریار دکن سلاطین سلف کے نذر اجل ہو جانے کے بعد مسلمانوں کا جس باقیات سے برصغیر میں نشان تھا اس کی یادگار ریاست حیدر آباد بھی اپنی پرمایہ و پرثروت تہذیبی اور سیاسی نیز علمی اور لسانی میراث سمیت دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئی۔ گویا ہندوستان میں مسلمانوں کی حکمرانی کی تاریخ کے کلاسیکی عہد کا اختتام ہو گیا۔

مغلیہ سلطنت تو خیر اس قابل ہی نہیں رہ گئی تھی کہ انتشار پذیری کی شدید و مسلسل اور تیز تر ملک گیر صورتحال میں اپنے تابوت میں ٹھونکے جانے والی ہر کیل کا خراج وصول کر سکتی۔ مگر اس حقیقت سے مفر بھی کسی طور ممکن نہیں کہ کمپنی کی حکومت سے اپنی خودمختاری و آزادی کو منوانے کی قیمت مملکت حیدر آباد یا آصف جاہی ریاست کو بہت زیادہ ادا کرنی پڑی۔ یہ حقائق اگرچہ بڑے تلخ ہیں لیکن تاریخی نوعیت کے حامل ہیں اس لئے ان سے اغماض

Marfat.com

ممکن ہی نہیں کہ نئی قائم شدہ اور خاصی کچھ غیر مستحکم پڑوسی سلطنتوں حیدر آباد و میسور کے حکمرانوں نے مشترکہ قومی و ملکی مفادات کے خارجی دشمنوں یعنی انگریز کے خلاف فوری اور مضبوط اتحاد کے بجائے ایک دوسرے کے علاقے ہتھیانے پر اپنی تمام تر قوتیں بری طرح ضائع کیں۔ یہی باہمی عناد پروری اور عملی جارحیت سلطنت خداداد کے وجود کے بھی خاتمے اور ریاست حیدر آباد کی آزادانہ حیثیت کے کمپنی کی حکومت کے ہاتھوں گروی رکھے جانے پر منتج ہوئی۔ مملکت آصفیہ کی تاخت و تاراج کی زبردست و متواتر کوششوں میں فتح علی اور ٹیپو کی ہوس ملک گیری کا ہزار دخل ہو لیکن ریاست میسور کی بدانجامی میں اس کے راست و شدید حملوں کی زد میں آئی ہوئی آصف جاہی سلطنت کے بدلتے ہوئے سربراہوں کے عاقبت ناشناس اور منتقمانہ ردعمل کا حصہ بھی کچھ کم نہ تھا۔ علاقائی وابستگی یا جذباتی تعلق کی بناء پر دونوں فریقوں میں سے کسی کو ایک دوسرے کی تباہی و بربادی کے عملی منصوبوں نیز ان کے بدترین تاریخی مضمرات اور بھیانک سیاسی عواقب سے بری الذمہ کرنا قطعاً" غلط ہوگا۔ تاریخ تو بے رحمانہ مطالعے کا نام ہے اور غیرجانبداری کو شعوری طور پر اختیار کرنا مطالعہ تاریخ کا ناگزیر تقاضہ ہوتا ہے' وگرنہ سطحی جذباتیت یا وقتی و ذاتی مصلحت سنجیدہ تاریخی تجزیے کا کوئی سا اقتضا پورا نہیں ہونے دیتی۔ استحکام و سالمیت کی محتاج دونوں ہی نئی اور پڑوسی مسلمان وحدتوں نے دیگر عوامل کے قطع نظر باہمی پیکار کے ذریعے ملک و قوم کے عام طور پر اور بطور خاص خود اپنے بدترین مشترکہ بیرونی دشمنوں کی جھولی میں جس طرح اپنی تسخیر و مغلوبیت کے سارے ثمرات و فوائد ڈال دیئے وہ ہماری ماضی قریب کی تاریخ کا عجیب و غریب سانحہ ہے۔ ایک نے مٹ کر اور دوسری نے زیر دست حیثیت میں معاہدوں کے نام سے غلامی کی زنجیر گلے میں ڈال کر اپنے اپنے مملکتی مفادات سے لے کر ملکی مستقبل کو جس طرح مشترک خارجی دشمن کی قربان گاہ پر بھینٹ کیا اس کے لئے ان بیرونی اجنبیوں کو کلیتہً" ذمہ دار قرار دینا تاریخی لحاظ سے شاید ہی درست ہو۔

یہ مآل کار تھا محض جوع الارض کے اپنے اپنے جذبے کو تسکین دینے کی بے معنی و برخود غلط اور ہلاکت خیز "حکمت عملی" کا جو کئی برس تک دونوں بادشاہتوں نے ایک دوسرے کے خطے میں فساد فی الارض بپا کرکے روا رکھی اور جس میں حکمت کا عمل دخل تو خیر کیا ہوتا صرف اور صرف علاقائی توسیع پسندی کی ہوس ہی غالب تھی۔ اس کی اور تاریخی وجوہ کے

Marfat.com

علاوہ جن کی تفصیل مطلوب نہیں ایک بڑا اور بنیادی عامل یہ تھا کہ دونوں نوزائیدہ وحدتوں کی بہت بھاری اکثریت غیر مسلموں پر مشتمل تھی جو اپنے حکمرانوں کی مستقل جارحیت کے باعث عمومی طور پر حالت خوف میں رہتی تھی اور جس کی بڑی تعداد کسی طرح بھی ایک دوسرے کی زمینوں پر دندناتے پھرنے والے فوجیوں میں سے کسی ایک فریق کی حامی و ناصر ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ تیسری جانب اطراف و اکناف کی واضح اکثریتی آبادی کی نمائندہ قوت مرہٹوں کی تھی جو کبھی تتر بتر ہو کر کبھی مل جل کر مغلوں سے لے کر ان کے جانشینوں یعنی آصفی حکمرانوں اور میسوریوں سے بھی متصادم رہتی تھی۔ مرہٹوں نے مغلیہ سلطنت کے مرکز جاذبہ سے لے کر میسور اور حیدر آباد کے مرہٹہ علاقوں پر حملے اور قبضے کے لئے متواتر اور بھرپور جارحیت کی تھی اور نظام الملک کے بیٹے صلابت جنگ کے کھوئے ہوئے بڑے علاقے کی بناء پر ان کی معزولی کے بعد ان کے بھائی اور آصف جاہ ثانی نظام علی خاں نے انھیں واپس حاصل کرتے ہوئے پونہ شہر کو جو حملہ آور مرہٹوں کا قلب تھا جلا کر راکھ کر ڈالا تھا۔ میسوریوں اور مرہٹہ طاقت کے محاربوں کی کیفیت بھی مختلف نہیں تھی۔ حیدر آباد و میسور کی جڑواں مسلم وحدتوں کے نئے سلاطین خلجیوں سے لے کر مغلوں تک تمام تر مسلمان حکمرانوں کی روش پر قائم رہ کر اپنے زیر نگیں علاقوں کی کثیر آبادی کے جانی و مالی نقصانات سے بے پرواہ باالفاظ دیگر ان کے عظیم تر مفادات کے تحت منافی من مانی کاروائیوں از قسم باہمی جنگ و جدل میں الجھے رہتے تھے اور ان کے باشندوں کی بھاری اکثریت پر اس کے جو مضر اثرات پڑتے تھے اس سب کے باعث مقامی کثیر آبادی کبھی اور کسی طرح بھی ان میں سے کسی کی عملی تائید و حمایت پر کمربستہ نہیں ہو سکتی تھی۔ انگریزوں کو اپنے فوجی اور سیاسی غلبے کے ادوار میں اس عنصر کا پورا پورا فائدہ حاصل رہا جس کی تفصیل عام ہے۔ ان سب واقعات و حقایق کے تاریخی حوالے غیر ضروری ہوں گے۔

غرضیکہ آصف جاہی سیادت کو قبول نہ کرنے والے میسوریوں کی ناعاقبت اندیشی پر مبنی ترکتازیاں ہوں یا ان کے خلاف انگریزوں کی سازشوں اور فیصلہ کن جارحیت ۱۷۹۸ء میں آصفی مملکت کی افواج کی تباہ کن شرکت' تاریخ کے انگشت بدنداں طالب علم کے حقیر خیال میں یہ سب اپنی اپنی مستقل و مکمل بدانجامی کو دعوت دینے کے مترادف تھا اور طرفین نے عملاً یہی کچھ کیا۔ نتیجتاً" میسور کی مملکت اپنی تاسیس کے مختصر ترین عرصے میں تاراج ہو گئی اور

Marfat.com

آصف جاہی بادشاہت تاریخ کے نقشے پر ٹھیک سے ابھرنے بھی نہ پائی تھی کہ نئے صیادوں کے پھیلائے ہوئے دام ہم رنگ زمیں میں پھنس کر اپنی ریاستی آزادی اور حاکمانہ خودمختاری کھو بیٹھی۔ بڑا عام سا تاثر یہ ہے کہ ۱۷۹۹ میں سرنگاپٹم میں سلطنت خداداد میسور کا سقوط و خاتمہ ہوا مگر عجوبہ یہ کہ میسور کی بطور ریاست شکست و ریخت کے عین اسی موقع پر خود مملکت آصفیہ کی اپنی آزادانہ حیثیت بھی ساقط ختم ہوگئی اور یہ کوئی مفروضہ نہیں ہے۔ اپنے اور اپنے بھائی کے مشترکہ دشمن کے ساتھ مل کر بھائی کے قتل میں ملوث ہونے کے بعد ان اغیار بے اعتبار کے فوجی تسلط اور سیاسی غلبے حتیٰ کہ علاقائی تغیرات و تصرفات اور مالی مطالبوں سبھی کو من و عن قبول کئے بغیر چارہ نہ تھا۔ ٹیپو کی شہادت سے قبل و بعد کے نام نہاد معاہدوں کے ہاتھوں نظام الملک آصف جاہ کی خودمختار سلطنت کے آزاد سیاسی تشخص اور جغرافیائی مقام نیز دکھنی بادشاہتوں کے درمیان تاریخی مرتبے غرض سبھی کچھ کا خون ہو کر رہا۔ قومی فروختند و چہ ارزاں! مرہٹوں اور میسوریوں سے جو کچھ آصف جاہ نیز صلابت جنگ و ناصر جنگ اور آصف جاہ ثانی نے بچانا چاہا تھا وہ سب کچھ طرح طرح کے دباؤ اور وقتی مصالح کے زیراثر مسلط اور قبول کئے ہوئے معاہدوں کے تحت آصف جاہ ثانی و ثالث و رابع کے ادوار میں انگریزوں کے ہاتھوں لٹ گیا۔ مرہٹوں اور میسوریوں کی ننگی جارحیت سے نجات کی قیمت ان معاہدات کے ذریعے ادا کی گئی جو ان کی بھونڈی جنگ بازی کے بجائے انگریزوں کی عیارانہ سیاست بازی نے وصول کرلی۔ علاقہ اور روپیہ ہی نہیں گیا بلکہ مملکت آصفیہ حیدرآباد کے اقتدار اعلیٰ میں تک کمپنی کی حکومت کا دربار آصفی میں مقررہ رزیڈنٹ شریک غالب ہو کر رہا۔ یہ آخرالذکر نقصان جسے آج تاریخ کی کڑی سزا کہیے یا اغیار پرستی کی قیمت اپنے مضمرات و عواقب کے لحاظ سے اتنا بڑا نیز قوی و موثر اور متواتر و مطول رہا کہ اس کا فی الوقت احاطہ کسی طور پر ممکن نہیں۔ پہلے ریذیڈنٹ سے لے کر آزادی ہند تک کے آخری رزیڈنٹ کی سیاسی و انتظامی چیرہ دستیوں اور امور مملکت میں غیرمعقول و بلاوجہ دخل اندازیوں کی اپنی ایک تاریخ مطبوعات کی مدد سے لکھی جاسکتی ہے۔ خفیہ مراسلتوں روداودں محضروں اور نجی خطوط و مشاہدات کے شامل تحقیق طلب دستاویزوں سے قابل حصول ریکارڈ پر مبنی تفتیشی و تصنیفی عمل اس پر سوا ہوگا۔ کاش کوئی اہل علم و بصیرت جدید محقق اور اسکالر اس باب میں تاریخ نگاری و تجزیہ کاری کا بیڑا اٹھائے!

Marfat.com

اٹھارویں صدی کے اختتام سے قبل جبکہ ہندوستان کی جیوپولیٹیکل صورتحال بڑی تیزی سے اپنی تاریخی کشمکش کی انتہاء کو چھو رہی تھی، نظام الملک آصف جاہ کے پوتے اور مستقبل کے تیسرے نظام سکندر جاہ کے ہاں تیسرے بیٹے مبارزالدولہ کی ولادت ہوئی۔ اوراق ہذا کا نفس موضوع ہونے کی مناسبت سے اٹھارویں صدی کے دکن کی تاریخ میں

------ ایک تو ریاست آصف جاہیہ کے استقرار اور دوسرے

------ انگریزوں سے معاہدوں کے نتیجے میں ٹیپو کی شہادت اور سلطنت آصفیہ کی مغلوبیت کے ساتھ ساتھ

------ مبارزالدولہ کا عین اسی فضا میں ولادت پانا

تیسرا اہم ترین واقعہ قرار پاتا ہے۔ مبارزالدولہ کی اپنی شخصیت کی تراش خراش اور قطع و برید گویا اس کی تعمیر و تخریب نیز اس کے عکس جلال و جمال کے طور پر مبارزالدولہ کی اپنی مخصوص اور تاریخی سیاست و مبارزت پر

------ سلطان ٹیپو کی شہادتؒ اور

------ انگریزوں کی حیدرآباد میں سیاسی و فوجی موجودگی اور مداخلتی کاروائیوں کی اثراندازی علانیہ محسوس ہوتی ہے جو ماضی قریب و بعید کے چند اور محرکات کے ہم راہ مبارزالدولہ کی فکر اور کارکردگی نیز آزمائش کے مواقع پر مبارزالدولہ کی عملاً بے توفیقی و نامرادی کے مجموعی عوامل کا لازم و ملزوم بن جاتی ہے۔ ان سب اثرات میں سے کچھ کا اندازہ تو متعلقہ حوادث کی جزیات کی مدد سے کیا جاسکے گا اور چند ایک کا ان کی زندگانی میں جذبات و افکار کے سلسلہ عمل و ردعمل سے تعلق گہرا معلوم ہوتا ہے۔ اس دوسرے نوعیت کے عامل سانحوں کی طرف سطور ذیل کے علاوہ اختتامی تجزیے میں ضروری اشارے ضبط تحریر میں آرہے ہیں۔

مبارزالدولہ کی سیاسی سوانح عمری کی بظاہر غیر متعلق لیکن ان کی فکری شیرازہ بندی نیز ذہنی تعمیر و ساخت اور اثرپذیری سے بخصوصیت ہم رشتہ کیے جانے کے قابل کچھ واقعات خود مملکت حیدرآباد کے ہیں جو اٹھارویں صدی میں ہی پیش آئے۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ پورے طور پر نہ سہی کسی نہ کسی حد تک مبارزالدولہ کی سیاست کا خمیر ان حوادث کے اپنے

Marfat.com

اثرات سے اٹھا تھا اور مبارزالدولہ کے سیاسی ذہن نے انہی سے باطنی قوت کا اکتساب کیا تھا۔ مثلاً "نومولود سلطنت کا مرہٹہ طاقت کے علاوہ جس سے نبرد آزما ہونے کا طویل و مسلسل فوجی و سیاسی تجربہ بانی خانوادہ کو حاصل تھا اپنی طرح کی پڑوسی نوزائیدہ قوت یعنی ریاست میسور سے باہمی تنازعہ و محاربہ کا متصل عمل۔ گویا حیدر آباد کی طرف سے چند اقطاع کی بزور شمشیر بازیابی میں ناکامی پر میسور کے مدمقابل انگریزوں کی حلیف اور ہمدم و دمساز ریاست کی حیثیت میں سیاسی و فوجی معاہدوں میں شرکت اور نتیجتاً" ٹیپو سلطان کے خلاف پوری طاقت سے حربی کاروائی جو اس کی شہادت اور میسور کی شکست و تاراجی پر منتج ہوئی۔ مبارزالدولہ نے انگریز دشمنی کا پہلا سبق اسی تاریخی عمل کے اپنے تجزیے کے طور پر سیکھا اور انگریزوں کے خلاف شدید تنفر کا جذبہ اپنی پیدائش کے عین قبل و بعد کے سانحوں سے انگیز کیا۔ پھر سلطنت کی نہ صرف جغرافی بلکہ سیاسی و انتظامی ہر نوع کی حدود میں انگریزوں کی غاصبانہ موجودگی اور حاکمانہ دخل در معقولات سے مبارزالدولہ کے انگریزوں کے خلاف سخت نفرت و دشمنی کے جذبات خاصے زیادہ برانگیختہ ہوئے۔ اس پر مستزاد رعیت میں وسیع پیمانے پر شدت پھیلنے والا احساس تنفر جس سے بعد ازاں مبارزالدولہ نے عوامی حمایت کی بھی قوت مجتمع کرنی چاہی اور انھیں حاصل ہوئی بھی۔ مگر جس کو وہ صحیح طور پر نہ تو متحرک کرسکے اور نہ ہی اس سے مفید کام لے سکے۔ یہ اس لئے کہ قائدانہ خوبیوں کے فقدان اور برتر مقاصد کی بھی عدم موجودگی کے سبب مبارزالدولہ خود ہی قیادت کے اہل ثابت نہ ہوسکے۔ گو انہیں ان کے اپنے اور عام شہریوں کے انگریز دشمنانہ جذبات کی بناء پر مقبولیت خاصی ملی۔

ان بڑے اور نمایاں محرکات کے علاوہ جن کی مبارزالدولہ کی شخصیت سازی کے سوا بھی ریاستی تاریخ کے ان ادوار میں اہمیت غیر معمولی تھی' اٹھارویں صدی کے دو ایسے واقعات بھی مملکت میں رونما ہوئے جن پر مبارزالدولہ کی نگاہ تھی اور یقیناً" تھی اور ان کا اثر انھوں نے قدرتاً" قبول کیا۔ مبارزالدولہ کے افکار پر ان کی چھاپ اتنی گہری تھی کہ ان کی سوچوں کو اسی کا تسلسل قرار دیا جائے تو چنداں عجب نہ ہوگا' اگرچہ باعتبار تاریخ نہ تو وہ کوئی بڑے واقعات تھے اور نہ ہی تذکروں میں ان کی تفصیل آئی ہے نہ ان کی جزیات سے یہاں کوئی غرض ہے۔ مبارزالدولہ کی اپنی ذات اور روشنی طبع سے ان کی ولادت کے ماقبل کے ان دو حوادث کا گہرا اور قریبی تعلق اس بناء پر قابل فہم ہے کہ وہ نہ صرف ان کی ریاست

Marfat.com

میں پیش آئے بلکہ ان کے خانوادے میں واقع ہوئے۔ پہلا سانحہ جس کی کچھ روداد اس باب کے آئندہ عنوان سے آئے گی یہ تھا کہ ان کے دادا آصف جاہ ثانی نے اپنے بڑے بھائی صلابت جنگ کو معزول کر کے اقتدار حاصل کیا تھا۔ مبارز الدولہ کو طویل عرصے تک بقول خود جو "ارمان ریاست" رہا اس کی تہہ میں یہی خیال یقینی طور پر جاگزیں تھا کہ جس کی روایت انہی کے دادا نے قائم کی تھی۔ مبارز الدولہ کے دل و دماغ اور ذہن و فکر پر یہی تصورات مستولی رہے جن کے مطابق انھوں نے دو مرتبہ منصوبہ سازی اور جدوجہد کی کہ کسی طرح بھائی یعنی آصف جاہ رابع نظام ناصر الدولہ کو ہٹا کر "سامان ریاست" بہم پہنچایا جائے۔ ازاں بعد خانوادۂ آصفیہ کی مملکت میں آصف جاہ ثانی کی اس کامیاب بغاوت کے برعکس ایک ناکام انقلاب کی بھی کوشش ہوئی اور یہ دوسرا حادثہ جو اور بھی کم تر اہمیت کے ساتھ تواریخ میں مذکور ہے۔ آصف جاہ ثانی کے ہی ولی عہد عالی جاہ کی سرکشی کا تھا۔ اس سے انکار واقعتہً غیر حقیقت پسندانہ ہوگا کہ سکندر جاہ کی طرف سے "جنگ مبارز الدولہ" ۱۸۱۵ کی قید سے واپسی پر ۱۸۲۰ میں مرحوم تایا عالی جاہ کا کوٹلہ یا محل ملنے پر اس میں مستقل قیام کے دوران مبارز الدولہ کے ذہن میں یہ واقعہ بھی بار بار تازہ ہوتا اور ان کی سوچوں کو اسی راستے پر ڈالتا رہا۔ کوٹلہ عالی جاہ میں کوئی ایک عشرے تک تقریباً" بحالت نظربندی مقیم رہنے کا یہ اثر یا نتیجہ بھی ایک قدرتی امر ہی کہا جائے گا کہ اس سے مبارز الدولہ کے سلسلہ فکر و خیال کی کڑیاں ملتی ہیں۔

دونوں سانحوں کے ممکنات مبارز الدولہ کی نگاہ و فکر میں ضرور بسے ہوئے تھے اور خواہ ان کے کسی قول کی عدم موجودگی اس تاثر کے اثبات میں حایل ہو ان کا عمل اس نہج پر ارتقائی مراحل سے گزرتا رہا جس کے ثبوت متواتر بھی ہیں وافر بھی۔ البتہ یہ یقینی نہیں کہ مبارز الدولہ ان ریاستی اور خاندانی حوادث کے اعادے کے امکانات کے پہلو بہ پہلو ان کی نامرادی کے خدشات پر کوئی توجہ دے سکے تھے یا نہیں، کیونکہ اندازہ یہی ہے کہ مبارز الدولہ کی سوچ اتنی گہرائی میں نہ جا سکی تھی اور صرف ممکنات و توقعات کی سطح ہی ان کی نظروں میں تھی۔ مبارز الدولہ کے جوہر طبع کو کچھ نہ کچھ متحرک کرنے میں ان دونوں سانحات کی ذہنی کارفرمائی اور فکری اثر آفرینی کو مبارز الدولہ کے منصوبوں اور ماتحت سلسلہ واقعات میں منعکس دیکھا جا سکتا ہے۔ مبارز الدولہ کی ان سانحوں سے اس حد تک یا اس طور اثر پذیری کہ

Marfat.com

وہ ان کے افکار و خیالات پر حاوی ہو کر رہ جائیں کوئی ایسا امر نہیں جو تاریخ کے اوراق پر اپنے شواہد ثبت کرے تاہم متعلقہ ایک ایک واقعے کا مشاہدہ تذکرہ نگاروں نے جیسا کچھ تحریر کیا ہے۔ ہر ایک کی تفصیلوں میں مبارزالدولہ کے سارے منصوبوں کو زبان حال سے گویا دیکھا جا سکتا ہے۔

اٹھارویں صدی کے ان چھوٹے بڑے چار واقعات کے علاوہ سترہویں صدی کے اخیر سے پہلے کا بھی ایک سانحہ غالباً" مبارزالدولہ کی سنجیدہ توجہ اور گہری سوچوں کا محور بنا رہا اور اس پر انھوں نے جتنا غور کیا اتنا ہی ان کی طبیعت کی افتادِ عجز طبع میں ڈھل گئی اور کامرانی کی ہر توقع یاسیت میں بدل کر رہ گئی۔ اس نوعیت کے ذہنی اثرات محض قیاس میں ہی نہیں آتے ہیں بلکہ بہت بڑی حد تک قابل فہم ہیں مگر مبارزالدولہ پر ان کے فکری غلبے کا کوئی دستاویزی ثبوت ظاہر ہے کہ ناممکنات میں سے ہے۔ عالمگیر نے سترہویں صدی میں اکبر کی ناکام و نامراد حکمت عملی کو زندہ کرکے بیجاپور اور گول کنڈے کی ریاستوں کی تسخیر کی خاطر کئی برس تک ارض دکن کو اپنا مستقر بنائے رکھا اور زبردست فوج کشی اور غارت گری کے بعد ان دونوں سلطنتوں کا سقوط ہو سکا۔ یہاں تاریخ ہند و دکن کے اس عجیب و غریب اتفاق کا حوالہ بے محل نہ ہوگا کہ گول کنڈہ کی قطب شاہی مملکت اور بیجاپور کی بھی تسخیر میں اورنگ زیب کے سالار اعظم میر شہاب الدین فیروز جنگ تھے جن کے بیٹے نظام الملک آصف جاہ نے اسی خطے اور دیگر علاقوں پر بھی مشتمل مغل حکومت کے "شش صوبہ دکن" کو محیط نئی ریاست قائم کی۔ قطب شاہی خانوادے کے داماد اور آخری تاجدار ابوالحسن تاناشاہ کے جواں ہمت سپہ سالار عبدالرزاق لاری نے قلعہ گول کنڈہ کے صدر دروازے پر اس کی بادشاہی کو بچانے کی خاطر مجاہدانہ سعی میں کمال وفاداری سے داد شجاعت دیتے ہوئے گو شہادت نہ پائی' مگر تاریخ دکن میں نامور و مقبول ہوا اور آج تک اس کی مثالی مقبولیت اور عزت برقرار ہے۔

مبارزالدولہ محاربہ شیریں ۱۸۱۵ میں جوشیلے اور جذباتی انداز میں ملوث و ماخوذ ہو کر اپنے والد نظام سکندر جاہ کے شاہی محل سے گول کنڈہ بطور نظربند منتقل ہوئے تو ان کی نگاہوں میں عبدالرزاق لاری کی اس داد شجاعت کے مناظر گھوم گئے اور پھر پانچ برس تک وہاں کی اسارت کے دوران ان کے خیالات کا پیچھا کرتے رہے۔ شبہ یہ ہوتا ہے کہ ۱۸۲۹ اور ۱۸۳۸ کے واقعات میں "جنگ مبارزالدولہ" والی اس قید کی یادیں تازہ ہوتی رہیں اور عبدالرزاق

Marfat.com

لاری کی طرح کے جوش و جذبہ کی حامل مثالی بہادری کا مظاہرہ مبارزالدولہ کو بے فیض محسوس ہوتا رہا کیونکہ انھوں نے ان دونوں موقعوں پر دفاعی تیاریوں کے باوجود اپنی گرفتاری سے قبل کوئی مقابلہ ہی نہ کیا۔ عبدالرزاق لاری نے ازراہ نمک خواری یا حب الوطنی جس سلطنت کی گرتی دیواریں بچانے کے لیے مقابلہ کیا وہ اس کے ساتھ ہی ڈھے گئیں اور تاریخی یادگار کے سوا اس کی قربانی ظاہرا رایگاں ہوئی۔ "جنگ مبارزالدولہ" ۱۸۱۵ میں شجاعانہ انداز میں حملہ آور انگریزی فوج کا سامنا کرنا ضایع ہوچکا تھا کیونکہ یہ تصادم جو نہ باپ کے خلاف سرکشی تھا نہ حکومت سے بغاوت بلکہ رزیڈنٹ کی مسلط کی ہوئی جنگ ہی تھا۔ مبارزالدولہ کی بے فائدہ و لاحاصل قید اور مابعد کی خانہ بندی پر منتج ہوا تھا۔ ۱۸۲۹ اور ۱۸۳۸ والی حراست کے وقت مبارزالدولہ کے دماغ میں سودوزیاں کی جنگ جس طرح بپا ہو کر ان کی بے توفیقی اور بے عملی و نامرادی میں متشکل ہوئی۔ اس میں گول کنڈہ کی پہلی قید کی یادوں سے ان کی اثرپذیری میں کوئی شبہ نہیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آزمائش و تصادم کے آیندہ مواقع پر مبارزالدولہ کو سوچنا پڑا کہ کہیں ساری جدوجہد اور قربانی لاحاصل و بے فیض نہ رہ جائے۔ یوں ۱۸۲۹ اور ۱۸۳۸ میں مبارزالدولہ کا قنوطی مزاج اور عجز طبیعت بے جگری سے قربانی دینے اور خون کا پانی کرنے کے آڑے آتا رہا اور ہر طرح سے اغلب یہی ہے کہ مبارزالدولہ ان دونوں واقعات کے عین مراحل تصادم کے وقت یہی سوچ سوچ کر متامل ہوتے رہے کہ ان کی مزعومہ جدوجہد ضائع نہ ہوجائے اور "سامان ریاست" بہم ہونے کا ارمان دھرا کا دھرا رہ جائے۔ مبارزالدولہ کی اس متذبذب کیفیت اور یاسیت کی کوئی اور توجیہ ممکن بھی نہیں کیونکہ جہاں ۱۸۱۵ میں بیم و رجا کی ذہنی کشاکش سے وہ بے نیازانہ نکل گئے اور بلاخوف ستم مقابلہ و محاربہ پر اتر آئے وہاں وہ ۱۸۲۹ میں اندیشہ سودوزیاں کا نشانہ بن گئے اور ۱۸۳۸ میں بھی تامل و تذبذب کا شکار ہو کر رہے۔ ظاہر ہے کہ ۱۸۱۵ کی جدوجہد کی رایگانی کا احساس عبدالرزاق لاری کی داد شجاعت کے بے نتیجہ و بے فیض ہونے کے خیال کے ساتھ مل کر ان کی بے عملی کا موجب ہوتا رہا۔

بالخصوص دکن کی اٹھارویں صدی کی صورت حال کے چھوٹے بڑے واقعاتی نشیب و فراز کا مبارزالدولہ کی طبعی و کرداری ساخت اور شخصی شیرازہ بندی سے تعلق ان کی سوانح کے تفصیلی ابواب میں واضح تر ہوجائے گا۔ آگے بڑھنے سے پہلے عمومی نہیں اس خصوصی حوالے سے اس پس منظر کا مبارزالدولہ کی شخصیت اور سیاست کے ارتقاءپذیر خط و خال کے

Marfat.com

کبھی بتدریج اور کبھی بسرعت ابھرنے والے نقوش سے رشتہ اور ان پر اس کا اثر ذہن نشین رکھا جا سکتا ہے۔ یہ مختلف کیفیات مبارزالدولہ کی شخصیت سازی اور سیاست بازی دونوں پر سایہ فگن دکھائی دیتی رہیں گی اور ان کے مزاج و کردار پر مرتسم ہونے والے ان کے مثبت و منفی اثرات اپنا نقش عیاں کرتے چلے جائیں گے۔ تاہم یہ تاثر صریحا" خوش فہما نہ ہوگا بلکہ خاصا بعید از حقیقت کہ مبارزالدولہ اٹھارویں صدی کے تمدنی و سیاسی گویا فی الجملہ معاشرتی موثرات میں رچی بسی شخصیت تھے یا قابل قدر ذہنی ترفع اور تہذیبی خواص کے مالک۔ یہ سوال اہم ہے کہ اپنے مخصوص ماحول میں مبارزالدولہ ذہنی ادبار کا شکار ہونے سے خود کو آیا کس حد تک محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو بھی سکے تھے یا نہیں۔ جیسا کہ ان کے احوال و مشاغل سے بڑے ہی افسوس اور قلق کے ساتھ محسوس ہوتا ہے مبداء فیض نے ہیروازم کا جتنا کچھ جوہر مبارزالدولہ کو ودیعت کیا تھا ان کی زیست کے محض طرز رائیگاں نہیں بلکہ صاف خودکش سے انداز نے اس کو بہت بری طرح سے ضائع کردیا۔ اس میں بھی شک نہیں ہے کہ نوابی ماحول اور طریقہ زندگی کے ساتھ ساتھ مبارزالدولہ کے زمانے کے حالات کا بھی ان کی ہستی میں موجود ہیروازم کے جوہر کے زیاں میں حصہ تھا اور تباہ کن حد تک تھا۔ تاہم مکروہات دنیا سے ان کی عملی دل بستگی عام سطح کی نہیں بلکہ غیر معمولی تھی اور اپنی شخصیت کو تہذیبی موثرات سے دور تر رکھنا ان کی اپنی کرداری خامیوں اور شعوری غلطیوں میں سے تھا جو ان کے حق میں جوہر کُش ثابت ہو کر رہا۔ اپنی سرکار میں ملازمت کے عنوان سے مختلف قبیل و قماش کے آدمیوں کی بڑی تعداد میں پرورش و پرداخت اور مخصوص موقتی مفادات حاصلہ کے لئے ان کے استعمال سے لیکر باقاعدہ عیش کوشی تک کے معمولات کو کم سے کم اور نرم سے نرم لفظوں میں ایسی لغویات قرار دیا جائے گا جنھوں نے مبارزالدولہ کے جوہر طبع یا ان کے باطن میں موجود ہیروازم کو خودکشی کے راستے پر ڈال دیا۔

دراصل سیاست و مبارزت کے فراز و نشیب کے پہلو بہ پہلو خاندانی و نجی زندگی کی حدود و قیود اور نوابانہ طرز حیات کی افراط و تفریط کی مجموعی حالت میں بالکل ہی ناممکن تھا کہ مبارزالدولہ تہذیبی سطح پر ایک مرصع اور گندھی ہوئی شخصیت یا تمدنی سرمائے کے مالک کے طور پر اپنے فکری و ذہنی آثار دکنی تاریخ میں ثبت کرجاتے۔ چنانچہ تحریکات آزادی کے پیش رو و پیش قدم مجاہد کی حیثیت میں مبارزالدولہ کے عزائم نیز منصوبوں اور مشاغل کے نقوش ہی

Marfat.com

ایک تاریخی یادگار تسلیم کئے جائیں گے۔ اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ مستقبل کا کوئی ذی علم و ذی شعور محقق مبارزالدولہ کی مصروفیتوں کی تمام تر تفصیلوں اور جزیات پر پڑی ہوئی امتداد زمانہ کی گرد صاف کر کے ان کے نام اور کام سے وابستہ شکوک اور سوالات کا بخوبی ازالہ کرے۔ بصورت دیگر مبارزالدولہ کے کردار اور عمل پر وارد ہونے والے شبہات و اعتراضات ان کے تاریخی مقام کو اشتباہ سے بالاتر شائد ہی کر سکیں کیونکہ مدلل یا غیر مدلل مداحی کی بیساکھیوں پر ادبی دنیا کے کسی بے روح و جاں وجود کو چاہے کھڑا کیا جا سکتا ہو تاریخی تحقیق میں اس کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ خالصتہ" علمی تدقیق سے عدم اعتناء کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی سیاسی مبارزت یا پوری زندگی کو ہی اگر "جنگ مبارزالدولہ : ۱۸۱۵ تا ۱۸۴۰" کا عنوان دیا جائے تو جس طرح وہ ان کی افتاد طبیعت اور روشنی طبع کی باہمی کشاکش کا شکار رہی اور جیسے اس کا مآل کار ان کے باطنی جوہر اور طبعی عجز کے مابین معلق رہا، ماضی قریب کے دکن یا تحریکات آزادی میں ان کا مرتبہ بھی تاریخی تحقیق کے میدان کو خامہ فرسای کی جولاں گاہ بنا دینے والے کسی اور طالب علم کے عجز قلم یا اس کی کم نگاہی کا نشانہ بن کر رہ جائے گا۔

مبارزالدولہ کے پورے کردار کا جو بیک نظر بھرپور معلوم ہوگا مگر اور طرح سے جس میں خلاء یقیناً محسوس ہوگا خلاصہ ان چند لفظوں سے زیادہ نہیں ہو سکتا کہ ان کے باطن میں خیر و شر کی ایک مستقل کشمکش جاری رہتی تھی جو کسی ایک واضح و مثبت سمت میں ان کے شخصی ارتقاء میں حائل رہی۔ جیسا کہ ان کی زندگانی کے حوادث شاہد ہیں۔ مبارزالدولہ کی ذات خیر مطلق کیا کسی طور خیر کثیر کی بھی مالک تو نہیں تھی مگر مجسم شر بھی نہ تھی اور ذہن و فکر میں برپا خیر و شر کی یہ متصل کشاکش ان کے مکمل خیر بننے میں مانع بھی رہی اور پورا پورا شریر النفس بننے سے انھیں بچا بھی گئی۔ یہ مجمع الاضداد نہ تو مرقع خیر ہو سکا نہ مکمل نمونہ شر بن کر رہا اور دونوں کے اسباب و علل عیاں ہیں جو ذاتی بھی ہیں سیاسی بھی۔ جس قسم کے اشرار و مفسدین کو مبارزالدولہ نے اپنے زیر سرپرستی لے کر انھیں اپنے ہاں مجتمع کیا ہوا تھا اور انھوں نے شہر میں جو فساد فی الارض کئی مواقع پر چھوٹی بڑی اغراض کے تحت بپا کیا اسی سے ان کی شریر النفسی ظاہر ہے کیونکہ اس طبقے کا اپنا بھی وجود اور مبارزالدولہ کے اطراف اس کے افراد کا کثیر تعداد میں اجتماع نہ تو صالح و مثبت نوعیت کا تھا نہ ان لوگوں سے لیا جانے والا کام کسی لحاظ

Marfat.com

سے افادیت اور خیر کا حامل تھا بلکہ اس کے سراسر اور بالکلیہ برعکس و منافی تھا۔ دوسری جانب مبارزالدولہ کی اپنی طرف سے انگریز دشمنی کے عملی مظاہرے جو بیک وقت ذاتی اور اجتماعی محرکات کے حامل اور انفرادی سے لے کر تاریخی اثرات کے بھی مالک ثابت ہوتے رہے' اپنی نوعیت میں کسی نہ کسی حد تک انقلابی انداز کے ضرور تھے اور یہی ان کے کیریئر میں خیر کا واحد مگر زبردست عامل اور موثر پہلو تھا گو بوجوہ انقلاب آفریں ہونے کے لئے نہ تو ان کا جذبہ اور عمل اپنی کیفیت اور شدت میں کافی تھا نہ حالات زمانہ سازگار و مساعد ہو سکے۔ اس ناکامی کے اسباب تاریخی بھی تھے سیاسی بھی۔ نیز ذاتی بھی خاندانی بھی اور اسی لئے مبارزالدولہ کے منصوبوں کی نامرادی پر کلیتہً انھی کو موردالزام نہیں گردانا جا سکتا۔ البتہ جہاں تک شرنفسی کا تعلق ہے وہ ان کے سیاسی عمل کا جزو اعظم اور اس کی ناکامی کا جزو غالب تھا۔ اسی لئے اس کو محض ذاتیات سے متعلق کر کے نظرانداز کرنا مساوی طور پر غلط ہوگا' کیونکہ آزمائش کے وقت سے قبل کی امید پرستی اور عین لمحہ ابتلا کی قنوطیت اور عملاً بے توفیقی کا ایک اہم محرک و مسبب وہ بھی ہوا کرتا تھا۔ مبارزالدولہ کے باطن کی کشاکش صرف ان کی ذات کے ناموزوں اور خام کارانہ ارتقاء کے بنیادی عوامل میں سے ہی نہیں تھی بلکہ ان کی نیم پختہ اور سیاسی بلوغت سے محروم طالع آزما قسم کی شخصیت چونکہ تحریکات آزادی کی تاریخ کے اہم رجال اور موسسین میں شمار ہوتی ہے' اس حوالے سے اس رخ کو سوانحی جائزے سے دانستہ نہ تو باہر رکھا جا سکتا ہے نہ علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔ کسی بھی قومی لیڈر کی کوئی سی بات یا حرکت و معروفیت محض اس کی اپنی ذات کا ہی حصہ نہیں ہوتی بلکہ اس کے مجموعی سیاسی عمل یا کردار کا جزو لاینفک ہوتی ہے' اور اسی لئے اس کے تاریخی یا سوانحی تجزیے میں اس پر گفتگو ناگزیر امر ہے جس کے بغیر طبعی خوب و زشت اور اس کے واقعاتی ممکنات کا اندازہ نہ تو باآسانی ہوتا ہے اور نہ ہی کسی طور درست۔ ظاہر ہے کہ بحث ذاتیات سے نہیں قومی کردار سے ہے۔

اٹھارویں صدی کی رخصت کے زمانے یعنی ۱۷۹۵ میں متولد ہونے والے اور ۱۸۵۴ میں نیم مردہ "ارمان ریاست" اور زخمی امیدوں کے ساتھ آخری سانس لینے والے مبارزالدولہ کی ایک بھرپور محققانہ سوانح ان کی دوسوویں سالگرہ ۱۹۹۵ کے موقع سے لے کر دو سویں برسی ۲۰۵۴ تک کے درمیان مبارزالدولہ کی قربانی کی مستقل یادگار کے طور پر حیدرآباد میں نہ صرف لکھی جا سکتی ہے بلکہ لکھی جانی چاہیے۔ راقم سطور کا یہ حقیر سا پیغام بطور خاص

Marfat.com

اس لئے بھی ہے کہ حیدر آباد میں ہی تمام وسائل و اسباب موجود ہیں اور با آسانی مجتمع کیئے جاسکتے ہیں۔ دوسری صورت میں شہزادہ میر گوہر علی خاں کی شخصیت اور تاریخ میں ان کی حیثیت سوالیہ نشان تو بنی رہے گی ہی جیسا کہ سردار جعفری کا مطلع ہے۔

شاخ گل شاخ تمنا ہے ثمر نا آشنا
موج طوفاں خیز ہے لیکن گہر نا آشنا

مبارزالدولہ کی زندگانی زبان حال سے شکوہ کناں بھی رہے گی کہ غلامی کی شب تاریک کے بعد قوم کو جب آزادی کی منزل مل ہی گئی تو شب تار میں طلوع سحر کے لئے خواہاں و کوشاں اس گوہر گم گشتہ کی اپنی حیات کب تک اندھیرے میں رہے گی۔ قوموں کی زندگی میں اور خاص کر جب وہ جدوجہد آزادی کے مرحلہ سخت جاں سے گزر رہی ہوں ڈیڑھ دو سو سال کوئی معنے نہیں رکھتے اور علی سردار کی خیال آفریں غزل کے مناسب حال الفاظ میں:

کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاج روزگار
آسماں سفاک اور شمس و قمر نا آشنا

اے خدائے صبح اے پروردگار آفتاب
کیوں شب تاریک انساں ہے سحر نا آشنا!!

سلطنت آصف جاہی کا قیام و انصرام

مملکت آصفیہ کے قیام کو عام طور پر ۱۷۲۴ سے فرض کیا جاتا ہے جب نظام الملک اپنے خود اختیار کردہ منصوبے کے تحت مغل ہندوستان کے جنوبی علاقے موسومہ "شش صوبہ دکن" کا انتظام سنبھالنے کی غرض سے عازم اورنگ آباد ہوئے اور وہاں مقامی حکام مرکز کے فرمان کی بناء پر مزاحم ہوئے مگر اس مزاحمت پر نظام الملک فتحیاب رہے اور مرکزی حکومت کی جانب سے انہی کی تابعداری کے احکام جاری ہوگئے۔ تاہم آصف جاہی سلطنت کا باقاعدہ قائم ہونا ۱۷۲۴ سے بھی قرار پاسکتا ہے جب ۱۱ر اکتوبر ۱۸۲۴ کی اس فتح نیز جنوری ۱۷۲۵ کی حیدر آباد آمد اور ۱۷۲۶ کی تسخیر صوبہ حیدر آباد کے بعد محمد شاہ بادشاہ نے دہلی سے نظام الملک کی

Marfat.com

"شش صوبہ دکن" پر بطور صوبہ دار گورنری بحال کرتے ہوئے انھیں "آصف جاہ" کا خطاب ارسال کیا۔ اس اختلاف سنین کی گنجائش آصفی ریاست کے اپنے تاریخی عمل سے پیدا ہوتی ہے۔

سلطنت آصفیہ اس لحاظ سے عجیب و غریب طور پر قائم ہوئی کہ اس کی تاسیس کا یا اس کے بانی کی اپنی فرماں روائی کا کوئی باقاعدہ اعلان نہیں ہوا اور جاں بلب مغلیہ حکومت کے برائے نام سہی بادشاہوں کے تئیں حد ادب و احترام کے بطور یہی طرز عمل بعد میں بھی جاری رہا۔ نظام الملک آصف جاہ نے سیاست اور سلطنت کا انداز یہ رکھا کہ اس کے بھی کئی برس بعد ۱۷۳۷ میں جب نادر شاہ کی یلغار سے عین قبل مرہٹوں کی یورش جیسے مشترکہ خطروں کے مدنظر مرکز سے ان کی طلبی ہوئی تو فوراً" گئے اور اختیارات سنبھال کر تدار کی جدوجہد شروع کی۔ نیز مئی ۱۷۳۹ میں نادر شاہ کی واپسی کے بعد دکن آکر اپنے نائب اور دوسرے بیٹے ناصر جنگ سے کاروبار حکومت پھر ہاتھ میں لیا۔

مغل حکومت کے "شش صوبہ دکن" کی حدود بہمنیہ سلطنت کی وارث تین مملکتوں کے خاتمے نیز ازاں بعد مغلوں کے سپہ سالار اور نظام الملک کے ہی والد کے ہاتھوں سقوط بیجاپور و گول کنڈہ کے نتیجے میں متشکل ہونے والے وسیع و عریض جغرافیے کو محیط تھیں۔ اس میں جو چھے (۶) صوبے شریک تھے وہ خود کئی ایک سرکاروں پر مشتمل تھے جن کی تفصیلیں تواریخ دکن میں مذکور ہیں۔ نظام الملک جس خطے کو شامل ریاست کے بانی ہوئے اس کا احاطہ ان ۶ صوبوں تک تھا۔ (۱) صوبہ خاندیس (۶ سرکاریں)، (۲) صوبہ اورنگ آباد (۱۲ سرکاریں)، (۳) صوبہ برار (دو بڑے حصوں بالا گھاٹ اور پائین گھاٹ کی کل بارہ سرکاریں)، (۴) صوبہ بیدر یا محمد آباد (سات سرکاریں)، (۵) صوبہ بیجاپور (دو بڑے اجزاء میں سے ایک کی سترہ سرکاریں اور دوسرے میں چھے (۶) سرکاروں کے علاوہ سولہ باہکزار رجواڑے) نیز (۶) صوبہ حیدر آباد (دو بڑے حصوں میں سے ایک کی بائیس (۲۲) سرکاریں نیز دوسرے کے جزو اعظم کی سولہ اور دوسرے کی پانچ سرکاریں)۔ اصطلاحاً "سرکاروں" کو آج کل کے اضلاع سے لے کر کمشنری کے ڈویژن تک بلحاظ حدود و آمدنی مساوی سمجھا جاتا ہے۔ بندرگاہ سورت کا علاقہ بھی سلطنت کے قیام والفرم کے زمانے میں شریک تھا اور اسی کی رعایت سے یہ پورا خطہ مغل فرامین اور درباری احکام میں "شش و نیم

Marfat.com

صوبہ دکن" سے منسوب ہوا کرتا تھا۔ اس خاص مفہوم میں "سرکار" کی اصطلاح بقول پلیٹس بنگال میں اور "ہابسن جابسن" کی رو سے مغل عہد سے اور ازاں بعد خاص کر دکنی مسلم ریاستوں میں رائج رہی' ثانی الذکر میں اس معنی میں قدیم ترین اصطلاحی سند ابوالفضل کی "آئین اکبری" مصنفہ ۱۵۹۰ سے درج ہے۔

حدود ربعہ یا محل وقوع یا جغرافیائی وسعتوں کے اعتبارات سے آصف جاہی مملکت اپنے تاسیسی دور میں موجودہ ہندوستانی صوبوں یا ریاستوں موسومہ مہاراشٹر' آندھراپردیش' کرناٹک (میسور)' تامل ناڈو (مدراس) اور گجرات کے من جملہ آندھرا و تلنگانہ کے مکمل نیز مرہٹواڑا و کرناٹک کے بیشتر اور مدارس اور گجرات کے بھی کچھ علاقوں کو جامع تھی۔ قائم ہونے کے ۲۲۵ برس بعد ۱۹۴۸ میں زوال حیدر آباد تک یہ سلطنت آخری ۱۰۰ سال سے خاصے مختصر سے سہ لسانی اجزاء تلنگانہ اور مرہٹواڑا و کرناٹک تک محدود ہو چکی تھی۔ ریاستی حدود کی قطع و برید کی داستان الم اب شاید قصہ پارینہ ہی سمجھی جائے مگر قطع نظر اس کے سطور ہذا اس کے جغرافیہ کی سیاسی کاٹ چھانٹ کی مستقل و مفصل تاریخ کی تلخیص کی بھی متحمل نہیں ہوسکتیں۔ حیدر آباد کی اس تراش خراش کا عمل مبارزالدولہ کی آنکھیں کھلنے سے پہلے سے لے کر ان کی آخری قید کے بعد تک جس طرح جاری رہا اس کی اثناء میں مبارزالدولہ کی اپنی شخصیت کی تعمیر و تخریب یا ان کی سیاست و مبارزت پر اس کی راست اثراندازی کا کوئی تعلق نہ تھا۔ مبارزالدولہ کے دادا آصف جاہ ثانی نیز ان کے بھائیوں کے ادوار میں ریاست کو "شش صوبہ دکن" کے موروثی خطوں میں سے کچھ سے مرہٹوں نیز میسوریوں اور انگریزوں کے بھی حق میں دستبردار ہونا پڑا۔ چند ایک علاقوں سے سبکدوشی جنگوں میں شکست کے باعث اختیار کرنی پڑی تھی تو کچھ سے سیاسی دباؤ کے زیر اثر۔ مبارزالدولہ کے بھائی آصف جاہ رابع کو بھی انگریزوں کی شاطرانہ چالبازیوں اور عیارانہ سازشوں کے تحت برار کے علاقے سے ہاتھ دھونے پڑگئے تھے جس کی واپسی آزادی تک ناممکن ہی رہی۔

نظام الملک آصف جاہ اور ان کے والد لاتعداد امراء کی طرح نسلی نہیں صرف خطابی خان تھے اور ان کی اولاد آج تک اسی نسبت سے معروف ہے۔ لیکن نسبی اعتبار سے یہ خاندان صدیقی تھا۔ کئی قدیم و جدید تاریخی اور تحقیقی مطبوعات میں شجرۂ نسب منقول ہوا ہے۔ جس کی رو سے آصف جاہ کا سلسلہ ۱۷ پشتوں سے شیخ شہاب الدین سہروردی سے اور خلیفہ اول

Marfat.com

حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ۳۲ ویں پیڑھی میں جا ملتا ہے۔ نظام الملک کے پرداوا اور عالم العلماء خواجہ میر اسمٰعیل عرف عالم شیخ سمرقند کے مقتدر اسکالر اور صاحب تصانیف بزرگ تھے۔ ان کے بیٹے اور آصف جاہ کے دادا خواجہ عابد شاہجہانی دور میں ہندوستان آکر عالمگیر کی تخت نشینی ۱۶۶۲ کے موقع پر " قلیج خاں" کے خطاب سے معروف ہوئے اور بطور صوبیدار ۱۶۸۷ میں قطب شاہی پائیہ تخت گول کنڈہ کے ابتدائی محاصرے میں زخمی ہو کر فوت اور قلعے کے روبرو ہی مدفون ہوئے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی کی "دکن کی سیاسی تاریخ" کے شایان شان الفاظ میں جو ان سطروں کا ماخذ ہیں۔ "گویا کارکنان قضاء و قدر نے اس سرزمین میں ان کے خاندان کی حکومت کا پہلا سنگ بنیاد رکھا تھا" (صفحہ ۳)۔ ازاں بعد قلعہ گول کنڈہ کی تسخیر اور اس سے قبل ریاست بیجاپور کی بھی فتح کے مواقع پر نظام الملک کے والد شہاب الدین فیروز جنگ حملہ آور مغل افواج کے سپہ سالار تھے۔ آصف جاہ نے والد کی مفتوحہ مملکتوں کے بشمول مغلوں کے "شش صوبہ دکن" کو محیط سلطنت آصفیہ کی بنیاد رکھی تھی اس لئے فیروز جنگ کے ہاتھوں دونوں ریاستوں کا خاتمہ اور مغلیہ حدود میں اشتمال اسی سنگ بنیاد کا تسلسل ہوا۔

۱۷۳۷ء میں محمد شاہ کی طلبی پر دہلی روانگی کے وقت نظام الملک آصف جاہ نے اپنے دوسرے بیٹے نظام الدولہ ناصر جنگ کو اپنا نائب متعین کرنے کے علاوہ برہان پور میں اپنی وفات ۱۷۴۸ کے موقع پر بھی ناصر جنگ کو ہی جہاں بانی کی امانت سپرد کی تھی کیونکہ سب سے بڑے بیٹے غازی الدین خاں فیروز جنگ مرکز کے ماتحت شمال میں ہی صوبیداری کے منصب پر فائز تھے۔ آصف جاہ کی آنکھیں بند ہوتے ہی مغلوں کے مابعد عالمگیری عہد کی رسہ کشی اور جانشینوں کی بدانجامی کی بھی تاریخ کا اس نومولود بادشاہت میں اعادہ ہوا۔ چنانچہ ناصر جنگ کے خواہر زادے اور آصف جاہ کے نواسے صوبیدار بیجاپور ہدایت محی الدین خان مظفر جنگ نے سرکشی اختیار کی اور ان کے مدمقابل ہوئے۔ ناصر جنگ نے بغاوت کو خود فرو کرنے کے لئے پیش قدمی کی تو مظفر جنگ مقابلے سے گریزاں ہوئے اور فرانسیسیوں کے علاقے پانڈی چری کی سمت رجعت کی۔ ناصر جنگ تسخیر کے خیال سے آگے بڑھے مگر اپنے حواری افاغنہ ملاعنہ کے سرغنہ ہمت خاں کے ہاتھوں دسمبر ۱۷۵۰ میں قتل ہوگئے۔ ان لوگوں نے ان کے بھانجے مظفر جنگ کو مسند نشین کردیا مگر مظفر جنگ انتظام حکومت سنبھالنے کے لئے حیدر آباد پہنچ بھی نہ

Marfat.com

پائے تھے کہ جنوری ۱۷۵۱ میں اسی جمیعت افغاناں کے اپنے پشت پناہ ہمت خاں ہی کے ہاتھوں وہ بھی قتل ہوئے۔ ادھر ناصر جنگ کی ہی زندگی میں ان کے سب سے بڑے بھائی اور بانی خانوادہ نظام الملک کے مرکز میں جانشین صوبہ داری فیروز الدین غازی جنگ مغل بادشاہ سے پروانہ حکومت حاصل کرکے پایہ تخت اورنگ آباد میں وارد ہوئے۔ مگر مشکوک حالات میں انتقال کر گئے' روایات کے مطابق جن کی تحقیق کا محل نہیں وہ اپنے والد کے نائب اور اپنے چھوٹے بھائی کی والدہ کی محلاتی سازش کا شکار ہوگئے۔ غازی جنگ نیز ناصر جنگ اور مظفر جنگ کی ہلاکت کے بعد آصف جاہ کے تیسرے بیٹے صلابت جنگ نے اپنی جانشینی کا اعلان کردیا اور چھوٹے بھائی نظام علی خاں کو نظام الدولہ کے خطاب کے ساتھ ۱۷۵۴ میں صوبہ دار برار مقرر کرکے روانہ کیا۔ صلابت جنگ کی کمزوریوں اور نظم و نسق کی خرابیوں نیز مرہٹواڑا کے علاقوں پر مراٹھوں کی کامیاب جارحیت کے اسباب سے ۱۷۶۱ میں ایک روایت کے بموجب امرائے سلطنت نے انہیں معزول کرکے نظام علی خاں کو تخت پر بٹھایا جبکہ ایک اور بیان کی رو سے نظام علی خاں نے مغل حکومت سے پروانہ نیابت حاصل کرکے صلابت جنگ کو محروم تخت کیا جو ازاں بعد حالت قید میں قتل کروادیئے گئے۔ نظام علی خاں ہی نظام الملک آصف جاہ کے جانشین کے طور پر "آصف جاہ ثانی" موسوم ہوئے اور ان کی جانب سے ریاست کے مستقر کی اورنگ آباد سے حیدر آباد ۱۷۶۸ میں منتقلی کے بعد یہ نئی سلطنت آیندہ زمانوں میں "مملکت حیدر آباد" سے بھی منسوب ہوئی۔

نظام الملک آصف جاہ کی رحلت ۱۷۴۸ کے بعد کچھ عرصہ نئی ریاست کی فرماں روائی کا سلسلہ بے قاعدہ رہا اور پھر ۱۳ سال بعد جب ۱۷۶۱ میں بحال و باضابطہ ہوا تو ان کے یہی چوتھے بیٹے نظام علی خاں "آصف جاہ ثانی" سے ملقب ہوئے۔ آصف جاہ ثانی کے ولی عہد احمد علی خاں عالی جاہ سرکشی کے مرتکب ہوئے پھر جوانی میں ہی وفات پائی۔ جس کے باعث ان کے چھوٹے بھائی میر اکبر علی خاں سکندر جاہ آصف ثالث ہوئے۔ یہاں سے ریاست حیدر آباد کا اقتدار نظام وقت کے بڑے بیٹے کو ہی منتقل ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ ساتویں اور آخری نظام میر عثمان علی خاں نے ۱۹۴۸ میں سقوط کے خاصا بعد بڑے بیٹے کے بجائے اپنے بڑے پوتے میر برکت علی خاں مکرم جاہ کو نظام قرار دے کر مسند نشینی کرنے کی وصیت کی جس کی ان کے ولی عہد شہزادۂ برار نے تعمیل بھی کی۔ خانوادۂ آصفیہ کے فرماں روایان حیدر آباد کی پادشاہی کے سنین علی

Marfat.com

الترتیب یوں ہیں: (۱) نظام الملک آصف جاہ ۱۷۲۴ تا ۱۷۴۸ جن کے بعد القاب و خطاب کے بغیر ناصر جنگ و صلابت جنگ کے ادوار گزرے' (۲) آصف جاہ ثانی نظام الدولہ نظام علی خاں ۱۷۶۱ تا ۱۸۰۳' (۳) آصف جاہ ثالث سکندر جاہ ۱۸۰۳ تا ۱۸۲۹' (۴) ناصرالدولہ آصف جاہ رابع ۱۸۲۹ تا ۱۸۵۷' (۵) آصف جاہ خامس افضل الدولہ ۱۸۵۷ تا ۱۸۶۹' (۶) میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس ۱۸۶۹ تا ۱۹۱۱' (۷) آصف جاہ سابع میر عثمان علی خاں ۱۹۱۱ تا ۱۹۴۸ زوال یا سقوط و خاتمہ ممالک محروسہ سلطنت آصف جاہی ریاست حیدر آباد دکن۔

بخوف طوالت صرف سکندر جاہ کے عہد کی ان کیفیتوں پر جو خصوصیت سے مبارزالدولہ کے متعلق ہیں' ضروری اطلاعات کے اختصار سے اضافے پر اکتفا کیا جارہا ہے تاکہ مبارزالدولہ کی اپنی شخصی و سیاسی سوانح کا پس منظر کچھ اور روشنی میں آسکے۔ اس دور کا تک مکمل جائزہ ضرورت سے زائد رہے گا۔

آصف جاہ ثالث نظام سکندر جاہ

آصف الملک اسدالدولہ فولاد جنگ میر اکبر علی خاں سکندر جاہ اپنے بڑے بھائی اور ولی عہد میر احمد علی خاں عالیجاہ کی بغاوت کے بعد جواں مرگی کے باعث آصف جاہ ثانی نظام علی خاں کے انتقال پر ۱۸۰۳ء میں آصف جاہ ثالث ہوئے۔ ولادت ۱۱۸۲ھ مطابق ۱۷۶۸ کی تھی اور والدہ تھیں تہنیت النساء بیگم۔ عالی جاہ کے علاوہ ایک اور بھائی کیوان جاہ میر جاندار علی خاں تھے اور یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ ثانی الذکر کو جو خود بھی سکندر جاہ سے بڑے تھے آصف جاہ ثانی نے اپنے امیر ارسطو جاہ کو بخش دیا تھا۔ وہ علاتی والدہ روشن آراء بیگم سے تھے۔ سکندر جاہ نے ۳۵ سال کی عمر میں بادشاہت سنبھالنے تک بطور شہزادہ فعال و سرگرم زندگی گزاری اور فنون حرب کی تربیت جنگ کے میدانوں میں ہی حاصل کی۔ آصف جاہ ثانی نظام الدولہ فتح جنگ نظام علی خاں کا زمانہ پرانے محاذوں پر موروثی جنگوں نیز روایتی دشمنوں کے علاوہ ریاست کے نئے مخالفین کی بھی مسلط کی ہوئی لڑائیوں میں گزرا جن میں نظام علی خان کی طرف سے ان کے اپنے بھائیوں میں سے ہمایوں جاہ کے علاوہ بیٹے اور مستقبل کے تیسرے نظام کا نام بھی آتا ہے۔

Marfat.com

۱۷۸۷ نیز ۱۷۹۱ / ۱۷۹۲ اور ۱۷۹۸ / ۱۷۹۹ میں جنوبی ہند کی دو نئی مسلمان بادشاہتوں حیدر آباد و میسور میں سخت تباہ کن معرکہ آرائیاں رہیں جن میں سے تیسری اور آخری سلطنت خداداد کی تسخیر اور ٹیپو سلطان کی شہادت پر منتج ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں مرہٹہ طاقت سے جنگوں کا سلسلہ بھی الگ سے ان لڑائیوں کے قبل و بعد جاری رہا جو آصف جاہ ثانی کو ورثے اور تسلسل میں ملا تھا۔ ان سب محاربوں کے من جملہ کم از کم میسور کی تیسری جنگ بسال ۱۷۹۱ میں سکندر جاہ کی شرکت اور ان کی سپاہ کی کامرانی کا حال تواریخ میں ملتا ہے۔ ایک انگریز فوجی عہدہ دار نے چشم دید وقایع نیز دستاویزات اور معاہدوں کے متن پر مبنی کتاب میں سکندر جاہ کی آمد کا ذکر کیا ہے۔ اس جنگ سے قبل انگریزوں نے دو روایتی طور پر اور ماضیٔ قریب میں عرصے سے متصادم قوتوں یعنی مرہٹوں اور آصف جاہیوں کو تیسرے اور تینوں ہی عناصر کے مشترکہ دشمن یعنی سلطان ٹیپو کے خلاف متحد اور اپنے ساتھ شریک کرلیا تھا۔ ہرچند کہ ازاں بعد ریاست حیدر آباد اور مرہٹوں کے درمیان ایک بڑی اور طویل لڑائی ۱۷۹۵ میں ہوکر رہی اور پھر ۱۸۰۳ میں خود انگریزوں نے مرہٹہ طاقت کو کچلنے کے لئے اس پر تباہ کن جنگ مسلط کی۔ غرضیکہ باہمی اشتراک سے نظام حیدر آباد کی افواج اور مرہٹہ سپاہ ریاست میسور پر ۱۷۹۱ میں حملہ آور ہوئیں۔ یہ حیدر آباد اور میسور کی تیسری لڑائی تھی اور ٹیپو کی متواتر تاخت و تاراج مثلاً دریائے تنگا بھدرا کے شمالی علاقوں پر اس کے قبضے کا نتیجہ تھی۔ انگریز وقایع نگار فوجی عہدہ دار کے مطابق سکندر جاہ نے محاذ پر آمد کے بعد امراء کے ہمراہ معائنہ کیا اور توپوں کی سلامی لی۔ سکندر جاہ حیدرآبادی فوج کے کماندار تھے اور ارسطو جاہ کی رفاقت انہیں میسر تھی۔ حیدر آبادیوں نے میسور کی سپاہ پر غلبے کے ساتھ ساتھ تقریباً" آدھے میسوری خطے پر بھی قبضہ کرلیا اور کھوئے ہوئے علاقے بازیاب کیئے۔

سکندر جاہ کی شہزادگی کی قاعدے سے جستجو کی جائے تو ممکن ہے کہ دوسری جنگوں میں ان کی شرکت اور معرکوں کی فتح کا حال معلوم ہو لیکن راقم کے لئے اس خاص غرض سے زیادہ تفصیلوں میں جانا کچھ ممکن نہ تھا اور نہ ہی ضروری۔ ایک ناگوار سا اتفاق یہ بھی ہے کہ سکندرجاہ کے پیش رووں اور سینئر ہمعصروں میں سے چند پر تو فرداً" فرداً" تحقیق ہوئی ہے مگر خود ان کی مفصل سوانح میں کوئی بڑا کام سامنے نہیں آیا کیونکہ سکندرجاہ کے عہد کی سیاسی یا ادبی تاریخ پر کسی جدید اسکالر نے توجہ نہیں منعطف کی۔ اس طرح سکندر جاہ کے حالات کا

Marfat.com

بھرپور نقش نہ تو زیر استفادہ ہے نہ جستہ جستہ تذکروں کی مدد سے ان کے عہد کی مکمل تصویر کشی ممکن ہے اور نہ ہی نفس موضوع کی رعایت سے یہ خاص طور پر ضروری ہے۔ آیندہ ابواب میں صرف مبارزالدولہ کے احوال سے متعلقہ سکندر جاہی دور کی تھوڑی بہت جھلکیاں حسب موقع و ضرورت آرہی ہیں۔

عہد سکندر جاہ کے حالات کا خلاصہ یہ ہے کہ آصف جاہ ثانی کے چالیس سالہ سے زیادہ کے زمانہ جنگ و جدل اور معاہدات کے بھی نتیجے میں بڑی حد تک امن و امان کا دور دورہ رہا اور مبارزالدولہ سمیت چند اور لوگوں کی سرکشی کے علاوہ بغاوت کا کوئی بڑا واقعہ رونما نہیں ہوا۔ تاہم سکندر جاہ کو نظام علی خان سے جو سلطنت ملی اسکی ہیئت ترکیبی ان لڑائیوں کے نتیجے میں سامنے آنے والی شکست و فتح کی تبدیل ہوتی ہوئی صورتحال کے زیر اثر منقلب ہو چکی تھی۔ مغل نظم و نسق کے "شش صوبہ دکن" کی حدود اربعہ مرہٹوں اور میسوریوں کی ترکتازیوں کے باعث گھٹ کر رہ گی تھیں مگر دونوں طاقتوں سے کچھ جنگیں جیت کر چند علاقوں کی بازیابی ممکن بھی ہوئی تھی۔ میسور کے سقوط سے کنٹری و تیلگو کے جو نئے علاقے حاصل ہوئے ان میں سے کچھ انگریزوں نے نظام علی خاں سے ہی خود ہتھیا لیے اور کچھ دونوں کے حلیف ارکاٹ کے والا جاہیوں کو دلوا دیئے جو بعد میں ان سے بھی لے کر مدراس پر۔سیڈنسی میں مدغم کر لیے۔ انگریزوں نے سکندر جاہ سے بھی مملکت کی ابتر معاشی حالت کے بہانے اور خطہ قبضے میں کرلیا۔ سکندر جاہ کے زمانے میں انگریزوں نے اولا" اپنے رسوخ میں اضافے کی خاطر اپنے ہوا خواہ میر عالم کو جو سرکار انگریزی کلکتہ میں نظام علی خاں کا سفیر تھا وزیر سلطنت مقرر کرایا، اور جلد ہی اسکے انتقال پر منیرالملک کی وزارت کے ہوتے ہوئے مہاراجہ چندو لعل شاہ شاداں کو عملاً" اختیارات منتقل کرا دیئے جو کئی عشروں تک انکے مفادات کے نگہباں رہے۔

مبارزالدولہ کی سیاست و مبارزت کے آغاز ۱۸۱۵ سے لے کر انجام تک راجہ چندو لعل ہی حیدر آباد کی درباری سیاست پر چھائے رہے اور اپنے اقتدار کے قریب چالیس سال بعد ۱۸۴۳ میں سبکدوش ہوئے۔ سوانح ہذا کے سیاسی واقعات کی اپنی مناسبت سے یہ پورا دور چار شخصیات کے گرد گھومتا رہا جن میں سے دو یعنی مبارزالدولہ اور مہاراجہ بذات خود مستقلا" منظر پر موجود رہے جبکہ دوسرے دو یعنی نظام اور رزیڈنٹ باعتبار عہدہ تبدیل ہوتے

Marfat.com

رہے۔ چندو لعل جو اپنے مخصوص اور تاریخی طرز سیاست و درباداری کے موسس بھی تھے، فتنی بھی اور خاتم بھی مبارز الدولہ کی اولین گرفتاری ۱۸۱۵ کے موجب تو خیر نہیں محرک ضرور تھے اور اس اسیری سے ۱۸۲۵ کی بروقت برات کے محرکین میں پیش پیش بھی رہے۔ مبارز الدولہ انہی وجوہ سے مہاراجہ سے خفا بھی رہے ان کے ممنون بھی اور ان کے ملے جلے یا متضاد اثرات کی یادگار راجہ چندو لعل کی شان میں کہا ہوا مبارز الدولہ کا ایک قصیدہ موجود ہے۔ پروفیسر ثمینہ شوکت نے اپنی اس دریافت کو مقالہ "نوائے ادب" کے ہمراہ شائع کیا مگر اس ہجو ملیح کی اپنی ادبی سطح ایسی نہیں کہ مبارز الدولہ کا شعری کارنامہ فرض کر کے اس کو ان کی سوانح کا حصہ بنایا جائے۔ مبارز الدولہ نے اس ہجویہ قصیدے میں مہاراجا کا احسان بھی مانا ہے اور ان کے خلاف جی کی بھڑاس بھی نکالی ہے اس لئے اس کی تھوڑی بہت تاریخی اور یا سوانحی اہمیت ہے۔

آصف جاہ ثالث کا زمانہ سیاسی انقلابات اور جنگوں سے محفوظ رہنے کے باوجود تباہ کن معاشی و مالیاتی دباؤ کی زد میں رہا۔ اس میں سرکاری و انفرادی سطحوں پر کمپنی کی حکومت کے کارندوں اور دوسرے انگریزوں کا جو ہاتھ تھا اس پر مبارز الدولہ کی نظر ضرور تھی اور ان کے مخالف انگریز جذبات و اقدامات میں ان کے ردعمل کا حصہ قابل لحاظ رہا۔ مگر اس کے بالکلیہ برعکس بلکہ سخت منافی مبارز الدولہ کی اپنی طرف سے ۱۸۲۹ کے متصل دو گوشہ ہنگامہ خیز مظاہروں کا سلسلہ رہا۔ تاریخ کا کوئی طالب علم جو مبارز الدولہ کے حالات کی ہی جستجو میں انہیں تحریکات آزادی کا مجاہد اور ہیرو فرض کر کے چلے سخت علمی بددیانتی کا مرتکب ہوگا اگر انگریزوں کی زراندوزی کے واقعات کے بعد اس کے بالمقابل مبارز الدولہ کی برپا کی ہوئی شورش تن خواہ و خزانہ کو قلم انداز کر دے۔ ۱۸۲۹ کی دو گوشہ شورش عروب و افاغنہ کی تفصیلیں متعلقہ باب میں آئیں گی جبکہ زمانہ سکندر جاہ کی پامرائینڈ کمپنی کے مالی استحصال کو اسی شورش تن خواہ و خزانہ پر تبصرے میں بغرض تقابل سامنے رکھنا ضروری ہوگا۔

عہد سکندر جاہی کو مبارز الدولہ کی زندگی کے آخری سانحے متعلقہ وہابی تحریک کے لحاظ سے یہ خصوصیت بھی ملی کہ تحریک مجاہدین کے بانی و قائد حضرت سید احمد شہید نے ملک کے دوسرے سربراہوں کے ساتھ آصف جاہ ثالث کو بھی عزیمت کی دعوت دی تھی۔ یہ انکشاف اولاً" پروفیسر سید حسن عسکری نے "سید احمد بریلوی کی تحریک کی سیاسی اہمیت" نامی

Marfat.com

محققانہ جائزے میں جو مکاتیب سید احمد شہید پر مبنی تھا۔ ہندوستان کے تاریخی ریکارڈز کمیشن کی روداد کی جلد ۳۱ حصہ دوم مطبوعہ میسور جنوری ۱۹۵۵ میں فرمایا۔ سید احمد شہید کے متعلقہ فارسی مراسلے کی اس ترجمانی سے چند سطور "فریڈم اسٹرگل" کے باب ۱۲ "مبارزالدولہ اور وہابی تحریک" میں صفحہ ۱۲۵-۱۲۶ پر اقتباس ہوئی ہیں۔ اس کے مطابق سکندر جاہ کو خانوادہ کی تاریخی روایات اور خود ان کے دینی رجحان کے حوالے سے حضرت سید احمد نے یاد دلایا تھا کہ خصوصاً" مسلمان امراء پر اسلام کی حفاظت اور اس کی خاطر "قابضین" کیخلاف جہاد کا فریضہ عاید ہوتا ہے۔ ماضی قریب کے واقعات کے حوالے سے لکھا تھا کہ گزشتہ سال بھر سے فرنگی اور ہندی جس سے مراد غالبا" سکھ تھے جن کے خلاف خود حضرت نے ازاں بعد جہاد فرمایا۔ مسلمانوں کے علاقوں پر غلبہ و تسلط پا رہے تھے۔ حضرت نے اپنے مخاطب کو اس امر کا یقین دلایا کہ ان کی طرف سے جہاد سے مقصود اعلائے کلمۃ الحق کے سوا اور کچھ نہیں تھا اور انھیں کسی طور جاہ و اقتدار کی نہ طلب تھی نہ ہوس ملک گیری۔ حضرت نے تلقین فرمائی تھی کہ اگر ان کے مخاطب کو ان کارروائیوں میں عملی شرکت سے کوئی امر مانع ہو تو انھیں کم از کم اپنی فوج کے آدمیوں اور سالاروں کو جہاد میں حصہ لینے کی ترغیب دینی اور اپنے خزانے سے امداد فراہم کرنی چاہیے۔ جیساکہ ایک آیندہ باب سے عیاں ہوگا سکندر جاہ کے ان بیٹے مبارزالدولہ نے خواہ اپنے مخصوص مقاصد کی تکمیل کی خاطر سہی فرمودات سید احمد شہید کی تقریبا" انھی اور دیگر صورتوں میں بھی تعمیل کی اپنی سی کوششیں کیں یا ان اغراض کے تحت ان کے وسائل کو مقامی تحریکی قیادت نے استعمال کیا۔ مبارزالدولہ کی ان کوششوں کا تجزیہ نگاہ واپسیں کے طور پر حیدر آباد کی وہابی تحریک ۱۸۳۸ کے حوالے سے پیش ہوگا۔ افسوس کہ سکندر جاہ کے موسومہ مکتوب سید احمد شہید کے اصل متن کی زیارت نہیں ہو سکی مگر بعید نہیں کہ یہ اسی نوعیت کے مراسلوں میں سے ہو جن میں سے چند کے متون مولانا غلام رسول مہر نے تحقیق سے دریافت فرمائے۔

نظام سکندر جاہ آصف جاہ ثالث اور ان کی پہلی بیگم کی پانچ اولادوں کے سنین حیات راقم نے ابتدائی ابواب کتاب میں سے ایک کے بطور "سب رس" میں شائع کئے تھے۔ اس سوانح کے کتابی ایڈیشن میں ان تفصیلوں کا اعادہ غیر ضروری اور محض خلاصہ کافی ہوگا۔ سکندر جاہ خاصے کثیر العیال تھے جیساکہ "شجرۂ آصفیہ" کا عنوان "ذکر احوال فرزندان سعادت

Marfat.com

و اقبال نشان آنحضرت" ،صفحات ۱۳۳ و مابعد اور "کرانالوجی" کا شجرہ مترشح ہے۔ مبارزالدولہ کے بھائی بہن سگے دو دو ہی تھے۔ "از جملہ ذکور واناث صاحبزادہ بلند اقبال نواب مستطاب نواب ناصرالدولہ بہادر و صمصام الدولہ بہادر و مبارزالدولہ بہادر و جمال النساء بیگم صاحبہ و کمال النسا بیگم صاحبہ از بطنِ مطہرۂ فضیلت النساء بیگم بوجود آمدند" (صفحہ ۱۳۳)۔ ناصرالدولہ جو آصف جاہ رابع ہوئے سکندر جاہ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ "نخستین از صاحبزادگان میر فرخندہ علی خاں ناصرالدولہ بہادر" (ایضاً) جبکہ صمصام الدولہ میر بشیرالدین علی خاں منجھلے اور خود مبارزالدولہ تیسرے بیٹے تھے۔ البتہ منقولہ ترتیب اس لحاظ سے ترمیم طلب ہے کہ جمال النساء بیگم سکندر جاہ کی پہلی اور کمال النساء بیگم اپنی والدہ کی آخری اولاد تھیں۔ شروع میں خاکسار کا خیال تھا کہ مبارزالدولہ کے سن تولد کے بطور ۱۷۹۵ کے تعین کی بناء پر جسکی حقیقت آئندہ باب میں آئے گی انکے بہن بھائیوں کے عام طور پر مذکورہ سال ہائے ولادت کو بھی از سرنو تحقیقی اساس پر طے کرنا چاہیے۔ اسی لحاظ سے مبارزالدولہ کے ابتدائی حالات کے باب کے متعلقہ اوراق اور ان پر مبنی مقالہ "سب رس" متعلقہ آل و اولاد سکندر جاہ کے مباحث راقم نے تحریر کیے تھے۔ تاہم ان پانچوں بہن بھائیوں کے اپنے متعین تولد کے نئے سرے سے تعین کی مطبوعہ تفصیلوں کے یہاں اعادہ کا خیال راقم نے ترک کر دیا ہے کیونکہ یہ مبارزالدولہ کی سوانح کی مقتضیات و ترجیحات سے زیادہ ہو جائے گا۔

مملکت آصفیہ حیدر آباد اور کمپنی کی حکومت

عہد سکندر جاہ کو کمپنی کی حکومت کے راسخ اور خطرناک سیاسی اثرات بھی ورثے میں ملے جو اتنے زیادہ قوی تھے اور ان کی گرفت ایسی مضبوط کہ جنگ اور فتح و شکست کے مابعد کا تسلط و غلبہ بھی ہیچ ہوتا۔ یہ عرض ہو ہی چکا ہے کہ سرنگاپٹم میں صرف سلطنت خداداد میسور کا ہی سقوط نہیں ہوا بلکہ خود مملکت حیدر آباد کی آزادی و خودمختاری کا بھی انگریزوں کے ہاتھوں خاتمہ ہوا اور یہ خدانخواستہ کوئی انکشاف نہیں ہے۔ آصف جاہ ثانی کے دور میں ٹیپو سے جو جنگیں ہوئیں ان میں کی آخری دو انگریزوں کے زیر اثر لڑی گئیں اور انہی کے ذریعے ۱۷۹۲ میں ریاست حیدر آباد نے ٹیپو کے جیتے ہوئے خطے واپس لئے تو ۱۷۹۹ میں زوال میسور پر ۱۷۹۲ کی طرح کچھ اور علاقے بھی حاصل کر لیے۔ دونوں جنگوں کے قبل و بعد کے معاہدوں کی رو

Marfat.com

سے نظام علی خاں کو انگریزوں کے حق میں کئی علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑا جن میں بازیاب خطے بھی تھے اور وہ اقصائے مملکت بھی جن کو حیدر علی اور ٹیپو نے گزشتہ جنگوں میں ہتھیایا مگر ٹیپو کی شہادت کے بعد انگریزوں نے اپنی مقبوضات کے بطور مدارس پریسیڈنسی میں ضم کردیا۔ مثلاً انگریزوں نے ۱۸۰۰ کے تہہ نامہ کے تحت مدراس میں کرناٹک بالاگھاٹ کی ان پانچوں سرکاروں کا الحاق کردیا جو آندھرا اضلاع پر مشتمل تھیں اور جنھیں نظام علی خاں کے ہی عہد میں حیدر علی کے قبضے کے بعد آخری دو جنگوں میں خود نظام علی خاں نے بازیاب کیا تھا۔ پھر کرناٹک پایان گھاٹ کا وسیع علاقہ جو آندھرا اضلاع کا ہی تھا اور جس کا صدر مقام ارکاٹ تھا۔ انگریزوں نے محمد علی والا جاہ کی خاطر نظام علی خاں سے دستبرداری کروا کے دلوایا مگر پھر والا جاہی خاندان سے بھی ہتھیا کر مدراس میں شریک کرلیا۔ آزادی کے بعد انہی دونوں وسیع خطوں پر مشتمل صوبہ آندھرا کو پوٹی سری رالمو کے کامیاب مرن برت کے بعد مدراس سے علیحدہ کرکے قائم کیا گیا اور اب یہی آندھرا پردیش کا جزو اعظم ہے جس کے علاوہ ریاست حیدر آباد کا اپنا مشہور و معروف علاقہ تلنگانہ بھی آندھرا پردیش کا حصہ ہے۔

کمپنی کی حکومت اور سلطنت آصفیہ کے عجیب و غریب اور تیزی سے منقلب روابط کو اختصار و جامعیت کے ساتھ انگیز کرنے کے لئے تاریخ کے ابواب الٹنے پڑیں گے کیونکہ ان تعلقات کی داستان نظام الملک آصف جاہ کے عہد سے شروع ہوتی ہے۔ ان دنوں انگریزوں کی حیثیت نظام الملک کے روبرو فرانسیسیوں کے فریادی اور حقیقتاً سرپرستی و دادرسی کے امیدوار و خواستگار کی سی تھی۔ فرانسیسیوں نے انگریزوں سے چیناپٹن یعنی مدراس چھین لیا تھا اور انگریزوں نے مظلومیت کے بہروپ میں فریادی ہو کر نظام الملک سے طلبگار امداد ہونے میں عافیت جانی۔ آصف جاہ نے انگریزوں کے رجوع کرنے پر اپنے حاکم کرناٹک کے ذریعے انگریزوں کو مطلوبہ مدد و قوت فراہم کروادی۔ نظام الملک کی آنکھیں بند ہوتے ہی ان کے جانشین بیٹے ناصر جنگ کے مدمقابل انہی کے بھانجے مظفر جنگ فرانسیسیوں کی پشت پناہی سے ہوئے تو انگریزوں نے اپنے نجات دہندہ کے بیٹے کی کس شان سے مدد فرمائی۔ ناصر جنگ فرانسیسیوں کے ہوا خواہوں کی غداری سے قتل ہوگئے جبکہ فرانسیسیوں کی نوآبادی پانڈیچری کی تسخیر کے لئے عازم ہوئے تھے اور ان کی بھرپور امداد تقاضائے دوستی کے علاوہ خود انگریزوں کے لئے ایک سنہری موقع تھی لیکن وہ انگریز ہی کیا جو موقع پرستی کا مظاہرہ نہ کرے۔ چنانچہ

Marfat.com

انہوں نے دونوں قوتوں کو متصادم ہونے دیا اور اپنے محسن نظام الملک کے بیٹے ناصر جنگ کو ان کے اور اپنے دشمن فرانسیسیوں کے بالمقابل کامیابی دلانے کی حد تک مدد بہم نہ پہنچائی اور ایک دو نہیں آٹھ ماہ فرانسیسیوں کے ساتھ جھڑپوں میں لگا دیئے کیونکہ یہاں یورپی کیمونٹی کے تعصبات اور مفادات کارفرما تھے۔ جنوب میں مجتمع و متحارب اور تیزی سے استحکام پذیر انگریزوں کی ذہنیت اور پالیسی ۱۷۵۰ کے قریب العہد شاید یہی تھی کہ ناصر جنگ کے ساتھ مغلوں کی جانشین اس نئی قوت کا خاتمہ ہو جاتا تو فرانسیسیوں سے وہ خود نمٹ لیتے اور آصف جاہی باقیات سیدھی ان کی جھولی میں آگرتیں۔ ۱۷۵۰ سے ۱۸۰۰ تک کی انگریزوں کی مجموعی و متواتر ڈپلومیسی کہیے یا حکمت عملی انہی خطوط پر تیزی سے فوجی و سیاسی معرکے سر کرتی اور اس وسیع جغرافیے کو اپنی گرفت میں لینے اور آئندہ صدیوں تک مستحکم و مضبوط کرنے میں کامیاب ہوتی رہی۔

ناصر جنگ و مظفر جنگ کے قتل کے بعد صلابت جنگ کے عشرۂ اقتدار میں مرہٹوں نے اتنا زور کیا کہ ریاست کے بڑے سارے مرہٹھا علاقے لے لئے تو بھی انگریز اپنی نجات دہندہ سلطنت کی مدد کو آگے نہ آئے۔ کیونکہ دربار آصفی میں فرانسیسی اثرات موجود تھے۔ ادھر یورپ میں یورپی کیمونٹی میں گھمسان کا رن پڑ رہا تھا اور انگریز اور فرانسیسی ایک دوسرے کو زک دے رہے تھے۔ آخرش نپولین کو زوال نصیب ہوا اور یہ خبریں آتے آتے انگریزوں نے جنوبی ہند میں جدید تاریخ کی سیاسی و فوجی فتوحات کا ایک نیا استعماری باب کھول دیا۔ صلابت جنگ کی طرف سے فرانسیسیوں کے دیئے ہوئے شمالی سرکار کے علاقوں کے حوالے سے دربار میں موجود موسیو بسی کے سفیر کو نظام علی خاں نے قتل کروا دیا اور اس طرح ریاست کے اندر فرانس کے نو آبادیاتی آثار کے خاتمے اور انگریز استعماریت کے نفوذ کا باقاعدہ آغاز داخلی سطح پر ہو گیا۔ صلابت جنگ کے فرانسیسیوں کو بخشے ہوئے ان علاقوں کو انہی کے دور میں لارڈ کلایو نے ہتھیا کر مقبوضات میں داخل کر لیا اور بعد میں نظام علی خان کے مطالبے پر بلطایف الحیل ان کے قبضے سے دست کش ہونے سے انکار کر دیا۔

قریب العہد تاریخی عمل کے نتیجے میں جس کا کوئی واقعہ بھی قومی سانحے سے کم نہ تھا انگریز کا دیو استبداد شمال سے جنوب تک ہندوستان بھر پر حاوی ہوتا چلا جا رہا تھا۔ ۱۷۵۱ء میں کرناٹک کے علاقوں میں محاصرۂ ارکاٹ نیز ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی میں سراج الدولہ کی

Marfat.com

شکست کے بعد بنگال کی آزادی کے عملاً" خاتمے اور ۱۷۶۴ء میں بکسر کی جنگ میں انگریزوں کی کامرانی تک کے درمیان آصف جاہی ریاست کے منقلب ہوتے ہوئے واقعات کا ۱۷۶۱ء میں نظام علی خاں کے سلطنت کی ذمہ داریاں سنبھالنے پر منتج ہونا انگریزوں کے لئے فال نیک ہی ثابت ہوا۔ ابتداء میں جب آصف جاہ ثانی نے صلابت جنگ کے فرانسیسیوں کو دیئے ہوئے اور لارڈ کلایو کے چھینے ہوئے شمالی سرکار کے خطوں کو بازیاب کرنا چاہا تو شاہ عالم ثانی سے انہی دنوں ۱۷۶۵ء میں کئے گئے بنگال کی دیوانی کے معاہدے میں شمالی سرکاروں والے علاقوں کے ذکر کی بنیاد پر ان محسن کشوں نے اپنا تسلط برقرار رکھا۔ اس کے عوض نظام علی خاں کو بھاری سالانہ ادائیگی قبول کرلی اور کمپنی کی حکومت کی بریگیڈ کی بطور حفاظت ریاست میں تعیناتی کے عنوان سے دوسرے ہاتھ سے اس کو خرچے کے طور پر زرکثیر کی ذمہ داری عائد کرکے وصول کرنا شروع کردیا۔

اپنے نجات دہندہ نظام الملک آصف جاہ کے مستقل جانشین کے ساتھ انگریزوں نے یہ سلوک جس وقت روا رکھا ۱۷۵۱ء تا ۱۷۶۵ء تک کی متصل فوجی و سیاسی کامرانیوں کے سبب وہ اس سے بھی بڑے بڑے اقدامات کے لئے حربی و انتظامی قوتیں اپنے ساتھ مجتمع کرچکے تھے۔ ہر طرف سے ہندوستان بھر میں یلغار کرتی ہوئی قوت بن کر انگریز وقت اور سیاست کی بدلتی ہوئی مصلحتوں کے ساتھ اپنی قوتوں کا استعمال جب اور جہاں چاہے کرنے لگے تھے اور مواقع و ضروریات کے ماتحت اپنی طاقت کو کام میں لانے کی بجائے اغماض سے اور تیزی کے بجائے تساہلی حرکتوں سے بھی کام لیتے تھے۔ ان کی وقتی مصلحت کے بطور تساہل پسندی کا بدترین مظاہرہ جنوبی ہند میں ان کے نجات دہندہ نظام الملک آصف جاہ کے اولین جانشین کے محاصرۂ پانڈیچری میں ہوا، انگریز ظاہرا" اپنے محسن کے بیٹے کے حامی و ناصر بن کر آئے اور نہیں معلوم کہ پانڈیچری کی سمت ناصر جنگ کی غیر طے شدہ و غیر ضروری اور منصوبہ بندی کے بغیر پیش قدمی میں خود انگریز فوجی مشیروں کا ہی ہاتھ تھا یا کیا۔ بہرحال انگریزوں نے محاصرے کے بعد کی جھڑپوں میں ایک نہ دو آٹھ ماہ نکال دیئے حتیٰ کہ ناصر جنگ فرانسیسیون کی سازباز کا شکار ہوکر قتل ہوئے۔ ایسی ہی بدنیتی کا مظاہرہ انگریزوں نے ازاں بعد ناصر جنگ کے بھائی صلابت جنگ کے خلاف شدید مرہٹہ جارحیت کے موقع پر کیا اور نظام الملک آصف جاہ کے غیر معمولی احسانات کا صلہ دینے کے لئے آگے بڑھنے کی انگریزوں کو توفیق نہ ہوئی۔ انگریزوں کے عزائم

Marfat.com

اور منصوبے ایسے وقتی مصالح کے تابع ہوا کرتے تھے جو ان کی پیش بندیوں کے ماتحت دائمی یا دوررس مفادات کے سلسلے میں نتیجہ خیز ثابت ہونے کا بیش از بیش امکان رکھتے تھے۔ چنانچہ انہی مرہٹوں اور آصف جاہ ثانی نظام علی خان کو مشترکہ پڑوسی دشمن پر یلغار کے لئے متفق کروانے آگے بڑھے اور ۱۷۹۱ء میں میسور پر متحدہ یورش کی۔ ۱۷۹۵ء میں ان مرہٹوں اور حیدر آبادیوں کی جنگ میں انگریز پھر سے غیرجانبدار بن گئے تاکہ دونوں طاقتوں میں سے کسی ایک کا خاتمہ ہوتا اور مفتوحہ علاقوں کو مال غنیمت بناکر ان پر قبضہ جما سکتے' وہ تو خیر یہ گزری کہ جنگ خود حربی کے بجائے سیاسی میدان کی بن گئی اور طول نہیں کھینچ سکی۔ ۱۷۹۸ء میں انگریز پھر آگے بڑھے اور مرہٹوں اور آصف جاہ ثانی میں اتفاق و اشتراک دوبارہ قائم کرکے ٹیپو کی شہادت کے موجب ہوئے۔ ۱۸۰۰ء کے تہہ نامے کی شرائط کے تحت اپنے انہی حلیف نظام علی خان سے وسیع و عریض علاقے ہتھیا کر مدراس پریسیڈنسی میں ان کا ادغام کرلیا۔ غرض جنوب کی جیوپولیٹیکل صورتحال کو قبضے اور گرفت میں لینے کا انگریزوں کا یہ عمل جاری تھا کہ آصف جاہ ثانی نظام علی خاں کی آنکھیں بند ہوئیں اور ان کے تیسرے بیٹے سکندر جاہ مسند نشیں ہوئے جن کو انگریزوں کے گٹھ جوڑ اور تسلط کا ترکہ ملا۔

سلطنت خداداد میسور کے سرنگاپٹم کی شکست سے ۱۷۹۹ء میں سقوط کے ذریعے انگریزوں کو ہندوستان بھر میں جو عروج و اقتدار نصیب ہوا وہ بطور قوم ان کی تاریخی تصویر کا صرف ایک رخ تھا۔ عین انہی دنوں اس تصویر کے دوسرے رخ کے بطور سات سمندر پار یہ منظر تھا کہ نئی دنیا یعنی امریکہ میں ریاست ہائے متحدہ کے پہلے صدر جارج واشنگٹن کی قیادت میں انہی انگریزوں کی غلامی کا جوا انگریز نژاد امریکیوں نے اتار پھینکا۔ حیدر آبادیوں اور مراٹھوں نے مشترکہ ملکی دشمن ٹیپو کے زوال کے لئے مشترک خارجی دشمنوں یعنی انگریزوں سے اتحاد کرکے کیا کھویا اور کیا پایا۔ اس کا جواب انسانی تاریخ کے صرف انہی دو الفاظ میں مل جاتا ہے' یعنی آزادی اور غلامی۔ امریکی انہی انگریزوں سے آزادی حاصل کررہے تھے جن کی غلامی کا جوا ہندوستان نے اسی زمانے میں اپنے گلے میں ڈالا۔ اس کو انگریزوں کی قومی بلکہ بین الاقوامی سیاسی تاریخ کے ساتھ ساتھ وسیع تر تناظر میں دوسری طرف انسانی تاریخ کے بھی اتفاقات کہیے یا تنازعات۔ متحدہ ہندوستان کی ماضی قریب کی تاریخ کا بہت بڑا المیہ تھا جس کے زخم چاٹتے چاٹتے اور مداوا کرتے کرتے دو صدیاں بیت گئیں۔ قصہ مختصر انہی ایام میں

Marfat.com

مبارزالدولہ آصف جاہ ثانی کے بیٹے اور مستقبل کے نظام سکندر جاہ کے ہاں متولد ہوئے اور چند ہی برسوں میں جب وہ آصف جاہ ثالث ہوئے تو انگریزوں کے ساتھ آصف جاہ ثانی کی متحدہ تسخیر کا نتیجہ ۱۸۰۰ء کے سیاسی معاہدے کی صورت مسلط ہو چکا تھا۔ اس تہہ نامے کی دفعات اور شرائط "فریڈم اسٹرگل" میں مفصل منقول ہیں۔

۱۲ر اکتوبر ۱۸۰۰ء کو نظام وقت نظام علی خاں اور کمپنی کی حکومت کے مابین اس معاہدے نے حیدر آباد کی آزادانہ ریاستی حیثیت اور اس کی خودمختاری اور سیاسی وحدت کو ساقط اور ختم کر کے رکھ دیا' اس کے نتیجے میں کمپنی کی سپاہ موسومہ بسیڈیری فورسیز کی مملکت کے اندر تعیناتی عمل میں آئی جس کو بطور حفاظت کا عنوان دیا گیا۔ یہ میسور کے زوال کے ایک سال بعد ہوا اور پھر ۱۸۰۳ء میں انگریزوں نے اس فتح کے تیسرے حلیف مرہٹوں پر جنگ مسلط کر دی جس کے زیر اثر اسی برس حیدر آباد پر ایک اور معاہدہ انگریزوں نے لاد دیا۔ اس مرہٹہ جنگ کے موقع پر انگریزوں نے سکندر جاہ اور ان کے فوجیوں دونوں کے کردار کو اپنے تئیں مشتبہ اور اپنے فاتحانہ جذبات و محسوسات کے خلاف گردانا۔ سکندر جاہ ذاتی طور پر اپنے والد کے زمانے کے تجربات کی بناء پر انگریزوں کے ایسے کچھ حامی و ہمنوا نہیں تھے مگر گذشتہ حالات اور ان کے نتائج از قسم معاہدوں کے نقوش کو زائل کرنا بھی ان کے لئے ممکن نہیں تھا۔ ستمبر ۱۸۰۳ء کی جنگ مرہٹہ کے بعض مشاہدات کی بناء پر انگریزوں نے دفتر شکایات کھول دیا اور ان کی عملی خفگی کے تدارک کی خاطر سکندر جاہ بھی ۱۵ر دسمبر ۱۸۰۳ء کو نئے معاہدے پر مجبور ہو گئے جبکہ ۱۸۰۰ء کے تہہ نامے کے نکات ہی حیدر آباد میں سخت نامقبول تھے۔ اس کے تحت انگریزوں نے نہ صرف یہ کہ ریاست کے موروثی وسیع خطے کو بطور مقبوضات مدراس پر یسیڈنسی میں ضم کر لیا بلکہ نظام کو پابند کیا کہ بوقت ضرورت و طلب انگریزوں کو پندرہ ہزار سپاہ فراہم کریں جو ظاہر ہے ہندوستانی مخالفین کے محاذی کام میں لائی جاتی۔ ۱۸۰۳ء کی جنگ مرہٹہ میں نہ صرف حیدر آبادی سپاہ کا کردار مشتبہ رہا تھا بلکہ مثلاً اورنگ آباد اور دولت آباد میں متعین نظام کے قلعداروں نے انگریزوں کی مخالفت اختیار کر کے انگریزی فوجوں کو نشانہ بنایا تھا۔ نئے معاہدے کے تحت نظام کی تمام تر افواج کو جو مختلف عناصر حبشیوں' عربوں اور روہیلوں اور راٹھوڑوں پر مشتمل تھی باضابطہ اور تنخواہ دار بنانے کا انتظام کیا گیا اور اسی کا کچھ حصہ ۱۸۱۵ء میں مبارزالدولہ کے خلاف استعمال ہوا جس کے علاوہ مبارزالدولہ کے

Marfat.com

آدمیوں کے ہاتھوں ہزیمت اور پسپائی کی وجوہ سے اس کو دوہری بدنامی ملی۔

سکندر جاہ کے ابتدائی زمانے میں انگریزوں کے مقرر کروائے ہوئے وزرائے اعظم میرعالم اور مہاراجا چندولعل کی جانب سے انگریزوں کے حق میں اور ریاستی اقتدار اعلیٰ کے خلاف جو سازشیں ہوئیں ان کی رسواکن اور مکروہ تفصیلوں کا خلاصہ بھی طویل تر اور یہاں غیرمتعلق ہوگا۔ مبارزالدولہ کے ذہن و فکر اور عمل کے سیاسی نشوونما میں کمپنی کی حکومت کے کارندوں کے سیاہ کردار کے ساتھ ساتھ مقامی وزراء و امراء کی حرکتوں اور سازباز کا بھی ہاتھ تھا۔ راجا چندولعل شاہ ۱۸۰۸ء سے ۱۸۴۳ء تک ۳۵ برس سکندر جاہ و ناصرالدولہ کے ادوار میں سیاسی و انتظامی اور مالیاتی غرض ریاست کے تمام تر امور میں سیاہ و سفید کے مالک بنے رہے اور کمپنی کی حکومت کے گورنر جنرل مقیم کلکتہ کی جانب سے بزعم خویش ہر طرح مختار کل۔ ناصرالدولہ آصف جاہ رابع اپنی تخت نشینی ۱۸۲۹ء کے کوئی ۱۵ سال بعد ہی مہاراجا کی سبکدوشی میں کامیاب ہوئے تو انگریزوں نے ہر طرح سے اپنے مخصوص تحفظات کے منافی جانا۔ ناصرالدولہ نے مالیاتی اختیارات ہاتھ میں لے لئے کیونکہ سکندر جاہ کے زمانے سے انگریزوں کی بامر کمپنی کے قرضوں کی تباہکاریوں کے اثرات مابعد چلے آرہے تھے۔ انگریزوں نے پھر دخل اندازی شروع کی اور اپنے ایک بندۂ اغراض کو ہی وزیراعظم متعین کرواکے رہے' اس نے انہی کے اشاروں پر کاروبار حکومت چلانا شروع کیا تو ناصرالدولہ نے ۱۸۴۸ء میں اس کو بھی برطرف کردیا۔ انگریزوں کی ریشہ دوانیوں کے زیراثر ۱۸۵۲ء میں اسی کا دوبارہ تقرر ہوا اور ان کی سازشوں کے جال پھیلنا شروع ہوئے۔ بالاخر کمپنی کی حکومت کے قرضوں کے عوض نیز رزیڈنٹ کی سازباز اور وزراء کی غداری سے ناصرالدولہ کو ۱۸۵۳ء میں برار سے دستبردار ہونا پڑگیا' اگرچہ کوئی ایک سو سال بعد آخری زمانے کے معاہدوں اور روابط کی بھی تشکیل نو کے تحت آصف جاہ سابع نظام میرعثمان علی خاں کے ولی عہد برطانیہ کے پرنس آف ویلز کی روایت پر "شہزادۂ برار" سے موسوم ہوئے۔ ناصرالدولہ' مبارزالدولہ کے تین برس بعد ۱۸۵۷ء میں انتقال کرگئے اور افضل الدولہ جانشین ہوئے۔

"مبارزالدولہ: ایک سیاسی سوانح" کے طور پر اس کے تاریخی پس منظر میں نہ تو سلطنت آصفیہ حیدرآباد کے ۱۷۲۴ تا ۱۸۵۴ کے واقعاتی ارتقاء کو سمونا مقصود تھا اور نہ ہی بانیٔ خانوادہ سے لے کر ناصرالدولہ تک کے احوال کا محض سرسری سا حوالہ کافی ہوتا۔ اسی لئے

Marfat.com

زیادہ تفصیلوں میں گئے بغیر اور متعلقہ رجال میں سے کسی کو قلم انداز کئے بغیر یہ پس منظری سطور اختصار و جامعیت کے ساتھ اضافہ کی گئی ہیں۔ بعض مقامات کی تشنگی مبارزالدولہ کے اپنے حالات کے جائزے میں رفع ہوجائے گی اور جن مواقع پر زیادہ محسوس ہو ان کے حوالے سے مفصل کیفیات کے لئے متعلقہ تواریخ اور تذکروں سے رجوع یقیناً شافی ہوگا۔ دراصل باب ہذا کے عنوانیہ کی ہر سرخی مستقل بالذات تحقیقی و تصنیفی عمل کی طلبگار ہے اور بالراست ان مباحث یا متعلقات و ضمنیات پر مطبوعات اور قلمیات موجود ہیں۔ ان عنوانات کو محققانہ بنیاد پر نفس موضوع کرنے کے لئے جامعہ عثمانیہ اور حیدر آباد کی نئی مرکزی یونیورسٹی سے بہتر کوئی اور جگہ شاید ہی ہو۔

(کراچی : جولائی' اگست ۱۹۹۱ء)

Marfat.com

Marfat.com

مبارزالدولہ : ابتدائی حالات

۱۷۹۵ء : مبارزالدولہ کا سالِ ولادت

حیدر آباد کے تیسرے نظام میر اکبر علی خاں "سکندر جاہ آصف جاہ ثالث" متوفی ۱۸۲۹ء کے تیسرے بیٹے نیز چوتھے نظام میر فرخندہ علی خاں "ناصرالدولہ آصف جاہ رابع" متوفی ۱۸۵۷ کے سب سے چھوٹے حقیقی بھائی میر گوہر علی خاں "مبارزالدولہ" متوفی ۱۸۵۴ کے حالات زندگی کے بارے میں باستان مشرق کی بیشتر افسانوی شخصیات کی مانند مجمع الاضداد قسم کی اطلاعیں دستیاب ہوتی ہیں' حالانکہ مبارزالدولہ اب سے محض کم و بیش ڈیڑھ دو سو سال پہلے ہی گزرے ہیں۔ اس تعلق سے جستجو کی بسم اللہ کے طور پر مبارزالدولہ کی صحیح تاریخ ولادت متعین نہیں ہو سکی ہے۔ کیونکہ ان کی معاصر اور متعاقب تواریخ سے مبارزالدولہ کے سن تولد کا ٹھیک سے پتہ نہیں چلتا ہے۔ دکن کے مختلف تاریخی منابع میں مبارزالدولہ کی پیدائش کا سال قابل لحاظ اختلافات کے ساتھ جس طرح مندرج ہے ان کے اپنے الفاظ میں اور توضیحی اضافوں کے ہمراہ منقول ذیل ہے۔

(۱) "نگارستان آصفی" صفحہ ۲۲: (۱۲۱۵ ہجری مطابق ۱۸۰۰ء) صاحبزادۂ سیومین میر گوہر علی خاں بہادر مبارزالدولہ عمر بیست سال۔ تاریخ تولد بیست و یکم ربیع الاول ۱۲۱۵ھ یک ہزار و دو صد و پانزدہ ہجری"۔ مورخ نے صفحہ ۲۱ مبارزالدولہ کے سب سے بڑے بھائی ناصرالدولہ کی عمر" بیست و سہ سال" اور تاریخ تولد ۱۲۰۸ھ نیز صفحہ ۲۲ پر دونوں کے منجھلے بھائی صمصام الدولہ کی عمر" بیست و دو سال" اور تاریخ پیدائش ۱۲۰۹ھ لکھی ہے۔ دونوں عمروں اور سنین کی رو سے یہ تاریخ ۱۲۳۱ھ کی مصنفہ قرار پائے گی۔ "نگارستان آصفی" کے اس سن تصنیف اور اس میں مذکورہ مبارزالدولہ کی عمر بیس برس کے حساب سے تو چاہیے تھا کہ مبارزالدولہ کا سال ولادت اس میں ۱۲۱۱ھ مطابق ۱۷۹۶ درج ہوتا۔ مگر بخلاف اس کے مصنف نے ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۰ کو مبارزالدولہ کی پیدائش کا برس تحریر کیا ہے۔ ان سنین کے اندراج میں یہ تفاوت یا تضاد ناقابل فہم ہے' اور اسی لئے "نگارستان آصفی" کا داخلہ بلحاظ سن التباس سے خالی نہیں معلوم ہوتا ہے اگرچہ عمر درست لکھی ہے۔

(۲) "یادگار مکھن لعل" صفحہ ۱۸: "فرزند سوم میر گوہر علی خاں مبارزالدولہ بہادر

Marfat.com

.عمر بیست و شش سالہ" مورخ ہذا نے ۱۲۴۷ھ تک کے کوائف کا احاطہ کیا ہے اور مبارزالدولہ کی محولہ عمر ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۵ کے احوال کے ضمن میں بیان کی ہے۔ ان ہجری و عیسوی سنین میں سے ۲۶ برس منہا کردیئے جائیں تو جو سال تولد ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۸۹ دریافت ہوتا ہے وہ ناقابل قبول ہے۔ اس تاریخ میں .صفحہ ۱۷ و ۱۸ ناصرالدولہ کی پیدائش اور عمر کے اندراجات یہ ہیں: "میر فرخندہ علی خاں بہادر ناصرالدولہ کلاں عمر تخمیناً" سی سالہ کہ در سنہ ۱۲۰۸ ہجری بتاریخ ہیجدہم رمضان در قلعہ بیدر متولد گشتند" جبکہ صمصام الدولہ کی صرف عمر کا داخلہ ہے۔ "فرزند دویم بندگان عالی میر بشیرالدین علی خاں صمصام الدولہ بہادر .عمر بیست و ہشت سال" (صفحہ ۱۸)۔ ناصرالدولہ کی تاریخ ولادت اور عمر دونوں کے یکجا حوالے سے اندازہ ہوتا ہے کہ "تاریخ یادگار مکھن لعل" کی ان سطور کی تحریر ۱۲۳۸ کی ہونا چاہیے جس میں سے مبارزالدولہ کی متذکرہ عمر ۲۶ کا عدد نکالنے پر ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ برآمد ہوتا ہے جو کچھ نہ کچھ قرین قیاس ہوسکتا ہے۔ یہ امکان بہرحال ہے کہ مورخ مکھن لعل کی دی ہوئی خاص کر مبارزالدولہ کی عمر مصنف کے اپنے ظن و تخمین پر مبنی و منحصر ہو جس کی گواہی ناصرالدولہ کی عمر کے منقولہ الفاظ سے مل جاتی ہے۔

(۳) "شجرۂ آصفیہ" صفحہ ۶۴: (۱۲۱۴ھ مطابق ۱۷۹۹ء) "در سنہ ۱۲۱۴ یک ہزار و دو صد و چہاردہ ہجری تولد شدہ"

(۴) "روداد تفتیشی کمیشن" صفحہ ۱۷۴: (۱۲۱۰م ۱۷۹۵، منقول از "فریڈم اسٹرگل" صفحہ ۱۶۳)

"Mubarizud Dowla was born in the year 1210 A.H." (section.174).

(۵) حیدرآباد کرانالوجی: (۱۲۱۵م ۱۸۰۰، منقول از شجرہ اولاد سکندر جاہ)

"Mubarizud Dowla: Born 1800" (Geneological table)

(۶) "فریڈم اسٹرگل" صفحہ ۱۲۰: (۱۲۱۵م ۱۸۰۰، مندرجہ باب ۱۱ موسومہ مبارزالدولہ")

"He was born in 1800 A.D. (Freedom Struggle" XI P.120).

(۷) "فریڈم اسٹرگل" صفحہ ۶۷: (۱۲۱۰م ۱۷۹۵، باب ۶ متعلقہ حیدرآباد کنٹنجنٹ)

"Mubariz -ud- Dowla __ was born in 1795. A.D." (IBID VI P.67).

Marfat.com

زیادہ تر اقتباسات کے مطابق مبارزالدولہ کی پیدائش (الف) ۱۲۱۰ھ ۱۷۹۵ یا (ب) ۱۲۱۵ھ ۱۸۰۰ میں ہوئی تھی جب کہ بقیہ میں انہی دو میں سے کسی ایک کے قریبی سال کا داخلہ ملتا ہے۔ تاریخ دکن میں اولاً "نمایاں طور پر مبارزالدولہ کا نام محاربہ شیریں ۱۸۱۵ کے تعلق سے آیا ہے۔ جس کی تفصیلات سے عیاں ہے کہ مبارزالدولہ نے اس موقع پر صرف بے خوفی طبع اور داد شجاعت سے ہی کام نہیں لیا تھا بلکہ منصوبہ بندی اور فوجی و تنظیمی صلاحیتوں کا بھی مظاہرہ کیا تھا۔ اگر ۱۸۰۰ھ ۱۲۱۵ کو مبارزالدولہ کا سال ولادت تسلیم کرلیا جائے تو یہ غیر معمولی حیرت کی بات ہوگی کہ محض پندرہ برس کے کم عمر شہزادے نے خواہ وہ کتنا ہی فوجی تربیت یافتہ ہو دفاع اور محاذ آرائی کا وسیع اور اعلیٰ انتظام اس محاربہ شیریں ۱۸۱۵ء میں کیوں کر کیا ہوگا۔ اس "جنگ مبارزالدولہ" کے ۱۸۱۵ میں وقوع پذیر ہونے میں سال و تاریخ کے لحاظ سے کوئی امر مشتبہ نہیں ہے اور یہ سن تمام تواریخ سے مسلم الثبوت ہے۔ اس اعتبار سے مبارزالدولہ کی عمر محاربہ شیریں ۱۸۱۵ء کے وقوع کے وقت بیس برس کے قریب ضرور ہونی چاہیے جس کی قیاسی تصدیق جنگ مبارزالدولہ کی مفصل کیفیت نے بخوبی اور باآسانی ہوتی ہے۔ دوسری طرف عین اسی فوجی تصادم کے روز مبارزالدولہ کے ہاں پہلے بیٹے کی اور اگلے ہی سال قلعہ گول کنڈہ میں دوران نظربندی دوسرے بیٹے کی پیدائش کی اطلاع مورخ لچھمن لعل نے تحریر کی ہے۔ "فرزند نخستیں کہ بروز جنگ متولد شد بنام میر تہور علی در سنہ ۱۲۳۰ و فرزند دویم کہ در قلعہ متولد شد بعمر دو سالہ" (صفحہ ۱۸)۔ اس طرح تمام تر محتاط اندازوں کی رو سے مبارزالدولہ کا سال تولد ۱۷۹۵ مطابق ۱۲۱۰ھ قرار اور طے پاتا ہے۔

والدہ اور حقیقی بھائی بہن

مبارزالدولہ کی حقیقی والدہ کا نام "شجرۂ آصفیہ" ۔صفحہ ۵۵ نیز "کرانالوجی" ۔صفحہ ۱۹۸ کی سند پر "فضیلت النساء بیگم عرف چاندنی بیگم" منقول ہے جو ان اور کئی دوسرے مصادر میں مستعمل ہے جبکہ اول الذکر میں ایک اور عرفیت "بی بی صاحبہ خورد" بھی درج ہے۔ مبارزالدولہ کی سیاسی زندگی کے اہم واقعات کے سلسلے میں ان کا نام مبارزالدولہ کی پشت پناہی کے حوالے سے آتا ہے اور مختصراً" اس کا احوال ابواب میں مذکور ہوگا۔ اس سے زیادہ ان کے حالات کی جستجو کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں ہوئی کیونکہ مبارزالدولہ کے سب

Marfat.com

اعزہ کی سوانح نویسی مقصود نہیں۔

متذکرہ ماخذ اور "گلزار آصفیہ" میں صفحہ ۱۳۴ پر مندرجہ فہرستوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سکندر جاہ خاصے کثیرالعیال تھے مگر مبارزالدولہ کے حقیقی بھائی دو تھے اور بہنیں بھی دو ہی تھیں' چنانچہ صاحب گلزار نے باقاعدگی سے یہ صراحت کی ہے کہ "ازجملہ ذکور و اناث صاحبزادۂ بلند اقبال نواب مستطاب ناصرالدولہ بہادر و صمصام الدولہ بہادر و مبارزالدولہ و جمال النساء بیگم صاحبہ و کمال النساء بیگم صاحبہ از بطن مطہرۂ فضیلت النساء بیگم صاحبہ بوجود آمدند" (صفحہ ۱۳۴)۔ تاہم یہ ترتیب درست نہیں ہے اور غلط فہمی کی موجب ہو سکتی ہے کیونکہ سکندر جاہ کی اولاد میں جمال النساء بیگم سب سے بڑی تھیں جیسا کہ پس منظری تفصیلات میں بیان ہوا۔ البتہ "گلزار آصفیہ" کے ہی لفظوں میں "نخستیں از صاحبزادگان میر فرخندہ علی خاں ناصرالدولہ بہادر" (ایضاً) اور وہی چوتھے نظام ہوئے۔ صمصام الدولہ میر بشیرالدین علی خاں منجھلے بیٹے تھے اور مبارزالدولہ سکندر جاہ کے تیسرے اور فضیلت النساء کے آخری بیٹے تھے۔ کمال النساء مبارزالدولہ سے بھی چھوٹی تھیں اور اپنی والدہ کی آخری اولاد۔

مبارزالدولہ کے منجھلے بھائی صمصام الدولہ کے نام کو ۱۸۱۵ کی اولین "جنگ مبارزالدولہ" اور شورش افاغنہ و عروب ۱۸۲۹ کے سلسلے میں ان کے حامی و ناصر کے طور پر تواریخ میں کچھ جگہ ملی' مگر ان کی تاریخی حیثیت یا قدر مبارزالدولہ کے ساتھ منسلک کرنا درکنار زیادہ قابل ذکر بھی نہیں معلوم ہوتی ہے۔ وہ مبارزالدولہ کے ہمراہ نظربند تو ہوئے تھے لیکن غالباً" چھوٹی موٹی وارداتوں میں ملوث رہنے کے سوا وہ مبارزالدولہ کا زیادہ ساتھ نہیں دے سکے۔ گو انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی۔ تاریخوں اور تذکروں میں ان کا نام اور کام کسی اہمیت کا حامل نہیں ظاہر ہوا۔ اس لئے صمصام الدولہ کی سوانح کا اضافہ بھی یہاں غیر ضروری ہو گا۔

مبارزالدولہ کی ایک علاتی والدہ جہاں پرور بیگم کا نام ان کی دادی تہنیت النساء بیگم اور ماں فضیلت النساء عرف چاندنی بیگم کے ساتھ ساتھ مذکور ہوتا آرہا ہے' اور واقعہ یہ ہے کہ ان کی سیاسی زندگی میں ۱۸۱۵ کی "جنگ مبارزالدولہ" سے لے کر وہابی تحریک ۱۸۳۸ء تک سکندر جاہ کی ان "محل خاص" کا کردار مادرانہ شفقت سے معمور رہا ہے۔ محاربہ شیریں ۱۸۱۵ء کی اولین نظربندی کے موقع پر نظام نے مبارزالدولہ کی والدہ کے بجائے جہاں پرور بیگم کو اس

Marfat.com

شاہی قافلے کے ہمراہ قلعہ گول کنڈہ روانہ کیا جس سے ان کی مصلحت ظاہر تھی' تاہم جہاں پرور بیگم کی قلعہ جانے پر رضامندی سے خود ان کے ساتھ مبارزالدولہ کا تعلق بھی عیاں ہوتا ہے۔ برسوں بعد حیدر آباد میں تحریک مجاہدین کے برپا ہونے کے وقت کی گرفتاری کے اقدامات کے سلسلے میں مبارزالدولہ کو جہاں پرور بیگم کی پشت پناہی اس حد تک حاصل تھی کہ وہ اس تعلق سے احکامات شاہی کے اجراء میں مزاحم رہیں اور نظام ناصرالدولہ پر اپنا رسوخ بھی استعمال کرنا چاہا۔ اس مرحلے پر نظام وقت بھائی کے تئیں اپنے مشفقانہ جذبات کے ہاتھوں ہی مجبور نہیں تھے بلکہ اپنی علاتی والدہ کے مخالفانہ اصرار سے بھی متاثر تھے اور انہوں نے بے بسی کے عالم میں ان دونوں باتوں کا ذکر بھرے دربار میں رزیڈنٹ سے کیا جو سفاکی سے مبارزالدولہ کی حراست کے لئے دباؤ ڈال رہا تھا۔

جہاں پرور بیگم کو مبارزالدولہ سے اس حد تک تعلق اور اس قسم کا دلی لگاؤ کیوں تھا؟ یہ سوال قدرتاً ذہن میں آتا ہے اور اس کا جواب سکندر جاہ کی ان "محل خاص" کے شاہی محل میں داخلے کے وقت مل جاتا ہے۔ یہ بات تاریخی لحاظ سے شاید بظاہر غیراہم اور معمولی ہے کہ سیف الملک عرف مالی میاں نامی آصف جاہی امیر کی ان دختر سے سکندر جاہ نے عمر پچیس سال دوسری شادی کی لیکن شاہی محل میں ان کی آمد گویا رخصتی چند برس بعد ہوئی۔ اپنی شادی کے کوئی سات آٹھ سال بعد جہان پرور بیگم جب ولی عہد سکندر جاہ کے محل میں ۱۷۹۹ء میں داخل ہوئیں تو مبارزالدولہ اس وقت چار پانچ برس کے تھے اور غالباً" محل بھر کے لاڈلے تھے۔ شادی کا جو جشن شاہی دھوم دھام سے بپا ہوا اس میں زرق برق پوشاک میں ملبوس اور تقریبات میں ہاتھوں ہاتھ لئے جانے والے یہ "چھوٹے نواب" ولی عہد کی دوسری بیگم کے بھی من کو بھاگئے اور وہ ان کی معصومانہ وجاہت پر نقد دل ہار بیٹھیں۔ تب سے اخیر تک جہاں پرور بیگم نے مبارزالدولہ کو اپنی شفقتوں سے کبھی محروم نہ رکھا۔ محاربہ شیریں یا جنگ مبارزالدولہ ۱۸۱۵ والی پہلی اسیری کے وقت دادی تہنیت النساء بیگم کا بے چین ہو کر ساتھ جانا اس لئے قابل فہم تھا کہ ان کی آنکھوں میں آصف جاہ ثانی کے بڑے بیٹے عالی جاہ کی سرکشی کا منظر بسا ہوا تھا' جب کہ مبارزالدولہ کی اپنی والدہ کی جگہ جہاں پرور بیگم کا اس کارواں کے ہمراہ قلعہ روانہ ہونا سکندر جاہ کے صرف حکم کی تعمیل میں ہی نہ تھا مبارزالدولہ سے موانست اور قلبی تعلق کی وجہ سے بھی تھا۔ عین اسی طرح وہابی تحریک ۱۸۳۸ والی حراست کے مرحلے پر جہاں

Marfat.com

پرور بیگم کی طرف سے مداخلت و مزاحمت اور اثراندازی کی کوشش کے پس پشت مبارزالدولہ کے تئیں ان کا طویل دلی لگاؤ ہی کارفرما تھا جو غالباً" تب تک ان کی والدہ فضیلت النساء کی وفات سے افزوں تر ہوگیا تھا۔ غالباً" اس لئے کہ فضیلت النساء بیگم کے سنین حیات دریافت نہیں ہوسکے' امکان یہی ہے کہ مبارزالدولہ کی وہابی تحریک والی آخری قید و بند سے پہلے ان کا انتقال ہوچکا تھا۔

مبارزالدولہ کی سیاسی زندگی میں کسی نہ کسی طور اور کچھ نہ کچھ حد تک دخیل اور ان کی دادی اور ماں سے کم و بیش برابر بلکہ دونوں) سے زیادہ ہی اور طویل عرصے تک ان کی سرپرست ان علاتی والدہ سے دوسرے کوئی اہم واقعات تواریخ میں منسوب نہیں ہیں۔ جہاں پرور بیگم کی بھی ولادت اور رحلت کے سنین زیرنگہ نہیں ہیں البتہ ان سے نظام سکندر جاہ کی اولاد کے نام پیش استفادہ مطبوعات میں مذکور ہیں۔ ان اندراجات کی رو سے جہاں پرور بیگم کے دو صاحبزادیاں نامدارالنساء اور غفورالنساء تھیں اور ایک فرزند میر تفضل علی خاں بہادر تھے جو وہابی تحریک میں مبارزالدولہ کے حمایتیوں میں گنے تھے۔

عطائے خطابات و مناصب شاہی

تینوں شہزادوں کو ان کے والد نے اپنی تخت نشینی کے بعد پہلی بقرعید میں خطاب سے سرفراز کیا۔ آصف جاہ ثانی میر نظام علی خان کے جانشین کے طور پر سکندر جاہ نے "دربار آصف" کے بموجب "بعد انتقال حضرت غفران مآب کے ۱۹ر ربیع الثانی ۱۲۱۸ھ کو (بمطابق ۸ر اگست ۱۸۰۳ یوم دوشنبہ) جلوس فرمایا۔ ۹ر ذلحجہ کو صاحبزادگان بلند اقبال میر فرخندہ علی خان کو ناصرجنگ' میر بشیر علی خان کو صمصام جنگ' میر گوہر علی خان کو مبارز جنگ کے خطابات عطا ہوئے۔" (صفحہ ۸۷)۔ مبارزالدولہ سات آٹھ برس کے رہے ہوں گے۔ تاریخوں اور تذکروں میں "جنگ" کے بجائے "دولہ" کے خطاب سے تینوں بھائی موسوم و معروف ہوئے۔ ناصرالدولہ نے ۱۸۲۹ میں بطور چوتھے نظام جانشینی اختیار کرنے کے بعد دیگر القاب بھی استعمال کئے جبکہ ان کے دونوں چھوٹے بھائیوں کے خطابات "شجرۂ آصفیہ" سے منقول ہیں۔ "میر بشیر الدین علی خان بہادر المخاطب صمصام الملک صمصام الدولہ صمصام جنگ" (صفحہ ۵۹) نیز "میر گوہر علی خان بہادر المخاطب مبارزالدولہ مبارز جنگ" (صفحہ ۶۴)۔

Marfat.com

مبارزالدولہ کو عطا کردہ درباری وظائف و تنخواہ اور مناصب میں سے کچھ کا والد اور بقیہ کا بھائی نے اجرا کیا تھا جس کی مجمل کیفیتیں حاصل ہوئی ہیں اور اقتباس کی جا رہی ہیں۔ سکندر جاہ کی دی ہوئی منصبوں اور تنخواہوں کے علاوہ اغلب ہے کہ ان کی وراثت بھی بھاری مقدار میں مبارزالدولہ تک منتقل ہو گئی ہوگی۔ مبارزالدولہ نے شاہی خانوادوں کے عام و مقبول رواج کے برعکس اپنا دربار قائم کرنے پر شروع سے ہی کوئی توجہ نہ کی لیکن ۱۸۱۵ کے اپنے اولین محاربے سے لے کر شورش خزانہ و تنخواہ ۱۸۲۹ اور ۱۸۳۹ کی وہابی تحریک کے سلسلے میں اسلحہ کی فراہمی اور افرادی قوت کی تنظیم نیز منصوبہ سازی پر زر کثیر صرف کیا۔ آخرالذکر وہابی شورش سے متعلقہ نمائندوں اور جاسوسوں پر مشتمل اپنی سفارتوں کے ذریعے مبارزالدولہ ایک ایک لاکھ نقد کی ترسیل کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ مبارزالدولہ کی اپنی غالباً "کثیرالتعداد فوج بے قاعدہ کی تنخواہیں تک حکومت نظام سے مقرر تھیں اور ۱۸۲۹ کی شورش عروب و افاغنہ انہی کی سرکاری تنخواہوں کی عدم موصولی کی بناء پر شروع ہوئی تھی جو زمانہ قید میں قلعے میں جاری ہوئی۔

صاحب "نگارستان آصفی" التفات حسین نے ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۵ کے بعد متعلقہ تذکرے میں مبارزالدولہ کی تنخواہ یہ لکھی ہے۔ "مبلغ دو ہزار صد روپیہ ماہوار نقدی مقرراست" (صفحہ ۲۲) جس کی تصدیق قریب ۱۸۳۲ کے مورخ مکھن لعل شاہ جہاں پوری کے الفاظ سے ہوتی ہے۔ "فرزند سوم میر گوہر علی خاں مبارزالدولہ بہادر عمر بیست و شش سالہ مبلغ دو ہزار و سی صد روپیہ ماہوار نقدی مقرراست" (صفحہ ۱۸)۔ اسی "تاریخ یادگار مکھن لعل" کے دیگر مقامات سے بعد کی تنخواہوں کا بھی علم ہوتا ہے۔ چنانچہ "لعل ہشتم در القاب و خطاب" کا ایک داخلہ یوں ہے۔ "مبارزالدولہ میر گوہر علی خاں مبارز جنگ ہفت ہزاری ذات۔ علم و نقارہ و ماہی مراتب۔ پالکی جھالردار" (صفحہ ۱۲۴) یعنی مبارزالدولہ کا ذاتی وظیفہ شاہی سات ہزار تھا جو ماہانہ رہا ہوگا اور مروجہ تکلفات اور آسائشوں وغیرہ کے لئے علیحدہ خطیر رقم۔ مکھن لعل کے دوسرے دو اندراجات باعتبار سنین ہیں اور صفحہ ۱۳۷ سے مستفاد "مبارزالدولہ میر گوہر علی خاں بہادر مبارز جنگ ہفت ہزاری۔ ذلحجہ سنہ ۴۶ خطاب میر گوہر علی خاں بہادر مبارز جنگ پنج ہزاری ذات للعمت دو اسپہ یک اسپہ۔ ۲۰ ذلحجہ سنہ ۴۷ اضافہ خطاب مبارزالدولہ دو ہزاری ذات، ماہی مراتب دو اسپہ یک اسپہ۔"

Marfat.com

"تاریخ یادگار مکھن لعل" ۱۲۴۷ ہجری بمطابق ۱۸۳۱/۱۸۳۲ کے قریبی بعد کے زمانے کی تصنیف ہے اور اس کے منقولہ بالا اقتباسات اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ مبارزالدولہ کے بڑے بھائی نظام ناصرالدولہ اپنی تخت نشینی کے معاً بعد ان کی زیر سرپرستی برپا ہونے والی تنخواہ اور خزانہ کی شورشوں کے باوجود ان کے تئیں حسن سلوک روا رکھے تھے۔ مبارزالدولہ ۱۸۲۹ کی شورش افاغنہ و عروب بسلسلہ عدم وصولی تنخواہ کی بناء پر ۱۸۳۰ میں بطور نظربند قلعہ گول کنڈہ دوسری مرتبہ منتقل ہوئے اور دوران اسیری ہی قلعے کے قدیم سرکاری خزانہ پر بھی اسی عنوان سے قبضہ کرنے کی مسلح جدوجہد کی' ان کی ان دونوں متصل شورشوں کی مفصل روداد متعلقہ باب میں پیش ہو رہی ہے۔

ناصرالدولہ نے کوئی پونے دو سال بعد ہی بھائی کے قصور معاف کیئے تو مبارزالدولہ اکتوبر ۱۸۳۱ مطابق جمادی الاول ۱۲۴۷ میں رہا ہوئے تھے۔ ازاں بعد نظام ناصرالدولہ نے اپنی سالگرہ اور نوروز نیز بھائی کی رہائی کے مشترکہ جشن میں مملکت کے زعما اور روسا کو انعام و اکرام کے علاوہ خطابات سے نوازا۔ اس سے ایک سال قبل کے جشن میں مبارزالدولہ کو بحالت قید جو پنج ہزاری منصب نظام نے دیا تھا۔ اس میں رہائی کے بعد انہوں نے اس خوشی میں دو ہزار کا اضافہ کردیا۔ ابتدا" خیال یہ تھا کہ مورخ مکھن لعل سے ذلج ۱۲۴۶ کی منصب کے داخلہ میں کوئی غلطی تو نہیں واقع ہوگئی کیونکہ ابھی مبارزالدولہ شورش تنخواہ و خزانہ کے ضمن میں نظربند تھے۔ ان کے بھائی کی یہ انتہائی فراخ دلی تھی کہ انہوں نے اپنا تاج و تخت سنبھالتے ہی سرکشی کا ارتکاب کرنے والے مبارزالدولہ کو نظربندی کی حالت میں بھی اس درجہ محبت سے یاد رکھا۔ ۱۸۳۱ کی رہائی کے بعد کی منصب کا ذکر وہابی تحریک کے تفتیشی کمیشن کی روداد میں کسی قدر فرق کے ساتھ ملتا ہے۔

"He was given an allowance of six thousand rupees a month and lived at his palace in the city" (Freedum Struggle" P.164).

والد یا بھائی کی جانب سے مبارزالدولہ کو ریاست حیدرآباد کی حدود میں جاگیر اور اراضی دینے کا کوئی ذکر متعلقہ کتب سے برآمد نہیں ہوتا ہے اور غالبا" جائیداد بھی ان کے ایک سرکش چچا عالی جاہ کی کوٹھی پر ہی مشتمل تھی جو سکندر جاہ نے مبارزالدولہ کو پہلی اسیری

Marfat.com

سے ۱۸۲۰ میں واپسی کے بعد انہیں بخش دی تھی۔ مبارزالدولہ کے سب سے چھوٹے بیٹے عابد علی خاں کے ایک وارث صاحبزادہ میر لطف علی خاں نے راقم کے نام اپنے کرم نامہ مورخہ ۲۴ر جون ۱۹۶۲ میں کسی غیر منقولہ جائیداد کے ورثے کا تذکرہ نہیں کیا۔ صاحبزادہ موصوف کے لطف نامہ کے بموجب "شہزادہ مبارزالدولہ کی پالکی و تنخواہ وغیرہ تمام غائب ہوگئی۔ صرف ان کے بیٹے عابد علی صاحبزادہ مرحوم کی تنخواہ ہم سب کو نصیب ہوئی۔" مبارزالدولہ کے متذکرہ اور دوسرے چند ورثاء اندرون بلدہ کے تالاب میر جملہ کے ایک طرف واقع دیوڑھی نواب کلیانی کے باقی ماندہ آثار میں مقیم تھے۔ ان حضرات سے ملاقاتوں میں اگر کوئلہ عالی جاہ سے متعلق کوئی معلومات زبانی حاصل ہوئیں تو ان کی یادداشت نہ محفوظ رہ سکی اور نہ ہی مستحضر۔

تعلیم و تربیت اور مذہبی و ادبی شغف

آصف جاہ ثانی کے عہد کے آخری برسوں تک سلطنت کو بیرونی جنگوں اور اندرونی مناقشوں سے محفوظ رہ کر استحکام پانے کا موقع مل چکا تھا اور اسی زمانے میں ان کے ولی عہد اور دوسرے بیٹوں کے شہزادوں کی تعلیم و تدریس کا مروجہ شاہی معیارات پر اہتمام ممکن ہوا ہوگا۔ مبارزالدولہ کی اپنی تعلیم و تربیت ان کے دونوں بڑے بھائیوں کے ساتھ ہی ہوئی ہوگی لیکن دینی و دنیاوی اور فنی و حربی نوعیت کی تدریس کی کوئی خاص کیفیت دوسرے متعدد امور کی تفصیلوں کی طرح سرے سے دستیاب نہیں ہے۔ بلکہ کچھ متضاد سا تاثر بھی مبصرین کے ہاں ملتا ہے۔ سطور ذیل میں یہ سب جھلکیاں پیش کی جارہی ہیں کچھ تفصیل اختتامیہ میں ملے گی۔

سکندر جاہ اور ناصرالدولہ کے ادوار میں میر شمس الدین محمد فیض ایک باکمال بزرگ گزرے ہیں اور حیدرآباد مرحوم کے اکابر میں آج بھی معروف مقام کے مالک ہیں۔ چنانچہ معتقدین ان کا باقاعدہ عرس مناتے ہیں۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زوران کے شعری کمالات کا ایک عمدہ مرقع "فیض سخن" تالیف فرما چکے ہیں۔ پروفیسر زور نے "داستان ادب حیدرآباد" میں یہ اطلاع تحریر کی ہے کہ "مبارزالدولہ کی تعلیم و تربیت فیض ہی کے ذمہ تھی اور اس کے صلے میں ان کو پانچ سو روپے ماہوار ملا کرتے تھے۔" (صفحہ ۱۳۶)۔ فیض ہی مبارزالدولہ کے استاد سخن بھی تھے لیکن تلامذۂ فیض کے من جملہ اہم شعراء کی فہرست میں مبارزالدولہ کا جو آصف تخلص کرتے تھے شمار غالباً کبھی نہیں ہوسکا۔ مولوی نصیرالدین ہاشمی نے انگریزوں کے

Marfat.com

بڑھتے ہوئے اثرات کے خلاف مبارزالدولہ کے احساس تنفر کو مقالہ "نوائے ادب" میں ان کے استاد کا عطیہ قرار دیا ہے۔ "حضرت فیض حیدر آباد کے مشہور صوفی بزرگ اور بلند پایہ شاعر تھے' مبارزالدولہ ان کے شاگردوں میں شامل تھے۔ یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ مبارزالدولہ کو جو انگریزوں سے نفرت اور مخالفت تھی وہ حضرت فیض کی تربیت کا اثر ہو کیونکہ فیض کے کلام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو انگریزوں سے مخالفت تھی۔ انگریزوں کے بڑھتے ہوئے رسوخ اور اثر کو ناپسند کرتے تھے۔" (صفحہ ۴۳) جلیل و اختر مینای کی "تاریخ دکن" میں مذکور ہے کہ "نواب مبارزالدولہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کے شاگرد اور ان کی صحبت سے فیض یاب تھے" (صفحہ ۴۷۶) جس کی تفصیل کا حصول اور اضافہ افسوس کہ ممکن نہ ہوسکا۔ ممکن ہے راست شاہ اسمٰعیل شہید ہی مراد ہوں جو درست نہیں لگتا۔

مبارزالدولہ کو کتابی کے علاوہ دینی تعلیم بھی دی گئی تھی اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب سے انہیں خاصا شغف تھا۔ "خورشید جاہی" نامی تاریخ کے صفحہ ۴۵۳ کی کیفیت کے مطابق مبارزالدولہ "روزہ دار' نمازگزار' ریش بریدہ" ہی نہیں تھے بلکہ مولوی نصیرالدین ہاشمی کے مقالہ "سیاست" کے الفاظ میں "مبارزالدولہ کو مذہبی شغف تھا" اور وہ "امور دینی کے سختی سے پابند تھے"۔ (صفحہ ۲)۔ مولانا غلام رسول مہر نے مبارزالدولہ کی وہابی تحریک ۱۸۳۸ء میں عملی شمولیت کے خاص حوالے سے ان کے تحریکی لٹریچر کے مطالعے نیز اصلاح عقاید و احوال کا ذکر کیا ہے جو اسی موقع پر اقتباس ہوگا۔ تاہم تحریک مجاہدین کی اس حیدر آبادی توسیع میں مبارزالدولہ کی قائدانہ حیثیت میں شرکت ان کے مذہبی اشتغال پر دال نہیں تھی' بلکہ سیاسی عزائم اور منصوبوں کی صورت گری تھی جس کے تعلق سے حتمی تجزیے میں مبارزالدولہ کے اپنے بقول "ارمان ریاست" کے حوالے سے عرض کیا جاسکے گا۔

فنون جنگ کی تربیت بھی مبارزالدولہ کو سرکاری سطح پر حاصل رہی اور مقالہ "سیاست" میں مولوی نصیرالدین ہاشمی کی اطلاع یہی ہے کہ "انہوں نے فن سپہ گری میں بھی بڑی اچھی مہارت حاصل کی تھی۔" (صفحہ ۲)۔ ۱۸۱۵ کی "جنگ مبارزالدولہ" میں حربی و تنظیمی صلاحیتوں کے مظاہرے کی بناء پر "فریڈم اسٹرگل" میں وہابی تحریک کے تفتیشی کمیشن کا یہ تاثر منقول ہوا ہے جو اس کے ایک بجائے خود متضاد سے مشاہدے کا حصہ ہے۔

"He excelled in the art of warfare" (section 174, P.163)

Marfat.com

بقول نصیرالدین ہاشمی مبارزالدولہ "شمشیربازی اور تیراندازی میں کمال رکھتے تھے۔" (صفحہ ۲) جسکا مظاہرہ محاربہ شیریں ۱۸۱۵ میں ایک گورے افسر کا کاری نشانہ لیکر انھوں نے بڑی کامیابی سے کیا تھا۔ اس "جنگ مبارزالدولہ" کے بعد شورش خزانہ ۱۸۲۹ اور وہابی تحریک ۱۸۳۸ میں مسلح دفاعی تیاریوں نیز منصوبہ بندی اور تنظیمی اہلیت کے وافر ثبوت انہوں نے مہیا کئے جو انکی حربی لیاقت اور جنگی صلاحیت کے مظہر تھے۔ مبارزالدولہ کی تعلیم اور تربیت پر ان مختصرات کے بعد یہ جاننا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ وہابی تحریک کی تحقیقاتی روداد کا متضاد سا تجزیہ کیا تھا' "فریڈم اسٹرگل" میں زیر اقتباس اس تفتیشی رپورٹ کے حصہ ۱۷۴ کے الفاظ .صفحہ ۱۶۳ یہ رہے ہیں۔

"It is said that in his childhood he did not receive proper education and training--" (Section 174 page 163.)

تحقیقی کمیشن کا یہ ستم ظریفانہ تاثر زیرلب تبسم کا سامان فراہم کرتا ہے تاہم اس کی ناقل "فریڈم اسٹرگل" کے فاضل مورخین نے جن میں مولانا نصیرالدین ہاشمی بھی شریک تھے اپنی طرف سے .صفحہ ۱۲۵ پہلے ہی یہ صراحت کردی کہ۔

"He had a good education in Persian and Arabic, and his grounding in religious lore was also quite sound" (P.120)

مبارزالدولہ کی شخصیت کی ایک جہت کی صورت گری شاعری میں بھی ہوئی۔ خواہ آج وہ کسی معیار کی سمجھی جائے اور شمال کے بگڑے روسا کی روایتی فکر سخن سے نسبت قرار پائے۔ پروفیسر ثمینہ شوکت نے مقالہ "نوائے ادب" کے ہمراہ اپنی تحقیق سے کتب خانہ سالار جنگ میں مخزونہ ایک قلمی بیاض سے مبارزالدولہ کا کہا ہوا ایک قصیدہ دریافت کرکے بطور خاص شائع فرمایا۔ (صفحہ ۲۷'۲۸)۔ اس قصیدے کے متن کا یہاں اعادہ طوالت کا موجب ہوگا کیونکہ وہ مبارزالدولہ کی مشق سخن کا کوئی اچھا نمونہ نہیں ہے اور عجز فکر اور عجز کلام دونوں ہی کا مظہر ہے۔ فاضل محققہ مبارزالدولہ کے سیاسی کارناموں کی ہی مداح و معترف نہیں ہیں بلکہ ان کی فکر شعر کی بھی قائل ہیں۔ مگر کم از کم اس قصیدے کی ادبی قدر اشتباہ سے بالاتر

Marfat.com

نہیں معلوم ہوتی ہے۔ گو ڈاکٹر ثمینہ شوکت نے بڑی تعریف کی ہے۔ مبارزالدولہ نے اس قصیدے میں جو بقول پروفیسر صاحبہ موصوفہ پیشکار سلطنت مہاراجہ چندولعل شاہ شاداں کے اعزاز میں انہوں نے تصنیف کیا لیکن راقم کے خیال میں ان کی سراسر سیاسی ہجو ملیح سے عبارت ہے۔ تخلص اپنے جد امجد کا اختیار کیا ہے۔

آصف کی یہی حق سے دعا ہے کہ شب و روز
حاضر رہے در پر ترے سامان ریاست (صفحہ ۲۸)

استاذ محتشم و معظم ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کے قائم کئے ہوئے "ادارۂ ادبیات اردو" کے "ایوان اردو" کے ذخیرۂ مخطوطات کو ان کے معاصر اور اس احقر کے ایک بزرگ حضرت سید تمکین کاظمی نے ایک بے نام قلمی تذکرہ پیش فرمایا تھا اور زور صاحب نے فاضل معطی کے نام نامی پر اس نسخے کو "عطائے تمکین" سے معنون فرمایا تھا۔ ڈاکٹر زور کے ترتیب دادہ ادارۂ ادبیات کے تذکرہ مخطوطات کی جلد ۴ میں بصفحہ ۲۵۷ مخطوطہ "عطائے تمکین" کا نمبر ۸۹۲ درج ہے۔ اس خطی تذکرۂ شعرا میں مبارزالدولہ کی ایک غزل سے تین اشعار کا انتخاب ہے جس میں مقطع شامل نہیں اور اسی لئے تخلص ظاہر نہیں ہوتا ہے' البتہ تذکرۂ نگار نے بصفحہ ۶ "آصف تخلص" اور "تلمیذ حضرت فیض" لکھا ہے۔ ان اطلاعات کے ہمراہ مبارزالدولہ کی اس غزل کے تین شعر ادارۂ ادبیات اردو کے مراسلہ نمبر ۷۸۸ مورخہ ۳؍ نومبر ۱۹۶۱ء سے پیش کرنے کی سعادت ادارۂ ہذا کی اس بیش قرار ادبی استمداد کے تئیں قلبی امتنان اور سپاس گزاری کے ساتھ حاصل کی جارہی ہے۔

ہمارے قتل پر جب یار غارت گر بدلتا ہے
کبھی تیغہ کبھی نیزہ کبھی خنجر بدلتا ہے
جو تیاری ہے گورستاں میں کل سے گور تازہ کی
کوئی بیمار چشم یار شاید گھر بدلتا ہے
کنی ہیرے کی کھائی واں کسی نے انتظاری میں
وہ یاں بیٹھا ہوا الماس کا زیور بدلتا ہے

تذکرے سے منقولہ آخری شعر میں "وہاں" اور "یہاں" کے الفاظ ادارۂ ادبیات کے

Marfat.com

مراسلے میں درج ہیں جن سے وزن (ع مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن میں) فرق آتا ہے۔ اغلب ہے کہ الفاظ کی اس صورت کا زحافات میں شمار نہیں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ راقم سطور نے انہیں "واں" اور "یاں" سے تبدیل کرنا ضروری خیال کیا ہے تاکہ شعر اپنی بحر کے وزن سے گرنے سے محفوظ رہے۔ مبارزالدولہ کی اس غزل کی دریافت کا کریڈٹ ان کے قصیدے کی بازیابی کی طرح دراصل پروفیسر ثمینہ شوکت صاحبہ کو ہی جاتا ہے جن کی فاضلانہ تحقیق سے اس بارۂ خاص میں ابتدا" رہ نمائی بھی حاصل ہوئی تھی۔ مبارزالدولہ کی غزل کے خاص حوالے سے بقول پروفیسر صاحبہ ممدوحہ "ان کے بارے میں ہماری خاص دلچسپی کی ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ اردو شعر و سخن سے مس رکھتے تھے" (ص ۱۷)۔

(نظام آباد۔ نومبر، دسمبر ۱۹۶۱ء)

Marfat.com

Marfat.com

مبارزالدولہ : "جنگ مبارزالدولہ"

۱۸۱۵ : "جنگ مبارزالدولہ" اور اس کے راوی

بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۸۱۵ میں جبکہ مبارزالدولہ بمشکل انیس بیس برس کے نوخیز شہزادے تھے ان کے چند حواریوں نے رزیڈنسی کے ایک درزی شیریں کو جس کا مبارزالدولہ کے کسی ملازم سے جھگڑا تھا' پکڑ کر قید کرلیا۔ درزی اور پھر اس کی ناکامی پر خود رزیڈنٹ نے اس کی رہائی کے لئے سرکاری طور پر کوشش کی تو مبارزالدولہ کے آدمیوں اور بعد میں خود مبارزالدولہ نے صاف انکار کردیا۔ اس طرح رزیڈنٹ اور مبارزالدولہ دونوں نے اس معاملے کو اپنے وقار کا مسئلہ بنا کر اس سے غیر معمولی اہمیت متعلق کردی۔ رزیڈنٹ نے برہم ہو کر نظام سے دربار میں شکایت کی اور ان کی رسمی "منظوری" سے تمام اختیارات ہاتھ میں لے کر مبارزالدولہ کے محل پر منظم حملہ کروادیا۔ مبارزالدولہ نے زبردست مدافعت کرکے برطانی سپاہ کو پسپا کردیا۔ رزیڈنٹ شکست خوردہ حالت میں برافروختہ ہوکر دوبارہ زیادہ قوت کے ساتھ بڑا حملہ کرنا چاہتا تھا کہ وزیراعظم نے مفاہمت کی کوششیں شروع کردیں۔ وزیراعظم کی مصلحت کوشانہ مداخلت سے صورت معاملہ یہ ہوئی کہ رزیڈنٹ کی فوج کو انھوں نے واپس کروادیا اور رزیڈنٹ اور نظام دونوں کو اس بات پر راضی کروالیا کہ سیروشکار کے عنوان سے مبارزالدولہ کو قلعہ گول کنڈہ میں نظربند کردیا جائے۔ اس طرح مبارزالدولہ ۱۸۲۰ء تک قید رہے اور ۱۸۲۹ تک خانہ بند۔

واقعہ فقط اتنا ہی ہے مگر پس منظر خاصا ہے اور تفصیلات طویل بھی ہیں' الجھی ہوئی بھی۔ مبارزالدولہ کی معاصر اور متعاقب مطبوعات میں محاربہ شیریں کی ابتدا پر مختلف راویوں نے اتنی متضاد حکایتیں قلم بند کی ہیں کہ ان کے اثر سے "فریڈم اسٹرگل ان حیدرآباد" جیسی جدید محققانہ تاریخ بھی محفوظ نہ رہ سکی ہے۔ محاربہ شیریں کی شروعات پر روایتوں کی کثرت اور ان میں تضاد کی کیفیت کی بناء پر آیندہ اوراق میں ہم مضمون و ہم مطلب اقتباسات کا اعادہ ہوا ہے۔ وافر معلومات کی موجودگی میں ایک سی اطلاعوں پر مبنی عبارات کی تکرار ناگزیر تھی۔ انگریز دشمنی کے شدید اور گہرے جذبات کے قطع نظر مبارزالدولہ کے مقاصد و مزعومات اور منصوبوں کی نوعیتوں اور اصلیت پر چونکہ ایک سے زائد رائیں ممکن ہیں اس لئے راقم خواہاں

Marfat.com

و کوشاں ہے کہ مبارزالدولہ کی سیاسی سوانح میں ان کے عزائم و اقدامات سے متعلق ایک ایک واقعہ اور تاثر ہی نہیں بلکہ ایک ایک لفظ کی گرد آوری کو یقینی اور لازمی بنایا جائے تاکہ مستقبل کے محققین اور مبصرین تاریخ کو کسی بھی زاویہ نگہ سے کوئی کمی ہرگز محسوس نہ ہو۔ راقم کی یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ زیر جایزہ شخصیت کی سیاسی زندگی کے نشیب و فراز کے سبب اس کے بارے میں محولہ تمام تر اطلاعات کو بلا کم و کاست اور بجنسہ ان کے موضوعاتی سیاق و سباق کی ہر طرح کی مناسبتوں کو پورے طور پر ملحوظ رکھتے ہوئے مرتب و مہذب انداز میں پیش کرنے کی حتی المقدور سعی کی جائے۔ اس کی افادیت یہ ہوگی کہ کسی بھی نقطہ نظر سے اغماض یا چشم پوشی کے اعتراض یا شک و شبہ کا نہ تو کوئی امکان ہوگا نہ سوال۔ صرف اسی غرض سے بطور خاص پیش نگہ باب میں اور دیگر مقامات پر بھی ہم موضوع معلومات کی جمع آوری کا اہتمام کیا گیا ہے۔

مبارزالدولہ کے حالات کا ایک راوی صاحب "خورشید جاہی" محاربہ شیریں ۱۸۱۵ کے ذکر کے بعد اس کے پس منظر کی سمت یہ کہہ کر رجوع کرتا ہے کہ "ارباب تاریخ نے تو اسی قدر لکھا ہے اور حقیقت حال مفصل راقم نے جو دیکھے ہوئے متعدد آدمیوں سے سنا ہے وہ یہ ہے" (صفحہ نمبر ۴۴۹)۔ محمد امام خاں نے ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۹ میں یہ تاریخ لکھی ہے اور واقعہ ہے اس سے ۵۴ سال قبل کا جس کے معنی یہی ہیں کہ نصف سے زائد صدی بعد مصنف کو جو عینی شاہدین ملے وہ ۱۸۱۵ میں پندرہ تا پچیس سال کے اور بوقت تحریر ستر سے اسی برس کے معمر تھے۔ اس کے بیانات کے کئی اجزاء مبارزالدولہ کے ہم عصر مورخوں اور تذکرہ نگاروں کے ہاں مفقود ہیں۔ جبکہ مبارزالدولہ کے معاصر مصنفین کے اپنے ہاں بھی ۱۸۱۵ کے علاوہ ۱۸۲۹ اور ۱۸۳۸ کے حالات کی مکمل و جامع تفصیلیں عدم دستیاب ہیں اور کئی ایک حوالوں سے ان کی دی ہوئی اطلاعوں میں واقعاتی تضاد بھی ملتا ہے۔ مبارزالدولہ کے ہم عصر مورخین کے من جملہ صاحب "گلزار آصفیہ" نے تینوں حوادث کو بقدر توفیق مفصل طور پر روشنی میں لانے کی کوشش کی ہے پھر بھی معاصرت کے تصور کے قطع نظر مغایرت اور تشنگی بہت کچھ محسوس ہوتی ہے۔ کمپنی کی حکومت کے گورنر جنرل ہند کے صدر دفاتر واقع فورٹ ولیم میں یکم دسمبر ۱۸۱۵ کو تحریر کی ہوئی محاربہ شیریں کی روداد بھی اپنے حاکمانہ طرز اور جانبدارانہ رویے کے باوجود رزیڈنٹ کے حکام کے من جملہ چشم دید راویوں کے مشاہدات کا مجموعہ ہونے کے باعث

Marfat.com

خصوصی اہمیت کی مالک ہے۔ اس سے جستہ جستہ عبارات اقتباس کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا اپنا یا اس کا مترجمہ متن مکمل و یکجا شریک نہیں ہو سکتا ہے۔ گو راقم نے ہی اس کا عکس لندن سے حاصل کر کے مع تعارف شایع کرایا تھا۔ راقم نے یہ احتیاط بھی ضروری خیال کی ہے کہ کسی ماخذ سے خواہ صرف ایک جملہ ہی برآمد ہو وہ اگر تحقیقی یا تنقیدی کسی بھی لحاظ سے مفید ہو تو اس سیاسی سوانح میں کسی طور پر نظرانداز نہ ہونے پائے تاکہ مبارزالدولہ پر لکھا ہوا ایک ایک لفظ سامنے آجائے۔

پس منظری واقعات عوامل اور کردار

وہابی تحریک کے تفتیشی کمیشن کی روایت ہے کہ مبارزالدولہ کے تاریخی کردار کے ابتدائی عرصے میں ایک چھوٹا سا واقعہ پیش آیا جس میں مبارزالدولہ نے اپنے والد اور نظام وقت سکندر جاہ کی یہ تجویز مسترد کردی کہ ان کے محل پر بغرض حفاظت ایک انگریز سپاہی مقرر کیا جائے۔ مبارزالدولہ کا جواب اور اس پر رزیڈنٹ کا ردعمل دونوں بیان ہوئے ہیں۔

"It is said that once his father desired that a sentry of the British Army might be appointed as a guard at his palace. He replied that he would prefer to die rather than to see a British guard at his palace gate. That is why Mr Russell had written that Mubarizud Dowla was an anti British" (P.63).

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نوعمر مبارزالدولہ کے اظہار تنفر سے انگریز دشمنی کی خو بو ہویدا ہے۔ چنانچہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ عنفوان شباب میں ہی مبارزالدولہ ذہنی و فکری اعتبارات سے بلوغ حاصل کرچکے تھے اور کم و بیش ۲۰ سال کی عمر میں مخالف انگریز جذبات ان کے دل و دماغ میں بشدت تمام موجزن تھے۔ یہ چھوٹا سا واقعہ جو محاربہ شیریں کا پیش خیمہ کہا جاسکتا ہے ضرور اس امر کا ثبوت ہے کہ ہرچند کہ بقول ڈاکٹر ثمینہ شوکت "ان کی پرورش محلوں میں بڑے ناز و نعمت کے ساتھ ہوئی تھی، لیکن وہ فطرتاً ایک حساس اور بیدار دل و دماغ لے کر دنیا میں آئے تھے" (صفحہ ۱۷)۔ مبارزالدولہ نے نوخیزی کے اس واقعے سے لے کر

Marfat.com

وہابی تحریک ۱۸۳۸ تک سیاسی زندگی کے کئی ایک موقع پر اپنے ذکی الحس ہونے کے ثبوت فراہم کئے لیکن ذکاوت کے ساتھ ساتھ کس قدر اور کس حد تک بیدار مغزی کا مظاہرہ کتنی کامیابی یا ناکامی کے ساتھ مستقبل میں کیا۔ اس کا صحیح تر اندازہ ۱۸۲۹ اور ۱۸۳۸ کے حوادث کے مطالعے کے دوران ہوگا۔

یہاں سوال یہ ہے کہ آخر نظام کو نوعمر شہزادے کے محل پر انگریز سپاہی کی تعیناتی کی ضرورت کیونکر لاحق ہوئی؟ اس کا صحیح جواب فورٹ ولیم کی دفتری روداد اور "تاریخ یادگار مکھن لعل" میں ہم دست ہوتا ہے اور دونوں کو مبارزالدولہ کی معاصرت حاصل ہے۔ مورخ مکھن لعل شاہ جہاں پوری نے صفحہ ۱۸۱ نظام سکندر جاہ اور فضیلت النساء عرف چاندنی بیگم کے تینوں بیٹوں کی کرداری کیفیات کی تصویر کشی کی ہے جو اس کے ان اپنے الفاظ میں قابل ملاحظہ ہے۔ "ناصرالدولہ بہادر ظاہرا" فہمیدہ و سنجیدہ و متواضع و خلیق و کم آزار۔ و سرکشی و تغابن در مزاج ایشاں نیست۔ بعضے وقت مطالعہ تواریخ و شغل ورزش پیشتر نشست در محل دارند"۔ دوسرے دو بیٹوں کا نقشہ ایک ساتھ کھینچا ہے۔ "صمصام الدولہ بہادر و مبارزالدولہ بہ مصداق بیت

ز دست جور تو یک عالمی بفریاداست
ہزار داد زدست تو ایں چہ بیداداست

حرکات سوئے طینت و خبث طبیعت مشارہ الیہما چنداں احتیاج تشریح ندارد۔ بنوعی درہم دگر فرق نتواں کرد۔ الا چالاکی و بے باکی بہ نسبت صمصام الدولہ در مزاج مبارزالدولہ تفوق دارد۔" فورٹ ولیم کی سرکاری روداد پر انحصار خواہ گوارا نہ ہو منقولہ انکشاف کے ہوتے ہوئے الفاظ ذیل کو کلیتہ "مسترد بھی نہیں کیا جا سکتا جس کا اولین فقرہ ہی یہ ہے۔

"The Nizam's two younger sons Sumsamud Dowla and Mubarizud Dowla and their cousin Imtiazud Dowla who married one of the Nizam's daughters, have long been accustomed to practice every sort of violence, licentiousness and tyranny" (P.325).

کمپنی کی حکومت کی اس دفتری روداد میں اس کے بعد جن دو امور کا ذکر ہے ان کے بین السطور سے علانیہ مظہر ہے کہ مبارزالدولہ کی ان حرکتوں کا نشانہ اس متوازی انتظامیہ کے

Marfat.com

افرادولا زما" بنتے تھے جو مبارزالدولہ کی انگریز دشمنی و منافرت کا حقیقی سبب تھے۔ کلکتہ کی اس سرکاری رپورٹ کے منقولہ بالا وذیل فقرے اس کے شاہد ہیں۔

"Their excessess have more than once attracted the serious notice of Resident and representation of the Nizam and have been submitted by the Resident to the consideration of the Governor General" (IBID)

ظاہر ہے کہ مبارزالدولہ کی سرگرمیاں مقامی افراد تک محدود ہوتیں تو رزیڈنٹ کے ان میں اس حد تک دلچسپی لینے کی کوئی وجہ نہ ہوتی۔ چنانچہ اپنے اور اپنی سرکار کے متعلقین کے ان حرکتوں سے متاثر ہونے کے باعث ہی رزیڈنٹ نے نہ صرف نظام کو متوجہ کیا بلکہ مرکزی حکومت ہند کے علم میں بھی لانا ضروری سمجھا۔ اب اس سے متصل جملوں سے انکشاف ہوتا ہے کہ ۱۸۱۵ کے محاربہ شیریں سے قبل رزیڈنٹ کی نظروں میں معاملات اتنے خراب اور نازک ہو چکے تھے کہ

"Sometime previously to the transactions about to be noticed, the unrestrained violence and licentiousness of these young men induced the Nizam at the instance of Mr Russell to take measures for checking their conduct-" (P.326-327).

اس طرح اس امر کی تصدیق ہوگئی کہ ابتدا" متذکرہ انگریز سپاہی یا محافظ کی مبارزالدولہ کے محل پر تقرری کی تجویز کا دراصل پس پشت اور حقیقی محرک خود رزیڈنٹ تھا۔ کمپنی کی اس فائل موسومہ "اپینڈکس" میں اس منصوبے کی ناکامی کا ذمہ دار وزیراعظم چندو لعل کو گردانا گیا ہے جبکہ تفتیشی کمیشن کی روداد اور اس پر مبنی "فریڈم اسٹرگل" کے بھی تاثر سے عیاں ہے کہ خود مبارزالدولہ نے اپنے والد کی طرف سے آنے والی اس تجویز کو شدید جذباتی انداز میں رد کردیا تھا۔ محاربہ شیریں ۱۸۱۵ کی روشنی میں دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ رزیڈنٹ نے اس ہتک کا جلد ہی بدلہ لینے کی کوشش کی۔ کمیشن کی روداد پر مبنی تاثر مرتبین کے الفاظ میں پیش ہے۔

"From his early days he was known for his obstinate nature and anti-British sentiments.

Marfat.com

Once his father Sikandar Jah desired that guards from the British Army should be posted at the residence of Mubarizud Dowla. The latter refused the posting of British guard on the plea that he would be prepared to die rather than see British guard at his palace gates. Mr Russell, the Resident, had been convinced that Mubarizud Dowla was violently anti-British" (P.57). "Freedom Struggle".

محاربہ شیر-ں ۱۸۱۵ کے پس منظری سلسلہ حوادث کے بارے میں جیسا کہ اشارتاً" عرض کیا گیا۔ یہ انگریز دشمنانہ سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ مختلف مقامی طبقات سے متعلق مناقشوں پر بھی مبنی رہا ہے۔ "تاریخ خورشید جاہی" کے بیانات کی رو سے محاربہ شیریں سے پیش تر اور غالباً" ۱۸۱۵ میں ہی شکوہ جنگ اور گوسائیں میں رقمی معاملات پر لین دین کا جھگڑا ہوا جس میں گوسائیں مارا گیا اور اس کے بعد ہم قوموں نے اجتماع کیا جس سے گڑبڑ ہوئی جس کا وزیر اعظم مہاراجہ چندولعل کی بروقت مداخلت سے تدارک ہوگیا۔ پھر مہاراجہ نے ہی جے شنکرداس کو شکوہ جنگ سے گوسائیں کی رقوم کے حساب کتاب کے لئے روانہ کیا تو طرفین میں زبردست تصادم ہوگیا اور وزیر اعظم نے جے شنکرداس کی بازطلبی کا حکم دیا۔ نظام ان ہنگاموں سے سخت ناخوش ہوئے۔ شکوہ جنگ سے قربت یا شاید قرابت کی بناء پر مبارزالدولہ اسی مورخ کے الفاظ میں "بہت برہم ہوئے اور ایسا کہا کہ ہمارا بھی خیال نہ کیا' کیا مضایقہ ہے۔ پس جے شنکرداس کو کہ مکان اس کا زیر سایہ حویلی بہادر (شہزادہ) موصوف کے تھا اور ہمیشہ روبرو سے دروازہ کے آمدورفت تھی ایک دن لوگوں نے صاحب زادہ کے پکڑلیا اور اندر لے جاکر قتل کرڈالا۔" (صفحہ نمبر ۴۵۰)۔ عین اسی مقام پر "خورشید جاہی" میں محاربہ شیریں کی ابتداء کی طرف یہ اشارہ ملتا ہے کہ "اس اثناء میں ایک خیاط ساکن علاقہ عظمت مدار (رزیڈنسی!) کو کسو (یعنی کسی) نے ہمراہیوں میں سے صاحبزادہ کے دیوڑھی میں لا بٹھایا۔ جب اوس کی درخواست ہوئی مہاراج نے طلب کیا' لوگوں نے صاحب زادہ کے نہ دیا۔ مہاراج حضور میں عرض کروائے کہ ایسے حرکات ناملایم مردمان ہمراہی صاحبزادہ سے پیشتر سرزد ہوئے ہیں۔" (ایضاً")۔ منقولہ عبارتوں کی پیش رو حکایت متعلقہ۔ شکوہ جنگ سے عین قبل مصنف

Marfat.com

صفحہ ۴۴۹ پر یہ لکھ چکا تھا کہ "حقیقت حال مفصل راقم نے جو دیکھے ہوئے متعدد آدمیوں سے سنا ہے وہ یہ ہے" مگر مجبور تھا کہ پچاس سال بعد بھی اور شاہی خانوادے کے متعلقہ افراد کے وفات پا جانے کے باوجود چبا چبا کر لکھے۔

"مرد مان ہمراہی صاحبزادہ" اور مبارز الدولہ کی براہ راست سرپرستی میں روز بروز افزوں تر صادر ہونے والی "حرکات ناملایم" کی طرف برگس جس شکوہ کناں انداز میں اشارہ کرتا ہے اس سے بھی توثیق ہو جاتی ہے کہ ان حرکتوں کا دائرہ محدود نہ تھا بلکہ ان کی جسارتوں کا ہدف کمپنی کی حکومت کے متعلقین کسی نہ کسی طور ہوا ہی کرتے تھے۔

"I had almost forgotten to notice that in 1815 the Nizam's two sons residing at Hyderabad collected around them all the dissolute vagabonds and Patan bravoes with which the city swarmed, and committed the most flagitious excesses. The most profligate of these were the two youngest, Shumsud Dowla and Mubarizud Dowla" (P. 98-99)

اسی تعلق سے نظام سکندر جاہ کو رزیڈنٹ کی اس ابتدائی تجویز کی کہ مبارز الدولہ اور ان کے آدمیوں کی نگرانی کا انتظام کیا جائے ناکامی کی ذمہ داری وزیر اعظم پر ڈالتے ہوئے فورٹ ولیم کے "اپینڈکس" میں ان لوگوں کی سرگرمیوں پر اظہار تردد کیا گیا۔

"___ but unfortunately these intentions were frustrated by the weakness and indecision of the character of Raja Chandu Lal which rendered the restraints placed by the young Princes entirely ineffective. They in consequence continued in the course of unprincipled profligacy and oppression by wich they had ever been distinguished, offering every species of insult and injury to persons of all ranks in the city of Hyderabad, until in the month of August last" (P.326).

محاربہ شیریں کے وقوع کے سال ۱۸۱۵ کی نسبت سے پس منظری عوامل نیز کرداروں اور

Marfat.com

حوادث پر تفصیلی تو نہیں صرف یہ مختصرات ہی جمع کرنا ممکن ہوسکا ہے۔ ان کو ذہن نشین رکھتے ہوئے محاربہ شیریں کی شروعات پر متضاد اطلاعوں اور ارتقائی کیفیات کا جائزہ آسان تر رہے گا۔ یہاں یہ معروضہ بھی ضروری ہے کہ ۱۸۱۵ کے مسلح تصادم کے موقعہ پر مبارزالدولہ معصوم یا کمسن نہیں تھے اور ان کی نوخیزی کی طرف اشارہ سے مقصود صرف یہ ہے کہ ۱۸۲۹اور ۱۸۳۸ء کے آئندہ حوادث کے وقت ان کی جو عمر تھی اس کی رعایت سے ۱۸۱۵ میں وہ بہرحال نوجوان تھے۔ نہ صرف یہ کہ مبارزالدولہ محاربہ شیریں ۱۸۱۵ میں شادی شدہ تھے بلکہ عین روز جنگ ان کے پہلے بیٹے کی اور دوران قید ایک اور کی بھی ولادت ہوئی۔ مورخ مکھن لعل کا بیان جو مبارزالدولہ کی عمر کے تعین کی تفصیلات میں اقتباس ہوچکا ہے اس کی سند ہے۔

"فرزند نخستیں کہ بروز جنگ متولدشد بنام میرتہور علی در سنہ ۱۲۳۰ و فرزند دویم کہ در قلعہ متولدشدہ ،عمر ،دو سالہ" (صفحہ ۱۸)۔

"جنگ مبارزالدولہ کی ابتدا کی تفصیلات

اس تصادم کے اپنے آغاز کی کیفیتیں بھی چند تضادات سے پر اطلاعوں کا مجموعہ ہیں' ان معلومات کا اندارج تاریخی ترتیب سے کیا جارہا ہے۔

(۱) فورٹ ولیم کی ۱۔ ۱۲۔ ۱۸۱۵ کی مورخہ سرکاری روداد کے دفتری ضمیے "اپنڈکس" کے بموجب

"Mubarizud Dowla went so far as to seize and confine one of the servants of the British Residency" (P.326)

(۲) ۱۸۲۴ کے سرکاری کاغذات پر مبنی ایک اور رپورٹ منقولہ "حیدرآباد افیرز" ج ۲ صفحہ ۱۳۷ کے مطابق۔ بحوالہ کلکتہ ریویو ۱۸۴۹۔

"Mubarizud Dowla, the Nizam's youngest son, had proceeded to the extremity of seizing and confining a servant of the Residency".

(۳) مبارزالدولہ کا ہم عصر و ہمدرد دکنی مورخ صاحب "گلزار آصفیہ" غلام حسین

Marfat.com

خان روایت کرتا ہے کہ "در سنہ یک ہزار و دو صد و سی ہجری جنگ مبارزالدولہ با جمیعت سرداران انگریزی بوقوع آمد۔ کیفیتش ایں کہ شیریں نام مرثیہ خواں باخیاطان بازار چھاونی انگریزی مناقشہ نمودہ در حمایت مرشد زادہ مبارزالدولہ بہادر پناہ گرفت و ایں مقدمہ بطول کشید" (صفحہ ۱۰۷) .صفحہ ۱۰۶ چند برس پہلے حیدر آباد میں دم دار ستارے کے طلوع کو بطور نحوست اسی "جنگ مبارزالدولہ" سے نسبت دی ہے۔

(۴) ہنری جارج برگس مبارزالدولہ اور صمصام الدولہ کی بے لگامی کے ذکر کے تسلسل میں دونوں کو ملوث کرتا ہے۔

"In the August of that year, they proceeded to the extremety of seizing an attendant on the British Embassy for the purpose of extorting money" (P.99)

(۵) تاریخ "خورشید جاہی" کے صفحہ ۴۵۰ سے محاربہ شیریں کے ماقبل مناقشوں کے حوالے سے اقتباس ہوچکا ہے کہ "اس اثناء میں ایک خیاط ساکن علاقہ عظمت مدار کو کسو نے ہمراہیوں میں سے صاحبزادہ کے دیوڑھی میں لا بٹھایا۔"

(۶) مورخ "دربار آصف" ۱۲۲۹ھ کے کوائف کی ذیل میں لکھتا ہے کہ "انہیں ایام میں ایک شیریں نام مرثیہ خوان نے چھاؤنی انگریزی کے خیاطوں سے جھگڑ کر مبارزالدولہ بہادر کی پناہ لیا۔" (صفحہ ۹۰)

(۷) "ٹائمس آف انڈیا" کا ایک مبصر ۱۸۷۴ میں برگس کے دعوے کی تکرار کرتا ہے (منقول از "حیدر آباد افیرز" جلد ۲ صفحہ ۲۳۰)۔

"__ He with his brother Shumsud Dowla and his cousin Imptreoud(1) Dowla had seized an attendant of the British Residency with a view to extort money from him". (1) (Nawab Kalyani)

(۸) جدید روزنامچہ حیدر آباد میں محاربہ شیریں کی شروعات کی تاریخ کا داخلہ:

"1815 A.D/1230 A.H. 18th August Friday. The men of Mubarizud Dowla take away by force

Marfat.com

the tailor of Sabit Jang" (P.154).

(۹) مولوی نصیرالدین ہاشمی مقالہ "سیاست" میں راوی ہیں "۱۸ اگست ۱۸۱۵ مطابق ۱۱ر رمضان ۱۲۳۵ھ ۔ ممتاز الدولہ ثابت جنگ رسل کے درزی کو گرفتار کر کے اپنے ہمراہ لے گئے ۔" (صفحہ ۲)

(۱۰) "فریڈم اسٹرگل ان حیدر آباد" کے ایک ابتدائی باب میں تحریر کیا گیا ہے ۔

"A private quarrel between one of the attendants of Mubarizud Dowla with a tailor residing in the jurisdiction of the residency led to the arrest of the tailor by Mubarizud Dowla's retainers" (P.67).

(۱۱) "فریڈم اسٹرگل" کے ہی ایک متعاقب مقام پر مختلف سی حکایت تحریر ہوئی ہے ۔

"In 1815 A.D a servant of Mubarizud Dowla by name Shirin had a quarrel with a tailor who lived in the residency bazar. The conflict became serious and Shirin's life was threatened. He took refuge with Mubarizud Dowla. Mubarizud Dowla got the tailor arrested and brought to his Deorhi" (P.120).

(۱۲) ڈاکٹر ثمینہ شوکت نے مقالہ "نوائے ادب" میں "گلزار آصفیہ" صفحے ۱۰۷ کی سند پر اور برگس کی بھی "نظام" جلد اول صفحہ ۹۹ کے حوالے سے لکھا ہے۔ "۱۲۳۰ھ کا ایک واقعہ ہے کہ مبارزالدولہ کے ملازم شیریں نامی نے حیدر آباد رزیڈنسی کے ایک درزی سے جھگڑا کرلیا اور اس کو پکڑ کر مبارزالدولہ کی حویلی میں قید کردیا اور خود بھی رزیڈنسی کے عہدہ داروں کے خوف سے مبارزالدولہ کی حویلی میں جا کر پناہ گزیں ہوگیا۔" (صفحہ ۲۰)

ان مختلف فیہ حکایات کے من جملہ مورخ برگس اور نامہ نگار "ٹائمس آف انڈیا" نے مبارزالدولہ اور صمصام الدولہ سے رزیڈنسی کے نوکر کی گرفتاری منسوب کرتے ہوئے ظاہر یہ کیا کہ اس سے ان کا مقصود جلب منفعت تھا۔ یہ دونوں راویوں کی بے بنیاد اور اسی لئے ناقابل قبول حاشیہ آرائی معلوم ہوتی ہے۔ مصنف "گلزار آصفیہ" کے استناد پر ڈاکٹر ثمینہ

Marfat.com

شوکت کا رزیڈنسی کے آدمی کی حراست کو مبارزالدولہ کے ملازم شیریں سے منسوب کرنا محل نظر ہے کیونکہ یہ نوعیت واقعہ کسی اور تاریخ یا تذکرہ درکنار خود "گلزار آصفیہ" میں تحریر نہیں ہوئی ہے۔ فاضل ممدوحہ نے اسی مقام پر برگس سے بھی حوالے کا اندراج کیا ہے جبکہ اس مورخ نے رزیڈنسی کے نوکر کو گرفتار کرنے والا راست مبارزالدولہ اور صمصام الدولہ کو قرار دیا ہے۔

منقولہ بالا مختلف النوع روایتیں تضادات کے پہلو بہ پہلو مماثلت کی بھی حامل ہیں اور ان پر مجموعی نگاہ سے بہرحال اندازہ ہوسکتا ہے کہ محاربہ شیریں کا آغاز کس طرح ہوا۔ مبارزالدولہ کے ملازمین و متوسلین کے طبقے میں متفق علیہ طور پر اشرار کی خاصی تعداد شامل تھی جو ان کے ایماء پر شہر میں ہنگامہ آرائیوں میں ملوث رہا کرتے تھے۔ انہی میں سے ایک شخص شیریں کا رزیڈنسی کے کسی درزی سے کچھ جھگڑا تھا اور اس نے لڑائی کے بعد اپنے آقا کے ہاں پناہ لے لی۔ مناقشہ کی ایسی کچھ نوعیت تھی کہ دونوں جانب کے مفسدوں نے اس کی آڑ لی اور طرفین ثانی نے شیریں کو جان کی دھمکی دی، حتیٰ کہ مبارزالدولہ کے آدمیوں نے ان کے اشارے پر رزیڈنسی کے درزی کو پکڑ کر ان کے ہاں قید کردیا۔ یہ پوری تلخیص گذشتہ جزیات سے ہی ماخوذ ہے اور اس میں کسی قسم کے قیاسات کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اس خلاصے میں چند پہلو شریک نہیں ہیں کیونکہ وہ قابل بحث ہیں۔ یہ ظاہر ہی ہے کہ سیاسی تاریخ یا سوانح میں فقط کثرت آراء کی بناء پر کسی واقعے یا اس کے کسی زاویے کا تعین نہیں کیا جاسکتا اور اس غرض سے بیانات و کوائف کی اپنی اپنی واقعیت کو پرکھنا پڑتا ہے۔ مختصر یہ کہ (۱) مبارزالدولہ کی ایماء پر ان کے حواریوں نے بجائے خود مبارزالدولہ کے ہاتھوں رزیڈنسی کے نوکر کی گرفتاری جو منسوب ہوئی ہے وہ بالکلیۃً قابل قبول ہے کیونکہ ایسے چھوٹی موٹے کام زبانی کلامی بلکہ اشاروں کنایوں میں ہی اپنے آدمیوں کی مدد سے کروائے جاتے ہیں نہ کہ خود براہ راست ملوث ہوکر۔ (۲) اس کا بھی سوال نہیں پیدا ہوتا کہ رزیڈنسی کے ملازم کی حراست سے جلب منفعت مقصود تھا بلکہ اس الزام کا اپنا مقصد اظہار حقارت ہے۔ (۳) ممکن ہے کہ جن لوگوں نے درزی کو پکڑ کر قید کیا ان میں امتیازالدولہ یا ممتازالدولہ موجود ہوں لیکن پہلے نکتے کی رو سے بھی غیر ممکن ہوسکتا ہے۔ (۴) خود مبارزالدولہ کے شیریں نامی آدمی سے رزیڈنسی کے نوکر کی گرفتاری نہ تو کسی ہمعصر ذریعے میں مذکور ہوئی ہے

Marfat.com

اور نہ ہی ڈاکٹر ثمینہ شوکت کے درج کئے ہوئے حوالے اس اطلاع سے کوئی نسبت رکھتے ہیں۔

"جنگ مبارزالدولہ" یا محاربہ شیریں ۱۸۱۵ کی ابتداء پر معلومات کی قابل قبول انداز میں اس طرح صورت گری کے بعد بقیہ سرخیوں کے تحت پیش رفت کی مفصل کیفیتیں ترتیب وار ملاحظہ کی جیسے۔

رزیڈنٹ کی عرضداشت اور نظام کی اجازت

رزیڈنسی کے درزی یا اس کے ساتھیوں نے درزی کی قید کے بعد وزیر اعظم چندو لعل شاہ تک اپنی فریاد پہنچائی تو "تاریخ خورشید جاہی" کے مطابق۔ "جب اوس کی درخواست ہوئی مہاراج نے طلب کیا' لوگوں نے صاحبزادہ کے نہ دیا۔ مہاراج حضور میں عرض کروائے کہ ایسے حرکات ناملایم مردمان ہمراہی صاحبزادہ سے پیشتر سرزد ہوئے ہیں" (صفحہ ۴۵۰)۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ وزیر اعظم کی اپنی سطح پر دادرسی کی کوشش میں ناکامی کے اثر یا نتیجے کے طور پر اور ان کے معروضے پر اگلے ہی روز:

"19th August Saturday by the order of the Nizam, Talibud Dowla(1) proceeds to arrest the employees of Mubarizud Dowla who took part in the forced abbuction of the tailor, but Mubarizud Dowla refuses to hand · them over" ("Chronology" P. 154) (1) (City Police Commissioner).

یعنی "۱۹ر اگست مطابق ۱۲ر رمضان۔ طالب الدولہ کوتوال نے خاطیوں کو گرفتار کرنے مبارزالدولہ کے محل میں آکر مطالبہ کیا' مبارزالدولہ نے انکار کردیا۔" ("سیاست" صفحہ ۲)۔ مختصر یہ کہ "فریڈم اسٹرگل" کے تاثر کی رو سے:

"On being asked to hand over the person, Mubarizud Dowla refused" (P.67).

اس باقاعدہ انکار کے ساتھ ہی مبارزالدولہ اپنے والد نظام سکندر جاہ کے ایک دم بالمقابل آکھڑے ہوئے اور مبارزالدولہ کی اتنی بڑی جسارت نے رزیڈنٹ کو فوراً متحرک

Marfat.com

کردیا چنانچہ "رسل ثابت جنگ نے حضور کے پاس آکر معروضہ کیا" ("سیاست" صفحہ ۲)۔ بلکہ کہنا یہ چاہیے کہ مبارزالدولہ کے رویے نے رزیڈنٹ کو فوری برانگیختہ کردیا کیونکہ محاربہ شیریں کے آغاز سے قبل رزیڈنٹ کے ہی دباؤ پر نظام نے مبارزالدولہ کی حفاظت کے عنوان سے ان کی نگرانی کے لئے انگریز سپاہی کو مقرر کرنا چاہا تو مبارزالدولہ نے حقارت و نفرت کے ملے جلے انداز میں یہ انتظام نامنظور کردیا تھا۔ ظاہر ہے کہ رزیڈنٹ اس پر تنفر جواب سے خار کھا بیٹھا تھا کہ یہ موقع آگیا اور اس نے فوراً ہی اس معاملے میں عملی دلچسپی لی۔ البتہ اس کا اصل اور فوری باعث فقط یہ نہیں ہو سکتا کہ درزی رزیڈنسی کے علاقے کا ساکن تھا جیسا کہ "فریڈم اسٹرگل" کے متعلقہ خلاصہ احوال کے اس فقرے سے غلط فہمی ممکن ہے کہ

"As the tailor lived in the residency area Russell, the resident, took interest in the case" (P.120)

دراصل رزیڈنٹ کی انتہاپسند اور اشتعال پذیر طبیعت اور اس کی بے حد برافروختہ مزاجی کیفیت نے اس درزی کو کمپنی کی حکومت بلکہ سرکار انگلشیہ کے محترم و معزز نمائندہ کی سی امتیازی حیثیت بخش دی جیسا کہ "اینڈکس" میں ہے:

"Mr. Russell immediately applied to the Nizam for reparation of this affront, offered to the representative of the British Government" (P.327)

چنانچہ یوں یہ قضیہ سرکاری سطح پر دربار آصفی میں پہنچتا ہے جیسا کہ فارسی تاریخ میں ہے۔ "ثابت جنگ رسل وکیل انگریزی حاضر دربار جہاں مدار گشتہ نالش مرشدزادہ موصوف در پیشگاہ حضرت مغفرت منزل نمود کہ از راہ تظلم خلق اللہ را اذیت می دہند" (صفحہ ۱۰۷)۔ گویا "دربار آصف" کے الفاظ میں "صاحب عالیشان بہادر نے بندگان حضرت سے عرض کیا کہ اگر مرشد زادگان آفاق اس طرح پناہ دیا کریں تو بہت مشکل ہوگا۔" (صفحہ ۹۰)۔ پھر رزیڈنٹ نے اگلے اقدام کے تعلق سے نظام سے سوالیہ انداز میں معلوم کرنا چاہا:

"He asked the Nizam what steps he intended to take in the matter" ("Freedom struggle" P.120)

Marfat.com

جس کے جواب میں "خود بدولت و اقبال ارشاد کردند کہ بندوبست ایشاں نمایند" (گلزار آصفیہ صفحہ ۱۰۷) یعنی مورخ "دربار آصف" کے بقول "بندگان حضرت نے فرمایا کہ تم جیسا مناسب سمجھو ویسا بندوبست کرو" (صفحہ ۹۰)۔ اس نازک اور سنگین موقع پر "گلزار آصفیہ" میں جیسا کہ مذکور ہوا۔ "ہرچند منیر الملک بہادر گفتند کہ بندوبست مرشد زادۂ خود خودی کنم' احتیاج دیگری نیست" مگر ان کی رزیڈنٹ کی عیاری اور خباثت کے آگے ایک نہیں چلی۔ "اما ثابت جنگ مذکور حکم حضور را تمسک نمودہ گفت کہ حکم بنام من صادر گشتہ' من بندوبست ایشاں می کنم" (صفحہ ۱۰۷)۔ "فریڈم اسٹرگل" کے مولفین نے بھی اپنی تحقیق سے اسی منقولہ روایت پر صاد کیا ہے۔

"Muni.ul Mulk, the Diwan, promised to investigate the matter, but the resident desired to take the case personally into his own hand" (P. 120)

عین اس مرحلے کی درباری گفت و شنید کی روداد کو فورٹ ولیم کے "اپنڈکس" میں دوسرا رنگ دینے کے لئے خاصے مختلف انداز میں تحریر کیا گیا۔

"His Highness after consulting with Mr. Russell and his ministers, resolved to restrain the princes from further outrages of this nature by posting guards at their palaces" (P.327).

ذرا اوپر محولہ اقتباسات کے اعتبار سے سرکاری فائیل کا یہ فقرہ مصلحت پرورانہ بھی ہے اور اہم حقائق کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ از خود معاملات کو طے کرنے کی اجازت رزیڈنٹ نے مکارانہ طور طریقوں اور سیاسی مہارت سے حاصل کرلی لیکن حفاظتی یا تدارکی قسم کا کوئی انتظام اس کو مطلوب سرے سے نہ تھا بلکہ نظام کے بیٹوں کے محلات پر فوج کشی ہی اس کا مقصود اول و آخر تھی۔ تمام تر وسائل سے جمع کی ہوئی معلومات پوری طرح شاہد ہیں کہ رزیڈنٹ کے اپنے مصالح بلکہ منصوبے میں بھی مبارز الدولہ کے محل پر فوجی محاذ آرائی ایک طے شدہ امر تھی' جس کے لئے رزیڈنٹ نے نظام کے دربار میں سرکاری اجازت کی آڑ لینے کا جتن کیا بلکہ دباؤ ڈالا اور مقامی امراء کی مزاحمانہ کوشش کو حاکمانہ انداز میں رد کردیا۔ نگرانی و

Marfat.com

حفاظت یا ازالہ شر و فساد خواہ کسی غرض سے رزیڈنٹ نے مسلح سپاہیوں کو مع توپ خانہ جس طرح روانہ کروایا اس کی سرکاری "اپنڈکس" کی روداد بھی شہادت دیتی ہے کہ وہ جارحانہ بلکہ جنگ جویانہ انداز تھا' لیکن مبارزالدولہ کے محل تک پہنچتے پہنچتے یہ فوج جس طرح حملہ آور ہوئی اس کا کوئی حوالہ "اپنڈکس" میں نہیں ہے۔

رزیڈنٹ کی فوجی جارحیت اور ہزیمت

رزیڈنٹ نے عیارانہ جلدبازی سے نظام سے ان کے بیٹوں کے "بندوبست" کی اجازت کیا حاصل کرلی "کرانالوجی" کے مطابق'

"20th August Sunday. A detachment of 400 riflemen with two cannons are sent to the palace of Mubarizud Dowla" (P.154)

عین دوسرے ہی دن بعجلت تمام روانہ کردہ دستے میں موجود افرادی قوت اور اسلحہ کی بھی تعداد سرکاری "اپنڈکس" میں غیرمذکور ہے۔

"Captain Hare, who commands the Russell Brigade of the Nizam's regular troops, was accordingly directed to post sentinals from his corps at the palace of the princes" (P.327).

نظام سکندر جاہ کے تو وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ رزیڈنٹ ر س "بندوبست" کے عنوان سے کیسی قیامت کی چال چل گیا اور ان کے علم میں لائے بغیر اس نے یوں انہی کے بیٹوں پر کتنی بڑی یورش کرڈالی' مگر جو اندیشہ ان کے حاشیہ خیال میں تک نہ تھا اس کے آثار پر مبارزالدولہ کی نظر تھی کہ کیسی تیزی سے وہ سیلاب بلا ان کے گھر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مبارزالدولہ کے جو ہمدرد امراء دربار میں موجود تھے انہوں نے رزیڈنٹ کے تیوروں سے اس کی چال بازی کا اندازہ کرکے فی الفور اپنے خدشات سے مبارزالدولہ کو باخبر کیا ہو۔ قصہ مختصر اس دستے کی جارحانہ آمد کی انہیں توقع تھی جو بقول مصنف "گلزار آصفیہ" دو کمانداروں اور ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ "پس دو سردار انگریزی را با جمعیت یک ہزار بار معہ دو ضرب توپ بدولت خانہ مرشد زادہ مذکور فرستادہ" (صفحہ ۱۰۷) "فریڈم اسٹرگل" سے

Marfat.com

تصدیق ہوتی ہے۔

"A native force of one thousand with two cannons was ordered to beseige the house of Mubarizud Dowla" (P.120)

گو اسی تالیف میں اس سے مختلف تعداد سپاہ بھی ایک اور خلاصہ جنگ میں منقول ہوئی ہے۔

"On the 20th of August 1815. A.D. Captain Hare with 700 men and two guns of "The Russell Brigade" was ordered to march into the city" (p. 67)

اور یہی نفری مورخ برٹن نے .صفحہ ۳۱ لکھی ہے جس کے علاوہ کئی اور اطلاعیں اسی مقام کی معلومات سے مماثلت رکھتی ہیں' مثلاً " تاریخ وقوعہ' برگیڈ کا نام' توپوں کی تعداد جن کے لئے برٹن کے اقتباسات وجہ طوالت ہوں گے۔

ان فرنگی فوجیوں نے مبارزالدولہ کے محل کے پاس پہنچتے پہنچتے غالباً" پیشگی منصوبے کی رو سے یا پھر موقع کے احکامات کے ماتحت "از ہمہ جا در گرفتہ شلک ہا سرِ دادند بمراد ایں کہ ازیں ہنگامہ مرشد زادہ ہارا تنبیہہ دست دہد تا دیگر بار خلاف مرضی ارکان دولت .ظہور نہ آرند" (صفحہ ۱۰۸)۔ حملہ آوروں کی جانب سے:

"30 rounds are fired" ("Chronology" P.154)

مگر معاملہ کسی طور یک طرفہ ہرگز نہیں تھا گو رزیڈنٹ نے اپنے عاجلانہ انتظامات اور منظم حملے کی خوش فہمی میں سوچا۔تک نہ ہوگا چنانچہ "گلزار آصفیہ" میں وسیع محاصرے اور توپوں کے شیل پھینکنے کی کیفیت کے متصل ہی یہ اضافہ ہے۔"از آں جاکہ مرشد زادہ آفاق شجاعت ذاتی داشت از غیرت بجنگ پیش آمد و از طرفین ہنگامہ عظیم برپا گشت" (صفحہ ۱۰۸) گویا:

"On the entry of the troops to seize his person, there was great uproar, walls were lined and shots were fired".

"حیدر آباد افیرز" صفحہ ۲۳۰ سے منقولہ "ٹائمس آف انڈیا کے مراسلے کی سطور بالا سے شبہ یہ ہوتا ہے کہ پہل مبارزالدولہ کے آدمیوں نے کی جو بکثرت انکے محل کے قریب راستوں پر دو رویہ ایستادہ اور مکانوں میں چھتوں اور چھجوں پر تیار کھڑے تھے جیساکہ اسی ماخذ کے صفحے ۱۳ سے منقول ذیل "کلکتہ ریویو" کے تاثر میں صاف صاف تحریر کردیا گیا ہے۔

Marfat.com

"As the force approached the prince's house, it was fired upon for the houses on both sides of the road were occupied by armed men, who offered a determined and formibable resistance".

مورخ برٹن نے بھی صورت حال کی مختلف منظر کشی اسی ذہن کے ساتھ اور اسی طرز میں کی ہے۔

"As the force advanced through the streets, it was fired upon by armed men who occupied the houses on both sides of the roads" (P.31)

بھلا ہو اس معصومانہ سی وقائع نویسی کا جس کی انتہا فورٹ ولیم کی متعلقہ فائیلوں کے "اینڈکس" میں دریافت ہوتی ہے۔

"On proceeding with a detachment to the palace of Mubarizud Dowla, in order to carry into effect the Nizam's commands Captain Hare was fired on from houses on both sides of the street thru' which he was marching---" (P. 327)

تاہم جیسا کہ فارسی تاریخ کی ابتدائی شہادت سے ثبوت مل ہی چکے ہیں اور ہزار پردہ پوشی کے باوجود تمام تر انگریزی مصادر میں بھی کچھ نہ کچھ جھلکیاں موجود ہیں' حملہ آور انگریزی فوج کی اپنی جارحیت کے جواب میں مبارزالدولہ کے حامیوں نے اس کو فوراً" نشانے پر لے لیا اور اس کے مقابلے پر زبردست قوت مدافعت کا مظاہرہ کیا۔ مبارزالدولہ کے آدمی کثیر تعداد میں ان کے محل کے راستوں پر چپے چپے پر موجود تھے اور وہ جارحوں کے دستے سے جب متصادم ہوئے تو خوب ہنگامہ اور شوروغل برپا ہوا' انھوں نے توپیں چلاتے ہوئے یورش کرنے والی جمیعت کو فی الفور اپنی زد میں لے لیا اور اس طرح بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ ان سب مختصرات کی توثیق "فریڈم اسٹرگل" کے دونوں خلاصوں سے بخوبی ہوتی ہے۔

"The attacking mob was infuriated and the onslaught became severe" (P.120).

"The force was fired upon by the armed men posted

Marfat.com

on the way leading to the house of Mubarizud Dowla. The resistance to captain Hare's advance was obstinate" (P.67).

مگر اولاً" مبارز الدولہ کی طرف سے بھرپور دفاع انگریزی دستے کے جارحانہ انداز کو روک نہیں سکا، چنانچہ۔

"On coming up to the palace of Mubarizud Dowla, Captain Hare found the gates closed and a few of the prince's guards placed outside. He accordingly ordered his guns to be brought up, and succeeded in forcing one of the gates--" ("Appendix" P.328).

"کلکتہ ریویو" کی سرکاری روداد منقولہ "حیدر آباد افیرز" فورٹ ولیم کی فائیل کی اس اطلاع سے زیادہ کامیابی ظاہر کرتی ہے۔

"The brigade pushed on resolutely, and with their guns blew open two of the gates--" ("Hyderabad Affairs" P.137).

بلکہ "فریڈم اسٹرگل" میں یہ ایک نہیں دو بریگیڈ کی پیش قدمی کا نتیجہ بتایا گیا ہے۔

"Two Brigades pushed their way and with their guns blew open two of the gates--" (P. 67)

محل کے ایک یا دو دروازے کھلواتے ہی اندر کی زوردار مدافعت منہ توڑ ثابت ہوئی جس کا کوئی اندازہ جارحوں کو نہ تھا۔

"--But they found that within which offered still greater obstacles than the gates without--

("کلکتہ ریویو" منقولہ "حیدر آباد افیرز" صفحہ ۱۳۷)۔

یہیں سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور اندر کے شدید مدافعانہ عمل نے انگریزی سپاہ کے پاؤں اکھیڑ دیئے "فریڈم اسٹرگل" کے الفاظ میں۔

"--So great was the resistance inside the palace that the force was obliged to retire" (P. 67)

Marfat.com

"کلکتہ ریویو" کی روداد میں بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ محل میں داخل ہونے کی جارحانہ کوشش میں ناکامی ہی پسپائی کا باعث ہوئی۔

"--after a severe contest and ineffectual attemp to pretence into the prince's house, the force was under the necessity of retirement, but not without considerable bloodshed--" (Hyderabad Affairs" (P.137)

اس جانی نقصان میں طرفین شریک تھے جس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے ہزیمت کا سبب ہر طرف سے ہونے والے حملہ آور دستوں کے اپنے جانی نقصانات تھے جس کا اعتراف گورنر جنرل کے مرکزی دفاتر فورٹ ولیم کے "اپنڈکس" میں ڈھکے چھپے انداز میں موجود ہے۔

"--but the number of assailants increasing, Captain Hare, not deeming his detachment sufficient to oppose the tumult which was arising throughout the city, judged it expedient to retire to the house of the minister" (P.328).

اندرون بلدہ کی رہائشی آبادی کے بیچوں بیچ واقع محلات پر حملے کا یہ قدرتی نتیجہ تھا کہ جارح دستوں کو مختلف سمتوں سے بلکہ شہر بھر سے بلائے بے درماں کی طرح بڑھتے ہوئے نیم مسلح ہجوموں کا سامنا کرنا پڑگیا' مبارزالدولہ کے محل کا دروازہ کھلتے ہی اندرونی دباؤ کے باعث رسل بریگیڈ کی جارحیت کو الٹے منہ کی کھانی پڑگئی۔ ظاہر ہے کہ ہر جنگ کا نقشہ اپنے بنانے والوں کی مرضی کا محتاج تو نہیں ہوتا' پھر جس طوفان بدتمیزی کے طور پر اتنے بڑے اور بھرے پرے شہر کے عین درمیان جنگ جویانہ انداز میں مبارزالدولہ کے محل پر یہ حملہ کیا گیا اس کا انجام مختلف ہو بھی نہیں سکتا تھا۔

انگریزی فوج کی پسپائی اور ہزیمت کی وجوہ میں مبارزالدولہ کے تیر سے لیفٹیننٹ ڈارلی کی ہلاکت بھی شامل تھی جس نے اس بریگیڈ کو حواس باختہ کردیا' پھر مبارزالدولہ کے ایک حبشی ملازم نے اس دستے کی ایک توپ پر قبضہ کرکے اس کا منہ پھیردیا اور اس کی قلندرانہ جرات کے بعد مبارزالدولہ کے آدمیوں نے تیر اندازی اور مختلف اطراف سے ہجوم کرنے

Marfat.com

والے عوام نے سنگباری کا بازار گرم کردیا۔ اس کی منظر کشی "گلزار آصفیہ" میں اگرچہ مجمل طور پر ہوئی ہے لیکن غنیمت ہے۔ "دریں عرصہ از تیر دستی کہ کمان مرشد زادہ موصوف یک سردار انگریزی بر زمین افتاد۔ سردار دیگر بہ غصہ در آمدہ ضرب ہا سرداده بہر جانب و بہر سمت کہ خواست گولہ ہائے توپ انداخت۔ دفعتاً" جوانان بار انگریزی از برق اندازی ملازمان مرشد زادہ توپ را گزاشتہ رو بفرار آوردند۔ جوان حبشی توپ را برگرداند و مردم بازار و تماشائے خاک و سنگ بر سر ایں ہا ریختہ بخرابی پیش آمد۔ پسر ممتاز الدولہ حال داماد حضور نیز بر سر دروازۂ خود بالائے بام استادہ بہ میر جملہ بر آمدہ سنگ تفرقہ بر سر مفروران انداخت" (صفحہ ۱۰۸)۔ فورٹ ولیم کے "اپنڈکس" میں اس پوری صورتحال کے بجائے صرف لیفٹیننٹ کی ہلاکت کا ذکر کردیا گیا ہے جو کپتان ہیر کی جانب سے واپسی کے منقولہ فیصلے سے قبل انگریزی دستے پر حملے کی اطلاع کے ساتھ تحریر ہوا ہے۔

"--Several of his detachment were killed, and among others Lieutenant Darby of the Resident's escort, who had accomponied him" (P.327).

"فریڈم اسٹرگل" کے مورخین نے "گلزار آصفیہ" کے کھینچے ہوئے نقشہ جنگ کی بالفاظ ذیل تصدیق کی ہے۔

"Mubarizud dowla's men resisted the attack and in a scuffle one Englishman was killed by an arrow discharged by Mubarizud Dowla. An African soldier of the Nawab is said to have worked a gun with such effect that enemies of Mubarizud Dowla had to retreat. The retreating force was pursued by the men of Mumtazud Dowla brother -in- law of Mubarizud Dowla" (P.120)

دونوں جانبین کے جانی نقصانات کا اندازہ "فریڈم اسٹرگل" میں ایک اور مقام پر صرف اس قدر درج ہے۔

"In this struggle Lt. Darby of the Residents corps was killed. About twenty of Mubarizud Dowla's

Marfat.com

retainers also died" (P.67)

جبکہ جدید روزنامچہ حیدر آباد میں مذکور مہلوکین کی تعداد قدرے واضح بھی ہے اور جنگی صورتحال کی رو سے قرین واقعہ بھی۔

"Loss of life, 30 riflemen, one British soldier and 20 infantry men" (P.156)

رسل نے جب اس جنگ مبارزالدولہ کی خبریں ارسال کیں جس کے متن سے افسوس کہ لاعلمی ہے تو کمپنی کی حکومت کے گورنر جنرل کی طرف سے اسکے معتمد نے ان سانحات پر تشویش اور ملال کا اظہار کیا جو "کلکتہ ریویو" سے منقول ہوا ہے۔

"The Governor General perused with concern your report on the loss sustained by Captain Hare's brigade in the attack on Mubaruz Jung's house, and his lordship especially laments the death of Lt. Darby" (Hyderabad Affairs" Vol. ii P.137).

صرف یہی نہیں بلکہ گورنر جنرل کی جانب سے اس شکست خوردہ اور موقعہ جنگ سے مفرور بریگیڈ کی تعریف و توصیف کرکے اس ہزیمت کی ذمہ داری سے بھی اس کو بری کردیا گیا ("کلکتہ ریویو" کی یہ اطلاعات برٹن کی "دی نظام" ج ۲ صفحہ ۱۳ میں بھی ملتی ہیں)

"The failure of that plan cannot in any degree be ascribed to the conduct of the brigade or of captain Hare" (IBID).

دوبارہ حملہ کی تیاری اور مصالحتی کوششیں

مبارزالدولہ کے محل پر کپتان ہیر کی رسل بریگیڈ کی جنگ جاری تھی کہ فورٹ ولیم کے "اپنڈکس" کی رو سے اسی اثناء میں رزیڈنٹ

"Mr. Russell had ordered from the cantonement at Secunderabad a detachment to march to the residency, which, though small in number consisted of the whole disposable force, 318 Europeans 412 sepoys, at

Marfat.com

Secunderabad". (P.328)

اس کمک کی طلبی سے رزیڈنٹ کا مقصد مبینہ طور پر کپتان ہیر کی حملہ آور سپاہ کو افرادی قوت بہم پہنچانا نہیں تھا بلکہ۔

"This detachment Mr. Russell sent into the city in order to preserve traquillity and to afford protection to the Nizam and his minister--" (IBID)

تاہم جاریہ سطور سے اس حقیقت کا جس کے اخفا کی منقولہ فقروں میں کوشش کی گئی ہے خود بخود افشا ہو جاتا ہے۔

"but on learning that Captain Hare had retired with loss from the residence of Mubarizud Dowla, and that theNizam and his ministers were in perfect security, he recalled the detachment to the Residency, not judging its number to be adequate to oppose the insurrection__" (P.328-329).

محاربہ شیریں یا جنگ مبارزالدولہ کے حقائق کے اخفاء و افشاء کی اس کشاکش کے پیچھے جو داستان موجود ہے۔ گورنر جنرل کے دفاتر کے اہلکاروں نے اس کا یہ پہلو نظرانداز کر دیا تھا کہ کسی نہ کسی اور ذریعے سے وہ ضبط تحریر میں آسکتی ہے اور آگے چل کر تاریخ یا سوانح میں باقاعدگی سے قلمبند ہو کر اس کا مستقل حصہ بن سکتی ہے۔ اور اگر تاریخ دکن کے عصری یا قریب العہد ماخذات میں متعلقہ حقائق کما ل و تمام محفوظ ہونے سے محروم رہ جاتے تب بھی خود اس "اینڈکس" کی تحریر میں اخفائے احوال کی سعی افشائے راز میں شاید قدرتاً" ہی تبدیل ہونی تھی۔ اور "اینڈکس" کے پردہ دارانہ طرز کے باوجود قابل فہم اور سیدھی سی بات تھی کہ اتنی بڑی چوٹ کھانے کے بعد رزیڈنٹ خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔

مبارزالدولہ پر حملہ آور اپنی بریگیڈ کی جنگی ناکامی رزیڈنٹ کے لئے حددرجہ شرمناک تھی اور اسی لئے اس نے منتقمانہ جذبے کے ساتھ اسی شب سکندرآباد سے باقی ماندہ سپاہ کو طلب کر لیا اور اولاً" مہاراجہ چندولعل کی بارہ دری میں اس فوج کا پڑاو ڈلوایا جس سے وزیراعظم خفیف و پریشان ہوئے اور انہوں نے سیاسی مصلحتوں کے مدنظر بڑی حکمت عملی سے

Marfat.com

اس سارے معاملے کو دوسری ہی شکل دے دی۔ امن و امان کی بحالی اور نظام وقت وغیرہ کی سلامتی کا دعویٰ تو "اپنڈکس" کے اپنے الفاظ سے ہی باطل ہو جاتا ہے جس کی دوسری ہی سطر میں یہ حقیقت واشگاف انداز میں آشکار ہو چکی ہے کہ رسل نے یہ کمک خالصتہ "جنگی مقاصد کے لئے بلوائی تھی۔ "گلزار آصفیہ" کے بیانات سے یہ بھی عیاں ہے کہ سکندر آباد سے منسوب فوج دونوں جڑواں شہروں کے درمیان واقع حسین ساگر سے آئی اور یہ کہ رزیڈنٹ نے اس کو موقعہ جنگ کے بجائے وزیراعظم کی بارہ دری میں بھجوایا تاکہ دباؤ ڈلوا سکے اور اس طرح میدان کارزار میں ہاری ہوئی بازی اس شاطر نے میدان سیاست میں جیت لی کیونکہ وزیراعظم خود کو انگریزی سپاہیوں کے قیام میں ملوث نہیں کر سکتے تھے۔

فارسی تاریخ میں جنگ مبارزالدولہ کے معاً بعد کی صورت حالات پر سے پردہ اٹھاتے ہوئے رزیڈنٹ کی عیارانہ و شاطرانہ حرکتوں کو دکن کی سیاسی تاریخ کا یادگار حصہ بنا دیا گیا ہے: "ثابت جنگ رسل صاحب ہتک حرمت خود و جمعیت خود پنداشتہ بوقت شب ہشت صد جوانان کودہ ولایتی انگریزی را از چھاؤنی لشکر حسین ساگر اندرون بلدہ دربارہ دری راجہ چندولعل طلبیدہ بر سر ہنگامہ دیگر نشست و خواست کہ باز بر سر مرشد زادہ مبارزالدولہ بہادر بار دیگر رفتہ بدست آرد ہرچند کہ فساد عظیم برپا شود و تخلل در امور کلیات واقع گردد۔ آں روز راجہ چندولعل ثابت جنگ مذکور راو جمعیت انگریزی را بزرپاشی محکوم حکم خود ساختہ برگردانید و در ہمون شب روانہ چھاؤنی ایشان نمود۔۔" (صفحہ ۱۰۸) وزیراعظم سے رزیڈنٹ نے اپنے اور اپنے شکست خوردہ دستے کے لئے نقد انقد تحفے تحائف حاصل کر کے ہاری ہوئی اور تازہ دم دونوں افواج کو ان کی بارہ دری سے رزیڈنسی منتقل کروایا جبکہ "اپنڈکس" میں کمک کے راست رزیڈنسی بھیجے جانے کا ذکر ہے اور رزیڈنٹ کی آتش جوش و غضب پر راجہ چندولعل کے آب زر چھڑکنے کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔ دیگر یہ کہ جیسا کہ اشارتاً عرض ہوا ہے "اپنڈکس" میں مصروف جنگ دستے کی امداد اور ہا نئے حملے کی نیت اور منصوبہ بندی دونوں ہی مفسدانہ اغراض کی پردہ پوشی کر کے شہر میں بحالی امن کا حیلہ تراشا گیا ہے۔ سکندر آبادی کمک کی رزیڈنسی کو روانگی کی اصل اور مخفی ضروریات میں کچھ اور ناگزیر سے امور بھی شریک تھے جن کا تذکرہ "اپنڈکس" میں ہی شامل احوال ہوا ہے اور منقول ذیل ہے (گذشتہ سے پیوستہ):

"__he recalled the detachment to the Residency, not

Marfat.com

judging its number to be adequated to oppose:1) the insurrection which he had then reason to dread from the uncontrollable temper of the princes, 2,) the multitude of disaffected persons inhabiting in the city, and:3) A large number of Patans amounting to near ten thousand, who in addition to their natural turbulance, were somewhat discontented with Raja Chandu Lal and the Resident" (P. 329)

آخرالذکر پہلو سمیت ان مسائل کی طرف "جنگ مبارزالدولہ" یا محاربہ شیریں کے راویوں کے ہاں اشارہ نہیں ملتا ہے تاہم کسی اور سمت سے روشنی میں نہ آنے کے باوجود اس سہ گانہ سبب کا اسی واردات سے تعلق بالکل اور صاف واضح ہے۔ غالباً "موخرالذکر گروہ کی ناراضی و اشتعال پذیری کے عوامل میں بھی مبارزالدولہ پر حملے کی یہ کارروائی شامل ہو گئی۔ فورٹ ولیم کے اس "اپنڈکس" کی اطلاعات کے بموجب رزیڈنٹ نے جو اور فوری اقدامات کیے ان کی تفصیل آگے اقتباس ہو رہی ہے۔

"پیشکار سلطنت""" یا وزیراعظم مہاراجہ چندو لعل نے رزیڈنٹ کی ہزیمت خوردہ اور نئی افواج کو جو سب کی سب ان کی بارہ دری میں مجتمع ہو کر ان کے لئے عجیب سے مخمصے اور خاصے پریشان کن مسئلے کی سی صورت اختیار کر گئی تھی اس کی آتش طیش و انتقام کو اپنی مخصوص انداز کی زرپاشی سے فرو کر کے رام جو کیا تو محض اتنا کافی نہ تھا۔ چنانچہ بطور سیاسی تصفیے کے ررزیڈنٹ اور راجہ چندو لعل شاہ میں چند امور طے پائے یا یہ کہ رزیڈنٹ نے وزیراعظم کی بارہ دری میں اپنی سپاہ کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر استحصالی عمل کو مداخلت کی میز پر کمال ہوشیاری سے پہنچا کر اپنی شرائط بلکہ سازش کو بالآخر کامیابی کی منزل دلا دی۔ چنانچہ ۲۱ر اگست ۱۸۱۵ کو "گلزار آصفیہ" کی اطلاع کے مطابق:- "روز دیگر راجہ صاحب مذکور حاضر دربار جہاں مدار گشتہ رخصت رفتن خود نزد ثابت جنگ مذکور در کوٹھی (رزیڈنسی) از حضور پر نور گرفتہ روانہ آں جا گردید۔ در آن جا بعد ردو قدح بسیار و سوال و جواب بے شمار آخر چناں مقرر شد کہ مرشد زادہ ہا یعنی مبارزالدولہ بہادر و صمصام الدولہ بہادر کہ شریک حال۔ یک دیگر بودند معہ ممتازالدولہ چند روز برائے رفع ندامت این ہا در قلعہ محمد نگر گول کنڈہ بعنوان سیروشکار سکونت فرمایند" (صفحہ ۱۰۸، ۱۰۹) محاربہ شیریں کی رات سے رزیڈنٹ اور وزیراعظم کے درمیان

Marfat.com

مبارزالدولہ کی قسمت کے سیاسی فیصلے پر یہ جو ایک جانب سے شکست و ہزیمت کے باوجود فاتحانہ اور دوسری طرف سے مغلوبانہ انداز میں مذاکرات ہو رہے تھے اس کے متوازی مبارزالدولہ کے بزرگوں کی سمت سے مفاہمتی کوششیں بھی الگ سے جاری تھیں۔

"تاریخ رشید خانی" میں یہ جو بیان ہے کہ "جب رات ہوئی اور آتش فساد نے اطفا پایا، نواب (نظام) اصنعا فرما کے شمس الامرا بہادر مدظلہ اور منیرالملک بہادر کو بھجوا کر صاحبزادہ کو اپنے پاس بیت الریاست میں بلوالیے" (صفحہ ۳۲۶) تو یہ دراصل اسی شب یعنی جنگ مبارزالدولہ کے وقوع سے لے کر دو دن بعد تک کی متواتر کوششوں کا خلاصہ ہے۔ ۲۰ر اگست کو ادھر مہاراج یعنی وزیراعظم کو شکست خوردہ رزیڈنٹ کی آتش غیض و غضب کو فرو کرنے کی فکر دامن گیر تھی تو خود مبارزالدولہ کے بہی خواہ و غم گسار کچھ درباری عمائد انہیں سمجھانے بجھانے میں مصروف تھے چنانچہ "کرانالوجی" کا اندراج ہے:

"1831. 20th August Sunday. At night Shamsul Umra Bahadur with Munirul Mulk and Shahyarul Mulk visits Mubarizud Dowla at his residence and endeavours to bring out some settlement" (P. 154)

دوسرے دن بھی جب راجہ چندولعل دربار میں نظام کی اجازت حاصل کرکے رزیڈنٹ سے تصفیے کی خاطر گئے ہوئے تھے:

"21st August Monday: Shamsul Umra with Munirul Mulk and Shahyarul Mulk visits Mubarizud Dowla again at his residence to reconcile him to the Nizam" (P.155)

اس روز کے وزیراعظم اور رزیڈنٹ کے منقولہ فیصلے کے باوجود اس پر فوری پیش رفت غالباً نہیں ہوئی اور یوں:

"22nd August Tuesday. Above three courtiers come and conduct Mubarizud Dowla to the Nizam, and afterwards in the night Samsamud Dowla Bahadur waits on the Nizam, and he and Mubarizud Dowla stay in the Palace" (IBID)

گو کہ مبارزالدولہ کی افہام و تفہیم کا نتیجہ ان کے اپنے حق میں اس سے زیادہ مفید نہیں نکلا

Marfat.com

اور بالآخر ہوا وہی جو رزیڈنٹ اپنی چالبازیوں سے چندو لعل شاہ سے طے کروا چکا تھا لیکن درباری بزرگوں کی اس صلح جویانہ مساعی سے منصب جاہ سے منسلک اس معتدل مزاج گروہ امرا کی موجودگی اور فعالیت ثابت ہے جو ریاستی امور میں جو خواہ کتنے ہی گمبھیر اور پیچیدہ کیوں نہ رہے ایک بے حد مخلصانہ نقطہ نگاہ کا مالک تھا اور ان کو بروئے کار لانے کی قوت اور صلاحیت سے بھی وہ بہرہ مند تھا۔ اس کے اثرات سے اس محاربے کے سر آغاز پر جب دربار میں رزیڈنٹ نے نظام پر دباؤ ڈال کر "بندوبست" کی اجازت حاصل کرلی تھی رزیڈنٹ کی مکارانہ مخالفت کے سبب فائدہ نہ اٹھایا جاسکا تھا اور غالباً" اس درمیانی مرحلے پر جب وہ عمایدین دربار مبارزالدولہ کو منا سمجھا کر نظام کے محل میں لے آئے تھے رزیڈنٹ کے ہی وزیراعظم سے عیاری سے طے شدہ منصوبے کے باعث ان کی مفید خدمات رائیگاں گئیں۔ ان بزرگ امراء کو مبارزالدولہ کی اسارت کسی صورت قبول نہیں ہوسکتی تھی اور ان کی پرخلوص مفاہمانہ جدوجہد کا منشاء غالباً" یہی تھا کہ مبارزالدولہ کچھ عرصہ شاہی محل میں رہ کر گزار لیں تو اپنے حلقہ بگوش حواریوں کی کارستانیوں اور رزیڈنٹ کی بھی مفسدانہ سازشوں سے محفوظ رہیں گے۔

مہاراجہ چندو لعل شاہ پیشکار سلطنت نے رزیڈنٹ کی ہزیمت خوردہ اور تازہ دم افواج کے اپنی بارہ دری میں بلااجازت و اطلاع مجتمع ہونے پر گھبرا کر تحفے تحائف کے وسیلے سے رزیڈنٹ کی خوشامد اور پھر جھگڑے کے تصفیے کے لئے رزیڈنٹ سے گفت و شنید کے ذریعے جو مصالحانہ کاروائی کی وہ مورخ غلام حسین خاں کی رائے میں مستحسن تھی جس کی اس نے خاصی ستائش کی۔ آج محاربہ شیریں یا "جنگ مبارزالدولہ" کے کوئی پونے دو سو سال بعد اس سے شہر میں پیدا شدہ شدید عوامی اضطراب کی لہر اور سیاسی کشمکش کا تصور کیا جاسکتا ہے اگرچہ مکمل اور صحیح صحیح معلومات کے فقدان سے اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ قائم کرنا بھی پوری طرح سے ممکن نہیں ہے۔ مبارزالدولہ کی ضد اور رزیڈنٹ رسل کی کھلی شرپسندی نے حالات کو یقیناً نہایت سنگین موڑ پر لا کھڑا کیا تھا اور اس موقع پر حیدر آباد سے گہوارۂ امن کے شہریوں کے دل و دماغ پر جو ہیبت اور وحشت مسلط ہوگئی ہوگی وہ آج کس حد تک خیال میں آنے والی بات ہے یہ بھی قابل فہم امر ہے۔ وزیراعظم نے حالات کے گرداب کی نئی اور خاصی عجیب و غریب سی اور بڑی زوردار سی لہر میں گھر کر جس کا ایک خاص نتیجہ ان کے اپنے سیاسی اقتدار کو پرخطر چیلنج کی صورت میں درپیش تھا خود کو اس کے مہیب اثرات سے محفوظ رکھنے اور ریاست کے

Marfat.com

بھی جغرافیائی وجود کو لاحق خدشات سے بچانے کے غرض سے زرپاشی اور بات چیت دونوں کے دروازے کھلے دل سے کھول دیے تھے۔ اگر خدانخواستہ رزیڈنٹ کے انتقام کی آگ مہاراجہ کی طرف سے آب زر کے اس بے تکلفانہ اور بھرپور چھڑکاؤ سے نہ بجھتی اور دوسری صبح وہ اپنی پوری طاقت کے مظاہرے پر اتر آتا تو چونکہ اس اقدام کا آغاز پیشکار سلطنت کی اپنی بارہ دری سے ہوتا اس لئے ان کی اپنی سیاسی قوت فوری طور پر زوال آشنا تو ہوتی ہی مگر خود ریاست حیدر آباد کے اقتدار اعلیٰ کے لئے نظام وقت کے اپنے بیٹے کے خلاف کمپنی کی حکومت کی فوجی کاروائی ایک تاریخی تباہی کے سوا کچھ نہ ہوتی۔ انہی سب وجوہ سے "گلزار آصفیہ" کے مصنف کا یہ تاثر ہے کہ "آں روز راجہ چندولعل آنچکہ شرایط فدویت و حق نمک حلالی بود بتدابیر لایقہ صایبہ عمل آوردند کہ اگر اعظم الامرا ارسطو جاہ و میرابوالقاسم میر عالم بہادر می بودند تحسین و آفریں می نمودند۔ یعنی ثابت جنگ (رسل) مذکور راو جمیعت انگریزی را بزرپاشی محکوم حکم خود ساختہ برگردانید و ہمون شب روانہ چھاؤنی ایشاں نمود۔ ایں مقدمہ امریست مشکل تر ہر کس کہ جرات کردہ بعمل آوردہ باشد اوخود داند کہ چہ کار عمدہ کردہ است" (صفحہ ۱۰۸)۔ تاہم مہاراجہ کے اس جنگ کے دوران کے کردار کو کمپنی کی حکومت کے مخصوص مفادات کی رو سے سرکاری "اپنڈکس" میں نشانہ تنقید بنایا گیا۔ وزیراعظم ریاست کی ان کوششوں اور ان کی پس منظری ناگوار و ناپسندیدہ کیفیت پر "فریڈم اسٹرگل ان حیدر آباد" میں زیادہ روشنی نہیں پڑتی ہے اور ان کا ذکر اس تالیف میں بڑے ہی اختصار سے ملتا ہے:

"The Resident was displeased at the whole affair. He ordered 800 soldiers from Secunderabad to punish the wrong Doer. But Maharaja Chandulal hushed the case by diplomacy and bribe" (P.120)

رزیڈنٹ رسل نے اس موقع پر آتش زیرپا ہو کر ایک اور ہنگامی نوعیت کا اقدام کر ڈالا تھا تاکہ مبارزالدولہ کے خلاف اپنے فوجی عزائم اور جارحانہ منصوبے کو پوری طرح پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ اس حرکت کی تفصیلوں درکنار اس کی طرف ایک اشارتی حوالے سے بھی اس دور کی کتب تواریخ سے لے کر جدید مطبوعات تک سبھی کچھ عاری ہیں اور اس کا ذکر کمپنی کی حکومت کے گورنر جنرل ہند کے دفاتر فورٹ ولیم کی سرکاری فائل کے "اپنڈکس" میں دریافت ہوتا ہے۔ رزیڈنٹ نے یہ قدم جو اٹھایا تھا وہ یقیناً" اسی وقت اعیان سلطنت کے علم

Marfat.com

میں آگیا اور متعلقہ اطلاع کی روشنی میں وزیر اعظم کے مصالحانہ مشن پر نگاہ کی جا سکتی ہے۔

"In this critical state of affairs Mr. Russell judged it to be necessary to obtain the commands of an imposing military force in the vicinity of Hyderabad. He accordingly made requisitions for aid to the officer commanding at Bellary, and requested Col. Doveton to move down towards Hyderabad from Akowlah with the whole or a large part of his force as he might consider to be most advisable. Afterwards when Mr. Russell saw a prospect of putting an end to the commotions in the city without military aid. and was of opinion that the presence of the force under Col. Doveton was not absolutely necessary, he directed that officer to halt his march" (P.329-330)

مبارزالدولہ کی نظربندی اور حواریوں کی سرکوبی

نظام نے امرائے دربار کے مفاہمتی مشن کے نتیجے میں اپنے محل میں آکر ٹھہرے ہوئے دونوں بیٹوں کو رزیڈنٹ کے دباؤ کے تحت وزیر اعظم کی منظور کی ہوئی مصالحتی شرایط پر عمل درآمد کے طور پر گول کنڈہ کے تاریخی قلعے میں منتقل کروادیا۔ درباری معززین کے منشاء کے یہ سخت خلاف تھا لیکن اندرونی حالات ریاست یا اس کے اقتدار اعلیٰ کو پیش آنے والے سنگین خطرات کے مدنظر اصولاً" سکندر جاہ نے رزیڈنٹ اور پیشکار سلطنت کے اس سمجھوتے یا منصوبے کو قبول کرلیا۔ "اپنڈکس" کی رو سے۔

"After several representations from Mr. Russell, the Nizam who had previously succeeded in bringing the princes to his own palace, resolved to place them in confimement in the fortress of Golconda, about six miles from Hyderabad, as the only means for restraining their outrageous and profligate conduct" (IBID).

مبارزالدولہ کے ہمراہ ان کے نمایاں طور پر ملوث بڑے بھائی صمصام الدولہ اور بہنوئی

Marfat.com

ممتازالدولہ کو بھی قلعے میں نظربند کیا گیا اور نظام نے اپنی والدہ کے علاوہ اپنی ایک بیگم کو جو دونوں شہزادوں کی علاتی والدہ تھیں ساتھ جانے دیا۔ فارسی تاریخ کے علاوہ جدید روزنامچہ حیدرآباد میں قلعہ گول کنڈہ کو منتقل ہونے والے اس شاہی قافلے کے ارکان کے نام لینے پر اکتفا کیا گیا ہے اور سرے سے کسی اور بات کو روشنی میں لانے سے اغماض برتا گیا ہے۔ "بروز چہارم ہر دو مرشد زادہ و ممتازالدولہ بصحابت حضرت تہنیت النساء بیگم عرف بیوی صاحبہ قبلہ والدۂ ماجدۂ حضور پرنور و حضرت جہاں پرور بیگم صاحبہ محل خاص آنحضرت روانہ قلعہ مذکور فرمودند" (صفحہ ۱۰۹)۔ "جنگ مبارزالدولہ" کا یہ "روزچہارم" ۳۰ر اگست کو واقع ہوا تھا۔

"30th August Wednesday: The Nizam in order to appease Mr. Henry Russell Sabit Jung, sends Mubarizud Dowla Bahadur, Samsamud Dowla Bahadur, Hazrath Jahan Parwar Begum, Tahniatunnisa Begum and Imtiazud Dowla alias Mohana Mia to the Golconda Fort" (P.155)

سکندر جاہ کی والدہ اور بیگم کی اس شاہی قافلے میں شمولیت ظاہر ہے کہ اندرون محل جاری احتجاجی عمل کا حصہ تھی جس کا تعلق کسی قسم کی محلاتی سازشوں کے بجائے ان خواتین اور شہزادوں کی انتہائی قدرتی قرابت سے تھا۔ نظام نے اس موقع پر دونوں بیٹوں کی حقیقی ماں فضیلت النساء بیگم کو جو ولی عہد اور مستقبل کے بادشاہ ناصرالدولہ کی بھی والدہ تھیں ساتھ جانے سے کسی مصلحت کی بناء پر روک دیا تھا' جبکہ مبارزالدولہ کا اس روز ہمراہ جانے والی علاتی والدہ جہاں پرور بیگم سے بڑا قریبی تعلق تھا جو پچیس برس بعد وہابی تحریک کے سلسلے میں مبارزالدولہ کی تیسری اور آخری نظربندی کے وقت بھی تاریخ میں مذکور ہوا۔ سکندر جاہ نے مبارزالدولہ کی پہلی اسارت کے موقع پر اپنی اور ان کی ماؤں کے اثرانداز ہونے کی کوششوں پر سخت گیری کا رویہ اختیار کیا جس کی طرف مورخ برگس کے علاوہ فورٹ ولیم کے "اپنڈکس" کے مولف نے بھی اشارہ کیا۔ ثانی الذکر کے الفاظ ہیں کہ:

"This measure was at length carried into effect notwithstanding the strong opposition which was made to it by the ladies of the Nizam's family, two of whom, Tahniatoon Nisa Begum, His Highness's mother

Marfat.com

and Jahan Parwar Begum, his wife, accompoined the princes to Golconda" (P.330-331)

برگس نے مبارزالدولہ اور صمصام الدولہ کی سزا گول کنڈہ کو منتقلی کے معاملے میں نظام کے محل کی درون خانہ کشاکش کی تصویر کشی کی ہے۔

"The most profligate of these were the two youngest Shumsud Dowla and Mubarizud Dowla, who were supported by the Nizam's mother and wife. When at last despatched to the fortress, the two ladies resolved to accompany them in hopes of influencing Nizam to relent; but on this occasion he evinced unexpected firmness declaring that he believed the Begums wished to get rid of himself instead of the English" (P.99)

"دی نظام" میں اسی مقام پر کسی اور تفصیل کے بغیر ہی اس اطلاع کا بھی اضافہ برگس نے کیا ہے کہ

"The principal subordinate instigators of the tumult were subsequently seized and executed" (IBID)

اس سمت فورٹ ولیم کے "اپنڈکس" میں نظام کے ایک فرمان کے خاص حوالے سے اس قدر اشارہ کیا گیا ہے کہ

"Strict orders were given for the detection and punishment of the accomplices and associates of the princes" (P.331)

"کلکتہ ریویو" کی سرکاری روداد مندرجہ "حیدر آباد افیرز" میں اس اجمال کی قدرے وضاحت ہم دست ہو سکی ہے۔

"The Nizam acted with great determination on the occasion. He enforced his orders for imposing an effectual restraint upon the violence of his sons, directed measures to be taken for apprehending and punishing their associates. Under the immediate sanction of Nizam's own authority,

Marfat.com

tranquillity was soon restored to the city" ("Hyderabad Affairs" vol.ii P.137)

امن و امان کی بحالی کی خاطر نظام سکندر جاہ کے اقدامات کا خلاصہ بحوالہ فرمان شاہی کمپنی کے صدر دفاتر کے "اپنڈکس" سے منقول ہے:

"This step restored the greatest tranquillity in the city of Hyderabad, and general satisfaction was given by a proclamation issued by the Nizam promising compensation to all who had suffered from the injustice and oppression of the princes, and inviting to make their claims known to the Government" (P.331)

"اپنڈکس" کے آخری پیراگراف میں کمپنی کی حکومت کے مخصوص مفادات اور نقاط نگاہ کی عین مطابقت میں نظام سکندر جاہ کے ان اقدامات کی توصیف کی گئی ہے اور اسی زاویۂ نظر سے "کلکتہ ریویو" کی سرکاری رپورٹ "اپنڈکس" سے ہم خیال معلوم ہوتی ہے۔ تاہم "گلزار آصفیہ" کی مداحی اور وزیراعظم کی طرف سے رزیڈنٹ کو نقدانقد اور سیاسی نذرانوں کے باوجود "اپنڈکس" میں مہاراجہ چندولعل شاہ کی خیرخواہانہ کوششوں کو پوری طرح صرف نظر کرکے ان کے تئیں پر مذمت رویہ اختیار کیا گیا جس کے یہ معنی ہیں کہ رزیڈنٹ نے گورنر جنرل کے دفاتر کو مرسلہ روداروں میں وزیراعظم کے تحائف کی پردہ پوشی بھی کی اور ان کی برائی بھی:

"During these transactions, the Nizam conducted with great propriety and steadiness and received the most cordial cooperation from his ministers and principal sirdars, with the exception perhaps of Raja Chandulal who on this occasion displayed in a remarkable manner the weakness and indecision which are inherent defects in his character" (IBID)

اس محاربہ شیریں یا "جنگ مبارزالدولہ" کے تمام تر اسباب و علل کی روشنی میں نظام سکندر جاہ کے اپنے ہی بیٹے کو گول کنڈہ میں نظربند کرنے کے اقدام پر ایک لفظ میں اس سے بہتر تبصرہ

Marfat.com

شاید ہی ممکن ہو جو "کرانالاجی آف ماڈرن حیدر آباد" کے مرتبین نے مبارزالدولہ کی قلعے کو منتقلی کے اندراج میں کیا ہے اور اقتباس ہو چکا ہے' اس کے الفاظ میں:

"The Nizam in order to appease Mr Henry Russell Sabit Jang sends Mubarizud Dowla (etc) to the Golconda Fort".

نظام وقت پر جو دو طرفہ دباؤ تھا اس میں بیٹے کی حرکتوں سے لے کر رزیڈنٹ کے نظریۂ برتری تک کئی ایک عوامل تھے لیکن ثانی الذکر ان سب سے حتیٰ کہ چند روز قبل کے تصادم پر بھی بھاری تھا کیونکہ رزیڈنٹ کا وہ حملہ اس کے منصوبوں کا پہلا مرحلہ تھا۔

مبارزالدولہ قلعے کے اندر اور باہر

گول کنڈہ جو اک شہر تھا عالم میں انتخاب جہاں دکنی شعریات کے خلاق معانی و مطالب وجہی نے "قطب مشتری" جیسی اعلیٰ پائے کی تخلیق میں اپنے وطن کو آب زر میں لکھنے کے لائق ان اشعار کے ذریعے عقیدت کا خراج نذر کیا۔

دکھن سا نہیں ٹھار سنسار میں — کہ پنچ فاضلاں کا ہے اس ٹھار میں
دکھن ہے نگینہ انگوٹھی ہے جگ — انگوٹھی کوں حرمت نگینہ ہے لگ
دکھن دیس بھوتیچ خاصا اہے — تلنگا نہ اس کا خلاصہ اہے

خانوادۂ قطب شاہیہ کے آخری تاجدار ابوالحسن تانا شاہ کی حکومت کے اورنگ زیب کی مسلسل کئی برسوں کی جارحیت کے نتیجے میں خاتمے کے بعد بطور ایک پایۂ تخت کیا شہر کے طور پر اپنی حیثیت کھو چکا تھا اب آصف جاہی سلطنت کے اس شاہی قافلے کا مسکن تھا جس میں چند سرکاری اسیر تھے اور باقی سب ان کے سرپرست نیز اہل خانہ اور ملازمین۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ گول کنڈہ کے مرحوم شہر اور باقی و موجود قلعے کی تاریخ اور تقدیر کی خوبی تھی یا خرابی اس سکندر جاہی کارواں کا استقبال اسکے بچے کھچے آثار الصنادید نے کیا۔

سلطنت آصفیہ کے اس سرکاری قافلے کا خیر مقدم جب قلعہ گول کنڈا کے نیم خوابیدہ نیم بیدار مگر تاریخی نوعیت و اہمیت کے مالک "اس مکاں کے فرش و سقف و بام و در" نے کیا تو وہ کسی طرح بھی بے سروسامان نہ تھا بلکہ سازوسامان اور لاؤ لشکر سمیت وارد ہوا تھا۔ چونکہ

Marfat.com

مبارزالدولہ کی گول کنڈہ منتقلی کا حکم "بعنوان سیرو شکار" دیا گیا تھا اسی خاص غرض سے مبارزالدولہ کو اپنے استعمال کے گھوڑے ساتھ لے جانے کی بھی اجازت تھی۔ سیر کے ہی لئے مبارزالدولہ کنول ساگر تک بھی نکل جاتے تھے جو غالباً" قلعے کی دیواری حدود کے باہر واقع تھا اور اسی لئے ان کی دادی ازراہ شفقت انہیں اس تجاوز سے منع کرتی تھیں۔ نظام کے علم میں جب مبارزالدولہ کی طرف سے نظربندی کے حکم کی یہ خلاف ورزی آئی تو انہوں نے مبارزالدولہ کی سواری والے گھوڑے ہی واپس طلب کرلیئے جس کی تعمیل ہوئی۔

"lst September Friday: Inspite of the remonstrance of Hazrath Tahniatunnisa Begum Mubarizud Dowla rides out to see the fort and lotus lake: consequently the Nizam orders that the horses of the prince must be taken away from him and brought to the city" ("Chronology" P.155)

روزنامچہ حیدر آباد کے صفحہ ۱۵۶ کے اندراج مورخہ ۱۱ر ستمبر بروز پیر کی رو سے مبارزالدولہ سے یہ گھوڑے واپس حاصل کرلیئے گئے تھے۔ مگر اس واقعے کے سوا قلعے کی اس اسیری کے دوران کی کوئی روداد دریافت نہیں ہوئی جس سے ان کی مصروفیات کا اندازہ ہوتا۔ ان کی بیویاں اور یا خواتین ان کے ساتھ مقیم تھیں اس لئے مبارزالدولہ کے چند بچوں کی ولادت اسی نظربندی کی اثناء میں ہوئی جو ان کی آل واولاد کے احوال میں ابتدا" مذکور ہوچکی ہے۔ مبارزالدولہ کی قلعے کی اس قید سے واپسی تک محاربہ شیریں یا "جنگ مبارزالدولہ" کے معاملے میں جو کچھ ہوتا رہا افسوس کہ وہ تاریخوں اور تذکروں میں محفوظ نہیں کیا گیا۔ نصیرالدین ہاشمی نے اسی سال کا صرف یہ ایک داخلہ اپنے مقالہ "سیاست" میں پیش کیا ہے جو منقول ہے: "۵ر نومبر ۱۸۱۵ مطابق ۳ر ذلحجہ ۱۲۳۰ھ: ثابت جنگ فرنگی معہ سرطامس حضور کے دربار میں حاضر ہوئے اور خریطہ پیش کیا جو مبارزالدولہ کے معاملے میں تھا" (صفحہ ۳)۔ کمپنی کی حکومت کے صدر دفاتر واقع فورٹ ولیم کلکتہ کی سرکاری فائل کے زیر اکتساب "انڈکس" مورخہ یکم دسمبر ۱۸۱۵ کی بناء پر قیاس ہوتا ہے کہ رزیڈنٹ رسل نے نومبر میں نظام کو کاغذات کا جو تھیلا پیش کیا اس میں نظام کا ہی موسومہ گورنر جنرل ہند کا کوئی مراسلہ ہوگا، ممکن ہے اس میں نظام کے فیصلوں اور اقدامات پر انہیں شاباش دی گئی ہو۔

Marfat.com

مبارزالدولہ کی اس نظربندی یا اسارت سے رہائی کے تعلق سے بھی جو پانچ برس بعد ۱۸۲۰ میں ممکن ہو سکی کسی قسم کی پیش رفت کے اندریں اثناء رونما ہونے کی کوئی معلومات بازیاب نہیں ہو سکی ہیں۔ اس سلسلے کی مجمل سی اطلاعات کے مطابق مبارزالدولہ نیز ان کے بھائی اور بہنوئی "در سنہ یک ہزار و دو صد و سی و پنج ہجری باز داخل بلدۂ حیدر آباد بدولت خانہ ہائے خود ہا گشتند" (صفحہ ۱۰۹)۔ "گلزار آصفیہ" کا یہ سنہ "کرانالوجی" کے الفاظ میں ۱۸۲۰ کے مطابق ہے؛

"1820 27th October Friday, Mubarizud Dowla with brother Samsamud Dowla, Mohna Sahib, Jahan Parwar Begum, leaves the Golconda Fort for Hyderabad" (P.162)

مبارزالدولہ کے والد اور نظام وقت نے انہیں "خورشید جاہی" کے مطابق رہائش کے لئے "حویلی عالی جاہ بہادر کی مرحمت کی" (صفحہ ۴۵۰) نیز:

"29th October Sunday: Nizam gives audience to Samsamud Dowla, Mubarizud Dowla, Mohna Sahib___" (IBID).

ان باپ بیٹوں کی گذشتہ سبھی ملاقاتوں کی طرح اس موقع کی بھی گفتگو مذکور نہیں۔

یہ اتفاق بھی مبارزالدولہ کی قسمت سے خوب تھا کہ جہاں ان کی پہلی سیاسی اسارت وزیراعظم مہاراجہ چندو لعل شاہ کے عالم مجبوری میں رزیڈنٹ رسل سے کیے ہوئے سمجھوتے کے تحت ہوئی تھی وہیں مبارزالدولہ کی رہائی میں بھی پیشکار سلطنت کے حسن تدبر کو دخل تھا جس کے علاوہ مبارزالدولہ کے مونس و غمخوار درباری بزرگوں کی خلوص پرورانہ مساعی بھی شامل حال تھی۔ صاحب "گلزار آصفیہ" نے اس تصویر کے دونوں ہی رخ پیش کئے ہیں جن سے یہ منظر روشن ہوسکا ہے۔ اولاً" اس نے لکھا ہے۔ "دریں مقدمہ ہمہ آنچیکہ حق سعی موفورہ از راجہ چندو لعل بعمل آمد اظہرمن الشمس است۔ والا نہ بعد رفتن و تغیری ثابت جنگ اگر رونق افزائی مرشد زادہ ہا از قلعہ مذکور در تعویق و تعذری ماند آیندہ بہزار مشکل صورت پذیری می گردید کہ آئین انگریزی چنیں جاری شدہ است۔ الحمدللہ آنچہ شد بہتر و آنچہ گذشت بہتر و بخیر گذشت" (صفحہ ۱۰۹) تاہم ثمینہ شوکت نے "نوائے ادب" کے مقالے میں اس روایت سے استفادہ کرتے ہوئے مبارزالدولہ کا صرف مہاراجہ چندو لعل شاہ کی مدبرانہ سیاست کے

Marfat.com

نتیجے میں رہا ہونا قرار دیا ہے۔ "اس اثناء میں ہنری رسل رزیڈنٹ کے عہدہ سے سبکدوش ہو کر انگلستان چلے گئے اور ان کی جگہ سرچارلس مٹکاف رزیڈنٹ مقرر ہوئے۔ لیکن ان کے جائزہ لینے سے پہلے مہاراجہ چندولعل نے مبارزالدولہ کے قلعے سے واپس بلوانے کا بندوبست کیا" (صفحہ۲۱)۔ اُسی مورخ نے دربار آصفیہ کے ایک امیر اور سکندر جاہ کے مقرب اعتصام الملک بہادر جونیئر کے حالات میں اس خصوص میں ان کی عملی دلچسپی کی بابت تحریر کیا ہے۔

"درہمہ باب در امورات سرکار عالی علی الخصوص در نادرستی معاملہ مرشد زادہ ہائے بلند اقبال صمصام الدولہ بہادر و مبارزالدولہ بہادرچہ در وقت تغیری و روانگی ثابت جنگ رسل صاحب وکیل انگریزی و دربارۂ طلب مرشد زادہ ہائے مذکور از قلعہ .بلدہ براجہ چندولعل مہاراجہ بہادر وچہ در انتظام مزاج آوری حضور پرنور کہ ہرگز اقبال نمی فرمودند' آنچہ بہادر معزمساعی جمیلہ بکار آوردا ظہر من الشمس است" (صفحہ ۱۸۴)

"تاریخ گلزار آصفیہ" کے دونوں بیانات سے مبارزالدولہ کی رہائی سے متعلقہ یہ پہلو سامنے آتے ہیں۔ (۱) مبارزالدولہ اس وقت رہا ہوئے جب انہیں قید کروانے والے رزیڈنٹ کا تبادلہ ہوا اور وہ حیدر آباد سے چلا گیا' گویا پانچ سالہ نظربندی کے حسب معاہدہ خاتمے کا امکان اس کی ضد اور زبردستی کی وجہ سے غالباً" موہوم تھا یا پھر یقینی اور واضح نہیں تھا۔" (۲) مبارزالدولہ کی رہائی میں مہاراجہ اور اعتصام الملک دونوں کی کوششوں کا ہاتھ تھا۔ (۳) رسل کے تبادلے کے وقت اگر یہ واپسی عمل میں نہ آتی تو شاید یہ بھی خدشہ تھا کہ نیا رزیڈنٹ کچھ اور عرصے کے لئے مبارزالدولہ کی اسیری کو جاری رکھنے پر اصرار کرتا۔ (۴) اس موقع پر رہا نہ ہونے سے جب کہ پانچ برس کی مدت قریب الختم تھی ریاست کے عامتہ الناس میں اقتدار اعلیٰ کی برتری و خودمختاری پر شکوک پھیل جاتے اور بڑے پیمانے پر رعایا میں بدگمانیاں سرایت کرتیں۔ (۵) مبارزالدولہ وغیرہ نے واپسی پر مہاراجہ چندولعل کے یہاں قیام کیا۔ (۶) نظام سکندر جاہ مبارزالدولہ کی رہائی کے منصوبے سے خوش نہیں تھے اور اعتصام الملک نے ہی انہیں منا سمجھا کر اس تجویز پر عمل در آمد کے لئے آمادہ کیا۔

مبارزالدولہ کی حرکتوں سے سکندر جاہ کی اس خفگی مہم کے جاری رہنے کا ایک ثبوت یہ ملتا ہے کہ وہابی تحریک ۱۸۳۸ کے تفتیشی کمیشن کی ایک اہم روایت کے بموجب جو "فریڈم اسٹرگل" سے ماخوذ ہے ۱۸۲۰ میں رہائی پر:

Marfat.com

"When Mubarizud Dowla was released from the fort of Golconda and came to his palace in the city he was also ordered like other princes to refrain from correspondence with anyone, and he was not allowed to move out of his palace" (P.163)

نہیں معلوم یہ صورت حال کب تک جاری رہی کیونکہ مبارزالدولہ مقامی تاریخوں میں کم و بیش اس پورے عشرے میں روپوش ہی رہے۔ چنانچہ مشاغل کا بھی کچھ پتہ نہیں چلتا ہے کہ اس دوران کیا رنگ تھے۔ والد سکندر جاہ کی رحلت اور بڑے بھائی ناصرالدولہ کی تخت نشینی ۱۸۲۹ کے معاً" بعد تاریخ دکن میں مبارزالدولہ جس ہنگامہ پرور انداز میں ظاہر ہوئے اس کی جزئیات کی گرد آوری کی اثناء میں محسوس یہ ہوا کہ اس دہائی میں مبارزالدولہ نظام کی ناراضی اور سخت گیری کی زد میں رہے اور اسی لئے ان کا نام مذکور نہیں ہوا گو کہ سکندر جاہ کی حکمرانی کا وہ آخری عشرہ حوادث سے یکسر خالی نہ رہا۔ "کرانالوجی" میں مبارزالدولہ کے حوالے سے فقط یہ دو اور بھی سیاسی لحاظ سے غیراہم سے اندراجات برآمد ہو سکے جن کا ترجمہ ملاحظہ ہو: "۱۸۲۲ء مطابق ۱۲۳۷، ۱۴ر جولائی، اتوار: آں جہانی راجا شام راج کے فرزند راجا چمناراج نے مبارزالدولہ کے ہاں لڑکا تولد ہونے کے وقت نذر پیش کی" (صفحہ ۱۶۸) نیز "۱۸۲۶ مطابق ۱۲۴۱" ۷ر اپریل جمعہ: مہاراجا بہادر اور منیرالملک کی آمد پر نظام سکندر جاہ محل کے برآمدے میں صبح میں ایک گھڑی بعد تشریف لائے اور اکبر جاہ بہادر کے فرزندوں نیز مبارزالدولہ کے فرزند کو اعزاز و خطابات سے نوازا" (صفحہ ۱۸۷)۔

مبارزالدولہ دکن کی تواریخ میں ۱۸۲۹ میں ظہور کرتے ہیں اور ان کی سرپرستی میں شورش عروب و افاغنہ برپا ہوتی ہے جس کو شورش تن خواہ و خزانہ سے بھی موسوم کیا جا سکتا ہے۔ وہابی تحریک ۱۸۳۸ اور اس میں مبارزالدولہ کے کردار کی تحقیق سے متعلق کمیشن نے شورش خزانہ ۱۸۲۹ کی تفصیلوں کی تفتیش سے کوئی غرض نہیں رکھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کمیشن نے اس ہنگامہ افاغنہ و عروب کے بارے میں ایک ایسی روایت اپنی روداد میں شامل کر دی جس کا کوئی سراغ تاریخوں اور تذکروں میں حتیٰ کہ خود "فریڈم اسٹرگل" میں بھی نہیں ملتا ہے جس سے سطور ذیل اقتباس کی گئی ہیں۔

"It also came to be known that in the year 1829

Marfat.com

Mubarizud Dowla was involved in the case of kidnapping of a soldier from Secunderabad. Some landlords were his accomplices and their aim was to overthrow the British Government, to dethrone the Nizam, to kill Chandulal and to obtain the throne. This scheme was disclosed by a faithful officer and their object could not be achieved. He was again interned in the fort of Golconda" (P.163-164)

اس کہانی کا تفتیشی کمیشن کی سرکاری روداد میں شمول واقعی حیران کن ہے کیونکہ جیسا کہ آئندہ باب کے مفصل کوائف گواہ ہیں ایسا کوئی واقعہ سرے سے رونما نہیں ہوا اور شورش خزانہ و تن خواہ ۱۸۲۹ء میں جو سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات ہوا اس کی جزیات سے اس قصے کا ذرا سا بھی تعلق کسی وسیلے سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔ مبارزالدولہ کی شخصیت نیز گذشتہ صدی کی تاریخ دکن اور ما قبل ۱۸۵۷ کی تحریکات آزادی میں ان کی حیثیت کے آئندہ محققین سے بجاطور پر یہ امید واثق وابستہ کی جاسکتی ہے کہ وہ مبارزالدولہ کی سیاسی زندگی کے تینوں واقعات کی اہم ہی نہیں ساری **تفصیلوں** پر پڑے ہوئے اغماض و اخفاء کے پردے اپنی جستجو سے جب اٹھائیں گے تو منقولہ بالا حکایت کی اصلیت بھی آشکار کریں گے۔ سردست تو اس کہانی کی حقیقت محض اتنی سی ہے کہ اس کے پیچھے کوئی صداقت نہیں معلوم ہوتی ہے اور بس...

(نظام آباد' مارچ-اپریل ۱۹۶۲)' (کراچی ۳ر ۷ر ۱۹۹۱)

Marfat.com

Marfat.com

مبارزالدولہ : شورش تنخواہ و خزانہ

۱۸۲۹ : مبارزالدولہ کی نئی تنظیم اور اس کے ارکان

عنوان ہذا کی تفصیلوں سے قبل "دربار آصف" کے مورخ کے حسب روایت ایک سلسلہ واقعات کی اطلاعیں اقتباس کرنا مناسب حال ہوگا کیونکہ یہ اسی سرخی کے پس منظری متعلقات میں سے ہیں۔ "گل چہارم ناصرالدولہ آصف جاہ رابع" کے باب میں ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۲۹ کی طغیانی کا مختصر ذکر کرنے کے بعد اس تاریخ میں شورش عروب و افاغنہ کی کسی مفصل کیفیت کے بغیر گذشتہ محاربہ شیریں کی پیشرو وارداتوں کے ایک اہم کردار اور مبارزالدولہ کے ہنگامہ پرور حامی صف شکن جنگ کے خاص حوالے سے محض ایک جملے میں نئی شورش کا پس منظر اور دوسرے فقرے میں مبارزالدولہ کی نظربندی کا واقعہ تحریر کردیا گیا ہے اور بس: "اسی سال صف شکن جنگ بہادر کو دو شخصوں نے مطالبہ تنخواہ پر مار ڈالا اور خود بھی مارے گئے۔ اس اثناء میں بعض وجوہ سے مبارزالدولہ بہادر قلعہ محمد نگر بھیجے گئے اور چند روز کے بعد بندگان حضرت نے پھر بلدہ میں طلب فرمالیا۔" (صفحہ ۹۴) صف شکن جنگ محاربہ شیریں کی طرح شورش تنخواہ و خزانہ کے بھی آغاز میں مبارزالدولہ کے حامی و ناصر اور بڑے محرک کے بطور ملوث تھے اور اسی نے ان کی جان لی۔

مورخ غلام صمدانی خاں نے اس سے چند برس قبل ۱۲۳۷ھ تا ۱۲۴۰ھ کے دوران دارالحکومت میں برپا ہونے والے فتنہ مہدویہ کی تدارک کی مہم میں انہی صف شکن جنگ کی وزیراعظم چندولعل کے ہاتھوں جاں بخشی کا تذکرہ کیا ہے۔ ۳ر محرم ۱۲۳۸ھ میں محلہ چنچل گوڑہ میں مہدوی افغانوں اور مقامی اہل سنت آبادی کے فسادات کے ازالے کے لئے نظام سکندر جاہ نے مصنف کے بقول: "مہاراجہ بہادر کو حکم دیا کہ جمیعت انگریزی کے ذریعے مہدویوں کا اخراج کیا جائے اور چنچل گوڑہ کو تباہ و تاراج کردیں۔" انگریز کمان داروں نے اس مہدوی محلہ پر یورش کی اس میں "مہاراجہ بہادر کی کوششوں سے مہدویوں کی تو جان بچ گئی مگر معہ عیال و اطفال خارج البلد ہونا پڑا۔ جس کا جدھر سنگ سمایا ادھر چلتا ہوا۔ البتہ ان میں سے دو صاحب ایک محمد صاحب میاں المخاطب صف شکن جنگ خلف سلطان میاں جو معہ عیال و اطفال کنک گیری و گنگاوتی میں تھے اور کرار نواز خان بچ گئے" (صفحہ ۹۱، ۹۲) اس

Marfat.com

کے بعد مبارزالدولہ کی شورش تنخواہ و خزانہ کے موقع پر ۱۸۲۹ مطابق: "۱۲۴۰ھ میں عزت یار خان محی الدولہ حکیم الحکما جو مقرب و مصاحب حضور پرنور تھے کو گلزار حوض کے قریب چار افغانان مہدویہ نے جمدھر سے مار ڈالا۔ ان میں تین شخص تو مبارزالدولہ بہادر کے کوٹلہ میں مارے گئے لیکن ایک شخص چنچا دروازہ سے بھاگ گیا۔" ایک متعاقب ذریعے کے الفاظ میں "مبارزالدولہ بہادر" عین اسی وقت کوٹلہ عالی جاہ کے بیرونی حصے میں برآمد ہوئے تھے کہ حکیم عزت یار خاں کا کوچوان شور مچاتا ہوا قاتلوں کے تعاقب میں پہنچا اور مبارزالدولہ نے فی الفور ان لوگوں کا کام تمام کروا دیا تھا۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک بڑے اور بھرپور طور پر ہنگامہ پرور و بلاخیز سلسلہ حوادث کی تتر بتر سی کڑیاں ہیں جو شورش عروب و افاغنہ سے موسوم اور معروف ہوا۔ اس تازہ منظر کے پہلو بہ پہلو گذشتہ واقعات کے خاص حوالے سے یہ امر ذہن نشین رہے کہ مبارزالدولہ کے ۱۸۱۵ کے محاربہ شیریں پر باب میں برگس کا یہ تاثر منقول ہوچکا ہے کہ مبارزالدولہ کا ساتھ دینے والے زیادہ تر افراد "بدمعاش شریر النفس پٹھان غنڈے" (صفحہ۹۹) تھے، اور برگس کی اپنی عصبیت اور یا شرارت کے قطع نظر یہ الفاظ کچھ نہ کچھ تاریخی پس منظر اور اس کے پہلو بہ پہلو عصری پیش منظر کی جانب اشارہ کناں ہیں۔ روہیلے رہے ہوں یا چاؤش مقامی معاشرے میں دونوں ہی طبقے سودخوری کے کاروبار کے علاوہ عادات و اطوار کی طرفگی خاص کر اسلحہ کے بے دھڑک استعمال کی روش اور قرض داروں کے استحصال کے طور طریقوں کی بناء پر طویل عرصے سے ناپسندیدہ سمجھے جاتے رہے ہیں۔ مبارزالدولہ نے اپنے متوسلین کے انھی طبقوں کی قوت بازو نیز کثرت تعداد اور مجموعی طاقت کے کافی ثبوت محاربہ شیریں ۱۸۱۵ سے قبل کے واقعات میں بہم پہنچائے تھے، تاہم اس کے قریب پندرہ برس بعد انھوں نے اپنے اطراف جو لوگ اکٹھے کرلیے تھے وہ سب ہی ۱۸۱۵ کے ساتھی تو نہیں ہوسکتے تھے۔ تاریخوں سے یہ علم ہوتا ہے کہ مبارزالدولہ کی نئی تنظیم میں جہاں خاصے آزمودہ کار افراد تھے وہیں بڑے پیمانے پر نیا خون بھی اس میں شریک تھا۔

قراین سے بھی اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ مبارزالدولہ کے حامیوں کی اس بھاری بھرکم جمعیت میں جس کو ان کی فوج بھی قرار دیا گیا ہے۔ نئے پرانے سبھی قسم کے کارکن شامل تھے۔ ۱۸۲۹ میں گرفتاری کے وقت مبارزالدولہ نے گذشتہ سے کہیں بڑے منظم انداز پر

Marfat.com

اپنے تحفظ اور دفاع کے مسلح انتظامات کرلیے تھے جو وسیع علاقے کو محیط تھے "گو عملاً" مدافعت سرے سے کی ہی نہیں گئی۔ پھر دوران اسیری گول کنڈہ میں سلطنت کے خزانہ کو تصرف میں لینے کی جدوجہد کیلئے مبارزالدولہ نے قلعے کے اندر بڑی ساری فوج سی اکٹھی کرلی جس کیلئے انھوں نے حیدر آباد کے اطراف و اکناف سے تک لوگوں کو مجتمع کرلیا تھا۔ ان دونوں موقعوں کی تیاریوں سے علانیہ ظاہر ہے کہ مبارزالدولہ نے جدید تنظیم میں جہاں بہت کچھ پرانے اور تجربہ کار ساتھیوں کی شمولیت کا اہتمام کیا وہیں نئے آدمیوں کی بھرتی اور تربیت کو بھی اہمیت دی۔ مبارزالدولہ کے تذکرہ نگاروں نے بالراست اس زاویے سے تفصیل نہیں لکھی ہے پھر بھی جو کچھ انکی روایات سے عیاں ہے اس سے اس خیال کی اگر تصدیق نہیں ہوتی ہے تو تردید بھی سامنے نہیں آتی ہے۔

شورش خزانہ کے چشم دید راوی اور انسدادی مہم کے ذمہ دار کرنل میڈوز ٹیلر کے علاوہ مبارزالدولہ کے ہمدرد مورخ "گلزار آصفیہ" اور چند دوسرے ذرائع سے ماخوذ تاثرات زیر نظر ہیں۔ اول الذکر کے بقول

"Nizam's brother, Mubarizud Dowla, collected a number of Arabs and Afghans, strengthened his house in the city, and proceeded to press claims against his borther, which could not be for one moment entertained" (P.75)

"گلزار آصفیہ" کے مصنف غلام حسین خاں نے بھی لکھا ہے کہ "چند روز پیشتر بہادر معز جمیعت روہیلہ ہا وغیرہ فراہم آوردہ" (صفحہ ۱۳۹)۔ صاحب "تاریخ رشید خانی" کے الفاظ اس نئی تنظیم کی ہیئت ترکیبی پر اشارہ کرتے ہیں: "مبارزالدولہ بہادر چند بھلے مانس شائستہ اور کچھ روہیلے قریب ۱۰۰ / ۲ ای تین سو آدمی کے کئی دنوں میں آہستہ آہستہ اپنے مکان میں اکٹھا کیے تھے۔" (صفحہ ۳۵۴) حیدر آباد کنٹنجنٹ کا مورخ میجر برٹن شورش خزانہ کے تذکرے کی ابتداء کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"In 1829 Mubarizud Dowla, the youngest brother of the Nizam, collected a number of troops in defiance of the Nizam's authority, and was brought to order with the aid of the Contingent" (P.116).

"فریڈم اسٹرگل" نامی جدید تاریخ میں عروب و افاغنہ کے دونوں طبقوں سے افرادی قوت کی جمع

Marfat.com

آوری بیان ہوئی ہے۔

"At this time he collected a number of Arabs and Afghans, strengthened his house in the city, and started an insurrection" (P.124)

قصہ مختصر ان روایتوں سے مظہر ہے کہ مبارزالدولہ نے اس موقع پر نئے سرے سے اپنی تنظیم کو متشکل کر کے اس میں آزمائے ہوئے اور نئے ہر طرح کے آدمیوں کو جمع کرلیا تھا۔ گو کہ ۱۸۲۰ کی رہائی کے بعد سے ۱۸۲۹ تک کی مبارزالدولہ کی مشغولیات سے لاعلمی ہے' زیادہ قرین واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ انکی اس طرح کی مصروفیتوں کا یہ نیا دور سکندر جاہ کے انتقال اور ناصرالدولہ کی تخت نشینی کے بعد شروع ہوا۔ تب سے لیکر شورش خزانہ کے بپا ہونے تک کے مختصر ترین عرصے میں ہی مبارزالدولہ نے اپنی نئی جمیعت تیار کی جسکے پس پشت انکے واضح مقاصد تھے خواہ وہ محدود سے ہی کیوں نہ رہے ہوں۔ برگس کی اطلاع رہی کہ ۱۸۱۵ کے محاربہ شیریں والے مبارزالدولہ کے اہم مددگاروں یا کارکنوں کے من جملہ:

"The principal subordinate instigators of the tumult were subsequently seized and executed" (P.99)

لیکن ظاہر ہے کہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں اس وقت مبارزالدولہ کے جو آدمی تھے ان کے صرف سرغنے وغیرہ چیدہ ارکان ہی کو سزائے موت دی گئی ہوگی۔ غالباً" ۱۸۱۵ کی جنگ میں پیش پیش رہنے والوں کے ہمراہ وہ لوگ بھی گردن زدنی قرار پائے ہوں گے جنھوں نے رزیڈنٹ کے درزی کو گرفتار اور قید کرلیا تھا اور وزیراعظم کی طلبی پر اس کو رہا کرنے سے انکار کردیا تھا۔ ظاہر ہے کہ مبارزالدولہ سزائے موت سے بچ رہنے والے اپنے کثیرالتعداد پرانے آدمیوں کا مرکز نگاہ تھے کہ وہ انھی کے ہاں روزگار سے وابستہ تھے۔ "فریڈم اسٹرگل" میں وقت کے کچھ غلط اندازے کے ساتھ یہ اہم مشاہدہ ضبط تحریر میں آیا ہے کہ:

"Mubarizud Dowla had another misfortune in 1829. Shortly after his release he returned to his palace in the city. He was the focal point of anti-British sentiments in Hyderabad. At this time he collected a number of Arabs and Afghans–" (P.121)

یہ امر قابل فہم ہے کہ ان دشمن فرنگ عناصر میں اہل تجربہ بھی تھے اور نئے افراد بھی۔

Marfat.com

مبارزالدولہ کے اس نئے گروہ کے عناصر ترکیبی کی طرف ہمعصروں سے لیکر ہمارے معاصرین تک نے جو اشارے کیے ہیں ان میں "نوائے ادب" کے مقالے میں ڈاکٹر ثمینہ شوکت کا یہ تاثر کسی قدر واقعاتی تفصیل روشنی میں لاتا ہے۔ "اس واقعہ (۱۸۱۵) کے پندرہ سال بعد مبارزالدولہ پھر تاریخ میں نمایاں ہوتے ہیں' اس دفعہ بھی باغی فوجوں کے سردار کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ واقعہ یہ ہوا کہ میرعالم کے مدارالمہام ہونے سے پہلے کچھ عرصہ کیلئے جب راجہ سورج ونت پیشکاری کے فرائض انجام دے رہے تھے اس وقت انھوں نے کچھ تو خزانہ سے بار گھٹانے کیلئے اور کچھ اپنی وفاداری جتانے کیلئے فوجوں میں تخفیف کردی تھی۔ اسکے بعد جب رسل برگیڈ کا قیام عمل میں آیا تب بھی دیسی فوجوں میں کچھ کمی ضرور کی گئی ہوگی۔ یہ فوجی ظاہر ہے کہ انگریزوں کے مخالف تھے اور اس زمانہ تک انگریزوں سے شہزادہ کی مخالفت کچھ چھپی ہوئی بات نہیں رہی تھی۔ اس لئے فطرتاً" ان بے یارومددگار فوجیوں کو مبارزالدولہ کی صورت میں اپنا ایک ہمدرد نظر آیا۔ یہی وجہ ہے کہ انکے اطراف اکٹھے ہوگئے۔" (صفحہ ۲۱-۲۲) مبارزالدولہ کی نئی جمیعت کے نئے اراکین کا معاملہ اس طرح روشن تر ہوجاتا ہے چنانچہ ڈاکٹر ثمینہ شوکت اسی تسلسل میں یہ بھی اضافہ کرتی ہیں اگرچہ ان کا مذکورہ واقعہ اس طور پر ہم رشتہ نہیں ہے۔ "مبارزالدولہ کی فوج میں کچھ تخفیف شدہ روہیلے بھی تھے' ان روہیلوں کی تنخواہ بروقت نہ ملنے کی وجہ سے ۱۲۴۶ھ میں فساد برپا ہوگیا۔" (صفحہ ۲۲) جیسا کہ اس شورش خزانہ کی تفصیلوں سے صراحت ہوگی جو فساد برپا ہوا وہ روہیلوں کی نہیں مبارزالدولہ کی تنخواہ بروقت نہ ملنے کی وجہ سے ہوا۔ ڈاکٹر ثمینہ شوکت کا خاص ماخذ "گلزار آصفیہ" ہی ہے جس کا اصل بیان منقول ہوا چاہتا ہے اور تقابل کا طالب ہے کہ یہ ترجمانی کتنی غلط فہمانہ بلکہ خلاف واقعہ ہی ہے۔

آغاز شورش' تدارک و مفاہمت اور دوبارہ محاصرہ

مورخ "گلزار آصفیہ" نے صریحی طور پر منکشف کیا ہے کہ مبارزالدولہ نے شاہی جیب خرچ کی عدم وصولی کی بناء پر جو چند ماہ سے موقوف تھا اپنے آدمیوں کی جمیعت کو آمادۂ شر و فساد کیا اور اس مفسدانہ کاروائی سے یہی کچھ مقصود تھا کہ ارباب سلطنت کو ان کی طرف سے اختباہ ہو:

"چند روز پیشتر بہادر معز جمیعت روہیلہ وغیرہ فراہم آوردہ برائے تنخواہ خویش کہ چند

Marfat.com

ماہواری با سببی از اسباب ریاست و کارخانجات سلطنت از دیوانی بہ بہادر معززنہ رسیدہ مصدر فساد گردیدہ خواستند کہ کارپردازان سرکار را متنبہ سازند" (صفحہ ۱۳۹)۔ "کرانالوجی" کے مطابق اس کی شروعات کی تاریخ ہم دست ہے:

"1245 AH/1829. 4th Nov. Wednesday. The men of Mubarizud Dowla create disturbance at his instigation" (P.192)

مبارزالدولہ کی جانب سے اس ہنگامہ عروب و افاغنہ کا آغاز کس طرح کیوں کر اور کس انداز میں ہوا اس بارے میں تاریخوں اور تذکروں کے اوراق خاموش ہیں۔ البتہ نظر بظاہر اس مرتبہ مبارزالدولہ نے عجلت پسندی سے کام نہیں لیا اور ہنگاموں کا سلسلہ آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ ناصرالدولہ بھائی کے حق میں والد کی طرح سخت گیر اور شاید طبعاً" بھی سخت مزاج نہیں واقع ہوئے تھے۔ چنانچہ یہ شورشیں کوئی ساڑھے چھ ماہ تک جاری رہیں تا آں کہ ۱۹ر اپریل ۱۸۳۰ کو مبارزالدولہ کو قلعہ گول کنڈہ منتقل ہونا پڑا۔ اندریں اثناء نظام نے فقط نامہ و پیام اور افہام و تفہیم سے کام لینے پر اکتفا کیا اور زیادہ سے زیادہ یہ کہ مبارزالدولہ کو گرفتاری کی دھمکی دی مگر مذکورہ تاریخ سے قبل حراست میں نہ لیا۔ حیدر آباد کے جدید روزنامچہ سے ان واقعات کے تسلسل کا علم ہوتا ہے اگرچہ روزانہ کا ارتقاء محفوظ نہ ہو سکا ہے۔

"12th Nov. Thursday. Mubarizud Dowla's men create disturbance again, on which the Nizam orders his troops to surround and blockade the residence of Mubarizud Dowla" (P.192)

مبارزالدولہ مستقلاً" کوٹلہ عالی جاہ میں ہی مقیم تھے اور ناصرالدولہ کے احکامات کی تعمیل وہیں پر ایک ہفتے بعد ہوئی:

"18th Nov. Wednesday. An English commander with 200 men under him is ordered to quell the disturbance incited by Mubarizud Dowla, and after its arrival at the residence of Mubarizud Dowla the disturbance subsides and Mubarizud Dowla appears reconciled" (IBID)

یہاں چند باتیں علانیہ محسوس ہوتی ہیں جن کی جانب اشارہ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ شاید ہفتہ بھر یا کم از کم روز ہی گڑبڑ ہوتی رہی جو سپاہیوں کے پہنچنے پر کوٹلہ عالی جاہ کے علاقے

Marfat.com

میں ختم بھی ہوگئی۔ دوسرے اور اہم تر یہ کہ کمپنی کی حکومت کے رزیڈنٹ کا کردار پس منظر سے ایک دم پیش منظر پر آگیا' اور یہ صرف ہماری اس کتابی معلومات کی حد تک وگر نہ رزیڈنٹ کا فعال و موثر بلکہ حاکمانہ و مستبدانہ کردار وہاں ان دنوں ڈھکا چھپا ہونا درکنار شہر بھر میں زباں زد خلایق ہونا چاہیے۔ تیسرے یہ کہ وقتی تدارک یا اس مفاہمت کے بعد مبارزالدولہ کی حراست ۱۹ر اپریل ۱۸۳۰ کے دنوں میں کیا کچھ ہوتا رہا اس کا کوئی پتہ نہیں چلا مگر بلاوجہ ان کی گرفتاری نہیں ہوئی ہوگی۔ قیاس بہرحال غالب ہے کہ مبارزالدولہ کے حواری روہیلوں چاوشوں نے پھر ایک بار یا شاید ایک سے زیادہ دفعہ شورش بپا کی اور بطور ردعمل رزیڈنٹ بھی متحرک ہوا۔ کیونکہ مبارزالدولہ کی اس مرتبہ کی حراست کا احوال جس طور مذکور ہوا ہے اس سے یہی سمجھا جاسکتا ہے۔

"تاریخ رشید خانی" صفحہ ۳۵۳ کے اس مجمل سے بیان کی کہ "نواب نے واسطے انتظام مملکت و حراست ریاست کے ابتدا ۱۲۴۶ھ بارہ سو چھیالیس میں قلعہ محمد نگر عرف گول کنڈہ کو جانے کا حکم دیا" قدرے مفصل کیفیت تھوڑی بہت کرنل ٹیلر کے ہاں اور کچھ صاحب "گلزار آصفیہ" کے ہاں مل جاتی ہے۔ اول الذکر معاصر مبارزالدولہ کا مشاہدہ رہا ہے کہ

"The case becoming serious and disturbances being immiment, Col. Stewart was called upon to repress the disorder by sending in force from Bolarum" (P.75)

مبارزالدولہ کو اس موقع پر یہ باور کرایا گیا کہ "بعد ازاں موافق تجویز صلاح کاران دولت عن قریب تصفیہ طرفین بعمل آوردہ داخل مکان نمودہ خواہد شد" (صفحہ ۱۳۹) گویا میڈوز ٹیلر کے کہنے کے بموجب یہ پیغام کرنل اسٹیوارٹ نے پیش کیا۔

"The officer commanding the brigade induced the rebel to trust to his brother's generosity to settle all disputed claims" (P.75)

کیا عرض کیا جائے کہ آج اس کو رزیڈنٹ کے خبث باطنی یا کم سے کم بھی اس کی شرارت کی انتہا کہا جائے یا محض ابتداء کہ اس پیغام رسانی کے لئے ظاہر ہے کہ اس نے اس جارح عہدہ دار کو وسیلہ بنوایا۔ یہ صورت معاملہ تو اس موقع پر بھی بے حد قابل فہم تھی کہ منانے کا یہ جارحانہ طریقہ اس باغی شہزادہ کو اور زیادہ مشتعل و برافروختہ کرنے کے لئے

Marfat.com

رزیڈنٹ نے اختیار کیا ہوگا یا اس کے آتشیں جذبات کو سرد کرنے کی نیت سے۔ مبارزالدولہ کے اپنے ردعمل سے اگرچہ آج اظہار ناواقفیت کے سوا چارہ نہیں ہے پھر بھی تصور میں آتا ہے کہ نوخیزی کی عمر میں والد کی طرف سے بغرض حفاظت انگریزی فوج کے آدمیوں کی تعیناتی کو ناپسند بلکہ تنفر کے ساتھ مسترد کردینے والے مبارزالدولہ پر سنبھلی ہوئی عمر میں بھی کیا گزری ہوگی!

مبارزالدولہ کا دفاعی انتظام اور مقابلہ سے گریز

صرف مورخ "رشید خانی" کا اس قدر مشاہدہ سامنے ہے کہ اسٹیوارٹ کے یا اس کے ذریعے مرسلہ پیغام کو مبارزالدولہ "معزالیہم نے نہ مانا اور تقریر سے ان کی استادگی پائی گئی۔" (صفحہ ۳۵۳) جس کے ساتھ ہی مبارزالدولہ کے تمام کے تمام یا پھر بیشتر "ہوا خواہ سب در دولت سرا پر آحاضر ہوئے اور سکونت اختیار کی۔ راستہ و بازار میں ہر چہار سو ناکہ بندی ہوگئی۔ جلوخانہ سے تا بہ چہار مینار توپیں نصب کی گئیں۔" (ایضا") اس کے معا" بعد کی پیش قدمی میں انگریزی فوج غالبا" رزیڈنٹ کے افزوں تر دباؤ کے باعث ملوث ہوئی تو انگریزی سپاہ کے حرکت میں آنے کو فارسی مورخ کی مصلحت آمیزی نے اعیان سلطنت کے باہمی مشورہ وغیرہ سا خوبصورت نام دے دیا۔ "بہ صلاح کارپردازان سرکار جمیعت انگریزی ملازم سرکار دولت مدار اطراف مکان بہادر معزز اور گرفتہ حکم حضور پرنور رسانیدند بایں معنی کہ بالفعل مرضی مبارک خداوند نعمت نظر بر صلاح حال و مآل کار جناب ہمیں است کہ (برطبق معروضہ ہوا خواہان دولت و دانایان ریاست و سلطنت کہ در دارالانشائے مصلحت و مشورت قرار یافتہ است) چند روز برائے تسکین خاطرہائے ایشاں کہ اہم امورات است در قلعہ محمد نگر گول کنڈہ بسیر و طیر مشغول باشند" (صفحہ ۱۳۹)۔ اس مرتبہ پھر انگریزی فوج کا نامہ و پیام کے عنوان سے استعمال مبارزالدولہ کے لئے اشتعال انگیز ہی ہوسکتا تھا۔

معلوم یہی ہوتا ہے کہ مبارزالدولہ کو یہ استحصالی صورت کسی طور پر پسند نہیں آئی اور آبھی نہ سکتی تھی چنانچہ انہوں نے بہ لطایف الحیل اس کو قبول کرنے سے اجتناب کیا ہوگا۔ اس طرح آٹھ دس روز گزر گئے اور تاریخ "رشید خانی" کے الفاظ میں "جب ہفتہ عشرہ اسی وضع پر گزرا اور صورت بلدہ کی ڈراونی بنی رہی اور وہ ہرچند جانے پر رضامند نہ ہوئے الوال

Marfat.com

(نزد بلارم) کی جمعیت نے حسب الارشاد نواب کے آکر عقب پر ان کی حویلی کے مورچال باندھا اور نوبت یورش کی بہم پہنچائی۔" (صفحہ ۳۵۳) یہ انگریزی دستہ جب مبارزالدولہ کو حراست میں لینے کے لئے کوٹلہ عالی جاہ پہنچا تو مبارزالدولہ کی دفاعی تنصیبات قائم تھیں چنانچہ اسٹیوارٹ کی قیادت میں جانے والے ٹیلر کے بقول:

"I was still in charge of my regiment, and preceded by two guns, we marched into the city. Had there been any fighting we should have fared badly in those narrow streets, lined with terraced houses, all covered with armed men; but happily not a shot was fired, though the guns at the palace gates were unlimbered" (P.75)

فریقین محاذ آرائی کے لئے بہرطور تیار اور لیس تھے اور اگر یہ مسلح تصادم رونما ہو جاتا تو بڑا معرکے کا ہوتا مگر جیسا کہ ٹیلر کی روایت شاہد ہے ہوا کچھ بھی نہیں۔ کوٹلہ عالی جاہ سے چار مینار تک مبارزالدولہ کے بھرپور دفاعی انتظامات کے تحت جتنی توپیں نصب تھیں اور جس تعداد میں ان کی مسلح نفری متعین یا ازخود موجود تھی تمام تر تیاری یا طاقت افسوس کہ ایک نظر فریب دھمکی سے زیادہ ثابت نہ ہو سکی۔ "حیدر آباد افیرز" میں منقولہ "ٹائمس آف انڈیا" کے ایک وقائع نویس کے تاثر کو بعینہٖ درست سمجھا جا سکتا ہے جو اس نے محاربہ شیریں ۱۸۱۵ میں مبارزالدولہ کے آدمیوں کے جان توڑ دفاع سے ۱۸۲۹ کے ناکام دفاع کے تقابل کے بطور تحریر کیا کہ

"__Niether in 1829 was any similar resistance made" (II P.230)

مبارزالدولہ کا اپنے دفاع سے گریزاں رہنا ان کی سیاسی زندگی کا ایک ایسا عجیب و غریب سا واقعہ ہے کہ نہ تو اس کی توجیہ ان کے ہمعصروں میں سے کسی نے تحریر کی ہے اور نہ ہی آج اس کی صحیح صحیح تاویل ان کی سوانح کے مبصرین کے لئے ممکن ہوگی۔ عجیب تر یہ کہ مبارزالدولہ نے اپنے دفاع سے غفلت نہیں برتی بلکہ اجتناب کیا حالانکہ بھرپور تیاری وہ اور ان کے آدمی کر ہی چکے تھے۔ اغلب یہ ہے کہ مبارزالدولہ کی صفوں میں کسی "جعفر از بنگال و صادق از دکن" کی قسم کے کردار کا بھی کوئی وجود نہ تھا یا کم از کم یہ کہ ان کے معاصرین کے ہاں بہرحال

Marfat.com

ذکر نہیں ہے۔ وقائع سے مبارزالدولہ کے گریز کے بارے میں راقم کا حقیر سا تجزیہ یہ ہے جو قابل بحث بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی نظر میں سلطنت آصفیہ کی پیش رو قطب شاہی خانوادے کی ریاست کے آخری فرماں روا ابوالحسن تانا شاہ کے سپہ سالار عبدالرزاق لاری کا حشر تھا جس نے قلعہ گول کنڈہ کے صدر دروازے پر اورنگ زیب کی افواج قاہرہ کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک ڈوبتی ہوئی سلطنت کو بچانے کی خاطر وفاداری کے بے پناہ جذبے کے تحت جنگ کی تھی۔ سوائے اس کے کوئی اور بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مبارزالدولہ اس جذبہ بے اختیار سے سرشار نہیں تھے جو "بخاک و خون غلطیدن" کی راہ پر ایک تاریخی کردار کو لے جاتا ہے اور جریدۂ عالم پر جس کا دوام ثبت ہو جاتا ہے۔ بقائے دوام کی نسبت شہرۂ عام سے انہیں دلچسپی تھی جیسا کہ سطور آئندہ مظہر ہیں۔

گرفتاری اور قلعہ گول کنڈہ کو منتقلی

غرض مبارزالدولہ کو اس بار خرابیٔ بسیار سے پہلے ہی ہوش آگیا ہرچند کہ ان کی دقتی مصلحتوں کا کھل کر عیاں ہونا درکنار ان کی سمت کوئی اشارہ بھی نہیں ملتا ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ان کو محترم و معزز قرار دینے والے مورخ "گلزار آصفیہ" کے الفاظ میں کس قدر طنز پنہاں ہے اور کس حد تک امر واقعہ کہ پیچ در پیچ لکھتا ہے: "مرشد زادہ موصوف حسب الحکم خود بدولت و اقبال مآل بکار خویش در مرات (آئینہ) عقل دوربین بہ آئین بہین معاینہ کردہ طوعا" و کرہا" راضی شدہ ارادۂ روانگی قلعہ مذکور فرمود" (صفحہ ۱۳۹)۔ جب مبارزالدولہ ۱۹ اپریل ۱۸۳۰ کو قلعہ روانہ ہوئے تو "کرانالوجی" کے مطابق محاصرہ ختم کردیا گیا:

"1830. 19th April Monday. As Mubarizud Dowla Bahadur leaves for the Golconda Fort, the British officers alongwith their posted troops disperse" (P.194)

یہ ناگزیر تھا کہ مبارزالدولہ کے اس طرح بغیر جنگ کیے شکست تسلیم کر لینے سے ان کے مسلح آدمیوں کے درمیان ہی نہیں بلکہ شہریوں میں بھی جو متوقعہ لڑائی کے تمام تر آثار کی بناء پر بیک وقت خوف میں مبتلا اور ہیرو پرستی کے جذبات سے سرشار تھے مایوسی و پریشانی کی لہر دوڑ جاتی۔ تاہم مبارزالدولہ کی گول کنڈہ کو منتقلی کی خبر بھی آنا" فانا" شہر بھر میں پھیل گئی اور لوگوں

Marfat.com

نے جوق در جوق قلعے تک کے راستے پر ہجوم کرنا شروع کر دیا۔ مبارزالدولہ نے بھرپور عوامی مقبولیت و پذیرائی کے اس یادگار تاریخی لمحے اور اپنی خصوصی شاہانہ حیثیت دونوں کا اس وقت پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ "رشید خانی" کے مجمل اور سادہ لفظوں میں تو "جناب معزا لیہم گھوڑے کے سوار معہ زنانہ اور اپنے بھلے مانس شاگرد پیشہ وغیرہ کے روانہ قلعہ مذکور ہوئے۔" (صفحہ ۳۵۳) مگر اس وقت کی تصویر کشی تاریخ "گلزار آصفیہ" میں ملتی ہے۔

صاحب "گلزار آصفیہ" کی منظر کشی کے بموجب مبارزالدولہ بڑے کروفر بلکہ شاہی تزک و احتشام کے ساتھ اپنے محل واقع کوٹلہ عالی جاہ سے برآمد ہو کر اس دوسری اسارت کے لئے روانہ سفر ہوئے جس کا چرچا شہر بھر میں پھیل چکا تھا اور عامۃ الناس نے اپنی اس محبوب شخصیت کے دیدار کے لئے ہجوم پر ہجوم کیا ہوا تھا۔ اس کی تفصیل اصل عبارات میں ملاحظہ ہو: "بروز سواری مرشد زادہ مبارزالدولہ بہادر از دروازۂ کوٹلہ عالی جاہ بہادر کہ مسکن و مقام بہادر موصوف بود تا دروازۂ قلعہ محمد نگر ہر دو جانب راستہ' چوک و دروازۂ پل خلقت خدا برائے تماشہ ہجوم کردہ بالائے کوٹھہ ہا و سقف ہا و عمارات و بنگلہ ہا و دکاکین بلکہ بالائے درختاں کہ در راستہ و بازار اند جمع شدہ بودند" (صفحہ ۱۳۹)۔ اس محبوب خلائق شہزادے کی دید کیسے یا غیررسمی الوداعی تقریب اس موقع پر صدہا نظرہائے منتظرہ دیدہ و دل فرش راہ کی ہوئی تھیں۔ "کثرت خلق اللہ از زن و مرد طفل و جواناں تا پیر صد سالہ و بچہ شیرخوار برائے دیدن سواری مرشد زادہ حاضر گشتند۔ تا ایں کہ مرشد زادہ موصوف سوار اسپ صبا رفتار معہ صاحبزادہ ہا و کارخانجات و ملازمان رکاب و تعلقداران و اہل خدمت بدبدبہ و شوکت تمام قدم رنجہ فرمودند۔"

عوامی پذیرائی اور مقبولیت کے اس منظر نے ہمارے جدید محققین مولانا نصیرالدین ہاشمی اور ڈاکٹر ثمینہ شوکت کو کافی متاثر کیا۔ اول الذکر اسکالر کے معتقدانہ اظہارات ان کے دو جائزوں سے اقتباس کیے جا رہے ہیں۔ مولانا نصیرالدین ہاشمی نے مقالہ "ساقی" میں تحریر کیا ہے: "دوسری مرتبہ ۱۸۳۰ میں جب بعض انگریزی سیاسی امور کے باعث مبارزالدولہ کو نظربند کیا گیا تو حیدرآبادی پبلک کو بڑا رنج ہوا اور لوگوں نے ہزاروں کی تعداد میں راستوں پر گھروں کی چھتوں پر حتیٰ کہ درختوں پر چڑھ کر ان کی سواری دیکھی اور آنسو بہاتے رہے جن میں مرد' عورت' بوڑھے' جوان اور بچے شامل تھے۔" (صفحہ ۲۱-۲۲) مقالہ "صبا" میں اس منظر کے

Marfat.com

حوالے سے مولانا نصیرالدین ہاشمی نے ارشاد کیا "حیدرآباد کے عوام مبارزالدولہ کو بہت عزیز رکھتے تھے انھوں نے مبارزالدولہ کی نظربندی کے واقعہ کو افسوس سے سنا تھا اور انکی سواری دیکھنے کیلئے انکی دیوڑھی کوٹلہ عالی جاہ سے قلعہ گول کنڈہ تک راستوں پر دو طرفہ اور گھروں کی چھتوں پر حتیٰ کہ درختوں پر چڑھ گئے تھے اور بچے' جوان' بوڑھے' عورت' مرد سبھی باچشم گریاں انکی سواری کو دیکھتے رہے۔" (صفحہ ۸۲)

مبارزالدولہ چونکہ مرحوم نظام کے فرزند اور نظام وقت کے سگے بھائی تھے اور ثانی الذکر اپنے قلبی تعلق کی بناء پر ان کے تئیں بڑے خیرخواہانہ جذبات رکھتے تھے اس لئے رزیڈنٹ بھی اپنی ساری شرارت اور مداخلت کے باوجود مبارزالدولہ کو باقاعدہ جسمانی طور پر گرفتار کروانے کا تصور تک نہ کرسکتا تھا۔ مبارزالدولہ نے بڑے بھائی کے اس حکم کی "طوعاً" و کرہاً" سہی تعمیل بہرحال کی کہ گول کنڈہ منتقل ہوجائیں اور معلوم کوائف سے ظاہر ہے کہ جسمانی حراست کی نوبت نہ آئی۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ ایک شاندار انداز میں یعنی افراد خانہ کے علاوہ حشم و خدم کے جلوس میں محل سے نمودار ہوئے اور آزادانہ اس قید یا نظربندی کے لئے روانہ سفر ہوئے۔ آج ہم صرف تصور ہی کرسکتے ہیں کہ مبارزالدولہ کے اعزاز میں اس روز کتنا زبردست عوامی جوش و خروش موجزن تھا اور اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے ہجوم کے سامنے مبارزالدولہ کتنی وجاہت و تمکنت کے ساتھ رونما ہوئے' ایک نگاہ غلط انداز سے مشتاقان دید کی طرف دیکھا اور اپنی سواری کے گھوڑے کو ایڑ لگا کر سرپٹ دوڑاتے ہوئے منزل کی جانب روانہ ہوگئے جس کے راستے کے دونوں اطراف عوام جوق در جوق جمع تھے۔ قدم قدم پر یہ زبردست انسانی مجمع صرف دیدار کا ہی مشتاق نہ تھا بلکہ مبارزالدولہ کی اس جرات پر وارفتہ ہوکر خواہ وہ آج کسی درجے کی قرار پائے مبارزالدولہ کو وداعی خراج پیش کرنے کے لئے موجود تھا۔ آصف جاہی شہزادگان والا شان کے من جملہ مبارزالدولہ کو پیش کیا جانے والا یہ غیررسمی نوعیت کا عوامی استقبالیہ ایک تاریخی امتیاز کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ نہیں معلوم کتنے لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے اور کتنے دل گرفتگان نالہ و فغاں کے بجائے ضبط گریہ کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ مبارزالدولہ کا عوام کے مضطرب و پرجوش مجمعوں کو دیکھ کر گھوڑے کو مہمیز دینے کا انداز اس صدیوں پرانے تاریخی واقعے کی یاد دلاتا ہے جس میں رودکی کا ممدوح غالباً طویل جنگوں کے باعث وطن سے دوری پر رودکی سے اس

Marfat.com

کے مشہور قصیدے کا یہ شعر سنتے ہی کہ

شاہ ماہ است و خراساں آسماں ماہ روئے آسماں آید ہمی

اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر خراساں کی سمت سرپٹ روانہ ہو جاتا ہے۔

مبارز الدولہ کی اس روز کی روانگی قلعہ کے انداز میں دل ربائی کے پہلو سے تو شاید ہی کسی کافر کو انکار ہو گا لیکن یہ سوچنا بھی صریحاً "خوش فہمانہ اور بر خود غلط ہو گا کہ مبارز الدولہ اس وقت "کس شان سے وہ آج پئے امتحاں چلے" کی تصویر بنے ہوئے ہوں گے۔ امتحان سے تو انھوں نے خود کو اس خاص موقع پر بچالیا تھا جو ان کی بڑی ناکامی ہی تھی۔ خیر' اپنے جلوس کے ہمراہ مبارز الدولہ "گلزار آصفیہ" کی اطلاع کی رو سے "قریب سہ پہر داخل موتی محل قلعہ محمد نگر گول کنڈہ شدند" (صفحہ ۱۴۰)۔

شاہی محل میں کہرام اور والدہ کی قلعہ کو روانگی

گول کنڈہ کو مبارز الدولہ کی منتقلی نے نظام کے محل میں سوگواری اور غم و یاس کی دبیز فضاء پیدا کر دی جس کی لپیٹ میں دونوں بھائیوں کی والدہ کا آنا تو فطری امر تھا لیکن خود نظام ناصر الدولہ بھی قدرتاً "اس سے متاثر ہوئے' چنانچہ انھوں نے بھی رات آنکھوں میں کاٹی۔ یہاں یہ ذہن نشین رکھا جا سکتا ہے کہ نظام کی اس قلبی تشویش اور اضطرابی کیفیت کے عوامل سیاسی سے بدرجہا زیادہ ذاتی تھے' یعنی مبارز الدولہ کے تئیں ناصر الدولہ کے برادرانہ و مشفقانہ محسوسات ہی ان کی مضطربانہ حالت کا اصل اور صحیح باعث تھے۔ مرحوم نظام سکندر جاہ کا محل ماتم کدہ بنا ہوا تھا حتیٰ کہ اس رات کسی نے کھانا نہیں کھایا' جبکہ عام شہریان حیدر آباد بھی اپنے اپنے گھروں میں غم و اندوہ کی اسی فضاء کی لپیٹ میں تھے۔

اندرون محل سے لے کر اندرون بلدہ تک کی ان ملی جلی سوگوار کیفیات کا نقشہ "گلزار آصفیہ" میں یوں کھینچا گیا ہے۔ "آں روز و آں شب بالائے خلقت بلدہ تحیر و تاسف گزشت کہ در حالت اضطرار خوابیدند۔ و جناب خداوند نعمت حضور پر نور را نیز مکروہی بخاطر مبارک ماند۔ و تمامی محلات حضرت غفران مآب و حضرت مغفرت منزل را بسیار ملال خاطر ہا گزشت کہ احدی در محل آں شب رغبت بطعام نہ نمودند" (صفحہ ۱۴۰)۔ محل شاہی میں جو کہرام بپا ہوا ناصر الدولہ اور مبارز الدولہ کی والدہ کا اضطراب و تردد اس کا بڑا نمایاں پہلو تھا۔ وہ ۱۸۱۵ کی

Marfat.com

طرح اب کی بار بھی بیٹے کی اشک شوی اور تالیف قلب کی خاطر خود بھی قلعہ کو جانے بے چین ہو گئیں۔ ناصرالدولہ خود بھائی کی تکلیفوں اور اس پوری ہنگامہ آرائی کے خیال سے ناخوش و بیزار ہی نہیں سخت متردد تھے اور اپنی ہر طرح کی بے بسی ولاچاری کی مجسم تصویر بنے ہوئے تھے۔ نظام اپنے بھائی کی حرکتوں سے اور پھر گول کنڈہ منتقلی سے تشویش میں مبتلا نہ ہوتے تب بھی ان حالات میں بھائی کے پیچھے پیچھے ان کی دل جوئی کی غرض سے اپنی والدہ کو قلعہ جانے سے روکنا ان کے بس میں کہاں ہوتا۔

چنانچہ "بروز چہارم جناب حضرت فضیلت النساء بیگم صاحبہ والدۂ ماجدۂ مرشد زادہ موصوف و حضور پرنور برائے استمالت و اطمینان خاطر فرزند خویش داخل قلعہ مسطور شدند" (صفحہ ۱۴۰)۔ یہ ۲۳ر اپریل ۱۸۳۰ جمعہ کا دن تھا۔ اس روز اس تاریخ کے مصنف نے بھی فضیلت النساء بیگم کی ہمراہی میں بقول خود سعادت رکاب داری حاصل کی۔ "چناں چہ بروز سواری بیگم صاحبہ ممدوحہ عاصی مولف اوراق نیز ہم راہ رکاب سعادت حاضر بود' ازراہ غلام پروری شریک انعام ساختہ دو مہر سکہ حالی مرحمت فرمودند" (ایضا) یہ "سکہ حالی" ریاست حیدر آباد کے سرکاری روپے کا نام تھا جبکہ مابعد ادوار میں برطانوی ہند کا روپیہ بھی متوازی طور پر رائج ہوگیا اور "سکہ کلدار" کہلایا۔ والدۂ نظام کے دورۂ گول کنڈہ کی کوئی اور معلومات دستیاب نہ ہو سکی ہیں۔

۱۹ر اپریل ۱۸۳۰ کو مبارزالدولہ شہربدر ہو کر گول کنڈہ کے قلعے میں منتقل ہوئے تو اس کے بعد وہاں کی روزمرہ کی زندگی پر غالباً "کوئی خاص اثر نہیں پڑا اور معمولاً" کاروبار حیات جاری رہا۔ ناصرالدولہ نے "سیر و طیر" کی جو پیشکش کی تھی وہ کاغذی یا لفظی نہ تھی کیونکہ قلعہ کا اپنا احاطہ بجائے خود ایک شہر کے برابر تھا جو قطب شاہی دور کے آخری حکمراں ابوالحسن تانا شاہ کے عہد تک اس خانوادے کا پایۂ تخت رہ چکا تھا۔ باقاعدہ سیرگاہ اور شکارگاہ نیز بیویوں' بچوں اور ملازمین سبھی کچھ کی موجودگی میں ظاہر ہے ایک شہزادے کے معمولات و مشاغل کا تصور ممکن ہے۔ تاہم دو سال سے کم مدت میں مبارزالدولہ نے اپنے ہمراہ مقیم کثیر نفری سے فائدہ اٹھا کر اندرون قلعہ ہی ایک اور محاذ پر طبع آزمائی کی۔ اس موقع پر ان کی طبیعت نے زور کیا تو سرکاری خزانے پر تصرف کی بھرپور جدوجہد کر ڈالی۔ ریاست کا یہ قدیم خزانہ قلعے میں محفوظ تھا اور ایک کروڑ کی مالیت کا تھا۔ اس واقعے کی تفصیل اس کے ازالہ

Marfat.com

کے لئے متعینہ کرنل میڈوز ٹیلر کی آپ بیتی سے ملتی ہے اور جزیات دوسرے ذریعوں سے۔ مبارزالدولہ کی یہ جسارت بھی پوری بے خوفی اور منظم کوشش کے ساتھ ظہور میں آئی مگر یہاں بھی ناکامی اس محدود مقاصد کی حامل کاروائی کا مقدر ہوئی۔ رزیڈنٹ یا کمپنی کی حکومت کا یہاں کسی طور بھی مفادات کا بالراست یا بھرپور ٹکراؤ نہیں تھا پھر بھی اس نے نظام ناصرالدولہ کی انتظامیہ کے ساتھ "دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست در پریشاں حالی و درماندگی" کا رویہ اختیار کرکے اپنی عملی ہمدردی کا وافر ثبوت بہم پہنچایا۔ خود اس نے اپنی مصلحتوں کے تحت یہ دوہرا فائدہ حاصل کرلیا کہ حکومت وقت کو فوجی امداد کا سہارا مہیا کیا اور ریاستی نزاعات میں مداخلت و بالادستی کا یہ موقع ضائع نہ ہونے دیا۔

قلعہ کے سرکاری خزانے پر قبضے کی کوشش

کرنل ٹیلر کا یہ تاثر آج چاہے جتنا بھی جانبدارانہ بلکہ متعصبانہ سمجھا جائے اس کی واقعاتی اساس کچھ نہ کچھ ضرور ہے جبکہ اس کے مشاہدے کی تاریخی حیثیت سے انکار غیر ممکن ہے' بقول اس کے سرکاری سطح پر چند خاص عوامل نظرانداز ہونے سے یہ واقعہ ہوا۔

"Mubarizud Dowla however could not rest content, and the minister had overlooked the fact that in his personal retainers he possessed the means of doing much mischief" (P.75)

جیسا کہ ابتدا" اشارہ کیا جاچکا ہے مبارزالدولہ نے اپنے مستقل شاہی جیب خرچ کی عدم وصولی کو بنیاد بنا کر شورشوں کا سلسلہ چھیڑا تھا۔ یہ تو نہیں کھل سکا کہ آیا گرفتاری سے قبل کوئی ادائیگی ہوئی البتہ یہ پتہ چلتا ہے کہ قلعے میں کچھ عرصہ انہیں تنخواہ ملتی رہی اور پھر تعطل میں پڑگئی۔ مبارزالدولہ نے اسی دوران گول کنڈہ میں مخزونہ سرکاری روپے کی شہر کو منتقلی میں مزاحم ہونے کا ارادہ کیا' چنانچہ "تاریخ خورشید جاہی" کی روایت میں ہے کہ "ایام اقامت میں وہاں کے اوائل میں چند عرصہ تک تنخواہ ماہ بماہ پہنچی گئی' من بعد کچھ چڑھ گئی تھی۔ اس اثناء میں طلب خزانہ کی ہوئی اور جمیعت سرکاری صرف خاص واسطے حفاظت راہ کے متعین۔ وہاں مفسدوں نے آپ کو سمجھایا کہ خزانہ لے جانے دینا مناسب نہیں اگر خزانہ روانہ ہوا تو آپ پر قید شدید ہوگا اور تنخواہ موقوف" (صفحہ ۲۵۱)۔ تاہم اس مزاحمت کے آغاز

Marfat.com

یا وقوع کی صحیح تاریخ متعین کرنا اب شاید ہی ممکن ہو۔

ٹیلر نے تدارکی کاروائی کے لئے اپنی روانگی کی تاریخ ۲ر جنوری ۱۸۳۱ درج کی ہے اور عین قبل کے واقعاتی سلسلے کا اجمالی تذکرہ بھی کیا ہے جس سے یہ قیاس غالب ہے کہ مبارزالدولہ نے دسمبر ۱۸۳۰ میں مزاحمتی کوشش کی ہوگی۔ نظام نے شورش عروب افاغنہ کے سرپرست یعنی اپنے بھائی کو تو نظربند کردیا مگر معلوم ہوتا ہے کہ مبارزالدولہ کے حواریوں یا ان کی بڑی تعداد کو محبوس نہیں کیا اور انھیں بدستور آزادی حاصل رہی۔ اس پر مستزاد یہ رعایت بھی برتی کہ مبارزالدولہ کے بہت سے آدمیوں کو ان کی معیت میں قلعے میں جانے سے روکنے کا کوئی حکم بھی نہیں دیا تھا۔ اتنی نفری کے ہوتے ہوئے بھی مبارزالدولہ نے خزانے کو قبضے میں لینے کے فوری منصوبے کے تحت بہت سارے آدمی شہر کے علاقوں سے بلوا کر کثیر تعداد میں افرادی قوت اندرون قلعہ مجتمع کرلی اور یہ نئی جمعیت ان کے ساتھیوں کے اسی مشورے پر اکٹھی کی گئی جو "تاریخ خورشید جاہی" کے مطابق خزانے کی قلعے سے منتقلی میں سدراہ ہونا چاہتے تھے۔ "نگہداشت بدمعاشوں اندرون قلعہ اور لنگرحوض اور درگاہ حسین شاہ ولی وامجد آباد کی ہوئی۔ ایسے پانچ ہزار آدمی ملازم ہوئے ہوں گے۔ بھروسہ پر ایسی ناکارہ سپاہ کے مانع خزانہ ہوئے اور توپیں ناکوں پر اندرون قلعہ کے نصب کردیں۔" (صفحہ ۲۵۱) اس کی تاریخ ٹیلر کے بیان سے بھی سامنے نہیں آتی ہے۔

"The treasury at the fort of Golconda is one of the most ancient in the State, and at this time contained 100 lakhs, or a million sterling; and the Nizam, wishing to remove some of the money, sent his treasurer, with a small guard for the purpose" (P.76)

سرکاری خزانچی کا وہ دستہ عام رواج کے مطابق رسمی سا تھا بلکہ برائے نام اور صرف حفاظتی قسم کا نہ کہ دفاعی۔ جبکہ مبارزالدولہ اندرون قلعہ پوری طرح تیار تھے، انھوں نے ان لوگوں کو قلعے میں داخل ہونے سے روک دیا اور بقول ٹیلر۔

"Mubarizud Dowla refused admittance, and the others being too weak to fight, placed a guard at the entrance" (P.176)

مبارزالدولہ نے قلعے کی حالت قید میں ہی بیٹھے بیٹھے جو تیاریاں کرڈالی تھیں یعنی اطراف شہر

Marfat.com

سے آدمی بھرتی کر لیے اور توپوں کو تنک نصب کروا دیا تو ان کے وسیع دفاعی انتظامات کا حال جان کر نظام نے کہلوایا کہ وہ ان حرکتوں سے باز رہیں مگر مبارزالدولہ نے ٹکا سا جواب دے دیا۔ "اول روز چوبدار طرف سے حضور کے آیا اور ایسا کہا کہ دعا ارشاد کی ہے اور ایسا فرماتے ہیں کہ ہم نے خزانہ طلب کیا ہے روکو نہیں" (صفحہ ۴۵۱)۔ مورخ "خورشید جاہی" نے اسی مقام پر مبارزالدولہ کا جواب بھی نقل کیا ہے۔ "آپ جواب بالمشافہ ایسا دیے کہ جب تک بندوبست ہماری ماہوار کا نہ ہوگا خزانہ روانہ نہ ہوگا" (ایضاً)۔ ظاہر ہے کہ اس خبر وحشت اثر نے دارالحکومت کے سرکاری حلقوں میں سنسنی پھیلادی اور ایک کھلبلی سی مچ گئی جیسا کہ ٹیلر کا مشاہدہ ہے۔

"There was great consternation at Hyderabad" (P.76)

غالباً "فوری طور پر فوجی قسم کے اقدامات کا فیصلہ ہوا اور ازاں بعد مذاکرات کا بھی جیسا کہ ٹیلر کی روایات ہیں۔

"Five thousand Arabs, Rohillas, Sikhs and other foreign levies, including some of the French "lines" were marched out to Golconda and took up a position in the other ence inte"---- (IBID)

مگر یہ سرکاری جمعیت بھی مبارزالدولہ کو مرعوب کرنے میں کامیاب ہونا درکنار ان سے فوری متاثر ہونے لگی چنانچہ متصل مشاہدہ ہے کہ:

"But they made no impression on the prince, and indeed were supposed to be well affected towards him" (IBID).

نظام نے اس مرحلے پر راست قدم اٹھانے پر گفت و شنید کے ذریعے مصالحت کو ترجیح دی اور مفاہمتی پیغامات یا بات چیت کی ناکامی کے بعد ہی حکومت نے رزیڈنٹ سے مدد طلب کی۔ یہ اس مہم کے ایک کماندار کرنل میڈوز ٹیلر کا اپنا بیان ہے لیکن اس کے کہنے کے قطع نظر یہ شبہ سرے سے خارج از امکان نہیں کہ صورت حال سے فائدہ اٹھانے بلکہ ہر طرح سے اس کے استحصال کی نیت سے خود کمپنی کی حکومت کے صاحب رزیڈنٹ بہادر کی اپنی رگ شرارت ہی

Marfat.com

بھڑکی ہو اور دست اندازی و مداخلت کاری کے اس سنہری موقع کو وہ کس طرح گنوا سکتے تھے۔
ٹیلر نے مفاہمت و مذاکرات کی کوششوں پر روشنی نہیں ڈالی ہے اور فوجی کارروائی کی تفصیل لکھی ہے۔

"After days of useless negotiations the minister, on the part of the Nizam, requeseted the assistance of the Bolarum Contingent; so we all marched out on the 6th January 1831, and encamped opposite the north or Delhi Gate, on the plain on which stand the noble mausoleums of the Kootub Shahi Kings" (P. 76)

تاہم یہ لوگ وہاں پہنچے تو مبارزالدولہ کی خانگی سپاہ اور نظام کی سرکاری فوج یک جان دو قالب ہو چکی تھیں۔

"It was an obscure state of affairs. The interior was held by the rebel prince, the outer ence inte by the Nizam's levies, who also treated us as enemies, not only refusing to allow us to enter, but threatening to fire on us, and training the fort guns on the wall so as to command our camp" (P.76-77)

مبارزالدولہ کی عملی اعانت کا رویہ اختیار کرتے ہوئے نظام کی سپاہ نے اپنی مشقوں کے دوران ٹیلر سے بھی رو رعایت نہیں روا رکھی اور وہ بال بال بچا:

"I rode to the edge of the counter - scrap one morning, but was warned off. However, I managed to have a look at the ditch, and saw that it was wide and deep, and by dint of exchanging good-humoured "chaf" with the men, escaped unharmed" (P.77)

رزیڈنٹ کی افواج کی مدد سے خزانہ کی منتقلی

اس مہم کو سر کرنے میں دو علیحدہ ذرائع کے بموجب دو الگ الگ فوجوں نے حصہ لیا لیکن

Marfat.com

عجیب تر یہ کہ دونوں ہی مصادر میں دوسری فوج کی جانب سے اس خدمت کی انجام دہی میں شرکت کا مذکور کیا حوالہ تک معدوم ہے۔ منقولہ بالا کلمات کے ہی تسلسل میں ٹیلر ۱۵ار فروری ۱۸۳۱ کے حوالے سے راوئی ہے کہ اس نے برنائے احکام یہ مہم شروع کی مگر روزنامچہ حیدر آباد کے مطابق اس سے تین روز پہلے ہی ایک اور انگریز کمان دار کی سپاہ کو اس کام پر مامور کیا گیا۔ ٹیلر کی متصلہ عبارات یہ ہیں۔

"We remained inactive until the 15th February, when we were suddenly ordered into the fort, and the Nizam's troops at the same time ordered to leave it. We took up a position not far from the prince's palace, between it and the treasury, and pickets were immediately posted. I held the advanced pickets with two guns and four companies. I had my guns loaded with a double charge of grape each, and as the prince's men were watching us very closely they must have seen that we were in earnest" (P.77)

ٹیلر کا کہنا ہے کہ اس طرح قلعے میں اپنی مسلح سپاہ کے ہمراہ داخل ہو کر اس نے خزانے کی منتقلی کا کام شروع کردیا۔

"The Nizam's people began removing the treasure, but it was slow work, and for four days and nights I had not even time to change my clothes; the weather too was very hot" (IBID)

اس طرح مبارزالدولہ کے آدمیوں کا مزاحمتی عمل توڑ کر قلعہ گول کنڈہ کا قدیم ریاستی خزانہ ۱۹ار یا پھر ۲۰ر ۲ر ۱۸۳۱ کو ٹیلر کی فوج نے شہر منتقل کروایا' لیکن جیسا کہ "کرانالوجی" کے حوالے سے اشارہ کیا گیا دوسرے کمان دار کی نگرانی میں یہ کام اس سے ذرا قبل ہوا اور ہمارے ان دونوں ہی ذرائع میں ایک دوسرے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ کرنل میڈوز ٹیلر کی آپ بیتی کی سی مفصل کیفیتوں کے بجائے روزنامچہ حیدر آباد سے صرف مختصرات زیر اکتساب ہیں۔

"1831, 12th February Saturday. Mr. Hare is especially

Marfat.com

deputed to escort the treasury" (P.198)

"13th February Sunday. The treasury is removed to the Daulat Khana palace" (IBID)

منتقلی خزانہ کے اس عمل کی حد تک بیانات میں یہ اختلاف کچھ کم اہم تو نہیں ہے مگر یہ کوئی عقدۂ لاینحل بھی نہیں ہے۔ بات اصل میں یہ رہی ہوگی کہ ۶ر جنوری ۱۸۳۱ کو بقول ٹیلر اس کے دستے کی تعیناتی کے بعد حالات کے تحت کپتان ہیر کا بھی دستہ رزیڈنٹ نے اس مہم کی کمک کے طور پر بھجوایا اور وہ بھی اس عمل میں شامل ہوگیا۔ ٹیلر نے شاید فرق مراتب بلکہ حفظ مراتب کے تصور یا مفروضہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کم تر درجے کے افسر کی قیادت میں وارد دستے کی آمد اور مدد کو بالکل ہی نظرانداز کردینا ضروری سمجھا' مگر اس سے استفادے کی وجہ سے حیدر آباد کرانالوجی کے اندراجات کو یہاں صرف نگہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ یہ روزنامچہ بیشتر نہیں تمام تر سرکاری امسلہ و کاغذات سے ماخوذ ہے جس میں جمع کی ہوئی اطلاعیں خواہ کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہوں'ان کی قدر و قیمت اور تاریخی اہمیت سے انکار ہرگز ممکن نہیں ہے۔ اس کاروائی کے تعلق سے حیران کن امر یہی ہے کہ ٹیلر نے اور دیگر معلومات کی طرح ان اضافوں کو بھی قطعاً" قلم انداز کردیا۔ "دی اسٹوری آف مائی لائف" کو ادبی حلقوں میں آپ بیتی اور جگ بیتی کے امتزاج کے طور پر حقائق کا مرقع سمجھا جاتا ہے لیکن اس تصویر کا دوسرا رخ یہی ہے کہ اس کی وقایع نویسی تاریخی سطح پر ایسی خامیوں سے مبرا نہیں ہے جو میڈوز ٹیلر کے عصری مشاہدات کو ہی سوال طلب بنا دیتی ہیں۔ کم از کم بعض مواقع پر سہی اس کی روایات یا ان کی نوعیتیں اشتباہ سے بالاتر نہیں ثابت ہوتی ہیں اور اس کے باوجود تاریخی منابع کی کم یابی اور دستیاب وسائل میں معلومات کی کمی کے باعث کرنل ٹیلر کی فراہم کی ہوئی اطلاعوں پر انحصار و اعتبار کے بغیر چارۂ کار بھی نہیں۔

چنانچہ ٹیلر کا ہی بیان ہے کہ عین منتقلی خزانہ کے مرحلے کے دوران بھی مبارزالدولہ اپنے مزاحمتی عمل سے باز نہیں آئے اور ان کے آدمیوں کے من جملہ چاوشوں کے حملہ آور ہونے کا خدشہ رہا کرتا تھا۔

"I believe mine was the post of honour, as it would have been of danger, had any fighting occurred. But it was annoying to be kept there

Marfat.com

perpetually on the stretch, with constant alarms that the Arabs were coming to attack us, and with the sound of their peculiar drum and their war songs constantly in our ears" (IBID).

اس کے بعد مبارزالدولہ نے اپنے کثیر تعداد میں موجود حواریوں سے قلعے کو خالی کرانے پر آمادگی ظاہر کردی تھی لیکن

"I was not sorry when on the fifth morning one of the staff rode up and told me I might withdraw my men, for the prince had agreed to send away his levies and keep only his immediate retainers. The force was to return to cantonments, but the request of the Nizam was complied with that six companies should remain in charge of the fort, and I was appointed to take command. I was to see that no levies joined the prince---" (P.77-78)

کرنل ٹیلر کے ذریعے مبارزالدولہ کا اظہار اضطراب

رزیڈنٹ نے ٹیلر کو بقول خود اپنے اور مبارزالدولہ کے درمیان بذریعہ ترجمانی نمائندگی کی بھی اضافی ذمہ داری تفویض کی اور اس خصوص میں ضروری ہدایات کرنل کو خود بالمشافہ دیں۔ ٹیلر نے یہ گفتگو اقتباس کی ہے۔

" __and I was to be the medium of communication between the prince and the resident. "You can read Persian", the resident said to me as he gave me my orders, "and you are to open and read all letters the prince sends you, whether to the Nizam, the minister, or me; what he had hitherto written are so insolent in tone that if the others are like them you need not forward them. If you can make up this quarrel between the

Marfat.com

brothers, do so, and I shall be obliged to you; but on no account make it worse." So I remained at may post, and for a few days no notice was taken" (P.78)

کمپنی کی حکومت کے صاحب رزیڈنٹ بہادر کے فرمودات بطور خاص ملاحظہ کیے جائیں کیونکہ موصوف کے ان چند کلمات سے ان سارے شکوک کی توثیق ہوجاتی ہے جو اس بذات خود متوازی حکمران کی ہر طرح کی مداخلتوں اور ریاستی امور میں استحصالی کوششوں سے متعلق اوراق ہذا میں موقع بہ موقع ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ نظام وقت کے لئے اپنے بزرگوں کے جرم ضعیفی کی سزا کی صورت گری ایسی ہی مرگ مفاجات کے طور پر کئی ایک مواقع پر ہوئی لیکن کم از کم اپنے بھائی کے معاملات و مسائل کی حد تک جن کے حل کے لئے وہ رزیڈنٹ کے استحصال کے آگے خود کو مجبور و بے بس پاتے رہے انھوں نے جب بھی آزادی محسوس کی اپنے اختیارات سے پورا پورا فائدہ بھی اٹھایا۔ ایسے موقعوں پر کسی رزیڈنٹ کی پیش نہ چلی۔

ٹیلر کے متصلہ بیانات سے جاریہ صورت حال کے دو پہلو سامنے آتے ہیں۔ ایک مبارزالدولہ کی طرف سے اپنی رہائی کے لئے مضطربانہ انداز میں مراسلت کے زور پر کوششوں سے متعلق ہے جو ان کی طبعی کمزوری بلکہ علوے ہمت اور عالی ظرفی دونوں کے فقدان کا عکس ہے۔ دوسرا رخ جو ٹیلر نے منکشف کیا ہے اس کی اپنی اور رزیڈنٹ کی شاطرانہ چال بازیوں کو بے نقاب کرتا ہے اور کمپنی کی حکومت کے نمائندوں کی عیارانہ سازشوں کی ہلکی سے جھلک دکھاتا ہے۔ ٹیلر مبارزالدولہ کی مکتوب نگاری کی ارتقائی صورتحال پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے مراحل کے بارے میں راوی ہے۔

"I sent for my boat and used to sail about on the fine tank and see the prince spying at me through a telescope. At length his moonshee came out, and I offered him a sale one evening. In return, dishes arrived for breakfast and dinner, delightfully cooked; and I reported this friendly intercourse to the resident" (IBID)

اس کے ساتھ ہی مبارزالدولہ کے خطوط کا سلسلہ شروع ہوگیا جن کو ٹیلر نے آگے ترسیل کے

Marfat.com

قابل نہیں گردانا۔

"At last letters were sent-- one to the resident, another to the Nizam; very violent in tone, which I returned (P.79)

اب مبارزالدولہ نے روز ہی مکتوب ارسال کرنا شروع کیے جو بتدریج اچھے اور صحت مند لہجے میں آرہے تھے مگر ٹیلر اور رزیڈنٹ کی نیتوں میں فتور تھا جس کے ثبوت پر ثبوت خود کرنل ٹیلر ہی تاریخ کے حوالے کرگیا ہے اور جس کے بھونڈے پن کا تصور فرمایئے۔

"Others followed daily for more than a fortnight, gradually improving in tone, but not right yet. "You have hooked your fish, Taylor" said the resident, laughing, "but he is too strong to land yet: I will not help you or interfere at all' and I was very glad he did not" (IBID)

ان لوگوں کی ایسی حرکتوں کے نتیجے میں مبارزالدولہ کو چاروناچار صلح جویانہ رویہ اختیار کرنا پڑا کہ وہ مجبور تھے۔

"By and by my friend grew sulky, but this did not last long; and one evening the moonshee arrived with some extra good dishes for me and food for the whole detachment. "Would I be pleased to draft a letter that would satisfy all parties --his honour was in my hands"; this was the message delivered by the moonshee" (IBID)

اس رابطے کے بعد ٹیلر نے مبارزالدولہ کے لئے ایک مسودہ تیار تو کردیا لیکن وہ ان کی خاصی برافروختگی کا سبب ہوا۔ اس پر دونوں فریقوں میں رسہ کشی ہوتی رہی اور مبارزالدولہ نے انجام کار سرِتسلیم خم کر ہی دیا۔ مبارزالدولہ کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار بھی نہیں تھا کیونکہ وہ بیک وقت دوہری قید میں تھے اور ٹیلر کی زبردستیوں کے آگے زیردست سی حیثیت رکھتے تھے۔

"I did draft a letter, and the prince flew

Marfat.com

into a violent rage over it, and abused me for having so small an idea of his dignity. He wrangled over it for a week, and he ended by placing his case unreservedly in my hands, and writing what I directed. I made the draft in English so as to be sure of my meaning, and it was afterwards translated by me into Urdu with my own hand, to assure the prince that it was reallv mine. The letters were brought to me the next afternoon; and as the moonshee and I sailed about the prince waved a white flag by way of salute, which we answered from the "Zeera" with twelve shots from her little pieces" (IBID)

والدۂ ناصر الدولہ و مبارز الدولہ کے اثرات سے رہائی

کرنل میڈوز ٹیلر کی زیر اقتباس حکایت کی رو سے مبارز الدولہ نے جب غیر مشروط طور پر اس کے اردو مسودے کے عین مطابق مکاتیب تحریر کروا کے اس کے وسیلے سے گزرانے تو مبارز الدولہ کی رہائی کے امکانات روشن ہوگئے۔ جدید محقق ڈاکٹر ثمینہ شوکت نے اس بارۂ خاص میں وزیر اعظم مہاراجہ چندو لعل کی کوششوں کا ذکر کیا ہے تاہم تاریخی سند کے لحاظ سے اس کا امکان موہوم سا ہے۔ تیسری طرف ناصر الدولہ نظام وقت اور مبارز الدولہ کی والدہ کا اس غرض سے نظام پر رسوخ استعمال کرنا ثابت ہے۔ اسی واقعے کو ٹیلر کی طرف سے رہائی کا سہرا اپنے سر باندھنے کی کوشش پر یقیناً" ترجیح دینی پڑی گی کیونکہ خود ٹیلر بھی دونوں بھائیوں کی والدہ کے اپنے اثرات استعمال کرنے کا ذکر کرتا ہے۔ رہائی سے متعلقہ روایات بھی زیر اکتساب مصادر میں اختلافی بیانوں سے خالی نہیں ہیں تاہم مختلف النوع معلومات سے ہی یہ مجموعی منظر ترتیب پاتا ہے جس کی جزئیات پر نگاہ بھی دلچسپی کی موجب رہے گی۔

محمد امام خاں نے شورش خزانہ کے محولہ گذشتہ ذکر کے بعد "خورشید جاہی" میں اس کی قید سے برات کی روداد اس طرح تحریر کی ہے۔ "پھر بعد عرصہ چند کے چاندنی بیگم صاحبہ نے

Marfat.com

حیلے سے دیکھنے جاکر وہیں طرح اقامت کی ڈالی۔ متعاقب اس کے انہی ایام میں حضور رونق افزائے آصف نگر ہوئے' والدۂ ماجدہ کو یاد فرمایا۔ چاندنی بیگم صاحبہ آئیں اور مابین کلمہ و کلام ذکر مبارزالدولہ کا آیا۔ بیگم صاحبہ نے کہا کہ چھوٹے صاحب نے ایک ہاتی کو ایسا شایستہ کیا ہے کہ حرکات بنی آدم کے اوس سے ظہور میں آتے ہیں۔ حضور بولے ہم اگر دیکھنے کو طلب کریں؟ بیگم صاحبہ نے کہا کیوں نہیں میں منگواتی ہوں۔ پس حضور مراجعت فرماکر داخل بلدہ ہوئے اور بیگم صاحبہ روانہ قلعہ۔ من بعد جب بیگم صاحبہ کی یہاں سے طلب ہوئی اور وے چلنے کو تیار مبارزالدولہ بہادر روبرو آبیٹھے اور کہا اگر آپ تشریف لے گئیں تو بس میں یہیں رہا مجھے بھی ہمراہ لے کر چلیئے۔ حضور نے عفو جرم کرکے بلوالیا" (صفحہ ۴۵۲)۔

سکندر جاہ کی بیگم کی بغرض رہائی آخری آمد کا ذکر ٹیلر نے ذرا مختلف انداز میں کیا ہے۔ خطوط رسانی کے فریضے کی ادائیگی کا تذکرہ لکھتے ہوئے کرنل ٹیلر نے یہ حکایت کی ہے کہ

"I took the letters next morning to the residency. That to the Nizam was forwarded at once, and was pronounced satisfactory. He would send his mother directly to Golconda with his assurances and would make proper arrangements for his brother's return" (P.79)

مگر متصل سطور میں ٹیلر نے دونوں بھائیوں کی والدہ کی قلعہ آمد کا حوالہ کچھ اس طریقے سے تحریر کیا ہے گویا وہ وہاں پہلی بار وارد ہوسکی ہوں اور وہ بھی ٹیلر کی کوشش کے بارور ہونے کے طور پر جو اس نے مبارزالدولہ کا متعلقہ مکتوب موسومہ نظام تیار کرنے اور پہنچانے کے لئے بخصوصیت کی۔ حقیقت یہی ہے کہ مبارزالدولہ کی قلعہ کو منتقلی کے فوری بعد کے علاوہ بھی سکندر جاہ کی بیگم اپنے اسیر بیٹے کی دل جوئی اور ظاہر ہے کہ خود اپنی بھی تسکین کی خاطر گول کنڈہ جایا کرتی تھیں۔ چنانچہ اندرون قلعہ کی خزانے پر تصرف کی کوشش والے واقعے کے ایک ماہ بعد کے حیدر آباد کرانالوجی کے اندراج کی رو سے۔

"1831. 26th March Saturday. As Mubarizud Dowla, brother of the Nizam, attempts to create a disturbance for his private grievances, he is kept under surveillance in the Golconda fort. The Nizam permits Chandni Begum entitled Fazilatunnisa Begum, The mother of Mubarizud

Marfat.com

Dowla to visit the Golconda fort, and stay there at her pleasure for the sake of her son" (P.198)

اس طرح ٹیلر کی خطوط رسانی کے بعد واپسی تک قلعے میں ناصرالدولہ و مبارزالدولہ کی والدہ کی آمد نہ تو پہلی بار ہوئی تھی اور نہ ہی اس کی مزعومہ خیرخواہی کے زیراثر تھی۔ فارسی مورخ نے بھی فضیلت النساء بیگم کی قلعے کو پہلی بار روانگی کے آنکھوں دیکھے حال کے ساتھ ہی خزانے پر قبضے کی واردات کو بالکلیہ قلم انداز کرکے مبارزالدولہ کی رہائی پر جو جملے اضافہ کیے ہیں ان میں سکندرجاہ کی بیگم کے عمل دخل کا ذکر موجود ہے۔ "تا قریب دو سال مرشد زادۂ موصوف ہمبریں منوال در قلعہ مذکور سکونت داشتند بعد ازاں بالطاف حضور پرنور و مساعی جمیلہ بیگم صاحبہ موصوفہ باز داخل دولت خانہ خود مرشد زادۂ مذبور گردیدند" (صفحہ ۱۴۰)۔ غرض مبارزالدولہ کے مکاتیب پہنچانے کے بعد ٹیلر کی قلعے میں آمد تک مبارزالدولہ کی والدہ بیٹے کی باعزت مراجعت کے اہتمام کے ساتھ وارد ہو چکی تھیں جس کا کریڈٹ ٹیلر خود لے رہا ہے۔

"When I returned to Golconda I found the old Begum Sahib had already arrived; and two female servants were sent to my tent to report that she and her son had fallen on each other's necks and wept much; and in a day or two Mubarizud Dowla was escorted to the city with all possible respect (P.79)

"کرانالوجی" کے اندراج کی رو سے یہ ۲۸ر اکتوبر ۱۸۳۱ جمعہ کا دن تھا جب مبارزالدولہ سرکاری احترام کے جلو میں قلعہ گول کنڈہ کی قید یا نظربندی سے رہا ہو کر عزت و تکریم کے ساتھ دارالحکومت میں اپنے محل کو واپس ہوئے۔

"1831/1247, 28th October, Friday. In the afternoon Nawab Mubrizud Dowla and Fakhrud Dowla arrive at the residence of Aalijah on an elephant seated in a red Amaari from the Golconda fort" (P. 202)

والدۂ ناصرالدولہ و مبارزالدولہ اور کرنل میڈوز ٹیلر کے علاوہ اس خصوص میں وزیراعظم مہاراجہ چندولعل شاہ شاداں کا نام بھی ایک جدید ذریعے سے سامنے آتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر ثمینہ شوکت نے مقالہ نوائے ادب میں .صفحہ ۲۳ پر یہ ادعا پیش کیا ہے کہ

Marfat.com

مبارزالدولہ کو شورش عروب و افاغنہ کی اسارت سے نجات دلانے میں مہاراجہ چندولعل کی اپنی مساعی کارفرما رہی جس کے صلے کے طور پر نظام نے اپنے جشن مسرت میں وزیراعظم کو انعام اور خطاب عطا کیا۔ زیر استفاضہ تواریخ سے لے کر جدید تحقیقات تک میں کہیں بھی وزیراعظم چندولعل کی کوششوں کا کوئی مذکور نہیں ملتا ہے۔ جبکہ پروفیسر صاحب موصوفہ کے اپنے ڈاکٹرل تھیسس میں یہی شخصیت موضوع خاص رہی ہے۔ نہیں عرض کیا جاسکتا کہ آیا انھوں نے مہاراجا چندولعل کے حق میں اپنے اس دعوے کا کوئی تاریخی ثبوت پیش کیا ہے یا اس سے رجوع فرمالیا ہے۔ غرضیکہ یہ بڑا موہوم خیال ہے۔

رہائی کی خوشی اور درباری جشن کا اہتمام

۲۸ر اکتوبر ۱۸۳۱ جمعہ کو جب مبارزالدولہ کی سواری کی گول کنڈہ سے شہر آمد آمد کی خبر حیدرآباد میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تو مبارزالدولہ کی قلعے کو منتقلی کے دن بقول صاحب "گلزار آصفیہ" .صفحہ ۱۴۰۔ "آں روز ہم کثرت خلایق از سابق زیادہ تر بودہ خوش وقتی ہا نمودند"۔ اس اجمال کی تفصیل مذکور نہیں ہوئی ہے اور تصور کی جاسکتی ہے تاہم مولانا نصیرالدین ہاشمی نے اس سمت اشارے کیے ہیں جن سے یہ مناظر تخیل میں آسکتے ہیں۔ مقالہ "صبا" میں ہاشمی صاحب نے رہائی کے اس موقع کے عوامی استقبال کا حوالہ ان لفظوں میں دیا ہے۔ "چند سال کے بعد جب مبارزالدولہ کو رہائی ملی تو اس وقت پہلے سے زیادہ خوشی اور مسرت کا اظہار کیا گیا ہے۔" (صفحہ ۸۳) "ساقی" کے مقالے میں مولانا نصیرالدین ہاشمی نے حیدرآبادی عوام کے اس خیرمقدمی جشن کی منظرکشی اس طرح کی۔ "چند سال کے بعد جب مبارزالدولہ نے رہائی پائی اور وہ قلعہ سے اپنے محل کو واپس ہوئے تو پبلک نے بہت زیادہ خوشی منائی۔ ان کے جلوس کو دیکھنے کیلئے پہلے سے بڑے مجمع نے مظاہرہ کیا تھا جس سے مبارزالدولہ کی ہردل عزیزی کا ثبوت ملتا ہے۔" (صفحہ ۲۳) البتہ مرحوم بزرگ نے اپنے ماخذ کی کوئی صراحت نہیں کی ہے ورگرنہ انکی مدد سے کچھ اور اطلاعات کا اضافہ ممکن ہوتا۔ ممکن ہے صرف قیاس سے ہی کام لیا ہو۔

حیدرآباد کے صرف عامتہ الناس نے ہی اپنے محبوب شہزادے کو وسیع پیمانے پر پذیرائی بخش کر خوشیاں نہیں منائیں بلکہ نظام حیدرآباد نے بھی اپنی بے پایاں مسرت کے اظہار کے

Marfat.com

لئے سالگرہ اور نوروز کے جشن منائے: "بعد ورود مبارزالدولہ بہادر شروع جشن سالگرہ حضور و نوروز جہاں افروز و جشن ہائے دیگر بوقوع آمد" (صفحہ ۱۴۰)۔ جشن کے موقع پر ناصرالدولہ نے روسائے شہر اور اعیان سلطنت کو خطابات نیز انعام و اکرام اور خلعتوں سے بھی نوازا جس کی تفصیل "گلزار آصفیہ" میں اسی مقام پر منقول ہوئی ہے اور جس کا یہاں اعادہ وجہ طوالت ہوگا۔ ڈاکٹر ثمینہ شوکت نے "نوائے ادب" کے مقالے میں تحریر کیا ہے کہ نظام نے اپنے بھائی کی رہائی کے معاملے میں وزیراعظم کی دلچسپی و اعانت کی بناء پر "اس موقع پر چندو لعل اور ان کے خاندانوں کو منصب اور خطابات سے سرفراز کیا" (صفحہ ۲۳)۔ یہاں یہ اضافہ مناسب حال ہوگا کہ نظام ناصرالدولہ کی جانب خاص سے مبارزالدولہ کی واپسی کو ایک زریں موقع بنا کر بڑے پیمانے پر اپنی خوشیوں کو اظہار بخشا ان کی برادرانہ شیفتگی کا نمونہ اور مشفقانہ احساسات کا آئینہ دار ہے۔ اس طور انھوں نے اپنی بے بسی کی کسر پوری کرلی۔

خود مبارزالدولہ نے اپنی برات کی خوشی کرنل میڈوز ٹیلر کے بقول اس ــــ ـان کا عملی شکرانہ ادا کر کے منائی۔ رہائی کے لئے مبارزالدولہ کے مضطربانہ انداز میں خواہاں و کوشاں رہنے کے سلسلے میں ٹیلر کو فواکہات لذیذ کے خوان ہائے نعمت سے وقتاً فوقتاً نوازنے کا ذکر ٹیلر کی سوانح سے حسب ضرورت اقتباس ہوا ہے۔ اس نے احساس تفاخر کے ساتھ آگے چل کر یہ بھی بتایا ہے کہ مبارزالدولہ نے واپسی کے بعد جذبہ احسان مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اس محسن کو گراں قدر تحائف ارسال کیے۔ قریبی عرصے میں حیدرآباد میں واقع انگریزوں کے ایک بڑے تجارتی ادارے ولیم پامر اینڈ کمپنی کے ایک اہم رکن کی لڑکی مس پامر سے ٹیلر کی شادی ہونے والی تھی۔ ٹیلر راوی ہے کہ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر مبارزالدولہ نے اس کی ہونے والی بیوی کے لئے بیش قیمت تحفے روانہ ہی نہیں کئے بلکہ بقول اس کے ان سوغاتوں کو شرف قبول بخشنے کی گزارش بھی کی۔ ریاست اور چند زعمائے سلطنت کو بھی کثیر رقوم کے قرضوں کے جال میں پھانسنے والا یہ ادارہ حیدرآباد کی ان برسوں کی تاریخ میں بدنام زمانہ سی حیثیت کا مالک رہا ہے مگر پس پردہ حکمران طبقے یعنی خود رزیڈنٹ کا اس سے تعلق مالکانہ نوعیت کا رہا۔ ٹیلر بھی اسی ہر طرح سے مقتدر طبقے سے تعلق رکھتا تھا اور اب ہم رشتہ بھی ہوا چاہتا تھا۔ تیسری طرف مبارزالدولہ قلعے کی اسارت کے دوران دوہری قید میں محبوس ہو کر ٹیلر کے سامنے مغلوب حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ نہیں عرض کیا جاسکتا کہ ٹیلر نے

Marfat.com

فخر و مباہات کے انداز میں اپنے احسانات کے تئیں مبارزالدولہ کی نقد انقد شکر گزاری کی جو کیفیت درج کتاب کی ہے تو وہ خود اس وقت عرفان خودی کی مئے کے جرعے زیر حلق کیے بے خودی کے کس عالم میں جا پہنچا تھا۔ غرض اس کے اپنے الفاظ کا اضافہ یہاں فضول ہی ہوگا کیونکہ تاریخی حوالے کی رعایت سے بھی نفس مضمون میں اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

مبارزالدولہ کی جانب سے برپا کردہ شورش عروب و افاغنہ اور خزانہ آصفیہ پر قبضے کی محاذ آرائی کی یہ تفصیلی اختتام کو پہنچیں۔ اس کے بعد مبارزالدولہ کے ذوق نمود نے وہابی تحریک ۱۸۳۸ میں صفحہ تاریخ پر ظہور کیا جس کے تاریخی ریکارڈ کی اہم اہم جزئیات کو مجتمع اور محفوظ کرنے کی خاطر مبارزالدولہ کی اس سیاسی سوانح کے آئندہ یعنی تیسرے اور آخری جزو کے تین ابواب وقف کیے جا رہے ہیں۔ مبارزالدولہ کی اپنی مقامی جدوجہد محدود ریاستی تناظر کی قیود کو توڑ کر وہابی تحریک کے کل ہند منظرنامے میں ہندوستان گیر مجاہدے کے افق پر نمودار ہوتی دکھائی دے گی۔ آئندہ جزو کتاب کے پہلے باب میں مبارزالدولہ کی سیاسی زندگی کی اس تیسری اور آخری کروٹ کی ابتدائی تفصیل تحریر کی جا رہی ہے اور دوسرے باب میں وہابی تحریک کے ارتقائی اور اس کے تئیں مزاحمتی عمل کو سمویا جا رہا ہے۔ تیسرا باب وہابی تحریک کی تفتیش کا فریضہ سرانجام دینے والے سرکاری کمیشن کی تحقیقات کے جستہ جستہ ترجمے پر مشتمل ہے تاکہ سید احمد بریلوی شہید کی تحریک مجاہدین کے دکن میں ارتقاء پر یہ نادر و نایاب معلومات تحریکی تاریخ کے ذخیرے میں کم از کم ذریعہ ہذا اضافہ کرنے کی سعادت حاصل کی جائے۔

شورش خزانہ کی قید سے رہائی کے بعد وہابی تحریک کے حیدرآباد میں نقطہ عروج کو پہنچنے تک مبارزالدولہ تاریخ کے اوراق پر درمیان میں رونما نہیں ہوئے اور ظاہراً اس اثناء میں کوئی قابل ذکر واقعہ ان کے حوالے سے پیش نہ آیا۔ حد یہ ہے کہ قلعے سے واپسی کے بعد سے لے کر ۱۸۳۸ میں علمائے تحریک سے ارتباط تک ان حضرات کی باہمی ملاقاتوں کی ابتدا پر بھی سرے سے روشنی نہیں پڑتی ہے کہ آخر کب یہ ملاقاتیں شروع ہوئیں۔

(نظام آباد دکن، اپریل ۱۹۶۳) (کراچی ۲۳ر ۶ر ۱۹۹۱)

Marfat.com

Marfat.com

مبارزالدولہ : وہابی تحریک

۱۸۳۸ : وہابی تحریک اور مبارزالدولہ

مبارزالدولہ نے حیدر آباد میں تحریک مجاہدین کے علماء اور صلحا کی باضابطہ تبلیغی و تدریسی مساعی کے انتہائی مفید اور مثبت نتیجے کے طور پر برپا ہونے والی وہابی تحریک کے باقاعدہ افشاء ۱۸۳۹ء سے بمشکل ایک سال قبل اس سے وابستگی اختیار کی۔ مقامی تواریخ جس پردہ دارانہ انداز میں اور خاصے مصلحت کوشانہ طریقے سے لکھی گئی ہیں اس کی وجہ سے قائدین تحریک سے ان کے تعلق کی ابتدا اور ان حضرات سے ان کی قربت و یگانگت کی شروعات کا حال کچھ کھلتا نہیں ہے۔ معاصر دکنی مورخ صاحب "گلزار آصفیہ" نے پردہ پوشی اور مصلحت اندیشی کے ساتھ سہی بعد کے واقعاتی ارتقاء پر تو خاصی روشنی ڈالی ہے مگر ۱۸۳۸/۱۸۳۹ سے قبل مبارزالدولہ اور علمائے تحریک کے تعلقات کے آغاز کیا۔ مبارزالدولہ کی دل بستگی کی ابتدا پر تک اشارہ بھی نہیں کیا ہے۔ بامر مجبوری ان امور پر اس وقت کے حالات کی روشنی میں محض قیاس پر ہی انحصار و اکتفاء کرنا پڑ رہا ہے۔ چنانچہ نظر بظاہر اغلب ہے کہ حضرت سید احمد شہید علیہ رحمت سے جنھوں نے سکندر جاہ کو دعوت و عزیمت کا مراسلہ بھیجا تھا مبارزالدولہ کا کسی قسم کا رابطہ و تعلق استوار نہیں ہوا تھا۔ اس کا علانیہ باعث یہ ہے کہ تحریک مجاہدین اپنے دور عروج میں تبلیغ اور جہاد کی جن کاروائیوں میں مصروف رہی وہ بڑے پیانے پر ہونے کے باوجود شمالی ہند تک ہی محدود تھیں جبکہ حضرت سید احمد شہید بریلوی کی اپنی شہادت عظمیٰ کا سانحہ مبارزالدولہ کی شورش خزانہ میں نظربندی کے دوران پیش آیا۔ دوسری طرف جہاد عظیم کے شمال میں آغاز سے قبل حضرت سید احمد شہید بریلوی کے فرستادہ اور حیدر آباد میں وارد نمایندے مولوی ولایت علی سے بھی مبارزالدولہ کا ربط ضبط ثابت نہیں ہے۔ ضروری شواہد یا تواریخ میں ثبوت کی عدم موجودگی کی بناء پر ظاہراً یہی قیاس غالب ہے کہ دونوں کا رابطہ نہ تو ہوا تھا اور نہ ہی یہ ممکن تھا۔ اس کی بڑی واضح وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ متعلقہ عنوان کی تفصیل سے عیاں ہوگا مولوی ولایت علی کے حیدر آباد میں قیام کے عرصے میں اور مبارزالدولہ کی شورش خزانہ کی اسارت اور پھر اس کے عواقب کے زمانے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

تحریک مجاہدین کی اعلیٰ قیادت سے مبارزالدولہ کی عملاً بے تعلقی یا عدم وابستگی کے

Marfat.com

قطع نظر حیدر آباد کی وہابی تحریک ۱۸۳۸ کے خاص حوالے سے اس میں مبارزالدولہ کی شرکت نیز اس کے صریحی نتیجے کے بطور ان کی مرکزی حیثیت اور انگریزوں کی مخاصمانہ سازشوں کا تفصیلی جائزہ یہاں مقصود ہے۔ تحریک مجاہدین میں حیدر آباد کے حصے اور اس میں شہزادہ میر گوہر علی خاں مبارزالدولہ کے کلیدی کردار پر اس آخری جزو کتاب کو تین ابواب میں منقسم کیا گیا ہے تاکہ محصلہ معلومات کی فراوانی کی مناسبت سے ترتیب و تحریر ممکن ہو اور مبارزالدولہ کے حریت پسندانہ اور انگریز دشمن سیاسی کردار میں اس سلسلہ حوادث کو جو تاریخی خصوصیت حاصل ہے اس کا بھی حق حتی المقدور ادا کرنے کی سعادت مل سکے۔ زیر نظر اولین باب وہابی تحریک سے مبارزالدولہ کے تعلق اور اس کے افشاء کی تفصیل میں ہے اور دوسرا اس کے سبب مبارزالدولہ کی تیسری اور آخری نظربندی پر ہے۔ اس وہابی تحریک کے تفتیشی کمیشن کی تحقیقات سے جستہ جستہ رجوع اور اکتساب کے بجائے اس کی مفصل روداد کو یکجا پیش کرنا بدرجہا ضروری محسوس ہوا ہے' اس لئے اس کے اہم اقتباسات کی ترجمانی کی خاطر تیسرا باب مختص کیا گیا ہے۔ اس سیاسی سوانح کا آخری باب "۱۸۵۴ مرگ آشفتہ سر" اسی حصہ کتاب سے منسلک رکھا گیا ہے کیونکہ مبارزالدولہ کا انتقال وہابی تحریک کے سلسلے میں ان کی اس آخری نظربندی کے بعد حالت قید میں ہی ہوا۔ اس آخری باب میں مبارزالدولہ کی زندگی کے تمام تر واقعات اور ان کے تاریخی کردار کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

قدرے صراحت کے ساتھ یہاں یہ عرض کر دینا ناگزیر ہے کہ مبارزالدولہ کی اپنی حیات اور بطور خاص خود وہابی تحریک ۱۸۳۸ کی بھی جستجو کی غرض سے حیدر آباد کی قدیم کتب تواریخ سے رجوع ایک متاسف کن اور تلخ تجربے کے مصداق ثابت ہوتا ہے۔ یہ مطبوعات اگرچہ ہم عصر مورخین کی مصنفہ ہیں جو مبارزالدولہ کی زندگی کے اس آخری واقعے کے چشم دید گواہ تھے' ان تاریخ نویسوں نے وقتی مصلحتوں اور ذاتی اغراض کی خاطر اس سلسلے کے حقایق و شواہد سے نہایت ہی بلکہ انتہا سے زیادہ اغماض برتا۔ ان کی دیدہ و دانستہ چشم پوشی کو نرم سے نرم انداز میں مجرمانہ غفلت اور بحیثیت مورخ حقیقی فرائض کی بجا آوری میں سخت غیر ذمہ داری سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے جو بالکل ناقابل معافی ہو۔ اس کی اصل وجہ ذاتی مصالح اور وقتی فوائد کے علاوہ کچھ اور شاید ہی ہوں اور یہ ایسی کوئی بڑی مجبوری بھی نہیں تھی کیونکہ وہ ماضی قریب کے ان حالات کو بلاکم و کاست نہ سہی کچھ نہ کچھ حقائق بیانی کے ساتھ تحریر کر سکتے

Marfat.com

تھے۔ ان کتابوں کے من جملہ صرف "گلزار آصفیہ" میں شاید فارسی نویسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سرکاری درباری نقطہ نگاہ سے سہی وہابی تحریک کو جہاں تہاں سے روشنی میں لایا گیا ہے اور سطور ہذا میں اس کی روایات سے حسب موقع استفاد کیا جارہا ہے۔ مبارزالدولہ کے معاصروں میں سے دو ہم نام مورخوں امام خاں ہجراور محمد امام خاں نیز بعد کے ادوار کے غلام صمدانی خاں گوہر اور اختر مینائی و جلیل کی مصنفہ کتب کے علاوہ سید حسن بلگرامی اور سی ولمٹ کی انگریزی تاریخ سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ عجیب تر یہ کہ آزادی کے بعد سرکاری اہتمام میں مطبوعہ تاریخی روزنامہ حیدر آباد ("کرانالوجی") ایسی تالیف اور کسی نہ کسی حد تک خود "فریڈم اسٹرگل" جیسی معیاری اور معتبرو مستند تاریخ کے فاضل مرتبین بھی صحیح معنوں میں دریافت احوال کا حق ادا نہیں کر سکے۔ "تاریخ گلزار آصفیہ" نیز "کرانالوجی" اور "فریڈم اسٹرگل" کے سوا محولہ دیگر سب کتابوں کی متعلقہ سطور اولاً" منقول ذیل ہیں۔

مبارزالدولہ اور خاص کر وہابی تحریک ۱۸۳۸ کے ہمعصروں کے من جملہ "رشید خانی" کے مصنف امام خاں ہجر کا رویہ" تاریخ نویسی کے ذمہ دارانہ فرائض کی بجا آوری کے احساس سے بالکل عاری بلکہ یکسر محروم رہا ہے۔ اس نے اپنے مربی اقتدار الملک رشید الدین خاں بہادر سے معنون کرکے کتاب کا نام "تاریخ رشید الدین خانی" رکھا جس کا مادۂ تاریخ بھی "رشید الدین خانی" ہے اس سے ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۴ برآمد ہوتا ہے جو مبارزالدولہ کا سال وفات ہے۔ "رشید خانی" سے اجمالی اقتباسات ۱۸۱۵ اور ۱۸۲۹ کے ہنگاموں پر ابواب میں درج ہو چکے ہیں جبکہ ۱۸۳۸ کی وہابی تحریک پر .صفحہ ۳۶۴ مبارزالدولہ کے حوالے سے اس میں اتنا مجمل و مہمل سا ذکر ہے گویا یہ کوئی بات ہی نہیں تھی۔ برعکس اس کے امام خاں ہجر نے نواب شمس الامرا کے بیٹے اور اپنے مربی سے مبارزالدولہ اور نظام ناصرالدولہ کی بہن کی شادی کا حال عین اسی صفحے پر غیر معمولی دلچسپی سے اس کی رنگینیوں کے سمیت باتفصیل روایت کیا ہے۔ وہابی تحریک میں مبارزالدولہ کے حصہ لینے پر تو کیا پردہ پڑتا خود مصنف کی اپنی مجہول سی تاریخ نویسی کا بھرم اسی جگہ پر کھل گیا۔ "رشید خانی" کے انھی مربی رشید الدین خاں اقتدار الملک وقار الامرا کے بیٹے محی الدین خاں خورشید جاہ سے معنون "تاریخ خورشید جاہی" (۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۸) کا مصنف محمد امام خاں اپنے ہم نام پیش رو سے کسی طرح پیچھے نہیں رہا۔ .صفحات ۴۴۸ تا ۴۵۳ مبارزالدولہ کی سوانح میں ۱۸۱۵ اور ۱۸۲۹ کی شورشوں کے

Marfat.com

کچھ تذکرے کے بعد جو اقتباس ہو چکا ہے ۱۸۳۹ کی وہابی تحریک کا ذکر درکنار حوالہ تک "خورشید جاہی" میں معدوم ہے۔

"دربار آصف" نامی تاریخ کے مصنف غلام صمدانی خاں گوہر نے ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۳۶ کی عروب و افاغنہ کی باہمی آویزش کے واقعات کے بعد صفحہ ۹۵-۹۶ پر تین برس بعد کی وہابی تحریک کی صرف یہ اور غلط سی کیفیت دی ہے۔ "اسی سال مولوی ولایت علی اور مولوی سلیم حیدر آباد آئے اور مذہب وہابیہ کا رواج دینا چاہا' مسجدوں میں وعظ وغیرہ بیان کیا۔ مولوی سلیم نے مبارزالدولہ بہادر کو ایسا پرچایا کہ وہ اوس کے مذہب وہابیہ کی تائید پر ہوگئے اور بلوۂ عظیم پیدا ہونے کی صورت پیش آئی۔ انگریزوں نے بندگان حضرت (نظام) کو متوجہ کیا' ہردو مولوی گرفتار ہوگئے اور اون کے مقلد بھی اسیر ہوئے۔ مبارزالدولہ بہادر قلعہ محمد نگر بھیج دیئے گئے۔" امیر مینائی کے فرزند اختر اور فصاحت جنگ جلیل کی مشترکہ "تاریخ دکن از عصر حکومت ہنود تا عہد سلاطین اسلام" میں بھی صفحہ ۴۷۷ پر ۱۸۳۹ کے بیان میں "حیدر آباد میں وہابیوں کی سازش سلطنت انگریزی کے خلاف" رونما ہونے اور اس سازش میں "نواب مبارزالدولہ بہادر" کے شریک ہونے کا محض حوالہ ہی ملتا ہے اور بس۔

سید حسن بلگرامی اور سی ولموٹ کی مولفہ "ہسٹاریکل اینڈ ڈسکرپٹیو اسکیچ آف دی نظامس ڈومینینس" کے صفحہ ۱۰۸'۱۰۹ پر حیدر آباد کی وہابی تحریک کا حوالہ اتنا سا ملتا ہے (ترجمہ) "ستمبر ۱۸۳۸ میں کرنل فریزر' کرنل اسٹیوارٹ کی جگہ رزیڈنٹ ہو کر آیا اور ۱۸۳۹ میں وہابی سازش کا انکشاف ہوا جو ہندوستان کے کئی حصوں میں پھیلی ہوئی تھی اور جس کا مقصود برطانوی اقتدار کا خاتمہ تھا۔ جون ۱۸۳۹ میں ایک تفتیشی عدالت مقرر ہوئی جو اپریل ۱۸۴۰ تک جاری رہی اور اس نے یہ رائے دی کہ مبارزالدولہ وغیرہ وہابیوں یا انتہاپسند مسلمانوں کو ہندوستان بھر میں برطانیہ اور نظام کی حکومتوں کے خلاف منظم کر رہے تھے۔ مبارزالدولہ کو قلعہ گول کنڈہ میں قید کر دیا گیا جہاں بعد میں ان کا انتقال ہوگیا۔"

حیدر آباد میں وہابی تحریک کے آغاز و نفوذ اور مبارزالدولہ کے اس سے سرپرستانہ تعلق کی کھوج کے دوران ایک عجیب و غریب سا اتفاق سامنے آیا ہے جسکے بارۂ خاص میں اشارتاً" ایک معروضہ بے محل نہ ہوگا۔ حیدر آباد کے جدید اور لائق محققین کے ملاحظے میں صرف مقامی مورخوں کے محدود و مختصر اور چند در چند زاویوں سے غلط بیانات ہیں جن میں واقعہ نویسی

Marfat.com

کے بجائے پردہ پوشی اور اخفاء سے کام لیا گیا ہے۔ دوسری سمت شمال کی نئی تحقیقات کے فاضل مصنفین کی رسائی حیدر آباد کی گذشتہ و تازہ مطبوعات تک بالکل نہیں ہے جسکے نتیجے میں وہ مبارزالدولہ کی طویل کشمکش کے علاوہ حیدر آباد اور جنوبی ہند میں خود وہابی تحریک کے ارتقائی نقشے سے بھی لاعلم رہ گئے ہیں۔ اس سہ ابعادی تصویر کا تیسرا رخ یہ ہے کہ راقم اوراق ہذا اپنی حقیر طالب علمانہ کاوش کے وسیلے سے پہلی بار تمام تر احوال و کوائف کو مبارزالدولہ کے معاصر نیز اپنے بھی ہمعصر ذرائع کی روشنی میں مجتمع کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے تاکہ یہ تاریخی منظرنامہ تشکیل پائے۔ اس حصہ کتاب میں تفتیشی کمیشن کی روداد کے اقتباسات کی جستہ جستہ لیکن قریب قریب مجموعی ترجمانی کے ذریعے شمال و جنوب میں وہابی تحریک کی نشوونما کا جغرافیہ بھی روشن ہوجاتا ہے۔ اس کی نقشہ کشی سے حالیہ تحریکی تواریخ بھی خالی رہ گئی ہیں اور یہ گم گشتہ کڑی اس تحریک کی اپنی تاریخ کا جزولاینفک ہے جو ذریعہ ہذا بازیاب ہورہی ہے۔

سید احمد بریلوی کے نمایندہ ولایت علی کی آمد

تحریک مجاہدین کے عقایدی اور تبلیغی اثرات نے حیدر آباد کا رخ مورخین کی رو سے ۱۸۳۸/۱۲۵۵ھ میں کیا۔ اس سے دراصل حیدر آباد میں وہابی تحریک کے نقطہ عروج حاصل کرنے اور انگریزوں پر اس کے افشاء کا زمانہ مراد ہے۔ کیونکہ مبارزالدولہ کے اس میں دلچسپی لینے سے خاصا قبل ہی وہ حیدر آباد میں قائم ہوچکی تھی۔ "تاریخ گلزار آصفیہ" کے الفاظ میں "در سنہ یک ہزار و دو صد و پنجاہ و پنج ہجری (۱۲۵۵ھ ۱۸۳۸م) مذہب وہابیہ در تمامی مملکت دکن از ہندوستان وارد شدہ شیوع یافت و خلفائے سید احمد کہ بانی مبانی مذہب بودو باشیر سنگھ پسر رنجیت سنگھ جنگ ہاکردہ بقتل رسید جابجا متفرق شدہ مذہب وہابیہ را رواج دادہ ہزارہا خلق اللہ را از مذہب سنت و جماعت برگردانیدند و مرید خودہا نمودند" (صفحہ ۱۴۷)۔ اس موقع پر حضرت سید احمد بریلوی کے "خلفاء" کے بطور مولوی ولایت علی و مولوی سلیم صاحبان کے نام مذکور ہیں جنھوں نے اس خصوص میں حیدر آباد میں سب سے زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ "چنانچہ مولوی ولایت علی و مولوی سلیم در بلدۂ حیدر آباد آمدہ مذہب مذکور را اشتہار تمام دادہ ہزارہا مردم را در مذہب خود آوردند۔" مورخ نے اس مقام پر تحریکی تعلیمات کو مسخ کرکے پیش کیا ہے جس سے اس کے مقاصد عیاں ہیں' اسی تسلسل میں راوی ہے کہ۔ "مولوی ولایت

Marfat.com

علی چندے در بلدۂ حیدر آباد بودہ بسیار کساں را مرید ساختہ از بلوۂ علمائے شہر فرار نمود" (صفحہ ۱۴۷)۔ ظاہر ہے کہ علمائے سو کی تحریکی صلحا سے مخاصمت اختلافات عقیدہ و عمل کا شاخسانہ تھی اور یہ سلسلہ آج تک دراز ہے' تاہم ایک نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ مذکورہ مخالفت انگریزوں کے سیاسی اثرات کے سبب سامنے آئی تھی۔

ڈاکٹر ثمینہ شوکت نے تحریک مجاہدین کے علماء و افاضل کے تئیں مخالفانہ رویے کے پس منظر میں انگریزوں کی انتشار پرور سیاست کو کارفرما قرار دیا اور ان کی ریشہ دوانیوں کو اس طرح کی مناقشت کا ذمہ دار گردانا۔ "وہابیوں کے بڑھتے ہوئے اثر اور غلبہ کو دیکھ کر انگریز بہت بدظن ہوگئے تھے لیکن اس موقع پر انھوں نے وہابیوں کی مخالفت کے لئے ایک راہ یہ بھی نکالی کہ علماء کو اس تحریک کا مخالف بنادیا۔ چنانچہ اکثر علماء نے وہابیوں کے خلاف شور مچانا شروع کیا' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ولایت علی تو فرار ہوگئے اور مولوی سلیم نے مبارزالدولہ کے یہاں رسوخ حاصل کرکے ان کی پناہ ڈھونڈھ لی" (صفحہ ۲۵)۔ یہ امر نسبتاً" کہیں زیادہ قرین حقیقت اور قابل فہم معلوم ہوتا ہے کہ تحریکی مبلغین اور علماء نے جب اصلاح عقاید کی مہم کو سرگرم و پرجوش انداز میں پھیلایا تو وہ فوراً ہی بکثرت موجود اور مقبول مذہبی شخصیتوں کی نظروں میں آگئے اور انھوں نے علمائے تحریک کی مصلحانہ کوششوں کو نشانہ تنقید بنانا شروع کردیا۔ پورے برصغیر کی طرح علمائے سو کا یہ طبقہ جس کے کثیرالتعداد ہونے میں کوئی شبہ نہیں مقامی طور پر بھی بدعتی ہی کہلاتا تھا اور دین میں بدعات کا اضافہ اور فروغ ہمیشہ ہی اس کو بطور مسلک کے مطلوب و مقصود اور عزیز رہا۔ وہابی تحریک کے سخت انگریز دشمن عزایم نیز منصوبوں اور مجاہدوں کی دس برس کی تاریخ کے تناظر میں ڈاکٹر ثمینہ شوکت کا منقولہ تاثر ایک اہم واقعاتی اشارے کی حیثیت ضرور رکھتا ہے خواہ اس کا اثبات تحریری طور پر نہ ہوسکے۔ چنانچہ مقامی حساس علماء کی جانب سے مذہبی بنیاد پر تحریک مجاہدین کے معلموں اور مبلغوں کی مخالفت کے ظاہر ہونے پر اس مخاصمانہ رویے کو انگریزوں کا ہوا دینا بھی ممکن ہے۔ اس خیال کی تائید وثوق و قطعیت سے اس لئے غیر ممکن ہے کہ انگریزوں کے اقدامات میں جیسا کہ آگے واضح ہوگا تیز تر سیاسی اور فوجی کاروائیوں پر انحصار شامل تھا اگرچہ تحریک مجاہدین کے بڑے بڑے حربی ہی نہیں سیاسی و مذہبی مخالفین بھی انگریزوں کے پروردہ رہے ہیں۔

محولہ تفصیلوں کی جزیات کے قطع نظر بعض اہم امور سے متعلق اطلاعیں نظرثانی کی

Marfat.com

طالب بلکہ بہت کچھ قابل بحث ہیں کیونکہ نہ صرف یہ کہ ان کی تصدیق نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ برخود غلط محسوس ہوتی ہیں۔ حیدر آباد میں تحریک مجاہدین کے ارتقائی عمل کے علاوہ متذکرہ سرکردہ ارکان یعنی مولوی ولایت علی اور مولوی سلیم کے بھی اس تعارف کی مکمل توثیق نہیں ہوتی ہے اور تحقیقی اعتبار سے یہ غلط اور ناقص ثابت ہوتا ہے۔ اول الذکر مولوی ولایت علی پر یہ تاثر حقایق کے سخت خلاف ہے کہ مذہبی حلقوں کی عناد پروری کی بناء پر انہیں جلد ہی راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ دوسری طرف مولوی سلیم کا تعلق حضرت سید احمد کی جماعت مجاہدین سے اس نوع کا نہیں ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ "گلزار آصفیہ" وغیرہ میں مذکور ہے۔ تیسری جانب خود حیدر آباد میں تحریک کے ابتدائی دور پر بھی ان معلومات میں تاریخی لحاظ سے اغلاط در آئی ہیں۔ حضرت سید احمد شہید بریلوی کی تحریک مجاہدین کے محققوں اور مورخین کے من جملہ مولانا غلام رسول مہر اور ڈاکٹر قیام الدین احمد صاحبان کے کارہائے نمایاں کو تاریخی و تحقیقی اساس پر امتیازی مقام حاصل ہے اور دونوں بزرگ اسکالروں کی علمی تدقیق سے بعض غیر معمولی انکشافات ہوئے ہیں۔ ان کا براہ راست اور اہم ترین تعلق نہ صرف تحریک مجاہدین کے حیدر آباد میں آغاز و ارتقاء سے ہے بلکہ خود مبارزالدولہ کی انگریز دشمن جدوجہد اور حریت پسندی سے معمور سیاسی زندگی کے اس آخری پہلو سے بھی قریب ترین اور بنیادی ہے۔ مبارزالدولہ کی ہمعصر دکنی تواریخ اور ہماری معاصر حیدر آبادی مطبوعات میں دونوں بزرگ محققین کے پیش فرمائے ہوئے کوائف و احوال کا سرے سے کوئی مذکور نہیں ہے جبکہ دکنی ذرایع کی اطلاعات میں سے بعض کی واقعیت ایک مشتبہ امر معلوم ہوتی ہے۔ اولاً حضرت سید احمد بریلوی کے ترجمان یا سفیر مولوی ولایت علی کے حیدر آباد میں ورود اور قیام سے متعلقہ چند امور کا طے پا جانا مفید رہے گا تاکہ تحریکی ارتقاء کا سنگ بنیاد نمایاں ہو جائے۔

مولانا غلام رسول مہر نے "سرگزشت مجاہدین" کے دوسرے حصے متعلقہ مولوی سید نصیرالدین دہلوی کے باب ۸ "دکن میں دعوت و تبلیغ" کے "سید محمد علی اور مولوی ولایت علی" سے موسومہ ابتدائی عنوان کے تحت حیدر آباد میں تحریکی آغاز کی طرف یہ اشارہ فرمایا ہے۔ "سید (سید احمد بریلوی) صاحب نے ابتداء میں سید محمد علی رام پوری کو دعوت و تبلیغ کی غرض سے حیدر آباد بھیجا تھا۔ پھر مولوی ولایت علی وہاں متعین ہوگئے اور مولوی محمد علی کو مدراس جانے کا حکم مل گیا" (صفحہ ۱۶۹)۔ ان سفراء یا مبلغوں میں سے سید محمد علی رام پوری کا ذکر مولانا

Marfat.com

مہر کی پیش رو تحقیق "جماعت مجاہدین" میں مختصراً ملتا ہے مگر ان کا کوئی احوال دکن کی تاریخوں میں نہیں آیا ہے اور مولوی ولایت علی کا ہی ذکر آغاز تحریک کے بیان میں ملتا ہے۔ مولانا مہر نے کتاب کا تیسرا حصہ "مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی" برادران کے لئے مختص کیا ہے جس میں ،صفحہ ۲۱۵ راوی ہیں۔ "مولانا ولایت علی سید (احمد بریلوی) صاحب کے ساتھ ہجرت کرکے بغرض جہاد گئے تھے لیکن انہیں سید صاحب نے دعوت و تبلیغ کی غرض سے حیدر آباد دکن بھیج دیا تھا جہاں وہ کم و بیش چار سال یہ خدمت انجام دیتے رہے۔" مولانا مہر نے مولوی ولایت علی کے اس چار برسوں کے قیام حیدر آباد کا اختتام حضرت سید احمد بریلوی کی شہادت ۱۸۳۱ کی اطلاع ملنے پر قرار دیا ہے اور اس طرح مولوی ولایت علی کی ۱۸۳۸ میں حیدر آباد میں موجودگی کی بھی تردید ہوتی ہے اور حیدر آباد سے مولوی ولایت علی کے مبینہ فرار کی اطلاع بھی غیر مصدقہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ البتہ مولوی ولایت علی کی حیدر آباد میں اس چار سالہ سکونت کا عرصہ مولانا مہر کے بیان سے بھی طے نہیں ہوا۔ مولوی ولایت علی کی سفارت یا نیابت حیدر آباد اور وہاں کی چہار سالہ خدمات کی خاصی تفصیل غلام رسول مہر کی تصانیف سے منکشف ہوئی ہے جو اقتباس ہو رہی ہے لیکن ان کے قیام حیدر آباد کے دورانیے کا عقدہ ڈاکٹر قیام الدین احمد نے حل کیا ہے۔

"ہندوستان میں وہابی تحریک" کے مورخ ڈاکٹر قیام الدین احمد نے حضرت سید احمد شہید بریلوی کے نوادر میں ایک مکتوب برآمد کیا ہے جسکی تاریخ متعین کرتے ہوئے انھوں نے مولوی ولایت علی کی حیدر آباد روانگی کا زمانہ بھی طے کیا ہے۔ فاضل ممدوح کے بقول: "سید احمد کے مکتوبات کے شائع شدہ اور مخطوطہ مجموعے بہت سے موجود ہیں مگر یہ مکتوب کسی مجموعے میں موجود نہیں۔ یہ بالخصوص خاندان صادق پور کے ارکان کے نام ہے اور اسکی ایک نقل اسی خاندان کے ایک رکن کے پرانے کاغذات سے دستیاب ہوئی۔ (حاشیہ' مولوی عبدالغفار صادق پوری کے بیٹوں کے پاس ہے۔)" (صفحہ ۳۷۴) "سید احمد کا ایک نایاب غیر مطبوعہ مکتوب" کی سرخی سے منقولہ اس خط کے ترجمے کے مترجمہ متن میں مولوی ولایت علی کا ذکر ان الفاظ میں باصرہ نواز ہوتا ہے۔ "مولوی ولایت علی' محمد زکی' شیخ باقر علی' قمرالدین حسین اور شیخ علی جان نے بھی خط لکھے ہیں۔ انکی رسیدیں مرسلہ رقوم کی وصولی کے بعد بھیج دی جائیں گی' اطمینان رکھیے۔ میں نے پہلے ولایت علی کو مفوضہ کام کیلئے دکن بھیجا تھا۔ مولوی

Marfat.com

عنایت علی بھی میرے کہنے سے اس ضلع پٹنہ کو روانہ ہوگئے۔" (صفحہ ۳۷۶)

اس تبرک کی تاریخ نگارش کا تعین کرنے کیلئے ڈاکٹر قیام الدین احمد نے معلومہ واقعات پر انحصار کرتے ہوئے ارشاد کیا ہے۔ "اس کے مکتوب الیہ خاندان صادق پور کے سارے اہم ارکان اور ضلع پٹنہ کے دوسرے مومنین ہیں۔ سوء اتفاق سے اس میں تاریخ تحریر درج نہیں مگر اس کے وقت کا کچھ اندازہ اس کے مضمون سے لگایا جا سکتا ہے۔ یہ سرحد سے ولایت علی اور عنایت علی کی رخصت کے کچھ بعد لکھا گیا اور یہ واقعہ ۱۸۲۸ کے بعد کا ہو سکتا ہے یا ۱۸۲۷ کے آخر کا کیونکہ ولایت علی کی محل ثانیہ حیدر آبادی سے عبداللہ کی پیدائش ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۰/۱۸۳۱ کے کسی مہینے میں ہوئی۔ ولایت علی کے سرحد سے دکن پہنچنے' حیدر آباد میں قیام کرنے اور شادی میں صرف وقت کا اندازہ کرکے ہم حیدر آباد میں ان کے پہنچنے کا اندازی وقت دیر سے دیر وسط ۱۸۲۸ قرار دے سکتے ہیں" (صفحہ ۳۷۴)۔ مصدقہ ذرائع سے اطلاعات مظہر ہیں اور منقول ذیل بھی کہ مولوی ولایت علی کی حیدر آباد سے چہار سالہ دورے کے بعد مراجعت حضرت سید احمد کی شہادت اور مولوی ولایت علی کے والد کی بھی رحلت کی اطلاع ملنے پر ہوئی۔ بناء برایں بقول ڈاکٹر قیام الدین احمد مولوی ولایت علی کا حیدر آباد کا تقرر "۱۸۲۷ کے آخر کا" بھی ممکن ہو سکتا ہے۔

مولوی ولایت علی کے پیش رو مولوی سید محمد علی کی حیدر آباد میں نیابت اور خدمت کی مفصل کیا مجمل کیفیت سے بھی لاعلمی ہے کیونکہ نہ تو دکن کی تواریخ میں ثانی الذکر کا کوئی حوالہ ہے اور نہ ہی تحریکی تحقیقات میں ان کا احوال مذکور ہے۔ مولانا غلام رسول مہر نے "جماعت مجاہدین" کے حصہ اول کے باب ۸ "دعوت و تبلیغ" میں مندرج "مجلس شوریٰ" کے مختلف اوقات کے ارکان کی فہرست میں .صفحہ ۴۱۔ ۴۲ دونوں حضرات کی بھی نشاندہی فرمائی ہے۔ مولانا مہر نے مولوی سید محمد علی کو متعارف کرانے سے قبل "خاص داعیوں کا تقرر" کی سرخی کے تحت یہ ارشاد کیا ہے کہ "سید (احمد بریلوی) صاحب دہلی' ٹونک' یوپی اور بہار کے علاقوں میں دعوت و تبلیغ کا پورا انتظام جہاد کے لئے روانہ ہونے سے پیشتر کرچکے تھے لیکن بعض حصے ایسے بھی تھے جہاں یا تو کوئی انتظام ہی نہ کیا جا سکا تھا یا جو انتظام تھا وہ ضرورت کے مطابق نہ تھا۔ مثلاً" بمبئی' حیدر آباد' مدراس اور بنگال۔ لہٰذا سرحد پہنچ کر اور حالات کا جائزہ لے کر سید صاحب نے ان حصوں میں مختلف اصحاب کو داعی مقرر کیا جو تقریر و بیان کے لحاظ سے

Marfat.com

مجاہدین میں ممتاز تھے۔ مثلاً " مولوی سید محمد علی رام پوری، مولوی ولایت علی عظیم آبادی، مولوی عنایت علی عظیم آبادی، مولوی محمد قاسم ساکن بمبئی، سید اولاد حسن قنوجی، حافظ قطب الدین" (صفحہ ۵۸)۔ اس فہرست کے تسلسل میں "مولوی سید محمد علی رام پوری" کو زیب عنوان کیا گیا۔

حیدر آباد میں تحریک مجاہدین کے اولین سفیر یا حضرت سید احمد بریلوی کے پہلے پہل نمایندہ کی تقرری و روانگی کی کیفیت مولانا غلام رسول مہر نے "جماعت مجاہدین" میں اس طور سپرد قلم کی ہے۔ "مولوی سید محمد علی رام پوری کے متعلق" "وقایع" کا بیان ہے کہ انھیں سید صاحب نے حیدر آباد دکن جانے کا حکم دیا۔ انھوں نے عذر کیا کہ مجھ کو نہ اس قدر علم ہے کہ کسی عالم سے مباحثہ یا مناظرہ کروں اور نہ یہ سلیقہ ہے کہ لوگوں کے انبوہ میں وعظ و درس کہوں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ جس بات کا عذر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ عذر کو دور کردے۔ پھر آپ نے اپنی ٹوپی، کرتا اور پاجامہ انھیں پہنایا اور پانچ آدمی ان کے ہمراہ کیے، جن میں سے تین کے نام یہ ہیں۔ نعیم خاں رامپوری، عنایت اللہ خاں اور عبداللہ۔ اور حکم دیا کہ پیرکوٹ میں بیوی صاحبہ سے ملتے ہوئے کراچی سے کشتی پر سوار ہوں اور بمبئی میں اتر کر حیدر آباد جائیں ("وقایع" صفحہ ۵۰۷)۔ مولوی صاحب موصوف کچھ مدت حیدر آباد میں رہے۔ پھر مولوی ولایت علی عظیم آبادی حیدر آباد میں مقرر ہوگئے اور مولوی سید محمد علی کو مدراس جانے کا حکم مل گیا۔ وہ محرم ۱۲۴۵ھ جولائی ۱۸۲۹ میں مدراس پہنچے اور چند ہی مہینوں میں مسلمانان مدراس میں زبردست دینی انقلاب پیدا کردیا جسکی پوری کیفیت "تنبیہہ الضالین" سے معلوم ہوسکتی ہے" (صفحہ ۵۹)۔ اس مقام پر مولانا مہر نے حاشیے میں اس مخطوطے کا مکمل عنوان درج فرمایا ہے: "تنبیہہ الضالین عن طریق سید المرسلین" قلمی نسخہ۔

مولوی سید محمد علی رام پوری کی حیدر آباد سے روانگی کی تاریخ مذکور نہیں ہے ورنہ مولوی ولایت علی کی حیدر آباد میں تشریف آوری کا زمانہ حتمی طور پر متعین ہوسکتا تھا۔ مدراس میں مولوی سید محمد علی رام پوری کے ورود کی تاریخ جولائی ۱۸۲۹ سے یہ باور نہیں کرنا چاہیے کہ وہ حیدر آباد سے روانہ بھی ۱۸۲۹ میں ہوئے ہوں گے یا یہ بھی فرض نہیں کیا جاسکتا کہ مولوی ولایت علی حیدر آباد ۱۸۲۹ میں ہی پہنچے ہوں گے۔ ذرایع آمدورفت از قسم بیل گاڑی کی ست رفتاری اور منازل سفر کے طے کرنے میں نذر ہونے والے وقت کے قطع نظر یہ امر قابل

Marfat.com

فہم ہے کہ تحریکی پیغام کی مختلف مقامات پر اشاعت و مقبولیت کے خصوصی اہتمام کے باعث اس طویل مسافت نے قریبی دو برس ضرور لئے ہوں گے۔ تمام تحریکی اکابر کی سیرتوں میں واضح طور پر روایت کیا گیا ہے کہ دوران سفر تحریکی مقاصد کی تبلیغ و اشاعت اور مقامی تنظیموں کے قیام پر خصوصیت سے توجہ اور محنت کی جاتی تھی۔ ظاہر ہے کہ تحریک کے اشاعتی اور تنظیمی نوعیت کے امور و مسائل پر خاصا وقت صرف ہوتا تھا اور سفر کی منزلوں کے من جملہ کئی اہم جگہوں پر کچھ نہ کچھ درکار ہوا کرتا تھا۔ اس طرح یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ مولوی سید محمد علی رام پوری جولائی ۱۸۲۹ میں مدراس آمد سے کوئی ڈیڑھ دو سال پہلے یعنی "۱۸۲۷ کے آخر" میں مولوی ولایت علی کے حیدر آباد میں ورود پر حیدر آباد سے روانہ ہوئے۔

عظیم آباد یا پٹنہ کے مولوی ولایت علی کی حضرت سید احمد بریلوی کے فرمودہ کی تعمیل میں سرحد سے حیدر آباد تشریف آوری اور وہاں ان کی سرانجام دی ہوئی تحریکی خدمات کی بھی تفصیلوں سے قبل ان کے ابتدائی حالات کی جانب مجمل سا اشارہ کافی ہوگا۔ ڈاکٹر قیام الدین احمد کے باب ۴ "ولایت علی و عنایت علی" کے مطابق: "یہ دونوں صادق پور پٹنہ سٹی کے فتح علی کے فرزند تھے' بڑے بیٹے ولایت علی ۱۲۰۵ھ ۱۷۹۰/۱۷۹۱ میں پیدا ہوئے۔ ان کا قد اوسط رنگ سانولا اور تن و توش بھاری تھا' داڑھی رکھتے تھے' بھنویں جڑی ہوئی تھیں۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر وہ لکھنؤ بھیج دیئے گئے۔ جہاں (مشہور اسلامی تعلیم گاہ) رنگ محل کے عالم اشرف علی سے تعلیم حاصل کی۔ یہیں وہ سید احمد سے ملے اور بیعت کی' اس کے بعد انھوں نے اپنے افراد خاندان کو بھی سید احمد کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر آمادہ کیا۔ جب سید احمد رحمت اللہ علیہ پٹنہ سے رخصت ہوئے تو یہ بھی ان کے ہمراہ ہوگئے۔" (صفحہ ۱۳۳۔۱۳۴)۔ قبل ازیں محقق موصوف نے "خاندان صادق پور کی شمولیت تحریک" کے ساتھ صفحہ ۲۹ "ولایت علی کی بیعت" کا حال بھی لکھا۔ تاہم ان کے علاوہ مولانا غلام رسول مہر کی زیر استفاضہ تصنیفات میں بھی مولوی ولایت علی کی حضرت سید احمد کے قافلہ جہاد کی ہمراہی اور سرحد روانگی کی اطلاعیں مفقود ہیں۔ البتہ سرحد سے حیدر آباد کی سمت سفر پر معلومات دونوں افاضل سے ماخوذ ہیں۔

"مولوی ولایت علی عظیم آبادی" کی سفارت کو مولوی سید محمد علی رام پوری کے سفر حیدر آباد کے تسلسل میں بیان کرتے ہوئے مولانا غلام رسول مہر نے "سرگذشت مجاہدین" میں

Marfat.com

یہ اطلاع تحریر کی ہے کہ "مولوی سید محمد علی کی طرح انہیں بھی اپنی ٹوپی، کرتا، پاجامہ پہنا کر سینے اور پشت پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے۔ وصیت فرمائی کہ کلمہ حق کے بیان میں کسی کا خوف اور ملاحظہ خاطر میں نہ لانا۔ سید کرامت اللہ، مولوی عبدالقادر اور مولوی عبدالواحد کو ان کے ہمراہ کردیا۔ یہ تینوں مولوی صاحب (یعنی ولایت علی) کے ہم وطن تھے" (صفحہ ۵۹ بحوالہ "وقایع" صفحہ ۵۰۸)۔ ڈاکٹر قیام الدین احمد نے اس ذیل میں ابتدا "بطور تبرک منقولہ حضرت سید احمد بریلوی کے مکتوب سرحد سے سند لی ہے اور "ولایت علی اور عنایت علی کی مراجعت ہند" کے ذکر میں لکھا ہے کہ "سرحد پر کچھ دن قیام کے بعد سید احمد نے دونوں بھائیوں کو تبلیغ اور انتظامی کام کے لئے ہندوستان میں تعینات کردیا۔ بدقسمتی سے ہم ان کی ہندوستان کو مراجعت کی صحیح تاریخ سے واقف نہیں۔ سید احمد نے پٹنہ کے قائدین کے نام اپنے ایک مکتوب میں علی برادران کے ہندوستان میں متعین کرنے کا ذکر کیا ہے" (صفحہ ۱۳۵)۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کی روایت ہے کہ "دونوں بھائی اول اول سید احمد کی رفاقت سے جدا ہونے اور سرحد سے چلے آنے پر دل سے راضی نہ تھے مگر سید احمد نے یہ کہہ کر ان کو آمادہ کرلیا کہ وہ ان کو بیج کی طرح بکھیر رہے ہیں۔ ان کی یہ پیشن گوئی لفظ بہ لفظ صادق آئی اور بعد کے سالوں میں ان کی مساعی بار آور ہوئیں" (ایضا")۔

وہابی تحریک کا حیدر آباد میں نفوذ وارتقاء

اس تاثر کی توثیق ہمارے اپنے موضوع خاص کی حد تک حیدر آباد میں مولوی ولایت علی کی منظم کوششوں سے برپا ہونے والی عقایدی و تعلیمی اور مجاہدانہ تحریک کے فوری اثرات سے ہوجاتی ہے۔ اگرچہ اس فعال و متحرک عملی شخصیت کو وہاں معدودے چند برس ہی کام کرنے کا موقع ملا اور خود حیدر آبادی تواریخ میں ان کی مصروفیات کا احاطہ حقیقتاً نہ ہونے کے برابر ہے۔ حیدر آباد سے مولوی ولایت علی کے چار سالہ قیام کے بعد دفعتاً" واپس ہونے کا ذکر ڈاکٹر قیام الدین احمد نے اجمالا" کیا ہے۔ "وہ ابھی دکن ہی میں تھے کہ بالاکوٹ کی تباہی کی المناک خبر پہنچی۔ قریب قریب اسی وقت ان کے والد فتح علی بھی پٹنہ میں وفات پاگئے۔ اس لئے وہ مدھیا پردیش صوبہ متوسط کے راستے سے پٹنہ چلے گئے" (صفحہ ۱۳۶)۔

مولانا غلام رسول مہر نے مولوی ولایت علی کی حیدر آباد سے ناگاہ مراجعت کی کچھ تفصیل

Marfat.com

دی ہے۔ "بالاکوٹ میں سید صاحب کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اور اسی اثناء میں مولانا کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا تو مولانا حیدر آباد سے برہان پور سینونی نرسنگھ پور اور جبل پور ہوتے ہوئے عظیم آباد پہنچے اور اصلاح عقاید و جہاد کا مقصد پیش نظر رکھتے ہوئے بہار بنگال اڑیسہ اور الہ آباد میں دعوت و تبلیغ کا منظم سلسلہ قائم کردیا" (صفحہ ۲۱۵)۔ بقول مولانا مہر "سرگزشت مجاہدین" کے اس سلسلہ دعوت و تحریک کی تنظیم میں مولوی ولایت علی نے اپنے دو حیدر آبادی مریدوں کو بھی شریک رکھا تھا جس کی اجمالی کیفیت یہ ہے "داعی مولوی زین العابدین حیدر آبادی علاقہ الہ آباد، داعی مولوی محمد عباس حیدر آبادی علاقہ اڑیسہ" (صفحہ ۲۱۵-۲۱۶)۔ مولانا مہر نے ان دونوں مریدان ولایت علی کے بارے میں حاشیے میں صراحت فرمائی ہے کہ "مولوی زین العابدین اور مولوی محمد عباس مبارزالدولہ کی نظربندی کے بعد چلے آئے تھے۔ مولانا نے انہیں اپنے پاس ٹھہرایا، پھر دعوت و تبلیغ کا کام سونپ دیا" (صفحہ ۲۱۶)۔ گویا دونوں حیدر آبادی بزرگوں کی شمال میں آمد اور تنظیمی تقرری وہابی تحریک حیدر آباد ۱۸۳۸ میں ان کی حراست و سزایابی یا قید اور اس سے فراری کے بعد کا واقعہ ہے جو ابھی واضح ہو جائے گا۔

حیدر آباد کے ان زین العابدین و محمد عباس صاحبان کے مولانا ولایت علی سے ان کے وطن میں آملنے کے بارے میں ڈاکٹر قیام الدین احمد کی دریافت کی رو سے تحریکی تذکروں میں کچھ الجھاوٗ پایا جاتا ہے۔ فاضل محقق راوی ہیں کہ ولایت علی و عنایت علی برادران کے "کارناموں کے دو اہم ذرائع معلومات "سوانح احمدی" اور تذکرۂ صادقہ" ہیں، آخرالذکر میں ولایت کے جو حالات مذکور ہیں وہ زیادہ تر اول الذکر کے بیانات پر مبنی ہیں جو ایک عام قسم کا مجمل تذکرہ ہے (اور) اس میں ترتیب زمانی بہت کم ہے۔ مثلاً" ولایت علی کے اپنے والد کے ۱۸۳۱ میں انتقال کی خبر سنتے ہی پٹنہ واپس آنے پر ان کے مشاغل کے سلسلہ میں صاحب سوانح نے سید عباس اور زین العابدین کی آمد کا ذکر کیا ہے جو مبارزالدولہ کی سازش کے بعد حیدر آباد سے نکل بھاگے، حالانکہ یہ واقعہ بہت بعد ۱۸۳۹ کا ہے مگر ۱۸۳۱ کے واقعات کے ساتھ خلط ملط کردیا گیا ہے" (صفحہ ۱۳۶)۔ ڈاکٹر قیام الدین احمد نے "ولایت علی کا دورۂ بنگال" کے ضمن میں جو قریب ۱۸۴۰ کیا گیا تھا دونوں حیدر آبادی مریدوں کی آمد کی مناسب صراحت کردی ہے چنانچہ بقول ان کے: "اس زمانے میں خود ولایت علی بنگال کے دورے پر روانہ ہوئے۔ اس سے پہلے زین العابدین اور عباس حیدر آباد سے پٹنہ آئے اور مولوی ولایت علی

Marfat.com

نے تحریک کی تنظیم کیلئے ان کو خلیفہ بنا کر اڑیسہ اور الہ آباد میں تعینات کیا" (صفحہ ۱۴۱)۔
"عنایت علی کا دورۂ بنگال" بابت ۱۸۴۳ کے تعلق سے پولیس افسروں کی رپورٹوں پر نظر رکھتے ہوئے مصنف نے انکشاف کیا ہے کہ اس اثناء میں دونوں صاحبان میں سے ایک مرشد آباد میں مصروف جِد تھے، صفحہ ۱۳۸ پر "عنایت علی کے متعلق سپرنٹنڈنٹ پولیس کی رپورٹ" کے خلاصے میں یہ ذکر ہے: "اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ عنایت علی کے علاوہ کرامت علی اور زینو دین یعنی زین العابدین حیدر آبادی بھی اضلاع مذکورہ میں کام کررہے ہیں" (بحوالہ ڈبلیو ڈیمپیر سپرنٹنڈنٹ پولس صوبہ زیریں کا مراسلہ بنام ایف جے ہیلیڈ سے سیکریٹری حکومت بنگال محکمہ عدالت مراسلہ نمبر ۶۸۰ مورخہ ۵ر اپریل ۱۸۴۳)

تحریک مجاہدین کے حیدر آباد میں باقاعدہ آغاز اور نفوذ کا سارا کریڈٹ مولوی ولایت علی کو ہی جاتا ہے اگرچہ ان کے پیش رو سید محمد علی رامپوری اس کی بسم اللہ کر چکے تھے۔ سید محمد علی کے کام کا سرے سے کوئی علم نہ ہوسکا ہے جبکہ کم از کم مبارزالدولہ کی نسبت سے مولوی ولایت علی کی تحریکی کوششوں کی پیش رفت پر کچھ غلط فہمی جدید تحقیق میں راہ پاگئی ہے۔ "حیدر آباد میں وہابی سازش" کے عنوان کی اولین سرخی اور "ولایت علی کی دکن میں تبلیغی سرگرمیاں" کے تحت "ہندوستان میں وہابی تحریک" کے فاضل مورخ پروفیسر قیام الدین کی ابتدائی روایت ہے کہ "۱۸۳۹ کے مقدمہ سازش حیدر آباد میں نظام کے بھائی نواب مبارزالدولہ ایک مرکزی شخصیت رکھتے تھے اور اس کی بناء ولایت علی کی کارروائیوں پر تھی۔ ولایت علی کے دکن لتعینات کیے جانے کا ذکر اوپر ہوچکا ہے۔ حیدر آباد پہنچ کر انھوں نے اپنی مشنری اور تبلیغی کاروائیاں شروع کردی تھیں۔ کچھ عرصہ کے بعد مبلغ وواعظ کی حیثت سے ان کی شہرت مبارزالدولہ تک پہنچی تو انھوں نے اپنے دو علماء زینِ العابدین اور محمد عباس کو ولایت علی سے ملنے کے لئے متعین کیا۔ ان دونوں علماء نے ولایت علی سے بیعت کرلی اور بعد میں ان کے خلیفہ مقرر کردیے گئے۔ خود مبارزالدولہ نے بھی بیعت کرلی اور تحریک کے ایک سرگرم کارکن بن گئے" (صفحہ ۱۶۵)۔ یہ بیان ناقابل قبول ہے اور بہت کچھ لائق بحث۔

ڈاکٹر قیام الدین احمد کا یہ بیان مبارزالدولہ کے اپنے حالات کی روشنی میں بہ مشکل تمام بھی قرین واقعہ نہیں معلوم ہوتا ہے اور مبارزالدولہ کی شورش خزانہ والی دوسری نظربندی کے دورانیہ سے بخصوصیت لاعلمی کی بناء پر چنداں قابل قبول نہیں ہے۔ شورش خزانہ کے

Marfat.com

واقعات سے قبل مولوی ولایت علی کے ورود حیدر آباد کے باوجود وہ پورا زمانہ مبارزالدولہ کیلئے ناسازگار و ناساعد تھا کہ وہ "جنگ مبارزالدولہ" والی قید سے رہائی ۱۸۲۰ کے بعد ۱۸۲۹ تک اپنے محل میں "حکما" نظربند رہے تھے۔ ۱۸۲۹ میں اپنے والد سکندر جاہ کی رحلت پر بڑے بھائی ناصرالدولہ کے تخت نشین ہونے کے معا" بعد اولین فرصت میں ملنے والے موقع سے فائدہ اٹھانے کی ناکام کوشش کی۔ وہابی تحریک کے طویل سلسلہ عمل میں مبارزالدولہ کی شرکت شورش خزانہ والی دوسری اسیری سے نجات کے کئی برس بعد ہی اس وقت ممکن ہوئی جب تحریک کی تنظیم اور مقامی قیادت نے اپنی منصوبہ بندیوں میں ضروری کامیابی حاصل کرکے ممکنہ قوت مجتمع کرلی۔ یہ ضرور ممکن ہے کہ زین العابدین و محمد عباس نامی حیدر آبادی افاضل مولوی ولایت علی کے دوران قیام ہی ان سے متاثر اور ملاقی ہونے کے بعد بیعت بھی ہوچکے ہوں لیکن مبارزالدولہ کی مولوی ولایت علی سے ملاقات کا معاملہ امکان سے بعید بلکہ خارج محسوس ہوتا ہے۔ اس خصوص میں شورش خزانہ پر گزشتہ باب کی تفصیل دوبارہ ملاحظہ کی جاسکتی ہے تاکہ ممکنہ حد تک درست اور قرین حقیقت نتیجہ اخذ کرکے حتمی رائے قائم کی جاسکے۔

مبارزالدولہ کی مولوی ولایت علی سے نیاز کیشانہ ملاقات اور بیعت کے سرے سے وقوع پذیر نہ ہونے کی حد تک اس اختلافی نکتے کے صرف نظر اس امر میں کسی طرح کے اور معمولی سے بھی اشتباہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ مولوی ولایت علی کی مجاہدانہ نوعیت کی تحرکی کوششوں کے باعث حیدر آباد میں اس تنظیم کا قیام نیز نشوونما اور استحکام عمل میں آیا۔ مولانا غلام رسول مہر نے ابتدا" "جماعت مجاہدین" میں اس جانب مجمل سا اشارہ فرمایا اور سید محمد علی رامپوری و ولایت علی صاحبان کی حضرت سید احمد بریلوی کے فرمان کی تعمیل میں حیدر آباد روانگی کے ذکر میں اغلب ہے کہ بربنائے غلط فہمی ہی مبارزالدولہ کے مولوی ولایت علی کا دامان ارادت تھامنے کا حوالہ دیا: "یہاں صرف اتنا بتادینا ضروری ہے کہ دعوت و تبلیغ سے انھوں نے ہزاروں مسلمانوں کو راہ حق پر لگادیا اور بہت سے آدمی ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے جن میں سکندر جاہ والی مملکت آصفیہ کے فرزند میر گوہر علی خاں مبارزالدولہ بھی شامل تھے" (صفحہ ۵۹۔ ۶۰)۔ اسکے ایک دم قطع نظر کہ مبارزالدولہ کے خود مولوی ولایت علی سے ملنے کا کوئی ثبوت آیا متحقق ہو بھی سکتا ہے یا نہیں مولانا مہر نے حیدر آباد کے عامتہ

Marfat.com

المسلمین کے مولوی ولایت علی کو مرجع خلایق بنانے کی تصویر کشی نہایت عمدگی سے فرمائی ہے"
اس اجمال کی تفصیل حضرت مہر کی فاضلانہ علمی تدقیق کے اپنے الفاظ میں پیش خدمت ہے۔

"سرگزشت مجاہدین" میں ،صفحہ ۱۶۹ یہ روایت کرتے ہیں کہ جب "مولوی ولایت علی حیدر آباد سے روانہ ہوئے تو دس ہزار کے قریب مسلمان انکے حلقہ ارادت میں داخل ہو چکے تھے' ان میں بہت سے اکابر بھی شامل تھے" چند مقامی زعماء کی مختصر سی فہرس مولانا غلام رسول مہر نے تحریر کی ہے جو ملاحظہ ہو:" (۱) مولوی محمد آصف جو مولوی محمد رفیع الدین مغفور کے داماد تھے' ان کی ہی کوششوں سے بعد ازاں ایک لاکھ کے قریب مسلمان داخل بیعت ہوئے ان میں امیر کبیر نواب شمس الامرا بھی شامل تھے۔ (۲) میر فضل اللہ جو خود ناصر الدولہ کے استاد تھے۔ انکے علاوہ مولوی سید محمد مغربی' مولوی محمد عباس' مولوی پیر محمد اور مولوی سید قاسم کے نام بھی مذکور ہیں۔" اول الذکر مولوی محمد آصف راقم اوراق ہذا کے وطن مالوف و متروک نظام آباد دکن (اس وقت موسومہ اندور) کے منصب قضاۃ پر فائز تھے' تفتیشی کمیشن کی روداد میں قاضی محمد آصف اور انکے خواہر زادے سید محمد عباس کی انگریز دشمن کارروائیاں اور انکو دی گئیں سزائیں بھی ضبط تحریر میں آتی ہیں۔

"دعوت کے خاص مرکز" کی ذیل میں "سرگزشت مجاہدین" میں کل چودہ (۱۴) افراد کی فہرست سازی کر کے ہر مرکز کا محل وقوع نشان زد کیا گیا ہے۔ ان میں سے بھی چند اسمائے گرامی تفتیشی روداد میں متعلقہ مصروفیات کی گاہ گاہ کیفیتوں کے ساتھ متذکرہ ہیں جبکہ کچھ افاضل کے ناموں کا انکشاف بھی ہوتا ہے۔ البتہ وہ متعدد نام جو تحقیقاتی کمیشن نے مبارز الدولہ اور وہابی تحریک کے جاسوسوں اور مختلف سطح کے کارکنوں کے طور پر درج کر کے ان کے مشاغل کا احاطہ کیا ہے اغلب ہے کہ مولانا مہر کے علم میں نہ آسکے کیونکہ دکن کے قدیم و جدید مصادر ان کے پیش ملاحظہ نہیں تھے۔ مولانا غلام رسول مہر نے ان حیدر آبادی مراکز کی عام اور مجموعی کیفیات کے بطور صفحہ ۱۷۰ پر مختصراً" یہ ارشاد کیا ہے جس سے ان اداروں کی فعالیت کا تصور کیا جا سکتا ہے:"قیام گاہوں کی تفصیل بیان کرنے کا مدعا یہ ہے کہ وہ مقامات تعلیم و تدریس' وعظ و نصیحت اور اصلاح و درستی کے خاص مرکز تھے۔ گرد و پیش کے مسلمان انہی مقامات پر وقتاً" فوقتاً" جمع ہو جاتے تھے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سید صاحب (سید احمد شہید) کے رفقاء و خلفاء احیائے اسلامیت اور اصلاح عقاید و اعمال کا

Marfat.com

کام کس اہتمام و تنظیم سے انجام دیتے تھے۔ یہ صرف ایک مقام کی سرسری تفصیلات ہیں، یقین ہے کہ انھوں نے ہر مقام پر اسی قسم کے انتظامات کر رکھے ہوں گے۔"

مولانا غلام رسول مہر نے اس فہرس سے متعارف کراتے ہوئے لکھا ہے: "حلقہ ارادات کی توسیع کے ساتھ جابجا مرکز قائم ہوگئے تھے جن کا انتظام مختلف بزرگوں نے سنبھال لیا تھا" (صفحہ ۱۷۰۔۱۶۹)۔ زیادہ تر رہائش گاہوں کے محل وقوع سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حیدر آباد کے قلب شہر میں تھیں جو سقوط حیدر آباد کے خاصا قبل سے "اندرون بلدہ" کہلاتا ہے (اور جدید حصہ شہر "بیرون بلدہ")۔ اس طرح ان اداروں کو مرکزیت کے ساتھ ساتھ آگے چل کر یعنی ۱۸۳۹/۱۸۳۸ میں نقطہ عروج کو پہنچنے والی وہابی تحریک کے دوران مبارزالدولہ کی اپنی قیام گاہ واقع کوٹلہ عالی جاہ سے بے حد مکانی قربت بھی حاصل تھی۔ یہ گویا ایک جال سا بچھا ہوا تھا جو وہابی تحریک کے ابتدائی قریب دس سالہ عرصے کی مخصوص تعلیم و تبلیغ دینی سے لے کر اس کے بعد ۱۸۳۹/۱۸۳۸ کی باضابطہ تنظیمی کارگزاریوں کے لئے تربیتی اداروں اور مراکز کارروائی کے طور پر کام میں آیا۔ تفتیشی کمیشن کی روداد ان میں سے بیش تر مرکزوں کے ذکر کیا متعلقہ حضرات کے ناموں سے تک عاری ہے مگر اس میں وہاں کی چہل پہل اور وہاں سے ہونے والی کارروائیوں کا ایک نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔ یہ منظر کشی اس روداد کے کثیر اجزاء کو بھی جستہ جستہ اقتباس کرنے سے اس طور نہیں ہو سکتی جس طرح اس پوری تفتیش کے ماحصل کو یکجا پیش کرنے سے بہتر سے بہتر ممکن ہوتی۔ اسی خیال سے تحقیقاتی کمیشن کی روداد کے دستیاب اجزاء کی ترجمانی کی خاطر اس حصہ کتاب کا تیسرا باب وقف کر دیا گیا ہے۔

مولوی ولایت علی کی حیدر آباد "دکن میں دعوت و تبلیغ" کی تحریکی مہم کے خاص خاص تعلیمی و تربیتی مراکز اور ان کے انتظام و انصرام کے ذمہ دار بزرگ افاضل کی فہرست جو "سرگزشت مجاہدین" میں مولانا مہر کی ترتیب دادہ ہے صفحہ ۱۷۵ سے منقول ہے۔ حسب ضرورت قوسین میں مختصراً اضافوں کی جسارت کی گئی ہے۔

(۱) "مولوی محمد ولی الدین : یہ صاحب مسٹر پامر انگریز تاجر کے بچوں کو پڑھاتے تھے، ان کا مکان عیسیٰ میاں کے بازار میں تھا" (یہ بازار عیسیٰ میاں جدید حصہ شہر "بیرون بلدہ" میں موجودہ رزیڈنسی کے پاس واقع ہے)۔

(۲) "مولوی محمد سلیم : یہ مبارزالدولہ کی سرکار میں ملازم تھے اور ان کا مکان کوٹلہ

Marfat.com

عالی جاہ میں تھا" (مبارزالدولہ کے تحریکی کردار میں اہم ترین شخصیت جن کی منصوبہ بندیوں اور عملی کارگزاریوں کی مفصل سرگزشت آئندہ سرخیوں کے تحت آرہی ہے)۔

(۳) "مولوی محمد کرامت علی : یہ راجا چندولعل کی سرکار میں ملازم تھے اور ان کا مکان صفدر نواز جنگ کی مسجد کے قریب شکر گنج میں تھا" (اس گنہ گار کے نانا حضرت مولوی فضل حق کے حقیقی دادا' زیر عتاب آنے کی حکایت بزرگان خاندان سے شنیدہ)

(۴) "مولوی محمد عمادالدین : یہ مولوی محمد آصف کے فرزند تھے' مبارزالدولہ کی سرکار میں ملازمت اختیار کرلی تھی' ان کا مکان بازار سلیمان جاہ میں تھا" (موجودہ نظام آباد دکن یعنی سابقہ اندور کے قاضی محمد آصف کے بیٹے)۔

(۵) "مولوی محمد فرید الدین : یہ بھی مبارزالدولہ کی سرکار میں ملازم تھے اور ان کا مکان کو ٹلہ عالی جاہ میں سید محمد عباس کے مکان سے متصل تھا۔"

(۶) "مولوی عبدا ا ادی : ملازم سرکار مبارزالدولہ' ان کا مکان کو ٹلہ عالی جاہ میں تھا' (تفتیشی روداد میں جابجا متذکرہ)۔

(۷) "مولوی محمد جعفر : ملازم سرکار نواب شمس الدولہ' ان کا مکان بازار سلیمان جاہ میں تھا۔"

(۸) "سید عبدالواحد عرف واحد علی : سید قاسم کے چھوٹے بھائی اور دولت آصفیہ میں ملازم تھے' ان کا مکان مولوی محمد جعفر کے مکان سے قریب تھا۔"

(۹) "مولوی حسن محمد ملازم سرکار شمس الامرا' ان کا مکان فتح دروازہ کے پاس تھا۔"

(۱۰) "حافظ عبدالسمیع ملازم سرکار مبارزالدولہ' ان کا مکان بیگم بازار میں تھا۔"

(۱۱) "میاں محمد شرف الدین ملازم سرکار مبارزالدولہ' ان کا مکان مسجد نصیحت المسلمین کے پاس تھا۔"

(۱۲) "حافظ حسن خاں رام پوری ملازم سرکار مبارزالدولہ' ان کا مکان مولوی محمد جعفر کے پاس بازار سلیمان جاہ میں تھا۔"

(۱۳) "مولوی عبدالرزاق' ان کا مکان کو ٹلہ عالی جاہ میں تھا۔"

(۱۴) "سید جلال الدین : یہ سنگاریڈی پیٹ میں رہتے تھے اور وعظ فرمایا کرتے تھے' سید عبداللہ ان کے معاون و رفیق تھے۔"

Marfat.com

تفتیشی کمیشن کی روداد کے خاص حوالے سے جیسا کہ عرض ہوا ان سب کے من جملہ چند حضرات کے تحریکی فرائض و مشاغل پر واضح اشارے ملیں گے جبکہ کچھ کا کوئی اور حال اور ذرائع سے نہیں کھلتا ہے۔ اہم تر یہ کہ مولوی سلیم کو جن کا تحریک کے تنظیمی امور اور منصوبوں نیز مبارزالدولہ کے اپنے عزائم میں عمل دخل بالتفصیل سامنے آتا ہے مولانا غلام رسول مہر نے خلفاء یا رفقائے سید احمد شہید کجا اہم تحریکی ارکان یا کارکنوں میں بھی جو شمال سے بطور خاص حیدر آباد منتقل ہوئے ہوں شمار نہیں کیا ہے۔ "سرگزشت مجاہدین" کے بالکل برعکس دکن کے نئے پرانے سبھی مراجع میں مولوی سلیم کو نہ صرف یہ کہ مولوی ولایت علی کے ہمراہ وارد حیدر آباد ہونے والا خصوصی رفیق بلکہ حضرت سید احمد بریلوی کا خلیفہ مجاز بھی قرار دیا گیا ہے۔ مولانا مہر دکنی مطبوعات کی عدم دستیابی سے حیدر آباد میں مولوی سلیم کے زوردار کردار سے تو واقف نہ ہوسکے مگر مولوی سلیم کی گزشتہ سوانح بھی تحریکی مآخذ سے شاید سامنے نہ آسکی وگرنہ مولوی سلیم کو مولانا مہر صرف "مبارزالدولہ کی سرکار میں ملازم" باور کرنے پر ہرگز اکتفاء نہ فرماتے۔

"دکن میں دعوت و تبلیغ" کی تحریکی مہم پر مولانا غلام رسول مہر سے زیر اقتباس عنوان ہذا و آئندہ کی ان سب تفصیلوں کا کوئی ذریعہ افسوس کہ عیاں نہیں ہے۔ "سرگزشت مجاہدین" کے اس باب میں کل ملا کر صرف ایک ضمنی سرخی "مولوی نصیرالدین کا اعلام نامہ" کے تحت جس سے آگے اکتساب ہوگا ایک مخطوطہ بعنوان "اخبار مولوی سید نصیرالدین" کا حوالہ ہے جس کے سوا پورے باب میں کسی اور مطبوعہ یا قلمی ماخذ کا کوئی داخلہ موجود نہیں ہے۔ کتاب کے اس حصے متعلقہ مولوی سید نصیرالدین دہلوی کے تمام تر مصادر میں یہی قلمی نسخہ اہم ترین ہے۔ جس کے اولین حوالے پر مولانا مہر نے اس کو صفحہ ۱۳۱ کے حاشیے میں یوں متعارف کرایا ہے۔ "یہ حالات ابواحمد علی کے اس رسالے سے ماخوذ ہیں جو انھوں نے مولوی سید نصیرالدین کی مجاہدانہ سرگرمیوں کے متعلق مرتب کیا تھا اور جس کا صرف ایک ناقص نسخہ مجھے مل سکا۔" تاہم اس کا عنوان پہلے پہل صفحہ ۱۳۶ کے حاشیے میں درج فرمایا ہے۔ "اخبار مولوی سید نصیرالدین خلیفہ سید احمد صاحب مخطوطہ"۔ زیر اکتساب اقتباسات کا بنیادی وسیلہ اغلب ہے کہ سید احمد ابوعلی کی یہی قلمی تالیف ہے مگر عجب تو نہیں کہ خاصا بعد کی کچھ کتب مولانا مہر کے ملاحظے میں رہی ہوں جن کے اندراجات بوجوہ رہ گئے ہوں۔ بعد کے

Marfat.com

کتابی وسائل کے مولانا مہر کے زیر مطالعہ آنے کا خیال اس لئے ہوتا ہے کہ مثلاً ایک مقام پر انھوں نے "عیسیٰ میاں بازار" کا بھی نام لکھا ہے جو بہت بعد میں قائم ہونے والا علاقہ ہے اور "رزیڈنسی" کی طرح "بیرون بلدہ" یعنی اس زمانے کے حیدر آباد سے باہر اور الگ واقع حصہ شہر میں ہے۔

"مبارزالدولہ کی عزیمت" اور سفارت سندھ

منقولہ فہرست مراکز و ارباب تحریک سے متصل مولانا غلام رسول مہر نے "مبارزالدولہ کی عزیمت" نیز "مولوی نصیرالدین کا اعلام نامہ" اور "حیدر آباد دکن سے حیدر آباد سندھ" کے عنوان سے مبارزالدولہ کی سیاسی و تحریکی سوانح کے چند گوشوں کو روشن تر فرمایا ہے، سوئے اتفاق کہ یہ سبھی پہلو دکن کے ماخذات میں دکنی محاورے کے مطابق گوشہ میں ہی رہ گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری اطلاعیں سید ابو احمد علی کے مولفہ حالات مولوی نصیرالدین دہلوی کے خطی نسخے سے مستفادئیں۔ یہ ضرور ممکن ہے کہ مولانا مہر نے "سرگزشت مجاہدین" کی افزوں تر طوالت و ضخامت کے مد نظر مبارزالدولہ کے وہابی تحریک میں عملی حصے پر زیادہ تفصیلوں کو اس فارسی تالیف سے اقتباس نہیں فرمایا کیونکہ مبارزالدولہ کی سیاسی زندگی کیا تحریکی جدوجہد پر بھی کوئی باب اضافہ کرنا مقصود نہ تھا۔ راقم کی اپنی بدبختی کہ ۱۹۶۲ء میں مکمل طور پر مسودہ نویسی کے باوجوز مولانا غلام رسول مہر کی حیات مبارکہ کے دوران اس سوانح کو بغرض اشاعت تیار کرنے کی سرے سے مہلت نہ پاسکا۔ بامر مجبوری معلومہ مختصرات پر انحصار و اکتفاء کے سوا چارہ نہیں۔ "سرگزشت مجاہدین" میں احوال نصیرالدین کی قلمی کتاب کے بارے میں سوئے اتفاق سے یہ بھی مذکور نہیں ہے کہ یہ دریافت کہاں ہوئی ہے اور اب کہاں مخزونہ ہے، ورنہ اس سے استفاضہ و اکتساب کے لئے خاکسار حتی الوسع کوشاں ہوتا۔ مولانا غلام رسول مہر کے مملوکہ ذخائر تک رسائی بھی افسوس کہ حیطہ امکان میں نہیں ہے۔ مولانا کی خدمت میں عرایض نویسی کا تعلق عظیم اللہ خان سے رہا۔

مبارزالدولہ کے ذہن و فکر اور شاہانہ طرز حیات میں تحریک کی اصلاحی تعلیمات کے زیر اثر سراسر منقلب ہوجانے کا انکشاف مولانا غلام رسول مہر نے "مبارزالدولہ کی عزیمت" کے تحت کیا ہے: "ناصرالدولہ کے بھائی نواب مبارزالدولہ نے اس تحریک اصلاح

Marfat.com

میں سبقت کا مقام حاصل کرلیا۔ انھوں نے سید صاحب کی کتاب "صراط مستقیم" اور شاہ اسمٰعیل کی کتاب "تقویت الایمان" پڑھیں تو شرک و بدعت اور منہیات کے تمام مراسم ترک کردیے۔ وقت کے امراء کی طرح ان کے حرم میں بھی بہت سی عورتیں داخل تھیں۔ مبارزالدولہ نے صرف چار عورتیں رکھیں' باقی سب کو اجازت دے دی کہ نکاح ثانی کرلیں اور ہر ایک کو اس کی حیثیت کے مطابق روپیہ اور ضرورت کی دوسری چیزیں دے دیں۔ ان کے دربار میں آداب تسلیمات کے بجائے سلام مسنون جاری ہوگیا۔ غرض ان کے گھر' دربار اور جاگیر میں شریعت کے مطابق عمل ہونے لگا۔ بعض لوگوں نے مخالفت کا شور اٹھایا لیکن مبارزالدولہ طریق حق پر عزم و جزم سے قائم ہوچکے تھے لہٰذا ان پر کوئی اثر نہ پڑا۔" (صفحہ ۱۷۱-۱۷۰) تاہم آخرالذکر کیفیت کا سلسلہ "مبارزالدولہ کا انجام" نامی آخری سرخی کی اطلاعات سے ملتا ہے جو آئندہ اقتباس ہوں گی۔

مولوی سید نصیرالدین دہلوی مقیم سندھ کے عازم جہاد ہونے کے بعد ان کی جانب خاص سے "دعوت عام کا اہتمام" کیے جانے کی تفصیل میں مولانا غلام رسول مہر نے اعلام نامہ نصیرالدین کی بجائے ان کے اعلام ناموں کے مخاطبین کا عنوان قائم کرکے ہندوستان کے طول و عرض میں ۴۵ مختلف صوبوں اور ریاستوں کے ایک سو سے زائد حضرات کی فہرست "سرگزشت مجاہدین" کے صفحات ۱۶۴ تا ۱۶۶ میں پیش کی ہے۔ "مولوی صاحب کے مخاطب" ان صاحبان میں صرف شمال کے شہروں کے زعماء شامل ہیں اور موجودہ پاکستان اور جنوبی ہند کے علاقوں کے مسلمان عمائد کے نام ان میں نہیں ملتے ہیں۔ تاہم مولانا .صفحہ ۱۷۱ راوی ہیں کہ "مولوی نصیرالدین کا اعلام نامہ نواب مبارزالدولہ کے ملاحظے میں پیش ہوا تو نواب موصوف نے مولوی محمد آصف' مولوی سید عباس' مولوی سید قاسم' حافظ سید محمود اور مولوی پیر محمد کو بلاکر حکم دیا کہ آپ حضرات پچاس مجاہدین ساتھ لے کر سندھ چلے جائیں' تمام حالات خود ملاحظہ کریں۔ یہ دیکھیں کہ حاکمان سندھ کس حد تک حمایت کے لئے تیار ہیں' مجاہدین کی قیام گاہ کیسی ہے اور وہاں اخراجات و مصارف کا کیا حال ہے۔ یہ سب کچھ دریافت کرکے "وکیل معتمد را نزد ما فرستادہ اطلاع دہید۔ ماحتی الامکان بہ تائید مجاہداں خواہیم پرداخت و مال و اسباب کثیر و مردم بسیار روانہ خواہیم شود (بحوالہ: "اخبار مولوی سید نصیرالدین مخطوطہ صفحہ ۱۲۱") (ترجمہ) قابل اعتماد وکیل ہمارے پاس بھیج کر اطلاع دی جیسے' ہم

Marfat.com

حتی الامکان مجاہدین کی تائید کریں گے' بہت سا مال اسباب اور بہت سے آدمی بھیجیں گے" (صفحہ۱۷۱)۔

تفتیشی کمیشن کی روداد میں مبارزالدولہ سے اجازت اور رقم لے کر سندھ کی جانب مولوی نصیرالدین سے رابطے کی غرض سے روانہ سفر ہونے والوں کے نام اور اس سفارت کے بھی کچھ حالات مذکور ہیں جبکہ ڈاکٹر قیام الدین احمد کی تحقیق میں ان نمایندوں کا مجمل سا حوالہ آسکا ہے۔ "حیدر آباد دکن سے حیدر آباد سندھ" کے عنوان سے مولانا غلام رسول مہر نے مبارزالدولہ کے ان سفرا کا کچھ احوال غالباً" اسی فارسی تذکرۂ نصیرالدین سے اخذ کیا ہے۔ "یہ تمام حضرات سید محمد علی رام پوری اور مولوی ولایت علی عظیم آبادی کے معتقد تھے۔ ان سے استصواب کی خاطر کلکتہ خطوط بھیجے' جب وہاں سے جواب باصواب آگیا تو ۱۴ شعبان ۱۲۵۲ھ' ۱۳ نومبر ۱۸۳۷ء کو حیدر آباد سے روانہ ہوئے۔ شولا پور اور پونہ ہوتے ہوئے بمبئی سے جہاز کی سواری میں کراچی پہنچے' وہاں سے ایک ہفتے میں حیدر آباد چلے گئے۔ سید عبدالرحمٰن خواہرزادہ سید صاحب نے ان کا خیرمقدم کیا۔ عزت سے ٹھہرایا اور پورے حالات ان کے گوش گزار کیے۔ وہاں سے اواخر ذی قعدہ میں یہ لوگ کشتی پر سوار ہو کر مولوی سید نصیرالدین کے پاس گئے جو اس وقت شکارپور میں تھے اور جو معلومات حاصل کرنے کی غرض سے وہ آئے تھے ایک مفصل مکتوب کی صورت میں دو قاصدوں کے ذریعہ سے حیدر آباد بھیج دیں" (صفحہ۱۷۱)۔

مولوی سید نصیرالدین دہلوی کے دورۂ سندھ میں مبارزالدولہ کے نمایندوں کی ان سے ملاقات اور دریافت احوال کی خاطر آمد کی طرف ڈاکٹر قیام الدین احمد نے اس طرح اشارہ کیا ہے: "نواب مبارزالدولہ حیدر آباد کے ایک کارپرداز کے بیان کے مطابق جو اسی زمانہ کے لگ بھگ سندھ بھیجا گیا تھا نصیرالدین اور ان کے گروہ کو کرنل پوٹنگر کے مشورے سے سندھ چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا مگر ان کی طرف سے کچھ بااثر اشخاص نے مداخلت کی اور انھیں کچھ دن ٹھہر جانے کی اجازت مل گئی اور نصیرالدین پھر پیرکوٹ چلے گئے۔ وہ کچھ دن شکارپور میں بھی ٹھہرے جہاں متذکرہ کارپرداز ان سے ملے اور رپورٹ کی کہ نصیرالدین کے ساتھ دو سو رفقاء ہیں جو بنگال کی فوج کے منتظر ہیں" (صفحہ ۱۱۷-۱۱۵)۔ یہاں غالباً" مولوی ولایت علی وغیرہ کے بغرض جہاد تیار کیے ہوئے آدمی مراد ہیں جنھیں ضروری تربیت اور اسلحہ سے لیس ہو کر آنا تھا

Marfat.com

کیونکہ ان مجاہدین کے علاوہ ایسی کوئی اور "بنگال کی فوج" تو نہ تھی جو مولوی سید نصیرالدین دہلوی کے اپنے مجاہدوں کی حامی و ناصر ہوتی۔ پروفیسر قیام الدین کا بھی ماخذ افسوس کہ غیر منقول ہے ورنہ کچھ اور اضافوں کے لئے جستجو کی جاتی۔ کرنل پوٹنگر کا نام انگریزوں کی مہم چترال میں آتا ہے۔

مبارزالدولہ کے ہاں سے سندھ کو گئے ہوئے قافلہ سفارت کے مکاتیب کی جانب تفتیشی کمیشن کی اپنی خاصی مفصل روداد میں مولانا غلام رسول مہراور ڈاکٹر قیام الدین احمد جیسے جدید مورخین کے منقولہ اشارات سے زیادہ معلومات جمع کی گئی ہیں۔ یہ ایک عجیب و غریب سا اتفاق ہے کہ ان تینوں باضابطہ طور پر علیحدہ نوعیت کی حامل تحقیقات میں ان مراسلوں کے مکمل متون نہ سہی کم از کم ضروری اجزاء کے حصول اور اقتباس کی طرف بھی فاضل مولفین و مصنفین کی توجہ منعطف نہ ہو سکی۔ اس کا شاخسانہ یہ ہے کہ علی الخصوص مبارزالدولہ کی سیاسی زندگی اور تحریکی سوانح ہی نہیں بلکہ تحریک مجاہدین کے جنوبی ہند کے نقشے پر ارتقاء کی تاریخ کی یہ انتہائی اہم دستاویزیں آج ریکارڈ سے مفقود بلکہ معدوم ہی ہیں۔ نہیں عرض کیا جا سکتا کہ یہ تحریکی مکتوبات کس ذخیرے میں کہاں مخزونہ ہوں گی اور کرم خوردہ ہونے سے محفوظ رہ بھی گئی ہوں تو آیا ان کی حالت قابل استفادہ ہوگی بھی یا نہیں۔ ہر چند کہ زیر اکتساب وسائل میں مذکورہ خط و کتابت سے واقعات کے طویل اور الجھے ہوئے سلسلہ عمل در عمل کی ساری کڑیاں نہیں ملتی ہیں، تحقیقی کمیشن کی روداد میں مبارزالدولہ کی مرکزی شخصیت کے اطراف سفارت و مراسلت کا ایک ایسا ہندوستان گیر نقشہ ترتیب پا گیا ہے جو ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی تحریک مجاہدین کی اپنی چہل پہل اور نتیجتاً" اس کے ردعمل میں مچی ہوئی ہلچل کی خاصی منظر کشی کرتا ہے۔ مبارزالدولہ کی سفارتوں اور خفیہ مراسلتوں کی صرف ایک جھلک ہی سطور ہذا میں دکھائی جا سکی ہے، اس اجمال کی ممکنہ تفصیل تحقیقاتی روداد کے مختلف اور متعدد اجزاء میں ملاحظے میں آئے گی اگرچہ مکاتیب اور پیغامات کے متون ہم دست نہیں ہیں۔

یہ اتفاق بھی کم عجیب نہیں ہے کہ اس ساری تگ و تاز کے پس پشت موجود اس سرگرم و فعال اور متحرک و پرجوش ہستی کے کارناموں سے دکن کے باہر کے محقق و مورخ افاضل لاعلم رہ گئے ہیں جس کی منظم اور گرم جوش تحریکی کارگزاریوں کے تذکرے کے بغیر تحریک

Marfat.com

مجاہدین یا وہابی تحریک کے ۱۸۳۸/۱۸۳۹ میں حیدر آباد کے مرکز سے لے کر شمالاً "جنوباً" ارتقاء کی ہر تاریخ تشنہ تکمیل بلکہ بہت بڑی حد تک ناقص ہی رہ جائے گی۔ یہ ہمہ گیر اور کار فرما شخصیت جس بزرگ کی تھی اس کے اسم مبارک کے صرف ایک جزو کا آج علم ہوتا ہے مولوی سلیم، جیسا کہ حوالہ نقل ہوا ہے مولانا غلام رسول مہر کی ترتیب دادہ تعارفی فہرست میں ان بزرگ کا محض اس قدر مذکور ملتا ہے: "مولوی محمد سلیم جو مبارز الدولہ کی سرکار میں ملازم تھے اور ان کا مکان کوٹلہ عالی جاہ میں تھا۔" ان چند الفاظ میں جو داستان مستور ہے اس کی فقط چند ایک جھلکیاں حیدر آباد کی نئی پرانی کتابوں سے بازیاب ہو سکی ہیں۔ راقم اس مرحلے پر خواہاں و کوشاں ہے کہ مولوی سلیم کی اپنی فعالیت کے تھوڑے، بہت جتنے بھی نمونے برآمد ہوئے ہیں انھیں مرتب و مہذب انداز میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرے تاکہ مولوی سلیم کی تحریکی مصروفیات اور منصوبہ بندیوں نیز مبارز الدولہ پر اثراندازی اور تنظیمی مساعی کا ایک باقاعدہ و مکمل منظرنامہ نہ سہی اس کا نقشہ سا نگاہوں میں پھر جائے۔ ان سطروں کی وساطت سے مولوی سلیم کی مجاہدانہ شخصیت اور تحریکی خدمات کو عقیدت اور جستجو کا بھرپور خراج پیش کرنا تو راقم کی اپنی بے بضاعتی کے سبب غیر ممکن ہے چنانچہ مجبوراً "ان مختصرات پر قناعت اور انحصار کر رہا ہے۔ نینی گوپال چوہدری نے مولوی محمد سلیم کو لکھنوی لکھا ہے جیسا کہ ان کی تحقیق کے مترجمہ متن سے معلوم ہوگا۔

مبارز الدولہ کے ہاں مولوی سلیم کی رسائی

"گلزار آصفیہ" اور اغلب ہے کہ اس کے اتباع میں دیگر حیدر آبادی کتب میں بھی مولوی سلیم کا تذکرہ جس طرح مولوی ولایت علی سے ہم رشتہ آیا ہے اس سے اس خیال کو تحریک ملتی ہے کہ ممکن ہے مولوی سلیم بھی اپنے تحریکی پیش رو کے فیض یافتہ رہے ہوں۔ البتہ "گلزار آصفیہ" کے بیانات سے یہ جو ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی ولایت علی کی حیدر آباد سے واپسی کے معاً" بعد ان کے ان ہمراہی مولوی سلیم کا مبارز الدولہ سے فوری رابطہ ہو گیا۔ واقعاتی لحاظ سے سوال طلب ہے۔ دوسری طرف مولوی سلیم کا مولوی ولایت علی کی ہی طرح "خلفاے سید احمد" میں سے ہونا خود تحریکی تواریخ سے ثابت نہیں ہو رہا ہے جبکہ ان کا مولوی ولایت علی کے ہمراہ حیدر آباد تشریف لانا بھی شمال کی تحقیقات میں کہیں بیان نہیں ہوا ہے۔

Marfat.com

مورخ "گلزار آصفیہ" کے طرزبیان سے جہاں یہ خیال ہو رہا ہے کہ مولوی سلیم، مولوی ولایت علی کے تربیت یافتہ ضرور رہے ہوں گے وہیں قیاس یہ بھی کہتا ہے کہ حیدر آباد کے سفر کے دوران مولوی ولایت علی کو اور علماء کے ساتھ ساتھ مولوی سلیم بھی کسی مقام پر ملے ہوں گے اور تحریک مجاہدین کے مقاصد سے دلی اور عملی اتفاق کی بناء پر مولوی سلیم، مولوی ولایت علی کی معیت میں شریک کارواں ہو کر حیدر آباد تشریف لے آئے۔ اس طرح "گلزار آصفیہ" کا دونوں حضرات کا ہمراہ تذکرہ قابل فہم ہو جاتا ہے۔ اس تاریخ کی گزشتہ منقولہ روایت کا متعلقہ فقرہ یہ ہے: "چنانچہ مولوی ولایت علی و مولوی سلیم دربلدۂ حیدر آباد آمدہ مذہب مذکور را اشتہار تمام دادہ ہزارہا مردم را در مذہب خود آورند"۔ اس کے ذرا آگے مگر اسی صفحے ۱۴۱ پر اس کا یہ بھی کہنا تھا کہ "مولوی ولایت علی چندے در بلدۂ حیدر آباد بودہ بسیار کساں را مرید خود ساختہ از بلوۂ علمائے شہر فرار نمود" جو محض غلط بیانی ہے۔

صاحب "گلزار آصفیہ" مولوی سلیم کے مبارزالدولہ کے ہاں رسوخ حاصل کرنے کی اطلاع مولوی ولایت علی کی واپسی کی خبر کے تسلسل میں ہی دیتا ہے: "مولوی ولایت علی چندے دربلدۂ حیدر آباد بودہ بسیار کساں را مرید خود ساختہ از بلوۂ علمائے شہر فرار نمود و مولوی سلیم در جناب مرشدزادہ مبارزالدولہ بہادر باریاب شدہ آں چناں داخل مزاج گشت کہ سوائے او و مریدان او دیگرے را باریابی مشکل تر گردید و چناں ذہن نشین خاطر نمود کہ میل مزاج بجانب مذہب وہابیہ شد" (صفحے ۱۴۲)۔ نظربظاہر مبارزالدولہ کا تعلق اس تحریک سے صرف اسی طرح اور اسی وقت قائم ہوا جب مولوی سلیم نے مبارزالدولہ سے رابطہ استوار کیا مگر اس وقت کا کیا تعین کیا جائے یہ ایک اہم سوال ہے۔ ڈاکٹر قیام الدین احمد کا یہ فرمودہ رہا ہے کہ مولوی ولایت علی کی اصلاحی تبلیغ سے متاثر ہو کر مبارزالدولہ نے زین العابدین و محمد عباس صاحبان کو ان کی خدمت میں بھیجا تھا تو "ان دونوں علماء نے ولایت علی سے بیعت کرلی اور بعد میں ـــــ خود مبارزالدولہ نے بھی بیعت کرلی۔" راقم نے اس تاثر کے برخلاف مبارزالدولہ کی سیاسی سوانح کی جن واقعاتی شہادتوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہی "گلزار آصفیہ" کے بھی اس بیان کی تردید کے لئے کافی ہیں کہ گویا مولوی ولایت علی کی مراجعت کے فوراً بعد مبارزالدولہ اور مولوی سلیم کا باہمی ارتباط ہوا۔ مورخ مذکور کی اس اطلاع کو پہلے ہی مسترد کیا جاچکا ہے کہ مولوی ولایت علی نے "بلوۂ علمائے شہر" کی بناء پر حیدر آباد سے راہ فرار

Marfat.com

اختیار کی تھی۔ تمام تر اندازوں کی رو سے قرین واقعہ اور ہر طرح سے قابل فہم یہی ہے کہ مولوی سلیم اور مبارزالدولہ کے تعلقات کئی برس بعد ۱۹۳۸ میں یا ایک سال قبل قائم ہوئے۔ ازاں قبل کا ثبوت ایک طرف امکان ہی معدوم ہے۔

جیسے اس رابطے کی صحیح تاریخ متعین نہیں جاسکتی اسی طرح تواریخ سے اس امر کا بھی ٹھیک سے پتہ نہیں چلتا ہے کہ آخر مبارزالدولہ اور وہابی تحریک کے مقامی قائد مولوی سلیم کے روابط کی بسم اللہ کیوں کر ہوئی۔ یا یہ کہ اس تعلق کی کس طرح ابتداء ہوئی اور دونوں میں سے کس فریق نے پہل کی۔ مبارزالدولہ کی سیاست و مبارزت کے گزشتہ جارحانہ انداز کی بناء پر دو قسم کے امکانات قابل غور معلوم ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ مبارزالدولہ خود مخالف انگریز جذبات اور ان کے پرشور اظہار کا ایک ریکارڈ رکھتے تھے اور چونکہ تحریکی علماء انگریز اقتدار کی بیخ کنی کے مجاہدے کے لئے مسلمانان حیدر آباد کو وعظ و تقریر سے مسلسل اکسا رہے تھے اس لئے مبارزالدولہ کو صرف اپنے زیر اثر حلقوں پر کلی انحصار سے آگے بڑھ کر اس نئے ادارے سے اشتراک عمل کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ ایک نئی قوت کی مدد سے طاقتور مہم چلا کر اپنا مقصد حاصل کرلیں۔ دوسرے یہی کہ اس نئی تنظیم کے ذمہ داروں کے علم میں نظام وقت کے ان سگے بھائی کا نیم مجاہدانہ کردار آیا ہوا تھا اور اپنی تحریک کے قدم جمانے کے لئے اس بڑے مقامی رئیس کی پشت پناہی کا حصول انھیں بے حد مفید مطلب معلوم ہوا چنانچہ مبارزالدولہ کی سرپرستی سے استفادہ ان کے لئے ناگزیر ہوگیا۔ ان دونوں صورتوں میں سے کسی پر بھی کوئی معاصر یا متعاقب تاریخ صاد نہیں کرتی ہے مگر آثار سے بھی عیاں ہے کہ دونوں فریقوں کا میل اسی طور ہوا کیونکہ دونوں کو ایک دوسرے میں مستقبل قریب کے غیر معمولی ممکنات نظر آئے اور دونوں نے بروقت ہی چند اندازے قائم کیے جن کی تصدیق قریبی عرصے کے واقعاتی ارتقاء نے کردی۔ پہل خواہ کسی نے کی ہو یہ صاف ظاہر ہے کہ مبارزالدولہ اور وہابی تحریک کے کردار کا سیاسی اتصال عین اس مناسب ترین موقع پر ہوا جب مبارزالدولہ زمانے کا گرم و سرد چشیدہ ہوکر ریاست کی اپنی سیاست میں ایک خاص مقام پر پہنچ چکے تھے اور دوسری طرف تحریک مجاہدین اپنے قائد کی شہادت کے بعد نئی اور تازہ تر توانائی حاصل کرچکی تھی۔ حالات نے دونوں کو جس تاریخی سنگم پر لا کھڑا کردیا تھا وہاں دونوں کی قوت کا بھرپور طور پر مجتمع ہونا اور ایک دوسرے کو اپنی اپنی طاقت سے مستفید کرنا ناگزیر تھا۔ یہ محض مشترکہ

Marfat.com

مفادات کا معاملہ نہیں تھا بلکہ تاریخ کے عمل کا ایک حصہ تھا کہ دونوں ہی قوتیں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہوئیں اور ایک دوسرے کی حامی و ناصر بنیں۔ تاہم شہزادے کی موقع پرستی بلکہ طالع آزمائی ظاہر ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مولوی سلیم مبارزالدولہ کے مزاج میں خاصے دخیل ہوگئے تھے اور دونوں کے گہرے تعلق کی باتیں زباں زد خاص و عام ہوگئیں۔ اس کی تفصیل صاحب "گلزار آصفیہ" کے الفاظ میں کچھ کم دلچسپ نہیں ہے جس نے دونون صاحبان کے راز و نیاز کی ایسی کچھ باتیں بہرحال تحریر کردی ہیں جو عام طور پر پھیل چکی تھیں: "مشہور ترا ینست کہ مقامی خلایق برزبان دارند۔ یعنی مولوی سلیم مرشد زادۂ معزرا مرتسم خاطر ساخت کہ اگر جناب مذہب وہابی را اختیار فرمایند ہمہ مصدقین ایں مذہب دو لک (دو لاکھ) آدم صاحب شمشیر معہ مردمان پلاٹن ہائے انگریزی از پشاور و لاہور و دہلی وغیرہ تا حیدر آباد و از پایان گھاٹ و بالاگھاٹ و چیناپٹن وغیرہ تا بندر منبئی (بمبئی) و سورت جناب را امیرالمومنین دانستہ در رکاب سعادت حاضر خواہند بود۔ پس بہر سمت کہ ارادہ فرمایند' بندوبست ملک و سلطنت آں جا بوجہ احسن خواہد شد و بغیر خرچ دامے ودرمے جاں نثاری ہا خواہند کرد و فی سبیل اللہ شہید خواہند گشت و دقیقہ از دقایق فدویت فرو نخواہند گزاشت۔ پس بسیار ملحوظ خاطر مبارک باشد کہ دریں مقدمات دینوی در پردۂ بندوبست می یابند۔ جناب تاریخ ہائے پادشاہان سلف ملاحظہ کردہ اند کہ چوں بندوبست سلطنت را دیدند کہ ہیچ وجہ صورت پذیر نہ گشت بادشاہان اولی العزم مذہب نو اختراع نمودہ مریدان جاں نثار بہم رسانیدہ کارہائے نمایاں بظہور آوردند و بمراد رسیدند" (صفحہ ۱۴۸)۔

مورخ "گلزار آصفیہ" راوی ہے کہ "آخرالامر از چنیں گفتگو مزاج مرشد زادہ موصوف را برگردانیدہ معتقد مذہب خویش گردانید کہ شب و روز در خیال مرشد زادہ خیال ہائے دیگر مرتسم گشت و عمل برقول و فعل مولوی سلیم اجراء می یافت" (صفحہ ۱۴۸)

مبارزالدولہ سے مذاکرات کی کامیابی پر ہی مولوی سلیم نے اس وسیع منصوبے پر عمل در آمد کیا جس کے تحت سفارت نیز جاسوسی اور مراسلت کے کاموں پر متعدد اشخاص مقرر کرکے ان میں سے ہر نظام کا ایک پورا جال پھیلا دیا گیا۔ یہ گویا تعلیم و تدریس اور وعظ و تبلیغ کی پہلے سے قائم تنظیم کی تشکیل نو یا بڑے پیانے پر توسیع تھی جبکہ خود مولوی سلیم تحریکی مواعظ کے کام

Marfat.com

میں بھی حصہ لیا کرتے تھے۔ منقولہ اطلاعات سے متصل تاریخ "گلزار آصفیہ" میں مولوی سلیم کی اس مصروفیت کا بھی انکشاف ہے: "او خود در مسجد متصل کوٹلہ عالی جاہ ہر روز بعد نماز ظہر نشستہ وعظ بلیغ در اثبات مذہب وہابی بیان می نمود و خلق اللہ را تحریص و وعد و وعید و عیدی ساخت و رسالہ ہائے مذہب خودرا بخوبی تمام می فہماید" (صفحہ ۱۴۸)۔

مولوی سلیم کی قیادت میں وہابی تحریک کی جانب سے ایک روز مقررہ پر وسیع پیمانے پر ہندوستان کے مختلف علاقوں سے حامیان تحریک کی "اندرون بلدہ" آمد اور طے شدہ کاروائی کے خفیہ منصوبے نیز اس کے دیگر شرکاء اور متعلقہ شہروں کی بھی نشاندہی "گلزار آصفیہ" میں مختصر مفید الفاظ میں ہوئی ہے' اصل عبارات یہ ہیں:

"و جابجا خطوط ہا فرستادہ تابیان خودرا آگاہ نمود کہ بہ فلاں تاریخ و روز در ہرجا کہ بودہ باشند ہم مذہبان خود را جمع کردہ غلو کردہ خلقت آں جارا در اطاعت و مذہب خویش در آرند ہرچند کہ کار شمشیر بوقوع آید در نگزرند۔ و دریں جا (حیدر آباد) ہم ہمون تاریخ و روز مقرری را مقرر کردہ بود کہ آں روز مردم بیرونی از ہر ہر جا کہ بودہ باشند اندرون بلدہ در آمدہ کار خود نمایند و حکم خویش جاری سازند' اگر کار شمشیر در آید قصور نکنند۔ چناں چہ تابیان مولوی سلیم از مردان لاہور و پشاور و از پسر میرخاں از سرداران دیگر نیز کہ در مذہب ایشاں بودند قرارداد علیحد کہ بفلاں تاریخ و روز باہم شریک حال یک دیگر بودہ قسمیکہ مقرر یافتہ است بر آں عمل کنند و بریں معنی قسم ہائے غلاظ و شداد یاد کردند" (صفحہ ۱۴۸)۔ مورخ کا کہنا ہے کہ یہ طے شدہ امور اور تحریکی معاملات حیدر آباد میں کوئی سربستہ راز نہ تھے بلکہ یہ منصوبے زباں زد خلائق ہو گئے تھے' غالباً ایسی صورتحال اس پورے سلسلہ جدوجہد کے باقاعدہ افشاء کے بعد کی رہی ہوگی۔ متصل کلمات یہ ہیں۔ "الغرض مشہور تر و زباں زد خاص و عام بلدۂ حیدر آباد اینست کہ مجموع وہابیان و مولوی مذکور منتظر روز موعود بودند۔ معہذا اکثر مردم ایں جا مشہور کردہ اند کہ غلام رسول خاں حاکم قمر نگر کرنول نیز در پردہ شریک وہابیاں گشتہ در تیاری آلات حرب از توپ ہا و سرب و باروت مصروف بود" (صفحہ ۱۴۹)۔

تاریخ "گلزار آصفیہ" سے مولوی سلیم کی تنظیمی مشغولیات اور تحریکی منصوبہ بندی کا محض اتنا احوال منکشف ہوتا ہے لیکن متعلقات کی جو تفصیلی تفتیشی روداد سے ملتی ہیں وہ مولوی سلیم کی منظم فکر اور عملی مہارت کا بین ثبوت ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے اور بجا طور پر

Marfat.com

ہوتا ہے کہ تاریخ کے اس پر خطر اور خون آشام موڑ پر حیدر آباد میں وہابی تحریک کو ایسا مجاہد نصیب نہ ہوتا تو تحریکی اشاعت اور تنظیمی وسعت کا وہ عمل وقوع پذیر شاید ہی ہوسکتا جو دکن میں اس کے تیز تر نفوذ و ارتقاء سے عبارت ہے۔ ایک طرح سے آیندہ تفصیلوں کو جو اس حصہ کتاب کے بقیہ اوراق میں جمع ہورہی ہیں مبارز الدولہ کی سیاسی زندگی کے پہلو بہ پہلو خود مولوی سلیم کی اپنی بھی تحریکی سوانح کا ناگزیر جزو قرار دیا جاسکتا ہے اور یہ چنداں غلط نہ ہوگا۔ کم از کم جنوبی ہند میں تحریک مجاہدین کے اغراض و مقاصد کی عملی صورت گری اور منظم انداز میں شمال کے کئی ایک سربراہوں اور قائدین کے ساتھ سفارتی رابطہ کاری کی تشکیل جیسی ارتقائی توسیع مولوی سلیم کی ماہرانہ منصوبہ سازی اور خلاقانہ اپج کے بغیر ہرگز اور اس طرح کبھی ممکن نہ ہوتی جو پیش رو قیادت کا مقصود اول و آخر تھی۔

مبارز الدولہ کی سرپرستی میں تعلیمی و تبلیغی دائرے کی حدود سے نکل کر اور تیزی سے نشوونما پاکر مولوی سلیم کی تنظیمی مہارت میں سفارتی تا حربی سطحوں پر بڑھنے پھیلنے والی نیم خفیہ نیم آشکار تحریک مجاہدین یا وہابی تحریک کا انگریزوں پر افشاء اور نتیجتہ" اس پوری بساط کا ہی لپیٹا جانا اس تصویر کا دوسرا رخ ہے۔ ظاہر ہے کہ نہ تو یہ رخ ہی خوش رنگ ہے اور نہ یہ پہلو خوش آیند ہے۔ تاہم جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا تحریک مجاہدین کے ۱۸۳۱ کے قبل و بعد کے دونوں ادوار میں جہاں اس کی بڑے پیانے پر اشاعت و مقبولیت کے محرکات میں خاصی مشابہت رہی ہے وہیں اس کے دونوں ہی زمانوں میں ناکام رہ جانے کے عوامل میں شاید ہی کوئی مماثلت ہوگی۔ ان سب اسباب و علل کے سنجیدہ محاکے اور گہرے تجزیے کی ضرورت ہے تاکہ ماضی کی تحریکات آزادی کے موثرات کو صاف دلی اور صاف نظر سے دیکھنا ممکن ہو۔

حیدر آباد کی وہابی تحریک ۱۸۳۸ء کی ناکامی میں نہ تو مبارز الدولہ کی سیاست و مبارزت کا کوئی حصہ تھا اور نہ مولوی سلیم کی منصوبہ بندی کا۔ حالات کا جبر اس سہ رخی تصویر کا تیسرا رخ ہے جس کو تاریخ کے جبر اور جبر مشیت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ وقت کا جبر آڑے آیا اور تحریک مجاہدین کی یہ توسیع بھی ناکام ہوئی۔ سوال یہ ہے کہ سیاسی محاذ پر نامرادی کے بجائے اگر وہابی تحریک کامرانی سے سرشار ہوجاتی تو کیا اس کے مذہبی دعاوی اور مزعومات منزل مراد تک پہنچتے؟ اس سوال کا جواب تحریک مجاہدین کے ۱۸۳۱ کے حشر کے مطالعے میں مضمر ہے!

(نظام آباد دکن : ستمبر ۱۹۶۱ تا جولائی ۱۹۶۲)   (کراچی : ۲۹ر ۵ر ۱۹۹۱)

Marfat.com

Marfat.com

مبارزالدولہ : مقدمہ بغاوت

۱۸۳۹ : رزیڈنٹ پر انکشاف اور نظام سے اظہار

"روز موعود" بقول مورخ "گلزار آصفیہ" طے شدہ تھا جس کی آمد آمد کے "مجموع وہابیاں و مولوی مذکور منتظر" اور مشتاق ہی تھے کہ منقولہ ساری تیاریوں کے ہوتے ہوئے:
"طرفہ اتفاق ایں شد کہ دفعتاً" ایں راز نہاں و سرپنہاں وایں مادۂ فساد عظیمہ از منبی بندر (بمبئی) بہ لشکر حسین ساگر افشا گشتہ بصاحبان انگریز رسید و دستاویزات مہر مولوی سلیم وغیرہ بدست صاحبان مذکور بگیر در آمد۔ چوں نیک دریافت نمودند در تحیرو تفکر افتادند کہ ہے ہے اگر ہشت روز دیگر ہم بریں منوال می گزشت آفت ناگہانی عاید حال خلقت جابجا می گردید کہ بغیر کشتہ شدن خلقت بے شمار و بے عملی حکام در عین غفلت امر دیگر نبوده" (۱۴۹)۔ اس معاصر ذریعے میں حالات کا بیان تاریخ وار یا سال بسال کے حساب سے نہیں ہے' چنانچہ اس سلسلہ واقعات کی تاریخوں کا تعین "فریڈم اسٹرگل" میں کیا گیا ہے جو کئی اور اہم دستاویزوں سے مستفاد ہے' معاصر رزیڈنٹ فریزر کے مراسلوں اور مکاتیب سے بھی تاریخیں ظاہر ہیں۔
حیدر آباد میں اسی اثناء میں نووارد رزیڈنٹ نے اپنے عہدے کا جب جائزہ حاصل کیا تو ہندوستان کے طول و عرض میں تحریکی قائدین کی دشمن فرنگ مجاہدانہ کاروائیوں کا آوازہ برپا ہو رہا تھا' نئے رزیڈنٹ فریزر کے بیٹے اور اس کی یادداشتوں اور مراسلت کے مرتب کرنل ہسٹنگز فریزر کے بموجب (ترجمہ) "جب جنرل فریزر نے حیدر آباد میں اپنی نئی ذمہ داری سنبھالی فضاء وہابی سازش کی افواہوں سے معمور تھی بمع کئی ہندوستانی صوبوں میں پھیلی ہوئی عام بے اطمینانی (کی خبروں کے)' جن میں نظام کے ایک بھائی مبارزالدولہ گہرے طور پر ملوث تھے مع ہمارے ایک سردار نواب کرنول کے" (صفحہ ۳۷۔۳۸) یہ مجموعہ مرتب کے مساوی طور پر اہم اضافوں کا حامل ہے جن سے قیمتی اطلاعیں مل جاتی ہیں۔

حیدر آبادی تحریکات آزادی کی سرکاری تاریخ کے فاضل محققین و مولفین نے "باب ۱۲: مبارزالدولہ اور وہابی تحریک" میں تفتیشی کمیشن کی روداد پر مبنی و مشتمل تفصیلی اقتباس کرنے سے قبل اپنے زیر اکتساب دستاویزی ماخذوں کے بارۂ خاص میں . صفحہ ۱۲۶ صراحت کی ہے کہ مبارزالدولہ کے مقدمہ بغاوت پر اصل کاغذات کی بازیابی کی بناء پر یہ ممکن ہوا ہے کہ

Marfat.com

اس پوری کاروائی کو رزیڈنٹ اور حکومت ہند کی باہمی مراسلت کی اساس پر پیش کیا جاسکے۔ "فریڈم اسٹرگل" کے ان جدید مورخین نے تفتیشی کمیشن کی کاروائی کو "حیدر آباد رزیڈنسی ریکارڈ" کی مجلدات سے برآمد کیا ہے جبکہ رزیڈنٹ فریزر کی سرکاری خط و کتابت کے علاوہ خاصی معلومات اس کے مجموعے سے بھی دریافت ہوتی ہیں، جس میں نجی خطوط اور یادداشتوں پر اس کے بیٹے کے اضافے مستزاد ہیں۔

"فریڈم اسٹرگل" کے مطابق وسط مارچ ۱۸۳۹ میں اپنی "سپریم گورنمنٹ" کو فریزر نے بالفاظ ذیل آگاہ کیا۔

"That a confederacy does exist having for its object the fulfilment of the schemes intended to be injurious in some way or another to our interests cannot, I think, admit of doubt but as to the precise nature of the designs on foot, the specific point to which they tend and the degree of maturity they have attained, it appears to me that we have as yet acquired no evidence approaching even to proof." (P.127)

اتنے محتاط بلکہ اس مبہم سے انداز میں اطلاع دیتے ہوئے فریزر نے احتیاط و ہوشیاری کے کچھ اور تقاضوں کی طرف اشارہ کیا:

"After reporting the matter in this guarded way it is further disclosed that the intention of the resident was to be observant of all that was passing at Hyderabad and to keep a strict watch over the proceedings of Mubarizud Dowla. He writes: "To betray suspicion prematurely would be injurious. Such an attempt may put an end to all further discovery and unnecessarily give rise to further troubles and similar designs imparting courage and strength to the disaffected" (P.126-127)

اپنی دانست میں تقاضائے احتیاط کے ان سرگراں اور پیچیدہ سے اظہارات میں:

Marfat.com

"The resident further informed that if the developments became so palpable that they could be placed before the Nizam, he would invite his attention in his private capacity and would report the Nizam's reactions. The resident adds that as he himself was so vague in reporting the matter, he would not solicit any instructions on the point but that he would be extremely cautious and restrained in taking every step. In the circumstances, he had no hesitation to propose to the Nizam that Mubarizud Dowla be apprehended and sent under a strong guard out of the country." (P.127)

مبارزالدولہ کے واقعات میں سابقہ رزیڈنٹ کے خفیہ اور اعلانیہ اقدامات ریاست کے عامتہ الناس اور اقتدار اعلیٰ دونوں کے ہی احساسات اور مفادات کے کس قدر سخت خلاف اور برطانوی مفاد کے کس درجہ تابع رہے تھے اس کی جزیات گزشتہ ابواب میں محفوظ کی جاچکی ہیں۔ اس سے قبل اور فریزر کے بعد کے رزیڈنٹ بھی رعونت اور سازشی ذہنیت میں کسی سے کم اور پیچھے نہیں رہے' جس کی تفصیلوں میں ایک مستقل کتاب بھی کافی نہ ہوگی الا اس کے کہ ہر کسی کی ریشہ دوانیوں اور جاہ کاریوں پر ایک ایک جلد مختص کی جائے۔ اس مجموعی صورتحال میں یہ امر ناقابل یقین حد تک حیران کن ہے کہ رزیڈنٹ فریزر نہ صرف گورنر جنرل سے مراسلت میں اپنی حد تک ایک قرین مصلحت اور دوراندیشانہ طرز فکر کا مظاہرہ کرتا ہے بلکہ عملاً" بھی بظاہر اس نے بڑی احتیاط سے کام لیا ہرچند کہ اپنی سیاسی تجاویز کے نفاذ میں اس نے کوئی رعایت بھی نہیں کی۔ یہ سبھی تفصیلیں یکے بعد دیگرے اپنی اپنی جگہ پر آرہی ہیں' یہاں غالباً" فریزر کی مراد یہ رہی ہے کہ مبارزالدولہ کے خلاف اقدام کے اس منصوبے کو گورنر جنرل کی سرکاری پشت پناہی حاصل رہے اگرچہ ظاہراً" وہ اوپر کی عملی ہدایات کا خواستگار نہیں تھا۔

"فریڈم اسٹرگل" میں اسی تسلسل میں واقعاتی ارتقاء کا خلاصہ اپنے الفاظ میں روایت کیا گیا ہے۔ چنانچہ صفحے [illegible] جاری بیان کی رو سے رزیڈنٹ کو اس کی اپنی ابتدائی تحقیق کے نتیجے میں مبارزالدولہ کی ایک ایسی مہرہم دست ہوئی جس میں ان کے شاہی خطاب کے ساتھ

Marfat.com

"رئیس المسلمین" درج تھا، یہ بھی منکشف ہوا کہ مبارزالدولہ اندرون و بیرون ریاست متعدد شخصیات سے خفیہ مراسلت کر رہے تھے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مبارزالدولہ نے وہابی عقاید اختیار کر لیے تھے اور مسلمان عوام کو بھی اس کی ترغیب دلوا رہے تھے۔ زیر نظر تلخیص سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس آخرالذکر نکتے سے بھی فریزر خاصا مذبذب ہوا اور مذہبی معاملات میں راست مداخلت سے باز رہنا اس کو ناگزیر محسوس ہوا، مگر مہر کے انکشاف نے یہ موقع فراہم کر ہی دیا:

"The resident could not interfere with religious matters, the Nizam being the best judge in such matters. But this evidence of the seal compelled the resident to seek an interview with the Nizam and to explain to him the potential danger to the state". (P. 127)

"لہٰذا" تاریخ "گلزار آصفیہ" کے مطابق جس میں غلطی سے سابقہ رزیڈنٹ کا نام آگیا ہے: "میجر اسٹورٹ صاحب بہادر وکیل حاضر دربار جہاں مدار گشتہ مفصل کیفیت ایں معنی عرض حضور پرنور رسانید۔ حضور را نیز کمال استعجاب ازیں مقدمہ بخاطر مبارک در آمد" (صفحہ ۱۴۱)۔ رزیڈنٹ کے سرکاری کاغذات سے بھی "فریڈم اسٹرگل" میں یہی عیاں ہوا:

"It seems that neither the minister nor the Nizam had received any information on the point. But the minister agreed to appoint a close guard of 500 Arabs to control Mubarizud Dowla's activities" (P.127)

حیدر آباد میں وہابی تحریک کی برپا کی ہوئی چہل پہل اور مبارزالدولہ کے آدمیوں کیا خود ان کی بھی اس میں فعال شرکت کے بارے میں آج بلا خوف تردید تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ باتیں اتنی عام تھیں گویا بچے بچے کو تک معلوم تھیں، پھر اتنی اعلیٰ سطح پر ان کے تئیں لاعلمی اور حیرت کے اظہار کو نیا رزیڈنٹ تجاہل عارفانہ پر ہی محمول کر سکتا تھا۔ عزیز احمد نے ناول "ایسی بلندی ایسی پستی" میں آخری نظام سلطنت آصفیہ کے ایوان اقتدار اور دربار سے باہر اعیان حکومت کے درمیان موجود جاسوسی کے جس مستقل و مستحکم نظام کا نقشہ کھینچا ہے وہ ایک تاریخی پس منظر رکھتا ہے جس کی ٹھوس تحقیقی بنیاد پر تصدیق کی جا سکتی ہے۔ نظام وقت

Marfat.com

ناصرالدولہ اور ان کے پیش روؤں کے بھی ادوار میں امرائے سلطنت کے درمیان جاسوسی کا ایک منظم جال سا بچھا ہوا تھا جس کی سرپرستی اعلیٰ ترین سطحوں پر ہوا کرتی تھی اور اس کی موجودگی معاصر تواریخ سے ثابت ہے۔ یہاں سوال یہ ہے کہ رزیڈنٹ سے نظام کے اظہار تعجب و لاعلمی کا گویا ایوان سلطنت کے اعلیٰ ترین ارکان میں سے ایک کے اس طرح مصروف عمل رہنے کے بارے میں اس تجاہل عارفانہ کا کیا جواز ہے۔ اس اظہار بے خبری کا فوری اور قابل قبول و قابل فہم جواز رزیڈنٹ کی دو تجاویز کے جواب میں مل جاتا ہے جو اس نے جارحانہ انداز نہ سہی جارحانہ ذہن کے ساتھ نظام کو پیش کیں اور انھوں نے فی الفور اس منصوبے کو منظور نہ کیا۔

برادرانہ شفقت اور اپنے بھائی کے تئیں جذبہ ترحم کے علاوہ ناصرالدولہ کے اس رویے کو شاید ہی کوئی اور نام دیا جاسکے۔ مبارزالدولہ کے انگریز رزیڈنٹ کے نزدیک لایق اعتراض مشاغل اور ان کی قابل شکایت مصروفیات کے تئیں نظام نے نہ صرف بے خبری و لاعلمی اور حیرت ظاہر کی بلکہ اس کا یہ منصوبہ بھی رد کردیا کہ مبارزالدولہ کے مکاتیب اور دیگر کاغذات کو گرفت میں لینے کے لئے باقاعدہ قدم اٹھایا جائے۔ مبارزالدولہ کی نگرانی کے لئے طے کیے ہوئے حفاظتی اقدام سے زیادہ کے لئے نظام فوراً ہی ذہنی طور پر تیار نہیں ہوسکتے تھے چنانچہ بھائی کی مراسلت کی جاسوسی اور گرفت کے لئے وہ آمادہ نہ ہوئے۔ یہ حقیقت ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے کہ خواہ فریزر نے رزیڈنسی کی گزشتہ برسوں کی فائلوں یا اپنی جاسوسی کے ذریعے مبارزالدولہ کے ۱۸۱۵ اور ۱۸۲۹ کے حوادث پر کتنی ہی معلومات کیوں نہ اکٹھی کرلی ہوں، خود نظام کے لئے تو ان کے بھائی کی حرکتیں ان کی اپنی زندگی کا ایک حصہ ہی تھیں۔ گو کہ ان بھائیوں کی والدہ کا انتقال ہوچکا تھا جو ان کی دادی کی طرح مبارزالدولہ کو عتاب شاہی سے محفوظ رکھنے یا کم از کم جلد از جلد چھڑا لینے کے لئے معاملات پر کسی نہ کسی طور اثرانداز ہوا کرتی تھیں(۱)، مبارزالدولہ کے لئے خود نظام محبت و خیرخواہی کے وافر جذبات رکھتے تھے

---

(۱) مبارزالدولہ ان کے تیسرے اور آخری بیٹے جو تھے، "چھوٹے نواب"۔ ممکن ہے یہ عام حیدرآبادی عرفیت مبارزالدولہ کی ہی یادگار ہو۔

Marfat.com

جو خواہ کتنی ہی قدرتی بات کیوں نہ قرار دی جائے ایک بہت بڑی بات تھی اور یقیناً تھی۔
"فریڈم اسٹرگل" کی تلخیص کی رو سے:

"The suggestion made by the resident that endeavours should be made to seize the papers of Mubarizud Dowla was not acceptable to the Nizam as it might cause clashes and personal bickerings and even the very life of his brother might be in danger. The Nizam felt that he would become notorious as a tyrant if he was instrumental in doing some harm to the person of Mubarizud Dowla" (P. 127)

رزیڈنٹ فریزر کا اصل منصوبہ اس کی دوسری تجویز سے آشکار ہوتا ہے جس پر اس نے خاصا زور بھی دیا مگر نظام فی الوقت اس انتہا تک جانا یقیناً نہیں چاہتے تھے۔ نظام نے اس موقع پر جو ردعمل ظاہر کیا افسوس کہ اس کا سرے سے علم نہیں ہوسکا ہے البتہ یہ ظاہر ہی ہے کہ ان کی عدم آمادگی نے ان دونوں تجاویز پر سرکاری عمل درآمد کے خیال کو فی الفور مسترد کردیا:

"The resident had tried to impress upon the Nizam the necessity of confining Mubarizud Dowla and sending him atleast to the fort of Golconda. Otherwise there was a possibility of being compelled to face an organised opposition of 20,000 Wahabis from the city. Some of the Maulavis like Salim were already put under arrest" (P.127)

مولوی سلیم کی گرفتاری کی اس خبر کی نہ تو کوئی تفصیل "فریڈم اسٹرگل" کے اس خلاصے میں ہے اور نہ ہی پہلے اسکے قید ہونے کی تصدیق پرانے ذریعوں سے ہوتی ہے۔ "گلزار آصفیہ" سے جیسا کہ بعد میں منقول ہوگا مولوی سلیم کو مبارزالدولہ کو قید کرنے کے بعد گرفتار کیا گیا جب وسیع پیمانے پر تحریکی علما اور مبارزالدولہ کے آدمیوں کو حراست میں لینے کا سلسلہ شروع ہوا۔ مبارزالدولہ کی گرفتاری کی غرض سے نظام کو تیار کرنے کی خاطر فریزر نے ایک باقاعدہ محضر پیش کرکے فضاء ہموار کی کیونکہ نظام اس وقت ملاقات کے دوران یہ تجویز رد کرچکے تھے جن کا اپنا کہنا انگریزی خلاصے میں اوپر اقتباس ہوا۔

Marfat.com

مبارزالدولہ پر مقدمہ بغاوت کی عرضداشت

رزیڈنٹ فریزر کا یہ محضر کیا ہے ایک طرح سے اس کے قائم کردہ تفتیشی کمیشن کی طویل روداد کا پیشگی ملخص ہے کیونکہ اس یادداشت کے اہم اہم نکات کی جزیات کا اس روداد میں مفصل احاطہ ملتا ہے۔ کمپنی کی حکومت کے اپنے وسیع اور مستحکم نظام جاسوسی کی جو تفصیلیں تفتیشی روداد سے عیاں ہوں گی ان کی ایک جھلک اس محضر میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس میں اٹھائے ہوئے چھ اہم نکتوں کو فردا" فردا" اقتباس کرنے سے قبل "فریڈم اسٹرگل" کے مطابق عرضداشت کا اپنا خلاصہ درج ہے۔ اس کی ابتدا مدراس میں ہونے والی تحقیق کے حوالے سے ہوتی ہے مگر یہاں یہ بتادینا ضروری ہے کہ خود مدراس پریسیڈنسی کی حکومت فریزر کے اپنے محکمہ خفیہ کے انکشافات کی مشکور رہی ہے جس کا تذکرہ آیا ہی چاہتا ہے۔

خلاصہ یادداشت منقولہ "فریڈم اسٹرگل" کی رو سے رزیڈنٹ کو مدراس کی تفتیش سے معلوم ہوا کہ ہندوستان بھر کے مخالف انگریز زعماء اور دیسی ریاستوں کے ناراض سربراہ اپنی سپاہ کو انگریزوں کے مقابل صف بستہ کرنے کے لئے کوشاں تھے اور مجوزہ انقلاب کی متوقعہ کامرانی کے بعد شاہ ایران کی بالادستی کو تسلیم کرلیتے۔ شاہ ایران اس صورت میں مبارزالدولہ کو "صوبہ دار دکن" مقرر کرتا۔ مبارزالدولہ اپنے آدمیوں لعل خاں اور فقیر محمد کے ذریعے ناراض ہندوستانی عمائد سے مراسلت اور مذاکرات میں مصروف تھے اور مبارزالدولہ کے جاسوس ملک بھر یعنی لاہور' سندھ' گوالیار' بمبئی' مدراس اور شولاپور میں پکڑے جاچکے تھے۔ مبارزالدولہ کے گرفت میں آئے ہوئے مراسلوں اور دیگر کاغذات پر اس قسم کی مہرپائی گئی۔ "عمر بن عبدالعزیز ثانی' رئیس المسلمین' المعروف بہ مبارزالدولہ' جانشین سید احمد شہید" محضر میں مولوی سلیم کو رزیڈنٹ نے بار بار ایک ایسا ساحر قرار دیا تھا جو مبارزالدولہ پر طلسماتی اثر رکھتا تھا۔

جہاں تک مدراس میں ہونے والی تحقیق کے حوالے کا تعلق ہے یہ امر کچھ کم دلچسپ نہیں ہے کہ فریزر کے بیٹے اور اس کے مجموعہ نگارشات کے مرتب کے انکشاف کے بموجب خود حکومت مدراس فریزر کے محکمہ جاسوسی ہی کی فراہم کردہ اطلاعات کی شکرگزار رہی۔ کرنل ہیٹنگز فریزر نے اپنی تالیف کے صفحہ ۵۶ پر یہ تاثر اس تعلق سے ظاہر کیا ہے:

"The Government of Madras was chiefly and deeply

Marfat.com

indebted to Gen. Fraser for information derived from his intelligence dept. as to the proceedings of the Nawab of Kurnool and his treasonable communications with Mubariz -ud- Dowla"

مبارزالدولہ کے خلاف اپنے باضابطہ اور سرکاری محضر میں رزیڈنٹ نے حیدر آباد کی اس وقت کی مذہبی اور سیاسی فضاء کو چند شہادتوں کے ہمراہ ثبوت دعویٰ کے بطور پیش کرتے ہوئے بخصوصیت چھ نکات کا احاطہ کیا۔ اسکا یہ اعتراف تھا کہ اگرچہ قانون کو مطمئن کرنے والی باقاعدہ شہادتیں تادم تحریر گرفت میں نہ آسکی تھیں (ان کے بغیر ہی) وہ ان پہلوؤں پر توجہ کا طلبگار تھا: (۱) ہندوستان میں وہابی فرقہ کثیرالتعداد ہے اور ماضی قریب میں ان لوگوں نے اپنے مذہبی و سیاسی معتقدات پھیلانے کی غرض سے زبردست جدوجہد کی ہے اور انکی کوششوں کے من جملہ:

"One of which is the extermination of all who reject their tenets, or who profess other modes of faith" (P.128)

یادداشت کے نکتہ نمبر ۲ کی رو سے مبارزالدولہ اس فرقے سے وابستہ تھے اور ان لوگوں نے اپنے مخصوص منصوبوں کو پورا کرنے کی نیت سے جو بھی انھیں مقصود ہوں مبارزالدولہ کو اپنا قائد منتخب اور تسلیم کرلیا تھا۔ مبارزالدولہ نے تیسرے نکتے کے بموجب اپنی مذہبی و دنیاوی پیشوایت کے مظہر کے بطور دو مہروں پر یہ القاب کندہ کروائے ہوئے تھے: "عمر بن عبدالعزیز ثانی، رئیس المسلمین، المعروف بہ مبارزالدولہ، نائب سید احمد شہید" نیز:

"The protector of the established religion, the defender of the faith and of Mussalmans, Mubarizud Dowla." (P.128)

مبارزالدولہ کی ان مہروں کا حوالہ کمیشن کی تحقیقات میں بھی ہے مگر اصل الفاظ اس کی روداد میں بھی منقول نہیں ہوئے۔ یہاں اولاً" محولہ القاب مترجمہ ہیں جو ممکن ہے اصل فارسی مہر کے قریب تر ہوں جب کہ دوسری مہر کا انگریزی ترجمہ اقتباس کردیا گیا ہے۔ رزیڈنٹ فریزر کے بیٹے نے اپنی ترتیب دادہ کتاب کے صفحہ ۱۴۳ پر ان مہروں کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ

"It was proved that he had provided himself with two

Marfat.com

new seals, on one of which he described himself as "Omar, the son of Abdul Azeez, leader of the Moslems, Mubarizud Dowla, successor of the martyr Syed Ahmad". On the other was the inscription, "The protector of religion, the defender of the Moslem faith, Mubarizud Dowla". These self - assumed titles were a fragrant act of rebellion against his own soveriegn, and proof, positive, of determined hostility to British power".

محضر کے چوتھے نکتے کے مطابق مبارزالدولہ کی مراسلت قابل لحاظ عرصے سے ملک بھر میں متعدد لوگوں سے جاری تھی جس کا مرکز و محور خود مبارزالدولہ ہی تھے' وہ تمام تر مقاصد و مزعومات جن سے یہ خط و کتابت متعلق تھی مبارزالدولہ کی ہی اطلاع و ایماء سے یا ان کی اپنی ہدایت و راہنمائی میں ان کے رفقائے کار کی طرف سے جاری تھے اور اس خصوص میں مبارزالدولہ کے جاہ و مرتبہ سے گویا ان کے نام کے اثر و رسوخ سے پوری طرح فائدہ اٹھایا جارہا تھا۔ پانچویں نکتے کا پہلا جزو یہ تھا کہ مبارزالدولہ نے بالخصوص اپنے برادر حقیقی نظام حیدر آباد کے خلاف ایسے قابل گرفت منصوبے بنائے جو بالعموم ہندوستان بھر کے ہی امن عامہ کے لئے بھی مضرت رساں تھے۔

نکتہ نمبر ۵ کا دوسرا جزو یہ تھا کہ دیسی افواج خصوصا" (انگریزوں یا کمپنی کی حکومت کے زیر ملازمت) سپاہ متعینہ ناگپور اور سکندر آباد (حیدر آباد کا موجودہ جڑواں شہر) کو وہابی عقائد سے متاثر کرنے کی مبارزالدولہ کے آدمیوں کی کوششوں سے یہ بھی منکشف ہوگیا کہ مبارزالدولہ انگریزوں کے بھی اقتدار اور ان کی حکومت کے خلاف اپنے ارادوں کو عملی شکل دے رہے تھے۔ رزیڈنٹ کے بیٹے کرنل فریزر نے بھی اپنی تاریخی تالیف کے صفحہ ۶۳ پر اس تاثر سے اتفاق کا اظہار کیا۔ اس کے نزدیک یہ خطرناک ترین انکشاف تھا کہ مبارزالدولہ نے اپنے کارکنوں یعنی مولویوں وغیرہ کے ذریعے مدراس اور سکندر آباد میں موجود انگریزی حکومت کے ملازم مسلمان سپاہیوں کی وفاداری کو متاثر کرنے کی کوششیں کیں۔ برصغیر جنوبی ایشیا کے چپے چپے پر متصرف اور چھوٹے بڑے ریاستی حکمرانوں کے اندرونی معاملات میں ہر طرح سے دخیل غیرملکیوں کی معاصر و متعاقب ساری ہی نسلوں کی سوچ میں جو استعماری اور مستبدانہ یکسانیت رہی ہے اس کے آثار و مظاہر مختلف مواقع سے بلا تبصرہ ہی سامنے آرہے ہیں' ان

Marfat.com

مباحث پر مبارز الدولہ کی سیاسی سوانح کے اخیر میں نظر کی جاسکے گی۔

رزیڈنٹ کے محضر کے منقولہ ذیل فقرہ نمبر۶ سے مترشح ہے کہ اُس کے اصرار پر مبارز الدولہ کی گرفتاری نظام نے طے کرلی تھی:

"6, That under these circumstances although absolute and legal proof might still be wanting, the period had arrived, which could not be further postponed without further danger, to communicate to the Nizam, all the above particulars of his brother's conduct, and to justify his highness in the resolution, he has adopted, of confining Mubarizud Dowla as a state prisoner in the fort of Golconda". (P.129)

تاہم فریزر کی اس یادداشت کے معاً "بعد بھی غالباً" یہ قدم نہیں اٹھایا گیا اور اس میں وقت لگا۔ نظام جس انداز میں اپنے بھائی کی گرفتاری کے ابتدائی منصوبے پر عمل درآمد بلکہ رزیڈنٹ کے کھلے مطالبے کی "تعمیل" سے گریزاں رہے اس کے مد نظر یادداشت کے آخرالذکر نکتے سے ایک اور خیال کو بھی تحریک ہوتی ہے کہ ممکن ہے تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہو جو قرین فہم ہے۔ یعنی کیا عجب جو نظام کی اسی پہلو تہی کے پیش نظر رزیڈنٹ نے محضر کے آخری کلمات میں ایسا طرز اختیار کیا جس سے عیاں ہو کہ گویا نظام مبارز الدولہ کی حراست کا فیصلہ تو کر ہی چکے تھے۔ اس طریقہ واردات سے رزیڈنٹ کی دھونس نظام تک ذرا بالواسطہ انداز میں پہنچ گئی مگر یہ خیال قابل قبول ہو تب بھی آفرین ہے کہ نظام نے اس کڑوی گولی کو بھی حلق سے اتارنے میں کچھ نہ کچھ وقت ضرور لیا۔ یہ بہرحال رزیڈنٹ کو حسرت ہی رہ گئی ہوگی کہ دونوں موقعوں پر اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر نظام سے ان کے بھائی کو قید کرنے کے جو مطالبات کیے نظام نے انھیں بلا چوں و چرا ایک بار بھی قبول نہ کیا۔

رزیڈنٹ کی ان تجویزوں اور ان سے قبل و بعد کی اعلیٰ سطح کی ملاقاتوں سے لے کر مبارز الدولہ کے زیر حراست آنے تک کے واقعاتی ارتقاء کی کڑیاں بھی نہ تو ساری کی ساری ہم دست ہیں اور نہ ہی دستیاب معلومات سے پورا منظر نکھر کر سامنے آتا ہے۔ البتہ جو کچھ اطلاعیں برآمد ہوتی ہیں ان سے اس درمیانی عرصے کی چند جھلکیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

Marfat.com

نظام ناصر الدولہ کی مفاہمتی مساعی

"فریڈم اسٹرگل" میں رزیڈنسی کے سرکاری کاغذات سے محصلہ معلومات کے خلاصے میں مختصر کے متن سے ان نکات کو اخذ کرنے کے بعد جو اطلاعیں جمع کی گئی ہیں وہ مبارزالدولہ کی سرپرستی میں دراصل مولوی سلیم کے منتظم اور منصوبہ ساز تخلیقی ذہن کی اپج کی مظہر ہیں۔ وزیر سلطنت سے متعدد و متواتر ملاقاتوں نے رزیڈنٹ پر عیاں کردیا کہ مثلاً مبارزالدولہ کس طرح اپنے بھائی نظام وقت پر تفوق حاصل کرنے کے ارادوں کو پورا کرنے کی فکر میں تھے (صفحہ ۱۲۹)۔ رزیڈنٹ نے جس نکتے کو خاص کر اور ایک سے زائد مواقع پر نمایاں کیا وہ دیسی سپاہ کو وہابی تحریک کے اغراض یعنی عقائد اور مقاصد کی جانب تیزی سے راغب کرنے کے لئے ارکان تنظیم کی دلیرانہ و مستعد جدوجہد کے بارے میں تھا۔ اس پر کچھ اشارات اس تلخیص میں موجود ہیں اور چند ایک ڈاکٹر قیام الدین احمد کی تحقیق سے منکشف ہوئے ہیں۔ تاہم اسی تصویر کے کچھ اور رخ بھی سامنے آتے ہیں جو اس ساری کشمکش کا ایک منظر تشکیل دیتے ہیں۔

مولوی سلیم کے تربیت یافتہ علماء اور کارکنوں کی تبلیغی اور جہاد پرورانہ کاروائیوں سے گھبرا کر فریزر نے Subsidiary Forces کی افواج سے مولویوں اور فقیروں کے روابط کے امکان کے خلاف "فریڈم اسٹرگل" کے لفظوں میں سخت احکامات جاری کیے (صفحہ ۱۲۹)۔ کیونکہ ڈاکٹر قیام الدین احمد کے بقول: "ان کے پیرو فقیر وغیرہ کے بھیس میں بہت سے افسروں اور سپاہیوں تک پہنچ جاتے اور سپاہیوں کو وہابیت میں داخل ہونے کے لئے بہکاتے" (صفحہ ۱۲۶)۔ ان کارگزاریوں کے "ساتھ ہی ساتھ بقرینہ غالب بغاوت کے لئے ان ایجنٹوں سے خبروں کا ایک لامتناہی سلسلہ مبارزالدولہ کے لئے فراہم ہوگیا' چنانچہ انھوں نے رپورٹ کی کہ رجمنٹ کے تمام سپاہی متحد الخیال ہیں اور سب مبارزالدولہ کے خروج کے منتظر ہیں تاکہ ان سے جاملیں" (صفحہ ۱۲۷-۱۲۶)۔ ڈاکٹر قیام الدین احمد کی یہ بھی تحقیق ہے کہ "مبارزالدولہ اور ان کے رفقائے کار کی کاروائیوں پر رپورٹ کرتے ہوئے فریزر نے ایک شخص حاجی سید اسمٰعیل کا بیان بھی منسلک کیا ہے جو مبارزالدولہ کا برطرف کردہ ملازم تھا۔ اس میں مذکور ہے کہ خود مبارزالدولہ اور ان کے رفقاء بہت سخت فوجی تربیت حاصل کررہے تھے۔ اس میں مبارزالدولہ کے اس ارادے کا بھی ذکر ہے کہ وہ نکل کھڑے ہوں' وہابی ساتھیوں کو جمع کریں اور انگریزوں کو قتل کرکے ملک اور حکومت پر خود قبضہ کرلیں"

Marfat.com

(صفحہ ۱۲۶)۔ حیدر آبادی تحریکات آزادی کی تاریخ پر انگریزی تالیف کے انکشافات اس اطلاع کی توثیق کرتے ہیں۔

"فریڈم اسٹرگل ان حیدر آباد" کے جاریہ خلاصے کے بموجب رزیڈنٹ خائف تھا کہ مبارزالدولہ کسی روز و فتنہ "اپنے محل سے نمودار ہوں گے اور انگریزوں کے ملازم مگر آمادۂ بغاوت دیسی سپاہیوں کی مسلح مدد سے انقلابی تحریک کو زوردار طریقے سے نقطہ عروج پر پہنچادیں گے۔ خاص بات یہ ہے کہ رزیڈنٹ کے خوف و اندیشہ کا یہ عالم تھا اور ادھر خود مبارزالدولہ کی پالیسی تھی کہ بجائے ولولہ اور جوش و جذبہ کے جس کا زبردست مظاہرہ وہ گزشتہ مواقع پر کرچکے تھے انہوں نے کامل سکون و اطمینان اور حزم و احتیاط کے ساتھ اپنی منصوبہ بندیوں اور خفیہ مصروفیات کو جاری رکھا۔ نہ صرف یہ بلکہ نظام کے استفسار پر مبارزالدولہ نے بڑے اطمینان سے اپنے جوابات گزارنے اور شاید ان کی سکون پسندی کے ظاہر ہونے سے بھی نظام کو اپنے بھائی کے سلسلے میں مصالحتی کوششوں کی تحریک ہوئی۔ ۱۸۲۹ میں دونوں کے والد سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کے انتقال کے بعد جب مبارزالدولہ شورش خزانہ میں ملوث ہوئے تھے نئے نظام ناصرالدولہ نے برادرانہ اخلاص مندی اور محبت و شفقت کے ساتھ مفاہمتی کوششیں کی تھیں۔

وزیر سلطنت نے رزیڈنٹ کے اصرار پر مبارزالدولہ کے محل پر احتیاطاً "پانچ سو عربوں کا دستہ تعینات کرنے کے بعد مبارزالدولہ سے گفت و شنید کی۔ "فریڈم اسٹرگل" کی تلخیص احوال میں مبارزالدولہ کا یہ ردعمل درج ہوا ہے:

"Mubarizud Dowla is reported to have said that none of his associates had done anything culpable or seditious and that if something could be proved against them he had no hesitation in punishing them. What he resented most was the harassment of innocent persons" (P.129)

اس سے متصل یہ روایت ہے کہ مبارزالدولہ کے دو ملازمین پوکھرمل اور سندر پنڈت کے حسابات کا معاملہ بھی اس موقع پر اٹھایا گیا:

"The minister had suggested that Sunder Pandit and Pokharmal were the servants of Mubarizud Dowla, and

Marfat.com

that their account books may be checked" (P. 129)

غالباً" شبہ یہ تھا کہ مبارزالدولہ نے بڑی بڑی رقوم کی مقامی طور پر جو ادائیگی اور بیرون ریاست سفرائے تحریک کے ہاتھ ترسیل کی تھی اس کے اعداد و شمار کسی طور ظاہر ہو سکیں۔ مبارزالدولہ کا کوئی جواب مذکور نہیں ہے لیکن کوئی راز بھی نہیں۔

رزیڈنٹ فریزر کی یادداشت کے فقرہ نمبر۶ سے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اس محضر کے گزرانے تک نظام نے اپنے بھائی کو نظربند کرنا منظور کرلیا ہوگا۔ تاہم اس عرضداشت کے مدنظر کہ رزیڈنٹ کا اصرار ناگواری کی حد پار کرتا جارہا تھا نظام نے گیارہ بارہ سال پہلے کی شورش خزانہ کی طرح اس بار بھی اپنی سی کوشش کی کہ مبارزالدولہ کے ساتھ افہام و تفہیم سے معاملات طے پاجائیں۔ اس موقع پر نظام نے یہ مساعی ایک سے زیادہ مرتبہ کی جس کو مبارزالدولہ نے بلطائف الحیل ٹالا۔ یہ شاید بخت و اتفاق کی بات تھی کہ نظام کو بھائی کی حراست ناگواری قلب کے برابر تھی اور ناگزیر بھی نظر آرہی تھی جبکہ مبارزالدولہ پورے اعتماد کے ساتھ اپنی تیاری جاری رکھنے کی فکر میں تھے۔ نظام نے گول کنڈہ کے قلعے میں منتقلی کے لئے بھائی کو کئی بار کہلوایا:

"Whenever messengers were sent by the Nizam to Mubarizud Dowla, he convinced them that he would not go to Golconda unless something substantial was proved against him. In case his guilt was established Mubarizud Dowla was willing to go to the fort of Golconda on foot" (P.129)

"فریڈم اسٹرگل" کے اس خلاصہ کوائف کی رو سے ازاں بعد ایک شخص کو اس امر کے لئے تیار کرایا گیا کہ وہ قرآن کی قسم دلوا کر مبارزالدولہ کے سر پر اپنے قول کی ذمہ داری کا بار ڈالے۔ اس طریقے کا ہمارے ہاں عام رواج ہے، مگر یہ معاملہ قابل فہم ہے کہ اس خاص موقع پر یہ کوشش انتہائی نازک حالات میں ایک آخری سعی تھی جو پرامن انداز میں اس مسئلے کو سلجھا سکتی تھی اور نظام بھائی کو گرفتاری سے بچا سکتے تھے۔ مگر معاملات حسب منشاء نہ سلجھ سکے:

"A man like Pir Mohammad was prepared to swear by the Holy Quran and to locate some responsibility on

Marfat.com

Mubarizud Dowla, but some quibbling or other was advanced in a frivolous manner to shake off the responsibilty (P.129-130)

مبارزالدولہ کی ہنگامہ پرور و پرشور زندگی کے سابقہ تاریخی سانحات ۱۸۱۵ء ۱۸۲۹ کی طرح نظام کے اپنے محل میں ان امور سے ہلچل کا برپا ہونا اور شدید دلچسپی واقع ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ چنانچہ نظام پر مصالحت کے سلسلے میں اندرون خانہ دباؤ بھی کچھ کم نہ تھا جس کو مبارزالدولہ کی پشت پناہی بھی کہا جاسکتا ہے۔ مبارزالدولہ اپنی والدہ کی رحلت کے بعد سکندر جاہ کی ایک اور محل سے زیادہ انسیت اور قربت رکھتے تھے۔

"The Nizam stated that his step - mothers like Jahaan Parwar Begum with whom Mubarizud Dowla was in close touch, were impotuning the Nizam to desist from transferring him to Golconda" (P.130)

تاہم نظام نے مجبوراً" بھرے دربار میں مبارزالدولہ کی گرفتاری کا حکم جاری کیا مگر اس کے لئے مسلح قدم اس وقت بھی نہ اٹھایا بلکہ مفاہمت کی آخری کوشش کے طور پر چند عماید دربار کو مبارزالدولہ کے ہاں روانہ کیا۔

"The Nizam gave orders for the arrest of Mubarizud Dowla publicly in durbar. Wahibud Dowla and Sharfuddin had gone to Mubarizud Dowla on behalf of the Nizam to persuade the prince to stay at Golconda. But Mubarizud Dowla said that the climate of the fort of Golconda did not agree with him. Mubarizud Dowla added that he only required twelve servants for himself and did not mind the number of soldiers kept on guard around him" (P.130)

متعدد بار کی افہام و تفہیم کے بعد نیز نظام کی اپنی برادرانہ و اخلاص مندانہ مصلحت کوشی اور مبارزالدولہ کی جانب سے بہ لطائف الحیل ان کی مفاہمانہ کوششوں کو قبول کرنے سے انکار کو کئی دفعہ طرح دینے کے باوجود آخر ایک دن ایسا آہی گیا جب نظام کی زیرہدایت وزیر سلطنت نے مبارزالدولہ کو حراست میں لینے کا حکم دیا۔ "فریڈم اسٹرگل" کی تلخیص میں

Marfat.com

اس اطلاع سے عین قبل فریزر کا جو تاثر منقول ہوا ہے اس سے اس شبہ کو تقویت پہنچتی ہے کہ اس کی پرزور اور علانیہ کوششیں بالآخر رنگ لاییں۔ اس خبر کے معاً" بعد رزیڈنٹ کے اپنے الفاظ بھی درج ہیں جو چند سطور کے بعد اقتباس ہوں گے۔ حکومتی احکام کی ماسبق و ملحق عبارات سے صاف عیاں ہے کہ اس گرفتاری میں رزیڈنٹ کا ہاتھ در پردہ یا خفیہ نہیں علی الاعلان تھا' اگرچہ اس کی منقولہ تجاویز کے علاوہ اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ فریزر مخصوص حاکمانہ انداز میں اس اقدام پر بضد یا مصر تھا۔

"The resident also appreciated the anxiety of the Nizam to avoid any personal harm to his brother. After the trial of several excuses by which the actual arrest and his transference to the fort could be evaded, a day arrived when specific orders were given by the minister under instructions from the Nizam" (P .130)

مبارزالدولہ کی گرفتاری اور نظربندی

مبارزالدولہ کے معاصر فارسی تاریخ نویس کا بیان ہے کہ اس موقع پر کئی قسم کی جمعیتوں پر مشتمل غالباً" بھاری بھرکم دستہ ترتیب دیا گیا جس کے تین سرداروں کے نام بھی اس نے دیئے: "آخرالامر بعد مشورۂ تمام چناں مقرر شد کہ جمعیت سرکار دولت مدار از عربان و پلاٹن ہائے بار معہ امیران سرکار مثل خانخاناں وغیرہ و جمعداران عرب مدبر جنگ و ہیبار جنگ و محمد نصیب خاں وغیرہ۔ جمعداران مہدوی و دیگر سرداران قائم خانی و سنت جماعت وغیرہ بالای کوٹلہ عالی جاہ کہ مسکن و مقام مرشد زادہ مسطور بودہ رفتہ از ہرچہار طرف درگر فتند۔ قریب بود کہ پائے شمشیر بمیان در آید اما مرشد زادہ مذکور مآل کارخویش را در میزان عقل خرد سنج برسائی خود سنجیدہ برطبق حکم حضور پرنور برائے رفتن بقلعہ گول کنڈہ راضی شدہ مدبر جنگ وغیرہ سرداران عرب را نزد خود طلبیدہ مہلت دو روز خواستند" (صفحہ ۱۳۹)۔ رزیڈنٹ فریزر کے سرکاری مراسلے میں اس حراست کی اضافی تفصیلیں ملتی ہیں جس کا صرف یہ اقتباس "فریڈم اسٹرگل" میں ملتا ہے:

"The resident's report reveals that' __ Mubarizud Dowla's

Marfat.com

house was afterwards surrounded by numerous troops, Arab and Patan and after breaking down one or two gateways, in the course of which a fire was opened from within, and two or three Arabs wounded, the palace was entered, and Mubarizud dowla found in the courtyard, armed and surrounded by his attendants. He demanded quarter, which was of course granted to him, and he was sent off this morning, under a strong guard, to the fort of Golconda" (P.130)

مبارزالدولہ کی اس تیسری اور آخری حراست کی تاریخ بخوبی مترشح نہیں ہے۔ مورخ "گلزار آصفیہ" نے ۱۳ ربیع الاول ۱۲۵۵ھ کا واقعہ بتایا ہے جو ۲۷ مئی ۱۸۳۹ء پیر کے مطابق ہے' چنانچہ اس کے متذکرہ محاصرہ کے: "روز سیوم سیزدہم ماہ ربیع الاول سنہ یک ہزار دو صد و پنجاہ و پنج ہجری سوار میانہ داخل قلعہ مذکور شدند" (صفحہ ۱۴۹)۔ جدید روزنامچہ حیدر آباد میں اسی روز کا ایک اور اندراج ہے اور تاریخ گرفتاری کا داخلہ بیس دن بعد کا ہے:

"1839. 27th May, Monday: Bin Shamis, an Arab Jamadar, is deputed to beseige the residence of Mubarizud Dowla, where the Wahabi Moulvis are reported to be foregathered, on which Mubarizud Dowla is forced to hand over his confederates to the Arab Jamadar" (Chronology" P.216)

"1839. 15th June, Saturday: The Arabs and the Afghans, including Nasib Khan and others, assault the residence of Mubarizud Dowla by order and take him prisoner" (do)

"گلزار آصفیہ" اور "کرانالوجی" کے اندراجات میں تاریخوں کا یہ فرق ناقابل فہم ہے لیکن اول الذکر کا داخلہ درست اور قابل قبول معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجوہ یہ ہیں کہ فارسی مورخ مبارزالدولہ کا ہمعصر رہا ہے اور یہ امکان ہے کہ مرتبین روزنامچہ نے ہجری تاریخوں کی عیسوی تقویم پر تطبیق میں کوئی غلطی کی ہو کیونکہ اس دور میں حیدر آباد میں ہجری تقویم سرکاری طور پر رائج تھی جبکہ "کرانالوجی" کو عیسوی تاریخوں میں ترتیب دیا گیا ہے۔ نظربندی یا قلعہ گول کنڈہ میں مبارزالدولہ کے داخلے کے بعد اس خبر سے متصل مورخ "گلزار آصفیہ" نے

Marfat.com

بھی یہ منکشف کیا کہ: "القصہ بعضے مردمان می گویند کہ مرشد زادہ موصوف دو شترمادہ را آمادۂ تیز روی و دور تر رسانی ساختہ تیار داشتہ بودند کہ بوقت ضرورت بکار آرند" (صفحہ ۱۵۰)۔ بہت ممکن ہے کہ یہ مبارزالدولہ کی جانب سے خروج کی تیاری کا ایک حصہ ہو ہرچند کہ ان تیاریوں پر اس تاریخ کے تذکرے متصل اور صاف واضح نہیں ہیں۔

انگریز رزیڈنٹ جس عیاری اور حاکمانہ رعونت کے ساتھ مبارزالدولہ کی گرفتاری پر مصر بلکہ بضد تھا اور "کمپنی کی حکومت" جس طرح سے نظام کے بزرگوں کے زمانے سے ریاستی امور میں عملاً دخیل اور ان پر مسلط چلی آرہی تھی اس کی تاریخی وجوہ کے قطع نظر اس خاص موقع پر جب نظام وقت اپنے بھائی کو حراست میں لینے اور قلعے میں قید کرنے پر مجبور محض تھے نظام کی اپنی بے بسی کا آج صرف تصور ہی کیا جاسکتا ہے۔ "فریڈم اسٹرگل" کی روایت اس تعلق سے اگرچہ بڑی مجمل ہے اور نظام سے فریزر کی ایک ملاقات کی پوری تصویر کشی نہیں کرتی ہے اس میں فقط چند الفاظ کے جو مکالے منقول ہیں وہ نظام کی لاچاری کی ایک حسرتناک تصویر سے ہی عبارت ہیں:

"When the resident interviewed the Nizam and explained to him how Mubarizud Dowla was being transferred to the fort, the Nizam quietly observed, after a few minutes silence, that he would have cared little for his brother's hostile acts against him personally, if they were not dangerous also to the Sarkar. "To both the Sarkars", he immediately added and remarked that the two Sarkars were one ___"Donon Sarkar Wahid" (P.130; "دونوں سرکار واحد")

نہیں عرض کیا جاسکتا کہ یہ تاریخ کا ایک عجوبہ ہے یا اس کی ستم ظریفی Irony کہ نظام وقت نے "کمپنی کی حکومت" کو ہی "سرکار" کہہ دیا اور یہ کچھ دفعتاً" یا بلا ارادہ تو منہ سے نہ نکلا ہوگا۔ یہ ملاقات اگر بھرے دربار میں نہ بھی ہوئی تھی تو چند ایک عمائد لازماً" حاضر رہے ہوں گے۔ سقوط حیدرآباد ستمبر ۱۹۴۸ کے بعد اور آخری نظام عثمان علی خاں کے انتقال تک عامتہ الناس انھیں "اعلیٰ حضرت" نیز "حضور" اور "حضور پرنور" کہنے کے عادی تھے۔ سقوط کے چالیس پینتالیس برس اور زیر مطالعہ زمانے کے پورے ڈیڑھ سو سال بعد آج بھی جبکہ عہد

Marfat.com

آصفیہ کے خاتمے کو دیکھنے والی آنکھیں تک ختم ہوتی جارہی ہیں حیدر آباد میں یہ عالم ہے کہ موجودہ نظام مکرم جاہ میر برکت علی خاں کیا ان کے چھوٹے بھائی مفخم جاہ کو ہی میلاد النبی کے جلسہ عام میں شہ نشین کی طرف آتا دیکھ کر عوام "سرکار! سرکار!" کے نعرے لگاتے ہوئے استقبالیہ انداز میں کھڑے ہوجاتے ہیں۔ عثمان علی خاں کے پردادا ناصر الدولہ کے عہد کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ کمپنی کی حکومت کو "سرکار" کہنے پر ہی مجبور نہ تھے بلکہ ظاہرا" اس کے عادی تھے۔ نظام وقت کی یہ لاچاری ایک مسلسل اور ارتقاء پذیر تاریخی عمل کا ہی حصہ تھی جس کی تفصیلی ایک مستقل تحقیق کی متقاضی ہیں۔ تاریخ دکن کی یہ عجیب و غریب سی ستم گری اسلامی ہند کی تاریخ سے لے کر تاریخ اسلام تک کے عجوبوں میں سے ایک ہے جن کا کوئی شمار نہیں اور جن سے اس جملہ معترضہ کی حد تک کوئی غرض بھی نہیں ہوسکتی۔ ان سب کے پہلو بہ پہلو کمپنی کی حکومت جو نوآبادیات کی دنیا کی استعماری تاریخ کے اپنے عجوبے سے ہی کم نہ تھی کیونکہ مہذب دنیا کے کسی بھی قانون کی رو سے تجارتی کوٹھیوں کی بنیاد پر برصغیر کی سرزمین پر قبضہ ہائے ناجائز کی آڑ میں کمپنی کی حکومت کے قیام اور وجود کسی کا کوئی جواز ہی نہ تھا

"محاربہ شیریں" ۱۸۱۵ اور "شورش خزانہ" ۱۸۲۹ کے واقعات کی روداد نویسی کے برعکس افسوس کہ "وہابی تحریک" ۱۸۳۸ کے موقع پر مبارز الدولہ کی حراست اور قلعہ گول کنڈہ کو منتقلی کے وقت کی اور تفصیلوں کا کوئی علم نہ ہوسکا ہے۔ فریزر نے اپنی رپورٹ میں اس منتقلی کو "سخت حفاظتی انتظام" کے تحت ظاہر کیا اور مورخ "گلزار آصفیہ" نے اتنی بھی صراحت نہ کی۔ وہابی تحریک کے برپا ہونے میں عملی دل بستگی کی بنائر پر آخری بار مقید ہونے سے قبل مبارز الدولہ اور نظام کی والدہ کا انتقال ہوچکا تھا جو اپنے شوہر سکندر جاہ اور بیٹے ناصر الدولہ کے ادوار میں اس بیٹے کی حراست کے مواقع پر اس کی محبت سے مجبور ہو کر اس کو منتقلی کے وقت اور دوران قید بھی اپنی رفاقت دے چکی تھیں۔ ممکن ہے ان لوگوں کی ایک علاتی والدہ جہاں پرور بیگم یا سکندر جاہ کی کوئی اور محل مبارز الدولہ کے ہمراہ قلعہ گول کنڈہ گئی ہوں۔ شورش خزانہ کے وقت کی منتقلی کی طرح لاؤ لشکر سمیت روانگی اس دفعہ بالکلیہ خارج از امکان رہی۔

"کرانالوجی آف ماڈرن حیدر آباد" کی یہ روایت ملحقہ عنوان کے اندراجات میں آچکی

Marfat.com

ہے کہ ۲۷ مئی ۱۸۳۹ کو عرب جمعدار مسمی بن عمّش نے حسب الحکم مبارز الدولہ کے محل کا محاصرہ کیا جہاں مبینہ طور پر تحریکی علماء مجتمع تھے اور مبارز الدولہ کو مجبور کردیا کہ ان حضرات کو حوالے کردیں۔ تاہم دوسرے ذرائع مظہر ہیں کہ مبارز الدولہ کی اپنی گرفتاری کے بعد تحریکی شخصیات اور مبارز الدولہ کے آدمیوں کو حراست میں لینے کا عمل شروع ہوا۔ مبارز الدولہ اور وہابی تحریک کے مشترکہ اور اصل منتظم مولوی سلیم کو قبل ازاں قید کرنے کا حوالہ رزیڈنٹ کی ایک رپورٹ کی سند پر درج ہوچکا ہے تاہم "گلزار آصفیہ" سے ان کی اور تحریکی افراد کی بھی قید و بند کی اطلاع مبارز الدولہ کے زیرحراست آنے کی خبر کے بعد کی معلوم ہوتی ہے۔ گرفتاریوں کا یہ ایک لامتناہی سا سلسلہ تھا: "بعد ازاں وہابیاں مع مولوی سلیم و دیگراں را در زندان مسلسل مقید نمود ندواز ممالک محروسہ (ریاست حیدر آباد کیلئے اسکی اپنی سرکاری اصطلاح) در ہرجا کہ وہابیاں بودند ہمہ ہارا گرفتہ آوردہ در قید اندا ختند و تامدت مدیدہ صاحبان انگریز را تلاش وہابیاں بودہ احدی را نگذاشتند از آں ہا کہ ایزد تقدس و تعالی مذہب حق را تا ابد الاباد قائم خواہد داشت" (صفحہ ۴۲۹)۔ ان گرفتار شدگان سے بہت کچھ اگلوایا گیا اور جب انھوں نے اپنے سے اہم ارکان یا کارکنوں کی نشاندہی کی تو ان کو بھی تلاش کرکے قید میں ڈلوادیا گیا۔ "فریڈم اسٹرگل" میں کوائف کی تلخیص میں تحریر ہے کہ:

"The resident was able to arrest several Moulavis and other persons about whose arrest he was solitious in consequence of their having been denounced to him even by the members of their own party as most treacherous and dangerous intriguers" (P.130)

ان گرفتار شدہ صاحبان کی اکثریت مبارز الدولہ اور یا مولوی سلیم کے جاسوسوں اور یا گشتی سفرا نیز دوسرے اہم کارکنوں کی تھی جن کے ذمے نیابت سے لے کر مراسلت تک بڑے بڑے فرائض تحریک کی بجا آوری تھی۔ تحریک کے اہم تر (۴۸) افراد میں سے دو اشخاص کے فرار کا ذکر ملتا ہے لیکن ان کے ناموں کی نشاندہی نہیں ہوئی ہے' اغلب ہے کہ وہ زین العابدین و سید محمد عباس صاحبان رہے ہیں جو مولوی ولایت علی کے ہاں پہنچ کر ان کے ساتھ شامل ہوگئے تھے۔

Marfat.com

مبارزالدولہ کے حامی نواب کرنول کا حشر

ازاں بعد جنوبی ہند میں مبارزالدولہ کے ساتھ بذریعہ خط و کتابت موثر و مستحکم رابطہ رکھنے والے نواب کرنول کے بھی خلاف انگریزوں نے وہابی تحریک اور مبارزالدولہ کے منصوبوں کی عملی حمایت اور امداد کی بنائر پر اقدام کیا۔ "فریڈم اسٹرگل ان حیدر آباد" کے اپنے موضوع تحقیق سے نواب کرنول کے حالات اور حشر کا چونکہ بالراست تعلق نہ تھا اس لئے اس کی خلاصہ کی ہوئی کیفیات میں صرف اس اقدام کا مذکور ہے جو غالباً" مدراس کے رزیڈنٹ کی جانب سے کیا گیا تھا:

"The operations against the Nawab of Kurnool took place in October 1839. After short and sharp struggle Kurnool surrendered and the Nawab was taken prisoner" (P.126)

اس جنگ کرنول اور نواب کرنول کے حشر کا کچھ احوال یہاں جمع کیا جارہا ہے کیونکہ مولوی سلیم کی ماہرانہ تحریکی منصوبہ سازی پر عمل آوری سے جنوب کے اس ایک مقامی سربراہ کا براہ راست اور بڑا اہم تعلق تھا۔ نواب کرنول کی مصروفیات اور انگریزوں کے خلاف زبردست تیاریوں کی جزیات تفتیشی روداد میں تحریکی جاسوسوں اور نمایندوں کے رابطوں کے حوالے سے مگر ذرا منتشر سے انداز میں درج ہیں جن کی یہاں گرد آوری پیشگی اعادہ کے برابر ہوگی۔ ڈاکٹر قیام الدین احمد نے شمال و جنوب کی کڑیاں ملاتے ہوئے صرف نواب کرنول کا نام لینے پر اکتفاء کیا ہے: "انگریزی افواج کی جو افغانستان میں تھی غیرحاضری سے فائدہ اٹھا کر مبارزالدولہ کے رفقاء نے سر اٹھانے کا منصوبہ بنایا۔ پہلا قدم یوں اٹھایا گیا کہ حیدر آباد اور دکن کے دوسرے مقامات پر جو دیسی پلٹنیں مقیم تھیں ان کو ملا لینے کی کوشش کی گئی۔ اس سازش میں ہندوستان کے حاکموں کی ایک معقول تعداد جس میں نواب کرنول بھی شامل تھے' شریک تھی۔ راجہ ستارہ' جودھ پور' اودھے گڑھ' بھوپال اور رامپور کے فرماں روا بھی سازش کے ناظموں سے مراسلت کررہے تھے۔ اول الذکر دونوں حکمراں ذاتی اور سیاسی وجوہ سے انگریزوں سے بیزار تھے۔ ان راجاؤں کے فیصلے میں مختلف اسباب کارفرما تھے لیکن ہر صورت میں انگریزوں کے خلاف جذبہ ایک مشترک سبب تھا" (صفحہ۱۲۹)۔

مبارزالدولہ کے ساتھ اس قدر مشترک کی خاطر نواب کرنول نے وہابی تحریک کے

Marfat.com

منصوبوں پر عمل در آمد کیلئے جو تیاری کی ہوئی تھی اسکی روداد "گلزار آصفیہ" کے الفاظ میں انگریزوں پر افشاء ہونے کی یہ رہی ہے: "کیفیت حال غلام رسول خاں پسر الف خاں مرحوم کہ یک ہزار و یک صد ضرب توپ نو باوجود بودن توپ ہائے سابق تیار کنانیدہ و ہزارہا روپیہ در خرچ باروت صرف نمودہ و سرب یک لک (لاکھ) روپیہ از چیناپٹن مدراس علیحدہ ایں کہ چوں مال بدیں منوال بادراک صاحبان انگریز بدریافت در آمد چندے مہلت دادہ بعد بندوبست مبارزالدولہ بہادر و فتنا" جمیعت پلاٹن ہا از کڑپہ وغیرہ بر سر کرنول فرستادہ سوال نمودند کہ قلعہ را برائے ملاحظہ صاحبان انگریز کہ تازہ وارداند خالی کردہ دہند" (صفحہ ۱۵۰)۔ فریزر کے "میموایرز" کے صفحہ ۵۶۔۵۷ پر مدراس کے کپتان آرمسٹرانگ کے مکتوب مورخہ کرنول ۱۰ر اکتوبر ۱۸۳۹ نیز مورخہ ۱۸ر اکتوبر سے ۔صفحہ ۵۸ نواب کرنول کی جنگی تیاریوں کی تفصیلیں پیش کی گئی ہیں۔ واضح رہے کہ نہ صرف نواب کرنول کا علاقہ بلکہ ریاست حیدر آباد کے علاقہ تلنگانہ کے ماسوا دوسرے سارے تیلگو اضلاع یا بالفاظ دیگر آندھرا اضلاع پر۔سیڈنسی مدراس میں شامل تھے اور جیسا کہ مقدمہ بغاوت کے محضر کے سلسلے میں عرض ہوا ہے اس سوانح اور خاص کر تحریک مجاہدین کے سلسلے میں اس کے کئی اور زاویوں کی طرح اس بارے میں بھی متضاد اطلاعات ہیں کہ حیدر آباد میں متعین رزیڈنٹ اور مدراس کی انگریز حکومت کے مابین افشائے تحریک کی معلومات اولاً" کس نے دوسرے کو فراہم کیں۔

مدراس پر۔سیڈنسی کے ایک ضلعی مجسٹریٹ کا تذکرہ تفتیشی روداد میں ملتا ہے اور ڈاکٹر قیام الدین احمد نے اس کی سرکاری رپورٹ کا یہ حوالہ دیا ہے: "منصوبہ کا انکشاف: شمالی ہند کابل اور ایران سے صوبہ مدراس میں آنے والوں کے غیر معمولی ہجوم سے شک پیدا ہوا اور اس سے سازش کا انکشاف ہوا۔ پھر ایک سکھ نے جو شک پر گرفتار تھا سازش کے متعلق اطلاع دی۔ سب سے پہلے نیلور کے مجسٹریٹ اسٹون ہاؤس نے حکومت مدراس کو رپورٹ دی، حکومت مدراس نے اسے حکومت ہند کے سکریٹری کے پاس بھیجتے ہوئے صورتحال کی یوں تلخیص کی۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی ایک معتدبہ تعداد نے وہابیت قبول کرلی ہے، ان میں ایسے اشخاص بھی ہیں جو اپنے عہدے اور مرتبے سے اپنے ہم مذہبوں پر کافی اثر کا استعمال کرتے ہیں۔ کچھ عرصے سے وہ سرگرمی سے لوگوں کو اپنا ہم عقیدہ بنانے اور کفار کے خلاف جنگ چھیڑنے کے لئے آدمی اور روپے فراہم کرنے میں مصروف رہے ہیں۔

Marfat.com

اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا ہے کہ ان کے مقصد کی غائیت ہندوستان میں برطانوی طاقت کا انہدام و اختتام ہے اور اس غرض سے دیسی فوج میں سپاہیوں کو اپنا ہم عقیدہ بنانے کی جدوجہد کرتے رہتے ہیں" (صفحہ ۱۴۹-۱۴۸)۔ گو نواب کرنول کا نام یہاں مذکور نہیں ہے لیکن جیسا کہ تحقیقاتی کمیشن کے مشاہدات میں جابجا حوالہ ملتا ہے جنوبی ہند میں نواب کرنول کو ہی حیدر آباد کی وہابی تحریک اور اس کی حیدر آبادی قیادت کے سب سے طاقتور اور مرکزی نمائندے کا مرتبہ حاصل تھا۔ ظاہر ہے کہ مبارزالدولہ کی محوری قوت کی شکست و ریخت کے فوراً بعد اس بڑے مرکز کی تاخت و تاراج انگریزوں کو قدرتاً مقصود تھی۔

عہد آصفیہ کی فارسی تاریخ سے اس سلسلے کی پیش رفت کا یہ احوال معلوم ہوتا ہے:

"سوال نمودند کہ قلعہ را برائے ملاحظہ صاحبان انگریز کہ تازہ وارد اند خالی کردہ دہند۔ غلام رسول خان بخود دریافتہ قلعہ را خالی کردہ در زہرہ پیٹھ با جمیعت عرباں و روہیلہ ہا قریب ہشت صد نفر فرود آمد و یکبار جمیعت انگریزی بر سراپں ہا آمدہ گولہ را از توپ ہا سردادند۔ پس فیما بین روہیلہ ہا و عرباں و جمیعت انگریزی جنگ صعب بوقوع آمدہ ہر دو جانب مردم بسیار کشتہ شدند۔ آخر غلام رسول خاں را درمیانہ سوار کنانیدہ بہ چیناپٹن بردند" (صفحہ ۱۵۰)۔ یہی بیانیہ یہ خبر بھی دیتا ہے کہ مدراس (چیناپٹن) کو منتقلی کے دوران ہی راستے میں انگریزوں نے نواب کرنول کو قتل کر ڈالا نیز یہ کہ "بعد ازاں تمامی اسباب و کارخانجات سال ہائے سال را ہراج (نیلام) کنانیدہ نقدی داخل خزانہ سرکار انگریز بہادر شد وپس ماندگاں را در ماہہ ہا مقرر کردہ ماہ بماہ بلا وقت غیری دہند کہ ہمہ خوشنود اند" (صفحہ ۱۵۱)۔

افسوس کہ قریب قریب ٹیپو کے سے کردار کے مالک نواب کرنول کے زیادہ حالات کی جستجو اور دریافت کی سعادت نہ مل سکی۔ تاہم شخصی سوانح اور تحریکی کوائف کی عدم دستیابی کے باوجود جدوجہد آزادی کی تاریخ میں نواب کرنول کا رتبہ بلند قابل فہم ہے۔ یہ محض ضد اور مخالفت کا معاملہ نہ تھا بلکہ غیر ملکی استعمار اور نوآبادیاتی استبداد کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ پھینکنے یا اس کے آگے سرتسلیم خم کردینے کا مسئلہ تھا۔ تحریکات آزادی کے پرہجوم منظرنامے میں اگر نواب کرنول کا مجروح چہرہ بہ آسانی قابل شناخت نہیں محسوس ہوتا ہے تو اس میں تدقیق و بازیابی کے عمل کی اپنی کوتاہی اور ناکامی ہے۔

Marfat.com

وہابی تحریک مدراس پریسیڈنسی میں

مبارزالدولہ کی کارگزاریوں کے خلاف تفتیشی کمیشن کے قیام اور دریافت احوال کی تفصیلوں سے پہلے مناسب رہے گا کہ کرنول تا مدراس تحریکی ارتقاء پر ضروری مختصرات ضبط تحریر میں لائے جائیں۔ کرنول سے آگے جنوبی ہند کے اہم مرکز اور انگریزوں یا کمپنی کی اس پریسیڈنسی کے مستقر مدراس اور متصلہ علاقوں تک وہابی تحریک کی پیشرفت اور وسعت و اشاعت پر حیدر آباد کی قدیم و جدید مطبوعات میں اشارہ تک نہیں ملتا ہے۔ ۱۸۲۹ میں حیدر آباد سے مولانا محمد علی رام پوری کی بطور مقامی سربراہ تحریک مدراس تعیناتی اور منتقلی کے بعد کے عشرے میں مبارزالدولہ کی سرپرستی میں قائم تنظیم کے عملاً" اصل ناظم مولوی محمد سلیم کے تحریکی رسوخ اور دفاعی انتظامات کی کرنول کے بعد مدراس تک توسیع کا کوئی نشان ان حیدر آبادی تواریخ و مقالات میں موجود نہیں ہے۔ تحریکی تحقیقات سے صرف چند اشارتی نکتے ہی برآمد ہوتے ہیں جو مدراس کے ارتقائی عمل یا مولانا سید محمد علی کے کام کو روشنی میں لانے کے لئے بہت ناکافی ہیں۔ تاہم مولوی محمد علی رام پوری کی مدراس کی کاوشوں کو بہ مصداق۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں   گفتہ آید در حدیث دیگراں

تذکرۂ اردو مخطوطات مولفہ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی کے اوراق روشن تر کرتے ہیں۔ اسی مجموعہ قلمیات کی مدد سے مدراس کے ایک طبقہ علماء کے مخالفانہ رد عمل کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ مبارزالدولہ کے خاص حوالے سے وہابی تحریک حیدر آباد ۱۸۳۸ کی گزشتہ تفصیلوں میں حیدر آباد میں تحریکی مخالفت کا صرف ذکر ہی سامنے آسکا تھا' اس کے کوائف ڈھونڈھے سے بھی بازیاب نہیں ہوسکے۔

ڈاکٹر حامد اللہ ندوی کی تالیف میں جامع مسجد بمبئی کے مخطوطات میں موجود سوانحی نسخہ موسومہ:

"حالات محمد علی واعظ" / "احوال مدراس" U.M.27

مصنف : نامعلوم' سنہ تصنیف ۔ ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء

صفحہ نمبر ۳۴' سطریں ۲۵' خط نستعلیق' سائز ۱/۲ ۴ x ۷"

صفحات ۲۷ تا ۵۷ مذکور ہے۔ سید محمد علی رام پوری کی مدراس کی جملہ تحریکی مصروفیتوں

Marfat.com

کی کیفیت تو اس احوال نامہ سے منقول نہیں ہے' البتہ "محمد علی واعظ" موصوف اور ان کے نظریاتی و عقائیدی مخالفین کے ایک سرخیل کے حالات دو علیحدہ ذرائع سے ماخوذ ہیں۔ صاحب تذکرہ نے اس مختصر مفید تحریکی سوانح کو ان الفاظ میں متعارف کرایا ہے۔ "رسالہ کے مصنف کا نام معلوم نہ ہوسکا' لیکن مضمون سے اس قدر واضح ہے کہ یہ رسالہ مدراسی عالم کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں وہ حالات بیان کئے گئے ہیں جو سید احمد شہید کے خلیفہ اور داعی مولانا محمد علی رام پوری کے مدراس پہنچنے اور وہاں اپنے مواعظ شروع کرنے کے نتیجے میں موافقت یا مخالفت کے روپ میں ظاہر ہوئے۔ اس میں مدراس کے متعدد عالموں اور نوابی خاندان کے افراد کا ذکر ہے' لیکن اس کے بنیادی کردار دو ہی ہیں۔ ایک خود محمد علی رام پوری اور دوسرے مولوی محمد جمال فرنگی محل" (صفحہ ۷۲)۔

کتاب ہذا کی ابتدائی و آخری سطور تذکرۂ مخطوطات میں اسی قدر محفوظ کی گئی ہیں (صفحہ ۷۵-۷۴) "رسالہ میں اس مذہبی نزاع کی جزئیات بیان کی گئی ہیں' رسالہ کا مصنف مولانا محمد علی کا ہمدرد اور جمال الدین فرنگی محلی کا مخالف ہے۔"

"ابتدا : سب دینداروں کو صاف معلوم ہو کہ مولوی محمد علی صاحب واعظ سید ہیں۔ کیونکہ اگلے دنوں میں نواب صاحب کے محکمے سے جو کاغذ رام پور کو بھیجنے کے لئے تحویل مدراس گورنمنٹ سکریٹری کے ہوا سو اس میں اور کمپنی کی راہداری میں جو نواب صاحب ان کو پہلے کلکتہ جانے کے وقت دلائے تھے.....

"خاتمہ : حق بات یہ ہے کہ اشرار دنیا فقط اتنے ہیں اور باقی علماء نیک ذات صاحب معلومات اس بلائے عظیم اور طوفان بے تمیزی کے باعث کنارہ گیر ہو کر خدا اور رسول کی خوشی کے لئے...... دربار سے ہاتھ اٹھا کر اپنے امور کو اللہ کے تفویض کیئے ہیں کیونکہ وہ بڑا بینا ہے۔"

تذکرۂ مخطوطات بمبئی میں مولانا محمد علی رام پوری کی مختصر سوانح کو "سیرت سید احمد شہید" مصنفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی سند پر اور مدراس میں تحریک مجاہدین کی تعلیمات کے مخالف جمال الدین کی مخاصمانہ مہم کی کیفیت کو مفتی محمد رضا انصاری کے مضمون مندرجہ "معارف" اکتوبر ۱۹۷۰ سے نسخہ ہذا کی ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔ مولانا ندوی نے "مولانا عبدالسبحان اعظمی استاد جامعہ دارالسلام عمر آباد کا مضمون مولانا سید محمد علی رام پوری مدراس

Marfat.com

میں" بطور حوالہ درج کیا ہے۔ فاضل رام پوری کا "احوال مدراس" وہاں آمد سے زیر اقتباس ہے: "محرم ۱۲۴۵ھ / ۱۸۲۹ء میں آپ مدراس پہنچے اور مولوی عبدالعلی صاحب بحرالعلوم کے صاحب زادہ مولوی عبدالوہاب صاحب کے مدرسہ میں فروکش ہوئے اور ترویج حق اور اشاعت توحید و سنت کا کام شروع کیا۔ چند دنوں میں شہر میں آپ کے وعظ کی دھوم مچ گئی اور ہزارہا آدمی تایب اور آپ کی بیعت میں داخل ہونے لگے۔ نواب محمد خان عالم خان تہور جنگ مدراس کے ایک فاضل رئیس تھے' وہ ایک روز دو سو آدمیوں کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تھوڑی دیر گفتگو کے بعد آپ نے بیعت کرلی' گھر کے مرد اور عورت چھوٹے بڑے سب مولانا کے مرید ہوگئے" (صفحہ ۷۳) بحوالہ "سیرت سید احمد" ابوالحسن ندوی"۔

ازاں بعد: "بڑی کامیابی کے بعد بالاکوٹ کے حادثہ کی خبر سن کر مدراس میں اپنے بہت سے جانشین چھوڑ کر آپ وطن رام پور تشریف لائے۔ چار برس کے بعد نواب عظیم بہادر کی والدہ کی درخواست پر دوبارہ مدراس تشریف لے گئے۔ بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا' لیکن اس مرتبہ اہل بدعت و نفاق نے آپ کے خلاف قیامت برپا کردی۔ حکام کو آپ کے خلاف کردیا' بڑی شورش ہوئی۔ مولوی جمال الدین لکھنوی اس فتنہ کے قائد تھے۔ آپ کی تکفیر ہوئی' آخرکار پولیس کے جبر اور فتنہ سے بچنے کے لئے آپ کو مدراس چھوڑنا پڑا۔ سنہ ۱۲۵۲ھ / ۱۸۳۶ء میں آپ واپس ہوئے اور سنہ ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء میں برابر اصلاح دار شاد میں مشغول رہ کر انتقال فرمایا" (صفحہ ۷۳)۔ متذکرہ جمال الدین فرنگی محل کی بھی وہیں منقول سوانح کے مطابق: "آخرکار ملا جمال الدین احمد اور ان کے ہم خیال علماء نے میر محمد علی واعظ رام پوری کو کفر کا فتویٰ دے دیا اور انھیں واجب القتل قرار دیا گیا........ اور معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ شہر مدراس کے چیف مجسٹریٹ نے میر صاحب کو بحفاظت تمام بذریعہ بحری جہاز مدراس سے کلکتہ روانہ کردیا" (صفحہ ۷۴)۔ اس طرح علمائے سو کا کردار بھی واضح ہو جاتا ہے۔

مدراس میں عوامی سطح پر مخالفانہ کارگزاریوں کے ساتھ قلمی محاذ آرائی کا سلسلہ مولانا رام پوری کی آخری مراجعت کے بعد بھی جاری رہا' چنانچہ تحریک کے نظریاتی لٹریچر کے رد میں دو نسخے اسی مجموعے میں زیر تذکرہ ہیں۔ محمد تاج الدین بہجت نے جو مدراسی ہی تھے "تقویۃ الایمان" شاہ اسمٰعیل شہید کے جواب میں "اظہار الاصلاح" فارسی اور "مرصاد المشتاقین"

Marfat.com

اردو بجواب "تنبیہہ الضالین" لکھیں' جو ڈاکٹر حامد اللہ ندوی کے ہاں صفحہ ۵۳-۵۱ پر درج ہیں۔ آخرالذکر "تنبیہہ الضالین عن طریق سید المرسلین" جو مولانا غلام رسول مہر کے سلسلہ تحقیقات کے اہم اردو ماٰخذ میں سے ہے۔ مدراس کے ہی ایک تحریکی اسکالر عبدالحق قرشی کی یادگار ہے۔ مولوی محمد علی کی مدراس سے رام پور ابتدائی واپسی کے بعد مخالفوں کی تحریری مہم جوئی کے دوران "خیرالزاد الیوم الحصار اور دوسرے رسالوں اور فتووں اور اشتہاروں کی تردید میں۔ ذیقعدہ ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء" میں مولانا عبدالحق قرشی نے "تنبیہہ الضالین" تصنیف کی تھی۔ تاہم ڈاکٹر ندوی کے روایت کئے ہوئے تاثر کی رو سے: "اس کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید محمد علی رام پوری اور ان کے متبعین کے خلاف سب سے زیادہ ہنگامہ آرائی مولوی جمال الدین احمد نے کی تھی" (صفحہ ۵۴' ماخوذ از کتاب "خانوادہ قاضی بدرالدولہ" تصنیف یوسف کوکن صفحہ ۳۹۶)۔

آج یہ تقریباً" ایک امر محال ہی ہے کہ مولانا محمد علی رام پوری کی مدراس کی ان تبلیغی مصروفیات بلکہ معرکہ آرائی کا مولوی سلیم کے حیدر آبادی مرکز کے واسطے سے تحریک کے قوت اور ترقی پانے والے تنظیمی اور خاص کر مابعد کے باغیانہ کردار سے کوئی رشتہ و تعلق قائم کیا جاسکے۔ بظاہر یہی قیاس میں آتا ہے کہ مبارزالدولہ کی تحریکی سرپرستی میں تنظیم کی جارحانہ حکمت عملی اور بغاوت کی تیاری کی لہریں حیدر آباد سے چل کر نواب کرنول کے علاقے سے آگے اور خصوصاً" مدراس تک ضروری توسیع اور مطلوبہ نفوذ نہیں حاصل کرسکیں۔ غالب امکان یہی ہے کہ مولوی سید محمد علی کا فصل مکانی سے حیدر آبادی منصوبہ بندیوں سے قریبی تعلق استوار نہ ہوسکا اور اگر وہاں کے احوال پر معلومات سے وہ باخبر رہتے بھی رہے تو اس میں فصل زمانی کا دخل بھی رہا ہوگا۔ تاہم ظن و تخمین تک ہی یہ خیال محدود ہے کیونکہ حیدر آباد و مدراس کے ان مراکز اور قائدین تحریک کے باہم دیگر نزدیکی اور متصل ارتباط و تعلقات کا کوئی ٹھوس دستاویزی ثبوت کیا ان پر کوئی مفید مطلب اشارہ بھی نہیں مل رہا ہے۔ ربط و تعلق باہمی کی طرح حقیقت یہی ہے کہ دونوں جگہوں کی تحریکی قیادت اور تنظیم کے باقاعدہ عدم تعلق کا معاملہ بھی مساوی طور پر باضابطگی سے تحقیق طلب اور بنابریں مبنی برقیاس ہی قرار پاتا ہے۔ غرض مدراس کی تمام تر نہ سہی بیش از بیش عملی کارکردگی مولانا رام پوری کی ہی رہین منت سمجھی جاسکتی ہے۔

Marfat.com

مولانا سید محمد علی کے مدراس میں فیض یافتہ ایسے چند حضرات کا نام اور کام سامنے آتا ہے جنھوں نے حیدر آبادی تنظیم اور قیادت سبھی کچھ کے خاتمے کے بعد کچھ تو اسی کے خاص انداز اور ملک بھر میں قائم و مستحکم تحریک کے مخصوص سے طریق کار کی عین مطابقت میں عامل ہو کر صدر مرکز کے جاریہ عمل سے مدراس کو ہم رشتہ رکھا۔ ۱۸۳۶ میں مولوی محمد علی رام پوری کی آخری بار واپسی پر مدراس میں تحریک کا مخالفانہ ردعمل زیادہ جوش و خروش پا گیا تھا جس کی کیفیت زیر نظر تو ہے لیکن اس کا اقتباس کرنا غیر مطلوب بھی ہے غیر ضروری بھی۔ ازاں بعد ڈاکٹر قیام الدین احمد کے تحقیقی نکات کی روشنی میں مدراس میں وسط ۱۸۴۰ میں جس جارحانہ نہج پر تحریکی ارتقاء کے عمل کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ ان کے بھی صرف مختصرات پر ہی کفایت کرنا ضروری ہے۔ مولوی سید محمد علی کی آخری روانگی کے بعد مدراس پر یسیڈنسی کے شہر ویلور کے انگریز کماندار نے حکام بالا کو مولانا رام پوری کی تعلیم و تلقین سے سے متاثر اپنے علاقے کے چند ایک مقامی عمال اور ان کے مشاغل پر اپنے شکوک سے مطلع کیا تھا۔

پروفیسر قیام الدین (صفحہ ۱۵۸/۱۵۹) کے انکشافات کے مطابق ان صاحبان کے نام یہ تھے: ولی محمد مفتی عدالت اور حب اللہ صدر عدالت۔ جبکہ مولوی محی الدین یا مولوی مبین نامی پیش امام مسجد قلعہ اور مولانا رام پوری کے دیگر پیروکار عشاء کے بعد روزانہ تبلیغ جہاد کے جلسے کر کے وعظ و تقریر فرمایا کرتے۔ ویلور کی دوسری مسجدوں میں بھی تبلیغی تقاریر کا سلسلہ جاری تھا۔ وہابی تحریک حیدر آباد کے مولوی محمد سلیم کے وضع کئے ہوئے نظام عمل کی طرح انگریزی فوج کے مختلف گروہوں اور مراکز کے ہندوستانی سپاہیوں کے مجمعوں میں بخصوصیت جہادی جلسوں اور تقریروں کا طریقہ مدراس پر یسیڈنسی میں بھی اختیار اور رائج کیا گیا تھا۔ مقامی سپاہ پر خصوصی توجہ مقصود و مرکوز رکھ کر کام کرنے والے کئی ایک اصحاب بر سرپیکار تھے' مگر ان کے نام درج نہیں ہیں۔ مولوی سید محمد علی کے ایسے سب خلفاء نیز شاگردوں اور پیروؤں کی ایک فہرست ویلور کے کماندار نے تیار کر کے حکومت مدراس کو روانہ کی تھی۔ پروفیسر قیام الدین احمد نے یہ سب کوائف اور متعدد دیگر حالات بھی کلکتہ کے کمپنی ریکارڈس کے قدیم مخطوطوں یعنی کاغذات مراسلات کی سند پر جمع کئے ہیں اور ان کی اصل انگریزی تصنیف میں ان کے مکمل حوالے بارہا منقول ہوئے ہیں۔

لاریب کہ نواب کرنول کی لائق صد آفریں تنظیمی و حربی جدوجہد کی طرح مولانا سید

Marfat.com

محمد علی رام پوری کی بھی جہادی خدمات جدید مورخین تحریکات آزادی اور سیاسی و تاریخی سوانح نگاروں کی بھرپور توجہ کی ابھی تک منتظر ہیں۔ کم از کم مدراس پر۔سیڈنسی کے علاقوں کرنول' ویلور' نیلور اور مدراس وغیرہ میں مقامی طور پر یا اشتراک باہمی سے برپا ہونے والے ہر قسم کے تحریکی عمل کو ایک مکمل اور مفصل تحقیق میں نفس مضمون کیا جانا چاہیے۔ وسائل کی کمی کے ساتھ ضخامت و طوالت کا خوف بھی سد راہ ہے اس لئے جزیات نویسی کو مستقبل کے لائق تحریکی محققین کے لئے چھوڑ کر زیادہ جستجو و تفحص کے بجائے صرف چیدہ اطلاعات کی گرد آوری تک ہی کرنول اور مدراس کے عنوانات کو محدود و مجمل رکھنا امر ناگزیر ہے۔ یہاں سے سوانح مبارز الدولہ اور وہابی تحریک حیدر آباد ۱۸۳۸ کے باقی ماندہ اجزائے مطالعہ و جائزہ کی طرف رجوع کیا جا رہا ہے' ان میں پیش کردہ ترجمہ تفتیشی روداد میں بھی کرنول و مدراس کا کچھ احوال مذکور ہے۔

وہابی تحریک کے مابعد ۱۸۳۱ کے جہادی عمل کے ایک خاص ہندوستان گیر نظام کار یعنی دیسی سپاہ کو تعلیمات و اثرات کے حلقے میں لانے کے لئے انفرادی و اجتماعی کوششوں کی جھلک آزادی کی دیگر مقامی تنظیموں اور ان کی منصوبہ بندیوں میں بھی مستقلاً" ملا کرتی ہے۔ متعلقہ کتب تواریخ اور تحقیق میں اس کی تفصیلیں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

سرکاری تحقیقاتی کمیشن کا قیام

مبارز الدولہ کے آدمیوں اور وہابی تحریک کے کارکنوں کی وسیع پیمانے پر حراست سے بعجلت تمام فارغ ہوتے ہوئے رزیڈنٹ فریزر کو ایک تفتیشی کمیشن قائم کرکے دریافت حقایق اور سزاؤں کا عمل شروع کرنے کی فکر دامن گیر ہوگئی۔ اس کی مختلف نوعیت کی تفصیلیں "فریڈم اسٹرگل" اور "گلزار آصفیہ" نیز فریزر کے بیٹے اور ڈاکٹر قیام الدین احمد کی کتب سے یکجا ہوتی ہیں۔ اول الذکر کے بیانیے میں مشمولہ رزیڈنٹ کے سرکاری مراسلوں پر مبنی خلاصے کے الفاظ میں:

"The resident's anxiety now was to institute a judicial enquiry in the matter on behalf of the representatives of both the Governments, because the persons involved were the subjects of both the states and the offence was

Marfat.com

directed towards both the Sarkars. The resident further added that to disarm every suspicion in the minds of the Musalmans that only pro-Wahabist or anti-Wahabist tendencies alone prejudiced the case, a representation of British members on the commission was essential. The resident further added that a harmonious collaboration of the officers of both the states would be helpful in understanding each others view-point and thus arrive at truth." (P.131)

رزیڈنٹ کے حسب تجویز مشترکہ تحقیقات کا منشاء و مقصود ظاہرا" یہی تھا کہ وہابی تحریک اور حیدر آباد میں اس کے سرپرست مبارزالدولہ کے منصوبوں اور عزائم کی نوعیت و اصلیت واشگاف انداز میں بے نقاب ہوسکے اور ان حضرات پر عائد الزامات کے جائزے میں وہ مقامی عمائد کو بھی برابر کا شریک اور ذمہ دار کرسکے۔ بظاہر ان مقاصد سے اختلاف ممکن نہیں خاص کر اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ریاستی نظم و نسق کے مالک حقیقی نہ سہی پس پشت حاکم کمپنی کی حکومت کے نمائندے ہی تھے۔ تاہم ان کے پس پردہ انگریزوں کی اصل ذہنیت اور حکمت عملی کو سمجھنے سمجھانے کی غرض سے "فریڈم اسٹرگل" کے فاضل موتبین نے فریزر کے مراسلے سے انگریزی عبارات کا متن پیش کردیا ہے جس کے من جملہ بخوف طوالت صرف چند فقرے پیش کرنا "مرگ آشفتہ سر" میں ممکن ہوسکے گا۔ یہاں وہ چند نکات جو تفتیشی منصوبے کے ظاہری پہلوؤں سے ہم رشتہ ہیں فی الوقت پیش نظر ہیں۔ رزیڈنٹ فریزر کے نقطہ نگاہ کے محرکات کے من جملہ اہم عوامل یہ تھے۔

(ا) فریزر کی یادداشتوں کے مرتب کے بقول (صفحہ ۶۱) چونکہ وہابی تحریک اور مبارزالدولہ کے گرفتارشدہ کارکن صرف ریاست حیدر آباد کے ہی نہیں بلکہ انگریزی عملداری کے علاقوں کے بھی ساکن تھے اور جس سازش کے وہ سب شرکاء تھے وہ انگریزی اقتدار کے خلاف برپا ہورہی تھی اس لئے فریزر کو تحریک ہوئی کہ نظام کو یہ تجویز پیش کرے کہ انگریز حکام اور مسلمان زعماء پر مشتمل ایک مشترکہ تحقیقاتی کمیشن کے ذریعے تفتیش کروائی جائے۔ ۱۹؍ جون ۱۸۳۹ء کے اپنے مراسلے موسومہ حکومت ہند میں فریزر نے بالاصرار لکھا کہ اس کی اپنی سپاہ کی جانب سے کسی مداخلت کے بغیر نظام کے فرمان کے ماتحت ان کی ہی فوجوں

Marfat.com

نے مبارزالدولہ کو قید کیا تھا اس لئے زیر تجویز تفتیش میں ریاستی نمائندگی ایک بڑی اہم مصلحت کے مصداق رہے گی تاکہ انگریزوں پر شبہ نہ ہو اور الزام نہ آئے۔

"This may be considered due to the Hyderabad Sarkar, from the offences that are to constitute the subject of inquiry having been committed equally against both states; to which may be added that the removal of Mubarizud Dowla having been effected by the orders of the Nizam and by means of his troops exclusively, without the intervention of any of our, it appears desirable that in a matter so interesting to Mohammdans generally, they should have an opportunity of knowing that its examination had rested equally with the Mussulman as with the British Government: and that the final disposal of the case should be equally the act of both ". ("Memoirs" P.61)

(۲) نظام کے گزشتہ رویے اور مبارزالدولہ سے ان کے حقیقی خونی رشتے کی وجہ سے صورتحال نے جو نزاکت سی اختیار کرلی تھی رزیڈنٹ کے لئے وہ کچھ کم پریشان کن نہ تھی اور اسی لئے نظام کے ذاتی اضطراب کی طرف سے وہ فکرمند تھا:

"The principal offender being the brother of the Nizam himself, some delicacy was necessary in proposing arrangment for the conduct of an enquiry that was likely to end in the further incrimination of that person; and his highness would, perhaps, on this ground, have objected to an investigation in which the officers of his Goverment had no part" (IBID P.61)

(۳) فریزر نے اسی مکتوب کے ایک اور جزو میں مجوزہ کمیشن کی مشترکہ حیثیت میں تشکیل کو اس امکان کا ایک متوقعہ وسیلہ قرار دیا کہ وہ سرکار انگریزی و سرکار نظام کے باہمی مفادات اور دونوں کو ایک دوسرے کے قریب تر کرنے کے امور کے تعلق سے اہم اور ناگزیر کردار ادا کرے گا۔ یہ پیراگراف "فریڈم اسٹرگل" میں بھی۔ صفحہ ۱۳۱ بطور نکتہ نمبر ۱۱ منقول ہوا ہے۔ اس مرحلے پر فریزر کے دوسرے متعلقہ دعاوی کی طرح اس کی حقیقت بھی ایک قسم کی

Marfat.com

طفل تسلی بلکہ اپنی طرح کے عذرلنگ سے زیادہ نہ تھی۔ ایسا ہی ایک اور دعویٰ فریزر نے ارکان کمیشن کو نامزد کرتے ہوئے کیا' جس کو بیک وقت شرانگیز بھی کہا جاسکتا ہے مضحکہ خیز بھی۔ اس سے متعلقہ جملے کی حیثیت بھی اشک شوی بلکہ مگرمچھ کے آنسوؤں سے زیادہ نہیں' ان جارحین و ناجائز قابضین نے پورے برصغیر میں ایسے ہی ڈھکوسلوں کو اپنے اخلاقی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا:

"The evil designs of seditious and disaffected persons will be found to have culminated only in drawing closer the bonds of friendship which subsisted between the British Government and H.H. The Nizam, it was very unfortunate that the brother of the Nizam should have been the ring-leader in this matter and the Nizam should have felt the cruel necessity of subordinating his natural affections for his brother to his public duty as a soveriegn" (P.132)

"فریڈم اسٹرگل" سے ماخوذ رزیڈنٹ فریزر کے ان اظہارات کے قبل وبعد کمپنی کی حکومت اور حکومت حیدر آباد کے مشترکہ تفتیشی ادارے کے ارکان کی نشاندہی ملتی ہے۔ رزیڈنٹ نے میجر آر مسٹرانگ کو اس کمیشن کا سربراہ مقرر کیا اور سیدھی سی بات ہے کہ اس کی بطور صدر نامزدگی سے ہی فریزر کے سارے دعوؤں کی قلعی کھل گئی' دوسرے اراکین کپتان ہٹن اور مالکم تھے۔ حکومت نظام کے ارکان کے طور پر تین امرائے دربار اعجازالدولہ نیز خورشید جنگ اور بے نظیر جنگ کو اس کمیشن میں نمائندگی کے لئے متعین کیا گیا۔ البتہ تاریخ "گلزار آصفیہ" سے آصف جاہی ریاست کے اراکین کمیشن کی فہرس میں ایک اضافی نام منکشف ہوتا ہے' اس کے مصنف نے پورے تفتیشی عمل کا ملخص محض چند فقروں میں تحریر کردیا جس کے ابتدائی جملے یہ ہیں: "ہرگاہ وہابیاں از اطراف و جوانب گرفتار آمدند۔ صاحبان انگریز در چھاؤنی حسین ساگر کونسل مقرر کردہ مولوی ہارا حسب الحکم حضور پرنور نزد خود طلبیدہ۔ رشیدالملک بہادر منشی حضور و اعجازالدولہ بہادر و خورشید جنگ بہادر و بے نظیر جنگ بہادر را شریک کونسل از جانب سرکار دولت مدار نمودہ---- الخ" (صفحہ ۱۵۱)۔ ممکن ہے رشیدالملک کو جو نظام کے دربار میں غالباً" سرکاری محرر تھے ارکان کے استفسارات اور

Marfat.com

ملزموں کے اقبالی بیانات کو اردو اور یا فارسی میں ضبط تحریر کرنے کی غرض سے ریاستی حکومت نے بطور خاص تعینات کیا ہو' اس کی نشاندہی دیگر ذرائع میں مفقود ہے۔

"مبارز الدولہ کے بارے میں تحقیقات" کے عنوان سے ڈاکٹر قیام الدین احمد نے "ہندوستان میں وہابی تحریک" کے صفحہ ۱۷۸ پر تحریر کیا ہے کہ "فریزر رزیڈنٹ اور اس کے اسسٹنٹ مالکوم اور ایرانی مسلمان نے جو دربار نظام میں بمبئی کے تاجروں کا نمائندہ تھا اور بعد میں جس کے لئے اس کی خدمات کے صلے میں دو ہزار روپے کے انعام اور ایک ہزار اخراجات کے لئے سفارش کی گئی تھی مبارز الدولہ کے خلاف تحقیقات میں حصہ لیا۔ فریزر نے اپنی تحقیقات کے نتیجے میں حکومت ہند کے سکریٹری کو رپورٹ دی۔" اصلاً" یہ اس ابتدائی تفتیش کی رپورٹ تھی جو فریزر نے ازخود کرلی تھی اور غالباً" اسی کے متعلقہ انکشافات کی مدد سے اس نے نواب کرنول کے بارے میں مدراس کی انگریز انتظامیہ کو باخبر کرنا اپنا فرض منصبی بلکہ قومی فریضہ سمجھا۔ فاضل محقق نے چند کلمات اقتباس کرنے کے بعد قوسین میں یہ اضافہ کردیا ہے کہ "اب تک کی تحقیقات زیادہ تر رزیڈنٹ کی رائے سے ہو رہی تھی۔" بمبئی کے اس ایرانی تاجر کا نام اگرچہ ظاہر ہونے سے رہ گیا ہے یہ اطلاع بھی کم اہم نہیں کہ فریزر نے اسی ابتدائی تحقیق کے تعلق اور تجربے کی بناء پر ہی ما لکم کو تفتیشی ادارے کی رکنیت دینا بہت ضروری خیال کیا اور اس کے مفادات کی رعایت سے اس انتظام کی اہمیت تھی۔

ڈاکٹر قیام الدین احمد نے متصل سرخی "مبارز الدولہ کو حبس دوام کی سزا" کے تحت تحقیقاتی کمیشن کا حوالہ دیا ہے۔ فریزر کی اپنی ابتدائی تفتیش کی رپورٹ کے خلاصے کا اضافہ یہاں مناسب حال ہوگا: "اور باتوں کے ساتھ یہ ثابت ہوگیا کہ مبارز الدولہ نہ صرف اپنے حاکم نظام ہی کے خلاف (بلکہ) انگریزوں کے خلاف بھی خاص طور پر مخاصمانہ ارادہ رکھتا تھا جیسا کہ اس کی اور اس کے ایجنٹوں کی اس غیر معمولی کاوش اور جاں فشانی سے ظاہر ہے جو انھوں نے دیسی پیدل فوج خصوصاً" سکندر آباد اور ناگپور کی فوجوں کی وفاداری کو متاثر اور برگشتہ کرنے کے لئے کی۔ نیز اس نے مبارز الدولہ کی سیاسی اور مذہبی جدوجہد کے درمیان فرق پر زور دے کر بتایا کہ عام طور پر وہابیوں میں بھی یہی فرق ہے۔ اسے ان کے عام تبلیغی کام اور اپنے فرقے کی توسیع پر کوئی اعتراض نہیں لیکن ان کی سیاسی چال بازی دوسری بات ہے' جس شکل میں بھی ہو اسے دبانا اور پامال کرنا ناگزیر ہے۔ اس کے خیال میں نظام یہ غلطی کررہے

Marfat.com

ہیں کہ اپنے بھائی کی کاروایوں کو صرف مذہبی روشنی میں دیکھ رہے ہیں۔ اس نے مشورہ دیا کہ نظام کو ان کے بھائی کی باغیانہ کاروائیوں کی پوری پوری اطلاع دے دی جائے اور مبارزالدولہ کو حکومت کے قیدی کی حیثیت سے قلعہ گول کنڈہ میں قید کرنے کے لئے ان کی رضامندی بھی حاصل کرلی جائے۔ لیکن اس نے اس معاملہ میں اپنے یا نظام کے طرز عمل کو عوام میں مشتہر کرنے سے منع کیا" (صفحہ۱۶۸)۔ مبارزالدولہ کی گرفتاری کے بعد قائم کردہ تفتیشی کمیشن کی روداد سے مترجمہ اہم اجزاء آئندہ اوراق میں پیش ہورہے ہیں۔

(نظام آباد دکن: جولائی تا اگست ۱۹۶۲) (کراچی : ۷ر ۶ر ۱۹۹۱)

Marfat.com

Marfat.com

مبارزالدولہ : روداد مقدمہ

۱۸۴۰ : روداد مقدمہ بغاوت

ممالک محروسہ عالی مملکت آصفیہ ریاست حیدر آباد دکن کے دارالحکومت حیدر آباد فرخندہ بنیاد میں مقیم "سرکار" ایسٹ انڈیا کمپنی کے رزیڈنٹ نے وہابی تحریک ۱۸۳۸ میں بطور قائد و سرپرست ملوث نظام وقت کے سب سے چھوٹے حقیقی بھائی مبارزالدولہ کے مقدمہ بغاوت کے تحقیقاتی کمیشن کے صدر کے طور پر میجر آرمسٹرانگ کو نیز لپتان ہٹن اور کپتان میلکم کو گورنر جنرل ہند کے نمائندوں کی حیثیت سے نامزد کیا۔ مبارزالدولہ کے سب سے بڑے بھائی نظام ناصرالدولہ آصف جاہ رابع کی حکومت کی جانب سے اس کمیشن میں اپنے نمائندوں کے بطور دربار آصفی کے تین خطاب یافتہ معززین یعنی اعجازالدولہ خورشید جنگ اور بے نظیر جنگ کو اراکین مقرر کیا گیا۔

اس تفتیشی کمیشن کی روداد کو حیدر آباد رزیڈنسی ریکارڈس سے حاصل کرکے "دی فریڈم اسٹرگل ان حیدر آباد" کے فاضل مولفین نے اسکے متعدد اجزاء (سیکشنوں) کو متعلقہ باب کے صفحات ۱۳۳ تا ۱۷۱ پر اقتباس کیا۔ مذکورہ تاریخی تالیف کی جلد اول میں مشمولہ اظہارات کی اکثریت راست مبارزالدولہ سے متعلق ہے جنکے علاوہ وہابی تحریک کے ہندوستان کے طول و عرض میں ایک مخصوص انداز میں بسرعت پھیلنے کے شواہد بھی کثیر تعداد میں روشنی میں آتے ہیں۔ یہ پورا منظرنامہ بے شک مخاصمانہ ذہن کے ساتھ اور حاکمانہ انداز میں تشکیل دیا گیا ہے لیکن اس روداد میں بڑی تدقیق سے جن معلومات کی گرد آوری کی گئی ہے آج وہ تحریک مجاہدین یا وہابی تحریک کی ہندوستان گیر تاریخ کے ایک نئے اور نایاب سے باب کی صورت گری کرتی ہیں۔ ان نئی اور مفصل اطلاعات کی تحریکی تاریخ میں قیمت اور افادیت کا تعین آزادی کی جدوجہد کے لائق مورخوں اور محققین کی ذمہ داری ہے۔

کمیشن کے مبارزالدولہ سے متعلقہ بیانوں اور تجزیات کی جستہ جستہ اور تلخیص کے بطور ترجمانی اوراق ہذا میں پیش کی جارہی ہے جس میں اس روداد کے اپنے مخصوص سے لب ولہجہ کو پوری طرح برقرار رکھنے اور سمونے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس طرز فکر واظہار سے پریشان ہونے کے چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس طرح ہمیں اس ذہنیت سے واقف ہونے کا پورا پورا موقع ملتا ہے جو "سرکار" یعنی کمپنی کی پورے ہندوستان پر مسلط بے قاعدہ اور دنیا کے کسی بھی قانون کی رو سے انتہائی غیرقانونی حکومت کی اپنی پالیسی بھی تھی اور اس سے ادنیٰ واعلیٰ ہر سطح پر منسلک تمام تر وابستگان کی اپنی انفرادی سرشت بھی۔ روداد کا لہجہ و آہنگ کمپنی

Marfat.com

کی حکومت کے مزعومات کا ہی آئینہ دار نہیں ہے بلکہ اس کا سکہ رائج الوقت اور طرۂ امتیاز رہا ہے اور آج اس روداد کا مشاہدہ یا اسلوب ہمارے لئے کسی طرح موجب تردد نہ ہونا چاہیے۔ دراصل زندگی میں کچھ نہ کچھ باتیں دشمنوں سے بھی سیکھنی پڑتی ہیں بلکہ شاید وہ سبق زیادہ اہم اور افادی ہوتا ہے جو اعداء سے ملے۔ ایک ایسے ماحول میں جو زبان سے لے کر دفتر اور گھر میں تک ہماری ہیئت اجتماعیہ کو "تشبہ بالکفار" نہ سہی "تشبہ بالاعداء" کا نمونہ اور مصداق بنا چکا ہے' ڈیڑھ صدی قبل کے اس معاندانہ لہجے اور مستبدانہ انداز کو ہمارے لئے نہ تو اضطراب انگیز ہونا چاہیے اور نہ ہی پریشان کن۔

اسی خیال سے روداد کا اصل لہجہ و اسلوب سطور ذیل کی ترجمانی میں علیٰ حالہ جاری و ساری رکھا گیا ہے۔ بطور یاددہانی صرف یہ معروضہ غالباً" کافی رہے گا کہ یہ طریقہ کار بھی اور طرز ادا بھی اس وقت کی یادگار ہے جب یہ دیو استبداد ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی کوٹھیوں کی آڑ میں برصغیر کے مرکزی قومی اقتدار کی متواتر زوال آمادگی کے نتیجے میں جاری طوائف الملوکی سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلح فوجی جارحیت اور سازشوں کے وسیع جال کے ذریعے تقریباً" پورے ملک میں قابض ہو کر کئی چھوٹی بڑی ریاستوں کے علاوہ سلطنت آصفیہ جیسی باقاعدہ تجربہ کار فوج کی مالک مملکت پر بھی اپنی گرفت مستحکم اور مکمل کر چکا تھا۔ اس صورت حالات پر حیدر آباد کی حد تک سہی رزیڈنٹ فریزر کے سامنے بھرے دربار میں نظام کی بے بسی و مسکینی کی کیفیت سے بڑا تبصرہ اور کیا ہو گا!

مبارز الدولہ کے گرفتار شدہ آدمیوں کے بیانات

ہم نے بہت سارے لوگوں سے بات کی اور متعدد کاغذات ہمارے ملاحظے میں آئے' ان سب سرکاری و غیر سرکاری رپورٹوں اور دستاویزات میں مسٹر اسٹونس(۱) Stones کی رپورٹیں سب سے اہم تھیں۔ ان سے بالتفصیل معلوم ہوا کہ یہ لوگ کس طرح برطانوی حکومت ہند کے خلاف مخاصمانہ عزائم رکھتے تھے۔ ان کاغذات سے نیلور(۲) میں نومبر ۱۸۳۸ء

---

(۱) مجسٹریٹ کرنول جو اس وقت مقامی مسلمان نواب کی عملداری میں تھا۔ آزادی کے بعد صوبہ مدراس سے علیحدہ کر کے بنائے گئے نئے صوبے آندھرا کا صدر مقام ہوا۔ اب آندھرا پردیش کے اس علاقے کا اہم تاریخی شہر ہے۔ (۲) آندھرا کا ایک اور بڑا شہر۔

Marfat.com

میں ایک سکھ دھوم داس کی گرفتاری کا پتہ چلا جو فتح گنج کا باشندہ تھا۔ پولیس نے بڑی کامیاب فراست سے کوشش کی کہ وہ کسی طرح اپنی حقیقت کھول دے اس کو ایک معتبر سرکاری آدمی سے ملایا گیا جس نے اس سکھ کے سامنے انگریزوں پر لعن طعن کی اور اس کو متاثر کرکے اپنے اعتماد میں لیا۔ اس موقع پر اس شخص نے اپنی اصلیت ظاہر کی اور کہا کہ "میں مہاراجا جودھ پور کے ہاں سے آیا ہوں اور ہمارا مقصد تمام دیسی شہزادوں کو متحد کرکے انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنا ہے۔ ہمارے ساتھ اتحاد کرنے والوں میں جودھ پور کے راجا مان سنگھ کو اولیت حاصل ہے' دوسرا نمبر نظام کے بھائی شہزادہ مبارزالدولہ کا ہے اور نیلور آنے سے قبل میں نے ان سے ملاقات بھی کی۔" اس نے اس سلسلے میں ستارا کے راجا کو تیسرے نمبر پر رکھا اور اس سے اپنی گفتگو کا حال بتایا۔ چوتھا نمبر گائیکواڑ کا تھا' پانچواں نواب باندہ کا' چھٹا روہیل کھنڈ کے ایک افغان نژاد شہزادے کا ساتواں (کسی اور) مان سنگھ کا جس کی ریاست کا نام وہ بھول چکا تھا' آٹھواں ساگر کے پرنس کا' نواں پٹیالہ کے راجا کا اور دسواں بھوپال کا۔

اس سکھ نے بتایا کہ ابتدا" تمام شہزادوں کو متحد کرنے کا راجا رنجیت سنگھ کا کوئی خاص ارادہ نہیں تھا۔ اس کے منصوبوں میں اس لئے تاخیر ہوئی کہ وہ روسی اور ایرانی افواج کے دریائے سندھ کو عبور کرنے کا منتظر رہا اور چاہتا تھا کہ اس بیرونی امداد کے آتے ہی تمام شہزادے انگریزوں پر حملہ آور ہوں۔ جودھ پور کا راجا اور نواب باندہ متوقعہ طور پر رنجیت سنگھ کی سپاہ سے مل جاتے اور فرانسیسیوں کی باقاعدہ فوج کی مدد سے انگریزی قلعے پر قابض ہو جاتے۔ ستارا کا راجا ناگپور پر حملہ کرنے والا تھا اور مبارزالدولہ ریاست حیدر آباد میں انتشار پھیلانے والے تھے۔ اس منصوبے کے تحت گائیکواڑ کو کچھ نہیں کرنا تھا۔ منصوبے پر عمل درآمد روسی اور ایرانی دستوں کے دریائے سندھ تک پہنچنے پر منحصر تھا۔ اس پر عمل آوری میں دو وجوہ سے تاخیر ہوگئی' ایک چیناپٹن یعنی مدراس میں کوئی معتبر قابل شخص موجود نہیں تھا اور دوسرے یہ کہ مبارزالدولہ کے ہاں کوئی مستقل فوج نہ تھی۔

یہ تمام حقائق مسٹر اسٹونس نے اس سکھ دھوم داس سے حاصل کئے۔ ہم سب ان فرائض سے واقف ہیں جن کی ادائیگی کے لئے لال خاں اور فقیر صاحب کو بمبئی بھیجا گیا تھا (ان دونوں کے اقبالی بیانات آگے آئیں گے) ان (کی) باتوں سے یہ ظاہر ہوا کہ مبارزالدولہ نے سکھ سے ملاقات کی اور اس کا اقرار کیا اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے اعتراف کیا کہ

Marfat.com

متعلقہ علاقوں کے شہزادوں سے فوجی امداد کے حصول کے لئے لال خاں کو بمبئی بھیجا گیا تھا۔ اس سکھ نے مزید بتایا کہ مذکورہ تمام شہزادے انگریز حکومت کے سخت مخالف تھے لیکن لڑائی کے لئے ضروری طاقت اور وسائل سے محروم تھے' اس لئے وہ سرحد تک روسی اور ایرانی فوجوں کی آمد کے منتظر رہے۔ مبارزالدولہ اپنے بھائی کی جگہ دکن کے تخت پر بیٹھنے کے متمنی تھے اور ستارا کا راجا پیشوا بننے کا آرزومند تھا۔

مسٹر اسٹونس کے مراسلے مورخہ ۱۵ر دسمبر ۱۸۳۹ سے پتہ چلا کہ سکھ کے بیان سے متعلق اور حقائق روشنی میں آئے۔ معلوم ہوا کہ رنجیت سنگھ انگریزوں سے ناندیڑ(۳) حاصل کرنا چاہتے تھے چنانچہ انھوں نے اپنے ایک نمائندے چندا سنگھ کو روپیہ دے کر نظام کے پاس بھیجا تھا تاکہ وہ ناندیڑ کا قبضہ حاصل کرے' لیکن اس کو بے نیل و مرام واپس ہونا پڑا۔ تاہم مراسلت جاری تھی اور (انھیں) یہ توقع تھی کہ جب انگریزوں کے خلاف جنگ ہوگی تو یہ معاملہ بھی طے پا جائے گا۔ دھوم داس کے انکشافات مظہر تھے کہ وہ جودھ پور کے راجا کی جانب سے مدراس کے شہزادوں کے ہاں بھیجا گیا تھا' اس کے دوسرے شرکائے کار بھی سادھوؤں وغیرہ کے بھیس میں ملک بھر میں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے مصروف عمل تھے' اور ان کے ہاں بھی ان ہی مفاہیم کے کاغذات تھے جیسے کہ خود دھوم داس کے ہاں موجود تھے۔

دوسرے جاسوس اکثر ملا کرتے اور ایک دوسرے کو حالات کے ارتقاء سے روشناس کراتے۔ دریائے کرشنا کے کنارے پر کچھ لوگ متعین تھے جو خطوط وصول کر کے خفیہ نشانات سے جانچ پرکھ اور محتاط تقابل کے بعد مبارزالدولہ کو روانہ کرتے تھے جو انھیں بمبئی

---

(۳) ناندیڑ سرے سے انگریزوں کے قبضے میں نہیں تھا بلکہ آصف جاہی سلطنت میں شامل اور اس کے علاقہ مرہٹواڑا کا ایک ضلع تھا۔ اب یہ صوبہ مہاراشٹر کے اسی علاقے کا ضلع ہے۔ سکھوں کی کثیر آبادی اور آخری گرو گوبند سنگھ سے منسوب مقدس گردوارہ کی یہاں موجودگی کے باعث رنجیت سنگھ کی اس شہر میں دلچسپی قابل فہم ہے۔ لیکن یہ امر نا قابل یقین ہے کہ رنجیت سنگھ کی عمل داری سے ہزارہا میل دور واقع ناندیڑ کیونکر حاصل کیا جا سکتا تھا' قریب میں کوئی اور سکھ ریاست بھی وجود نہیں رکھتی تھی۔

Marfat.com

اور مدراس ارسال کرتے۔ اس خصوص میں مولوی لال خاں نیز ایک نامعلوم شخص اور اس کا لڑکا جو بمبئی کے باشندے تھے میسور کے راجا اور چیناپٹن مدراس کے نواب کے ہاں بھیجے گئے۔ مبارزالدولہ کے ہاں ایک مولوی تھا جسے وہ ہنگامی حالات میں جہاں چاہے بھجا سکتے تھے اور اس سے ہمیشہ مشورہ لیا کرتے تھے۔ مسٹر اسٹونس نے دسمبر ۱۸۳۸ کے مراسلے میں بتایا کہ مبارزالدولہ نے اپنے ایک جاسوس مولوی لال خاں کو بمبئی بھیجا تھا جہاں سے وہ لاہور گیا۔ دوسرا جاسوس منشی فقیر بمبئی سے واپس حیدر آباد آگیا' یہاں کے لوگ اسے بخوبی جانتے تھے اور اس کے اہل و عیال حیدر آباد میں تھے۔ اس نے اپنے خسر کو ایک خط لکھا کہ مبارزالدولہ نے اسے جہاد کی تبلیغ کے لئے بمبئی بھیجا تھا۔ اس بات سے سکھ کے بیان کی تصدیق ہوئی۔ سکھ نے بتایا کہ ان جاسوسوں کے ہاں لوہے کی انگوٹھیاں تھیں جن پر کچھ الفاظ کندہ تھے۔ خود اس کے پاس ایک ایسی انگوٹھی تھی اور بھوپال کے مسلمانوں کے ہاں سے بھی کچھ دریافت ہوئیں۔ بھوپال سے آنے والا شخص نواب کا ملازم تھا۔ مسٹر اسٹونس کے مراسلے کے مطابق اس کو جاسوسی کے شبہ میں گرفتار کیا گیا تھا اور اس کے بارے میں اس کے آقا سے معلوم کیا جا رہا تھا۔

(ہندوستان بھر کے) شہزادوں کو (اتحاد اور بغاوت کی) دعوت کے تعلق سے امام خاں اور دھوم داس کے اظہارات میں فرق نہیں تھا۔ امام خاں کے بیان سے معلوم ہوا کہ مبارزالدولہ اور کرنول کے نواب میں بڑی یگانگت تھی۔ یہ بالکلیہ طے ہو چکا تھا کہ جب روسی و ایرانی سپاہ ہندوستان پہنچ جائیں گی تب بھوپال کی فوج رزیڈنسی پر حملہ کر کے انگریزوں کو ہلاک کردے گی' سندھیا کے دو دستے ماو کے محاصرے کے لئے تیار تھے اور بندیل کھنڈ کے شہزادے ساگر کینٹ کے محاصرے کے لئے۔ اس موقع پر رنجیت سنگھ' مان سنگھ راجا جودھ پور' شاہ ایران اور دوست محمد خان کلی طور پر متحد ہو جانے والے تھے۔

دکن کے جاسوس امام خاں اور سکھ دھوم داس کے بیانوں میں کچھ تھوڑا سا اختلاف (بھی) تھا۔ تاہم دونوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ مختلف جگہوں پر سادھو کے بھیس میں مصروف کار رہا۔ وہ تمام معلومات جمع کیا کرتا اور اپنے ایجنٹ کو بھیجا کرتا جو مقررہ نشان کی جانچ پڑتال کے بعد تنگا بھدرا اور کرشنا دریاؤں پر متعین پیغام رسانوں کے ذریعے مبارزالدولہ تک پہنچایا کرتے۔ پھر حیدر آباد سے دوسرے خبر رساں ان اطلاعات کو نانڈیڑ'

Marfat.com

بھوپال اور جودھ پور لے جاتے۔ جب کبھی ان مخبروں کو رقم کی ضرورت لاحق ہوتی وہ مخصوص لوگوں سے مل کر مختلف اشیاء حاصل کرلیتے۔ اس کے لئے بھی ایک خاص طریقہ تھا' ان کے ہاں خصوصی انگوٹھیاں وغیرہ ہوتیں اور ایک دوسرے پر ان نشانیوں کو ظاہر کرکے ہی وہ شناسائی حاصل کرتے اور اس کے بعد اپنی ضرورت کی چیزیں بھی۔

امام خاں نے یہ بھی انکشاف کیا کہ بھوپال کے نواب اور شہزادہ مبارزالدولہ میں بڑی دوستی تھی اور گہرا اتفاق پایا جاتا تھا۔ امام خاں کے ذریعے محصلہ بہت سی معلومات کا پتہ مسٹر اسٹونس کے مکتوب مورخہ ۲۵ر جنوری ۱۸۳۹ سے چلا۔ کوتوال حسین ساگر کی وساطت سے مبارزالدولہ برطانوی فوج کے سپاہیوں کو ورغلایا کرتے تھے اور اس سلسلے میں وہ کوتوال جس کا نام معلوم نہ ہوسکا شہزادے کے ہاں آیا کرتا تھا۔ امام خاں نے انکشاف کیا کہ سپاہیوں کو انگریزوں کے خلاف بغاوت پر اکسانے کے لئے نواب بھوپال بھی ان ہی خطوط پر کام کررہا تھا' چنانچہ کوپ کھدا کینٹ کے فوجیوں کو ورغلانے کی غرض سے آدمی متعین کئے تھے۔

تیسرے جاسوس شیخ عبداللہ سے جو حیدر آباد سے نیلور بھیجا گیا تھا کچھ خطوط برآمد کیئے گئے جو چیناپٹن مدراس کے لوگوں کے موسومہ تھے۔ گوکہ یہ مراسلے مختصر تھے ان سے انتشار پھیلنے کا خدشہ تھا۔ بمبئی اور جودھ پور کے لوگوں سے رابطہ کے لئے ایک بحری کپتان محمد سعید سے نواب بھوپال کی راہ و رسم پیدا کی گئی۔ مبارزالدولہ کو بمبئی سے ایک خط موصول ہوا تھا۔ حیدر آباد میں تمام تیاریاں مکمل تھیں لیکن چیناپٹن میں کوئی بھی تیار نہیں تھا' کیونکہ دونوں مقامات کو مربوط رکھنے کے لئے کوئی معتبر قابل شخص نہیں ملا۔ کچھ لوگوں کو بھیجا گیا لیکن انھوں نے قلعہ اودگیر کو ترجیح دی اور وہاں ہتھیار اور ایک سال کے لئے اجناس کا ذخیرہ جمع کرنے کا کام شروع کیا' اگلے سال کے لئے بھی اشیائے خوردنی خریدی جانے والی تھیں۔

شیخ عبداللہ نے اس کی بھی صراحت کی کہ ایرانیوں نے کیوں ہندوستانی شہزادوں کی مدد نہیں کی۔ توقع یہ تھی کہ برطانوی حکومت ہند کشمیر کے راستے افغانستان پر فوج کشی کرے گی۔ جودھ پور' بھوپال اور بمبئی میں بغاوت اور براہ ناندیڑ حیدر آباد تک باغی فوجوں کے مارچ کیلئے یہ موقع بہترین سمجھا گیا' اور منصوبے کے مطابق حیدر آباد کی فتح کے بعد یہ فوج چیناپٹن (یعنی مدراس) کی طرف جانے والی تھی۔ اسی غرض سے قلعہ اودگیر میں وافر مقدار میں غلہ جمع کیا گیا تھا' یہ ایک بڑا اور مضبوط قلعہ تھا۔ مقامی مسلمان متحد تھے اور جاگیردار بھی ان کا ہم نوا

Marfat.com

تھا۔ حیدر آباد سے خطوط رسانی کرنے والے شیخ عبداللہ کے دوسرے ملازمین تھے امام خان اور محمد بھائی۔ شیخ عبداللہ کے بموجب مبارزالدولہ نے قلعہ اودگیر کے گورنر کو اسلحہ اور غلے کی خرید اور ذخیرہ اندوزی کی غرض سے ایک لاکھ کی رقم بھیجی تھی۔

جمال خان کے بیان سے کوئی معلومات حاصل نہیں ہوئیں' اسکو فروری ۱۸۳۹ء میں گرفتار کیا گیا تھا۔ اسی ماہ گرفتار شدہ (ایک اور شخص) محمد عبداللہ اور عبدالرزاق کے اظہارات ہم دہراتے ہیں۔ محمد عبداللہ نے بتایا کہ وہ سلیم خان(۴) کو حیدر آباد میں جانتا تھا جو وہاں ایک معتبر شخصیت تھے اور مبارزالدولہ کے محل میں رہتے تھے۔ حسین ساگر کے کوتوال کے ساتھ وہ انگریزی فوج کے سپاہیوں کو اکسایا کرتا تھا۔ وہ بمبئی کے ایک محمد یٰسین سے واقف تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ بمبئی میں ایک کپتان باغیوں سے ملا ہوا تھا۔ عبدالرزاق عبداللہ کا رفیق کار تھا' اس کے پاس نواب کرنول کا موسومہ شریف مکہ کا ایک مکتوب تھا۔ اودگیر سے ہوتے ہوئے نیلور آتے وقت وہ کرنول بھی گیا تھا لیکن اس نے وہ مکتوب نواب کے حوالے نہیں کیا۔ مسٹر اسٹونس کا خیال تھا کہ شریف مکہ کا وہ مراسلہ ہرچند کہ نواب کرنول کے نام تھا اس کے مخاطب عام مسلمان تھے جن سے اس تحریک میں شمولیت اور اتحاد کی اپیل تھی (گویا اسی لئے عبدالرزاق شریف مکہ کا وہ خط جو عامتہ المسلمین کے لئے تبرک سے کم نہ تھا اپنے ساتھ لیے لیے پھر رہا تھا۔ مترجم)۔ نیلور میں عبدالرزاق کی گرفتاری کے وقت اس کے ہاں سے مولوی شجاع الدین کے دو خطوط برآمد ہوئے جو نواب کرنول اور حاکم قلعہ اودگیر کے نام تھے اور جن کے مطالب شریف مکہ کے مکتوب سے ملتے جلتے تھے۔

اب تک بازیاب خطوط اور کاغذات نیز سرکاری مسلوں کے مطالعے سے یہ حقیقت نمایاں طور پر آشکار ہوئی کہ اچانک بغاوت کا کوئی منصوبہ ان لوگوں کے پاس نہیں تھا۔ محمد عبداللہ کے ہاں سے جو خط برآمد ہوئے ان کے مطالب دہشت انگیز تھے جن کی بناء پر

---

(۴) یہاں مولوی سلیم سے التباس ہو رہا ہے اور ممکن ہے وہی مراد ہوں۔ مولوی سلیم کا حضرت سید احمد شہید کے رفقاء میں شمار تحقیق طلب ہے۔ وہ اپنے ایک اور ساتھی مولوی ولایت علی کے ہمراہ تحریکی جدوجہد کے ضمن میں حیدر آباد آئے تھے۔ مولوی سلیم نہ کہ کوئی اور سلیم خاں نامی معتبر شخص مبارزالدولہ کے ہاں مقیم تھے۔

Marfat.com

کوئی بھی ان کے حامل پر باغیانہ خیالات کی اشاعت کا الزام لگائے گا۔ عبدالرزاق نے نواب کرنول کو دکھا کر خطوط اپنے ہی پاس جو رکھ لئے تھے اس سے لوگوں پر اپنی اہمیت جتلانا مقصود(۵) تھا۔ یہ واضح ہے کہ ہر کوئی اپنے تئیں یہ سمجھتا تھا کہ وہ کس درجہ اہم کام انجام دے رہا تھا۔

مولوی شجاع الدین کی بڑی معتبر شخصیت تھی۔ ابتدا" یہ سمجھا گیا تھا کہ مبارزالدولہ کے حامی تھے لیکن (ان کے) خطوں سے ظاہر تھا کہ وہ نواب کرنول کے مداح تھے۔ اس شک کو تقویت پہنچتی ہے کہ ظاہرا" لوگ انگریزوں کے وفادار تھے لیکن خفیہ طور پر وہ باغیوں کے موئید و معاون تھے' اور نواب کرنول کی مدد بھی اسی زمرے میں آتی تھی۔

۴ر مارچ ۱۸۳۹ء کے مراسلے میں شیخ عبداللہ کے اعترافات سے محلہ کچھ اور اطلاعیں بھی تھیں۔ امین الدین کے ذریعے یہ معلوم ہوا کہ شاہ شجاع(۶) بھی ان کا حامی تھا' ان میں شامل ہوچکا تھا اور مبارزالدولہ کی اس سے مراسلت تھی۔ مزید یہ کہ نظام اور وزیر جنرل فریزر (رزیڈنٹ حیدر آباد) سے چند امور پر برہم تھے۔ اس بات پر وہ متفق تھے کہ جب ایرانی سپاہ سرحد کے قریب پہنچ جائیں تو بغاوت شروع کردی جائے۔ چند شرفا مثلا" نواب عظیم الدین خاں اور منیرالملک کے فرزند سراج الدولہ وغیرہ اس مقصد سے یکجا ہوئے اور راجا

---

(۵) تحقیقاتی کمیشن نے یہاں حقائق پوشی یا غلط بیانی اور مفروضہ سازی سے کام لیا ہے۔ جیسا کہ راقم نے چند ہی سطور قبل دوران متن قوسین میں برموقع صراحت کی ہے شریف مکہ کا مکتوب حامل نے نواب کرنول کو اسی خیال سے حوالے نہیں کیا کہ اس کے صحیح مخاطب ہندوستان کے عامتہ المسلمین تھے جن کی شریف مکہ سے عقیدت کی بناء پر ان کے جذبہ جہاد کو متحرک کرنا اصل مقصود تھا۔ کمیشن نے کرنول کے مجسٹریٹ اسٹونس کا یہ خیال اسی مقام پر نقل کیا ہے کہ شریف مکہ کے خط کے مخاطب مسلمانان ہند تھے۔

(۶) شاہ شجاع خود اس وقت کہاں اور کس پوزیشن میں تھا یہ طے کرنا آج شاید ہی ممکن ہو۔ ۱۸۳۹ سے قبل کے برسوں میں وہ کابل کے تخت سے محرومی کے بعد سال ہا سال سندھ اور پنجاب نیز سرحد و افغانستان میں حصول تخت کے لئے سرگرداں رہا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: حبیب اللہ رشدی: "کوہ نور اور شاہ شجاع" مطبوعہ: "نقوش" نمبر ۱۰۶ دسمبر ۱۹۶۶ صفحہ ۴۳ تا ۷۱۔

Marfat.com

چندو لعل (وزیر اعظم حیدر آباد) کی اجازت چاہی۔ ان میں سے کچھ حضرات موخر الذکر کے محل میں جمع ہوئے اور آپس میں اس بارے میں مشورہ کیا۔

مرقومہ بالا اجزاء میں مذکورہ حقایق ان دنوں کی صورت حال عیاں کرتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا ارادہ تھا کہ برطانوی حکومت ہند کے وفاداروں سے تعاون نہ کیا جائے۔

رحمان بیگ نے کمپنی کی آرٹلری کی ملازمت ترک کردی تھی۔ اس نے بتایا کہ رنجیت سنگھ نے چھ ماہ کے عرصے میں ایک ہزار سے زیادہ سپاہی مبارزالدولہ کے پاس بھیجے اور روزانہ ان میں سے ایک دو آدمی شہر میں داخل ہوا کرتے تھے۔ مبارزالدولہ کے اپنے ملازم رکھے ہوئے ایک ہزار عرب(۷) تھے۔ شہر میں تقریباً" چالیس ہزار فوجوں پر مشتمل ایک کیولری تھی اور اسی تعداد میں ایک انفنٹری۔ مبارزالدولہ کا منصوبہ تھا کہ انگریزوں پر فوراً" حملہ کردیا جائے لیکن ناصرالدولہ (نظام وقت) انتظار کرنا چاہتے تھے تاآنکہ ایران' اصفہان' کابل' قندھار' ہرات' روم' روس نیز زمینداران بھدرا چلم و پالونچہ اور دیگر دیسی حکمران مدد کو آپہنچتے۔ مبارزالدولہ کی ان سے خط و کتابت تھی اور فوری طور پر بغاوت کرنا چاہتے تھے' اس معاملے میں دونوں غیر متفق تھے۔ الوال(۸) کی آٹھویں رجمنٹ مبارزالدولہ کی حامی تھی۔ رحمان بیگ کو ان تمام حقائق کا پورا پورا علم تھا کیونکہ وہ نظام کے محل میں ملازم تھا۔

نیلور کے گرفتار شدگان میں غلام احمد ولد سلطان بخش بھی تھا جو پہلے پامر(۹) کے ادارے کا ملازم تھا اور بعد ازاں مبارزالدولہ کا۔ اس کے مطابق مبارزالدولہ نے

---

(۷) عرب سے مراد بدوی نژاد لوگ تھے جو حیدر آباد میں "چاؤش" اور "چابش" کہلاتے تھے۔ تفصیل "شورش عروب و افاغنہ" میں آچکی ہے۔

(۸) الوال سکندر آباد سے آگے بلارم چھاؤنی کے قریب واقع ہے جو خود بھی انگریزوں کے زمانے سے فوجی چھاؤنی چلا آرہا ہے۔

(۹) پامر اینڈ کمپنی ایک نیم بینکار ادارہ جس نے عہد سکندر جاہ میں قریب ۱۸۱۴ ریاست حیدر آباد اور اس کے زعما کا سخت استحصال کیا۔

Marfat.com

انگریزوں کے خلاف عوام کو اکسانے کے لئے اسے کرناٹک(۱۰) بھیجا تھا اور اس غرض سے اسے تین سال ہوئے ملازم رکھا تھا۔ اس نے انکشاف کیا کہ جب وہ کرنول سے حیدر آباد پہنچا تو سب کچھ منظم طور پر تیار تھا لیکن ناگہاں جاگیردار اودگیر کے ہاں سے اطلاع آئی کہ کچھ جاسوس گرفتار ہو چکے ہیں۔ مبارزالدولہ نے اسے بمبئی جودھ پور' گوالیار' بھوپال' کلکتہ' مدراس اور کرنول بھیجا تھا تاکہ وہاں مہم چلائے۔ اس نے ان شہروں کے ذمہ دار افراد سے گفت و شنید کی اور نتیجتاً" بہت سارے لوگ اس کے ہم خیال ہو گئے۔ غلام احمد نے مزید بتایا کہ اودگیر کا جاگیردار نیک مسلمان تھا اور مبارزالدولہ کو بے حد چاہتا تھا۔ غلے کی فراہمی کیلئے مبارزالدولہ نے اس جاگیردار کو ایک لاکھ روپے بھجوائے تھے اور اس بارے میں اپنے آدمیوں کو خاموشی برتنے کی سخت تاکید کی ہوئی تھی۔ اس کے انکشاف کی رو سے مبارزالدولہ کے ہاں ایک لاکھ فوج تھی لیکن شہر حیدر آباد میں موجود نہیں تھی۔

جاسوسوں کی گواہیوں پر تفتیشی کمیشن کا تبصرہ

مسٹر اسٹونس کے مراسلوں اور گواہوں کے اعترافات سے چند حقائق مسلم ہو چکے تھے۔ دھوم داس سکھ اور غلام احمد زیر حراست تھے اور یہ ثابت تھا کہ وہ ایک طاقتور آقا کے زیرہدایت کام کررہے تھے۔ ان کے پاس مماثل فارسی دستاویزیں اور لوہے کی یکساں انگوٹھیاں تھیں' ان کی دریافت کے بعد کچھ باتیں مشکوک ہوسکتی تھیں لیکن بالاخر یہ ثابت ہوا کہ یہ سب ایک ہی شخصیت یا آقا سے تعلق رکھتی تھیں۔ علاوہ ازیں مبارزالدولہ کے ہاں سے برآمد شدہ کاغذات اور ان کے طریقہ تنقیح کی یکسانیت نے بھی اس حقیقت پر صاد کیا۔ دو آدمیوں نے بتایا کہ مبارزالدولہ کے جاسوسوں کے ہاں شناخت کے لئے ایک خاص چیز ہوا کرتی تھی اور مرسلہ خطوط وغیرہ میں ان کی موجودگی ناگزیر ہوا کرتی تھی۔

---

(۱۰) سہ لسانی ریاست حیدر آباد کے کنٹری زبان کے تین اضلاع والا سب سے چھوٹا علاقہ موسومہ کرناٹک۔ لسانی اساس پر ریاست کی تقسیم ۱۹۵۶ میں سابقہ ریاست میسور میں اس علاقے کے انضمام پر پورا نیا صوبہ "کرناٹک" سے منسوب ہوا۔

Marfat.com

گواہ نمبر ایک حاجی اسمٰعیل نے جو مدراس کا تھا اور بارہ سال سے مبارزالدولہ کا ملازم تھا انگوٹھیوں کے بارے میں معلومات فراہم کیں اور بتایا کہ مبارزالدولہ اپنے سپاہیوں اور کمپنی کی سپاہ میں امتیاز کی خاطر اپنے آدمیوں کو یہ انگوٹھیاں مہیا کرواتے تھے۔ ایک اور گواہ حیدر صاحب حکیم جو سکندر آباد چھاؤنی کا رہنے والا تھا لال خان عرف عبدالهادی سے ملنے اکثر مبارزالدولہ کی ڈیوڑھی جایا کرتا تھا' وہ بالعموم لال خان کو خط و کتابت کرتا ہوا اور وہاں وہابیوں کو مجتمع ہوتا پاتا تھا۔ ہر وہابی بائیں ہاتھ میں لوہے کی انگوٹھی پہنے ہوتا تھا اور ایک خاص کاغذ میں لپٹا ہوا چھوٹا ہتھیار رکھتا تھا۔ (غالباً" چھوٹا خنجر جس کا حیدر آبادی عرف عام تھا "جنبیہ" مترجم۔)

شیخ عبداللہ کے بیان سے بھی مترشح تھا کہ خطوط رسانی کے لئے مبارزالدولہ نے دو ملازم رکھے تھے' شیخ امام اور محمد بھائی۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اسٹونس کے مراسلات سے ثابت نہیں ہوتا کہ شیخ عبداللہ نیز غلام احمد اور دھوم داس کے ہاں سے برآمد شدہ ہتھیاروں اور انگوٹھیوں کی طرح کی چیزیں نیلور میں بھی کسی شخص سے حاصل ہوئی تھیں۔ اس کے قطع نظر ہمیں یقین تھا کہ ان لوگوں کا کوئی آقا تھا جس کے لئے یہ کام کر رہے تھے۔ جب نیلور کے جاسوس پکڑے گئے تو افغانستان میں ایک اہم واقعہ رونما ہوا اور بہت سے اخباروں نے یہ جھوٹی اطلاع شائع کی کہ روسی اور ایرانی افواج ہرات پہنچ گئیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس بارے میں جو کچھ خبر تھی وہ بے بنیاد ہو سکتی تھی۔ عین ممکن تھا کہ تمام مذکورہ شہزادے اس سازش میں ملوث نہ ہوں لیکن جاسوسوں کا تقرر غلط نہیں ہو سکتا اور ان کو ملازم رکھنے والی ہستی موجود تھی۔ یہ بالکلیہ غلط تھا کہ نظام اور وزیر بھی اس منصوبے میں شریک تھے اور یہ کہ انگریزوں سے لڑنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

ہر چند کہ اس مہم میں ان بہت سے لوگوں کی تقرری اور جاسوسوں کی چہار سو روانگی کا اصل مقصد تفتیش طلب تھا۔ یہ ثابت ہو چکا تھا کہ اس اسکیم کی منصوبہ بندی اور جاسوسوں کی تعیناتی کرنے والا کوئی بڑا اونچا آدمی تھا اور اونچے رتبے کا یہ فرد کوئی اور نہیں تھا سوائے شہزادہ مبارزالدولہ کے۔ تمام جاسوسوں کا ان سے راست تعلق تھا اور من حیث الکل سارے ہی مسلمان روسیوں اور ایرانیوں کی مدد سے انگریزوں کو ملک سے نکال باہر کرنا چاہتے تھے۔ خصوصاً" یہ نکتہ نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ روسی اور ایرانی سپاہ کے اجتماع سے متعلق اخباری

Marfat.com

اطلاعیں بعینہٖ وہی تھیں جو جاسوسوں کے بیانوں سے حاصل ہوئی تھیں۔ محولہ خطوط سے بھی ان امور پر روشنی پڑتی تھی، چنانچہ نواب کرنول کے ایک سابق ملازم عتیق اللہ کے مکتوب مورخہ دسمبر ۱۸۳۹ میں مذکور تھا کہ شاہ ایران اور روس کی مشترکہ فوجوں نے انگریزوں کو شکست دے دی اور انھیں کابل تک پسپا کردیا۔ اس کے بعد ایک ماہ تک کوئی خبر نہیں تھی۔ پھر عتیق اللہ نے اپنے نواب کو لکھا کہ انگریزوں نے حیدر آبادی فوج کابل کو طلب کی تھی لیکن نظام نے انکار کردیا تھا۔

مبارزالدولہ کی گرفتاری کے بعد ایک اور پلان دریافت ہوا جو مہربردار فیض اللہ کے قبضے میں تھا۔ اس میں مذکور تھا کہ محمد شاہ نے قلعہ ہرات پر قبضہ کرلیا تھا جو پہلے شاہ کامران کے پاس تھا اور یہ کہ محمد شاہ نے وہاں ایک لاکھ سپاہ تعینات کردیئے نیز یہ کہ تقریباً" چالیس ہزار روسی فوجی سرحد سے دس میل کے فاصلے پر موجود تھے۔ ان حقائق کو یہ جتلانے کے لئے بیان کیا گیا ہے کہ ایرانی اور روسی افواج ہندوستان میں مداخلت کے لئے تیار تھیں۔ کرناٹک کے تاجروں کے بیان سے ان حقائق کی تائید ہوتی تھی جن کے خطوں میں لکھا تھا کہ انتشار کے سبب بیوپار میں مشکلات پیدا ہوگئی تھیں۔

تمام تر واقعات و حقائق پر نظر رکھتے ہوئے ہم اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ اس مقدمے کو دو نوعیتوں میں تقسیم ہونا چاہیے۔ پہلا مبارزالدولہ کی مصروفیات اور سوچوں کے بارے میں گواہیوں سے متعلق اور دوسرا مولویوں وغیرہ کے منصوبوں اور اشغال کے تعلق سے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے ناموں کی فہرستیں موصول ہو چکی تھیں اور جو مقدمے کے دوران حراست میں لیے گئے تھے۔ یہ ضروری تھا کہ اول الذکر نوعیت سے متعلق بیانات کا ایک ایک کرکے جائزہ لیا جائے تاکہ جامع صورت میں ہم یہ فیصلہ کرسکیں کہ آیا مبارزالدولہ پر لگائے گئے الزامات درست تھے یا غلط۔ چنانچہ مندرجہ ذیل پہلوؤں سے مقدمے کی جانچ کے بعد فیصلہ دیا جائے گا۔

(۱) دیسی شہزادوں کے ساتھ مبارزالدولہ کی خط و کتابت، (۲) برطانی سپاہ کو بغاوت پر مائل کرنے کے لئے شہزادے کی سازش، (۳) وہابیوں سے اتحاد کے لئے مبارزالدولہ کی کوششیں، اور (۴) وہابیوں کی بغاوت۔

Marfat.com

مبارزالدولہ کی دیسی شہزادوں وغیرہ سے مراسلت

قیدیوں کے اقبالی اظہارات سے منکشف ہوا تھا کہ مبارزالدولہ ہندوستان کے شہزادوں سے راست خط و کتابت کرتے تھے' ان کے معتمد ملازمین میں لال خان عرف عبدل اور فقیر محمد وغیرہ بمبئی اور دوسرے شہروں کو بھجوائے گئے تھے' اور شہزادوں نے تعاون کے وعدوں کے ساتھ خطوط لکھے تھے۔ ان میں نواب بھوپال' نواب کرنول اور ستارا کا راجا ممتاز تھے اور یہ ثابت ہوچکا تھا کہ مبارزالدولہ کے ساتھ یہ سب انگریزوں کے خلاف مصروف عمل تھے۔ ان تمام حقائق کا کوئی تحریری ثبوت نہیں تھا اور مبارزالدولہ کی صرف نوابان اودگیر ٹونک اور کرنول سے مراسلت پائی گئی تھی۔

برطانی سپاہ کو آمادۂ بغاوت کرنے کے سلسلے میں ایک زمیندار عباس علی خاں کی کوشش اور شیخ عبداللہ کو رہا کرانے کے لئے ذرائع کے استعمال سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فوجیوں کو اکسایا گیا۔ اودگیر کا مضبوط قلعہ اس غرض سے چنا گیا کہ یہ مقام خاصا دور واقع ہوا تھا' کرناٹک میں انتشار پھیلانے کے لئے اس کا محل وقوع موزوں تھا اور اسلحہ کے ذخیرے کے لئے بھی یہ اچھا مرکز تھا۔ گواہوں سے معلوم ہوا کہ جاگیردار اودگیر کے خلاف لگائے گئے الزامات درست تھے۔ اس کی بناء پر یہ طے کیا گیا کہ جاگیردار عباس علی خاں کی تمام جائیداد بحق سرکار ضبط کرلی جائے اور اس کو شہربدر کردیا جائے۔ یہ ثابت ہوچکا تھا کہ عباس علی خاں کے خلاف الزامات صحیح تھے اور وہ سزا کا مستوجب قرار پایا تھا۔

اناسومدرم (واقع جنوبی ہند) کے جاگیردار رحمت اللہ خاں پر بھی بعد میں مبارزالدولہ کی اعانت کا الزام لگایا گیا جو درست نکلا' لیکن اس کو معافی دے دی گئی کیونکہ اس نے کچھ اور جاگیرداروں سے مبارزالدولہ کی مراسلت پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ یہ بات دلچسپ ہے کہ پہلے پہل رحمت اللہ خاں اور جاگیردار اودگیر عباس علی خاں میں مخاصمت تھی لیکن مولوی مہدی کی مساعی سے دور ہوگئی اور وہ ایک دوسرے سے تعاون کرنے لگے۔ کرناٹک کے حصول کے لئے گندی چالیں چلی گئیں۔ رحمت اللہ خاں نے بھی یہ کہا کہ اجناس کے ذخیرے کے لئے بہترین مرکز کے طور پر قلعہ اودگیر کا انتخاب کیا گیا تھا نیز یہ کہ جب تمام ملک پر قبضہ ہوجاتا تو ارکاٹ مبارزالدولہ کے حوالے کردیا جاتا۔ رحمت اللہ خاں اور عباس علی خاں میں زبردست تعاون تھا۔ اول الذکر کو بھی یہ بتایا گیا تھا کہ مبارزالدولہ اس کو ایک دولاکھ کی رقم خفیہ طور پر

Marfat.com

بھیجنے والے تھے لیکن اس پر عمل نہیں ہوا۔ اس کے مطابق ابتدا" کرنول میں سپاہ مجتمع کی جانے والی تھیں اور خود مبارزالدولہ ان کی کمان سنبھالنے والے تھے۔ اس کی رائے میں وہ کٹر مخالف انگریز تھے اور یہ سب منصوبے (انگریزوں کی ہی عملداری میں!) انتشار پھیلانے کی نیت سے تیار کئے گئے تھے۔ رحمت اللہ کی شہادت بڑی اہمیت کی حامل تھی کیونکہ وہ ان سبھی سازشوں میں شریک تھا جو تمام کی تمام مبارزالدولہ نے انگریزوں کے خلاف کی تھیں۔ قبل ازیں یہ امر ثابت شدہ تھا کہ حیدر آباد کا ہر ایک فرد و بشر علانیہ یا خفیہ بہرطور ان سب سازشوں میں شریک تھا۔ (کمیشن کے یہ آخرالذکر الفاظ بھی محض تاریخی نوعیت کے حامل ہی نہیں ہیں بلکہ یہ حقیقت آج ایک مستقل بالذات قدر کی مالک محسوس ہوتی ہے۔ کمیشن کا کردار مورخ تو بڑی بات ہے مبصر کا بھی نہ تھا لیکن یہ اتنی بڑی آفاقی حقیقت تھی کہ اس جملے میں جس نے خود کو تسلیم اور ثبت کروالیا۔ مترجم)

مبارزالدولہ کی مراسلت سے متعلق حقائق نے ثابت کردیا کہ انھوں نے خفیہ پیغامات کا ایک جال پھیلایا ہوا تھا اور شیخ عبداللہ یان کے احکام کے بموجب کام کررہا تھا۔ چونکہ ہم چاہتے تھے کہ مبارزالدولہ پر عائد کردہ الزامات اور متعلقہ حقائق کی تفصیل سامنے آجائے ہم نے مختلف لوگوں کے ساتھ ان کی خط و کتابت کا حال بیان کیا۔ شروع میں جان عالم آیا۔ پھر دو ماہ بعد چیناپٹم مدراس کے خان عالم خان، کلکتہ کے ولایت علی، بمبئی کے عبدالحکیم و قاضی یوسف، الہ آباد کے مولوی محمد علی اور دہلی کے مولوی اسحاق کے خطوط آئے۔ حیدر آباد میں مراسلت مولوی سلیم، عبدالہادی، عبدالرزاق اور سید عباس کے سپرد تھی اور چادر گھاٹ (شہر حیدر آباد کا ایک محلہ) کے ایک معلم ولی الدین کے توسط سے روانہ کی جاتی تھی۔ گزشتہ محرم میں ایک معتبر پیغام رساں احمد خان مولوی سلیم کے لئے خان عالم خاں کا خط لے کر آیا تھا جس میں چیناپٹم میں پیدا کردہ انتشار کا حال تھا۔ احمد خان اور مہربردار مولوی فیض اللہ کے بیانات سے ثابت تھا کہ مبارزالدولہ اور خان عالم خان میں گڑبڑ پھیلانے کے لئے معاہدہ ہوا تھا۔

ہمارے پہلے اجلاس میں حاجی اسمٰعیل نے بتایا تھا کہ عبدالہادی نامی نو آمد کو مولوی سلیم نے مبارزالدولہ سے متعارف کروادیا تھا۔ عبدالہادی نے مولوی سلیم سے کہا۔ "ٹونک میں سب کچھ تیار ہے اور نواب کرنول کی حمایت بھی حاصل کی جاچکی ہے، آپ خواہ مخواہ دیر کررہے ہیں۔" جواباً" مولوی سلیم نے کہا۔ "نواب مبارزالدولہ اس منصوبے پر اتنی جلدی

Marfat.com

عمل آوری کے لئے تیار نہیں ہوسکتے' اس کام کو سکون کے ساتھ انجام دینا چاہیے" دوسروں کے علاوہ محمد علی نے جہاد پر حاکم ٹونک وزیر محمد خاں اور مولوی نصیرالدین کی گفتگو کا حال سنایا۔ مبارزالدولہ نے سندھ کو ایک مولوی بھجوایا تھا کیونکہ محمد علی کے بقول نواب کرنول بھی تحریک میں شامل ہوچکا تھا اور جب تک کہ مولوی کو سندھ نہ بھیجا جاتا اس بات کی خبر نہیں ہوسکتی تھی۔ تیسرے گواہ فخرالدین نے کہا۔ "سید عباس علی خاں نے نواب ٹونک سے معاملات کے تشویشناک پہلو پر بات چیت کی اور بتایا کہ وہ سید احمد شہید کا پیروکار تھا اور یہ کہ اس نے نصیرالدین کو مالی امداد دی۔" ہمارے کاغذات میں ایک اور بیان شامل ہے جس کے مطابق مبارزالدولہ نے سندھ کو اپنے پیامبر روانہ کئے تھے۔ ممکنہ طور پر عبدالعظیم کو بھیجا گیا ہوگا جو نواب ٹونک کا معتبر ملازم تھا' وہ ابتداء میں نواب کے پیغام رساں کی حیثیت میں نصیرالدین اور پھر مبارزالدولہ سے ملا تھا۔

جب شہزادے (مبارزالدولہ) نے قاضی آصف اور پیر محمد کو سندھ بھیجا تو راستے میں (متذکرۂ بالا) عبدالعظیم انھیں ملا اور انھوں نے اس کے ذریعے مراسلے شہزادے کے پاس روانہ کئے۔ یہ شہزادے اور نواب ٹونک کی مراسلت کے اہم کاغذات تھے۔ ایک خط میں مبارزالدولہ کو "رئیس المسلمین" کا لقب اختیار کرنے نیز مسلمانان ہند میں وہابی تحریک کو پھیلانے اور جہاد کا علم بلند کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ سندھ سے شاید اسی عبدالعظیم کے ایک خط کے مطابق اس نے عبدالهادی اور پیر محمد سے ملاقات کی تھی اور اس سے مترشح ہے کہ یہ اوائل ۱۸۳۸ کا نوشتہ ہے۔ مزید لکھا ہے کہ مولوی سلیم مجاہدوں کے مرکز سے نصیرالدین کے ہاں بخیر پہنچ گئے اور رامپور کے مولوی حافظ عبدالعظیم نے مولانا حضرت نصیرالدین کے مکاتیب نواب وزیرالدولہ اور ہند کے دوسرے شاہزادوں تک پہنچائے جن کے جوابات تب تک موصول نہیں ہوئے تھے۔ اس میں تجویز یہ تھی کہ رئیس المسلمین سے بھی ملاقات کرکے تمام کوائف سے انھیں آگاہ کیا جائے اور اس شخص کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ نواب صاحب سے تبادلہ خیال جاری رکھے اور خطوط لکھتا رہے۔ نواب مجاہدین کے متعلق خبریں پاکر بے حد خوش ہوں گے۔ ہندوستان کے سارے مسلمان دن رات دست بدعا ہیں اور فضل الٰہی سے شہنشاہ دہلی اور ولی عہد سلطنت نے بھی اس تحریک میں شمولیت فرمائی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ تشہیر اور تبلیغ کی مہم کامیابی سے جاری ہے اور امام کے نمائندے اس کے نام کی قسم اٹھا

Marfat.com

رہے ہیں۔ ہر مقام پر خلفاء مقرر کردیئے گئے ہیں جو اپنی اپنی ذمہ داریوں میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ مقلدین کی تعداد روزافزوں ہے اور مسلمانوں کی کامرانی کی بھرپور توقع پیدا ہو چکی ہے۔ اس مراسلے میں نواب ٹونک کے بھی کچھ خطوں کا ذکر تھا جو شاید وہی ہوں جو قبل ازیں مذکورہ ہیں۔

مبارزالدولہ کا موسومہ بھی ایک خط پایا گیا جس پر کوئی تاریخ نہیں تھی جس میں شوال ۱۲۵۳ھ ۱۸۳۸ء میں مطبوعہ مولوی حلیم کے رسالہ جہاد کا ذکر تھا۔ کچھ اور خطوط سے نواب ٹونک اور عبدالعظیم نیز قاضی آصف اور عبدالحلیم کے بھی بارے میں اطلاعات کا پتہ چلتا ہے۔ محمد مخدوم کے بیان سے معلوم ہوا کہ یہ عبدالعظیم جون ۱۸۳۹ء میں مبارزالدولہ سے ملا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ شہزادے کی حیثیت آقا یا سرپرست کی تھی اور برطانوی حکومت ہند کے خلاف باغیانہ جذبات کو ہوا دے رہے تھے۔ مقدمے کے دوران کی تفتیش اور ہاتھ آنے والے ثبوت سے علم ہوتا ہے کہ مبارزالدولہ اور نواب کرنول متحد تھے اور نواب نے اسلحہ کا جو ذخیرہ جمع کیا تھا اس سے ثابت تھا کہ آئندہ اس کو کسی بڑے اہم عہدے پر فائز کیا جاتا۔

گواہ حاجی اسماعیل نے بتایا کہ مولوی سلیم کے ہاں نواب کرنول کے مکاتیب آیا کرتے تھے' مولوی سلیم شہزادہ کے نمائندے کا مقام رکھتے تھے۔ ایک بار اس گواہ کی موجودگی میں انھوں نے شہزادے سے کہا کہ کرنول کے نواب غلام رسول خاں کا فلاں فلاں مطالب کا جو مراسلہ آیا ہے اس کا کیا جواب دیا جائے۔ مبارزالدولہ نے یہ لکھنے کے لئے کہا کہ "میں خود دو ہفتوں میں آنے والا ہوں' انھیں متردد نہ ہونا چاہیے۔" اس کے بعد مولوی سلیم نے جواب لکھا اور شاید عبدالقادر نامی کرنول کے پیغام رساں کے حوالے کیا۔ ایک اور گواہی سے پتہ چلا کہ ایک بار جب مولوی سلیم اور عبدالهادی باغیچے میں ٹہل رہے تھے ثانی الذکر نے کہا' "ٹونک اور کرنول کے نواب تیاری کر چکے ہیں' مبارزالدولہ بیکار ہی دیر کئے جا رہے ہیں۔" مولوی سلیم نے جواب دیا۔ "مبارزالدولہ کوئی جلدباز آدمی نہیں ہیں اور ہر کام مناسب غور و فکر کے بعد انجام دیتے ہیں تبھی یہ تاخیر ہوئی ہے۔" اس گواہ نے شہزادے اور نواب کرنول کے باہمی تعاون کے بارے میں کوئی اور اطلاع نہیں بہم پہنچائی اور یہ بتایا کہ سندھ سے سید عباس آچکا تھا جس کو مولوی سلیم نے یہ کہا کہ کرنول کو جواب کی روانگی کے بعد نواب ٹونک کو بھی جواب لکھ دیا جائے گا۔

Marfat.com

چند اور شہادتوں میں الٰہی بخش نامی شخص کا یہ اعتراف ہے کہ مبارزالدولہ کا حکم پاکردہ بھیس بدل کر سپاہیوں کو بغاوت پر اکسانے کی غرض سے کرنول نیز میسور اور سرنگاپٹم گیا۔ سکندر آباد کے چند اصاحب کا یہ اقبالی بیان ہے کہ اس نے امام خاں کو شہزادے کے محل میں دیکھا جو اپنے شملے (صافے) میں خطوں کو چھپائے ہوئے تھا۔ اس کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ کرنول سے آیا تھا اور یہ کہ خطوط اس کے صافے میں تھے۔ ہر چند کہ ہم نے نواب کرنول اور شہزادہ مبارزالدولہ کے اتحاد اور تعاون کا تحریری ثبوت حاصل کرنے کی کوشش کی' کامیاب نہ ہوئے۔ اب تک فقط زبانی شہادتیں ہی مل سکیں اور یہ بھی ایک خط کے ذریعے جو مفروضہ طور پر نواب کرنول نے شہزادے کو لکھا تھا لیکن جس کا کوئی تشفی بخش ثبوت نہ تھا۔ ۲۳ر اگست ۱۸۳۹ کو رزیڈنٹ نے نواب کرنول کے بارے میں جن حقائق کا ذکر کیا تھا ان سے ثابت ہوا کہ وہ خط اصلی نہیں تھا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ نواب کرنول کا بھائی جب اس خط کی نقل لے کر رزیڈنٹ سے ملا تو اس کا کوئی بیان نہیں لیا گیا حالانکہ اس نے خود حامل مکتوب سے وہ خط لیا تھا۔

اس کیس میں رزیڈنٹ نے نواب کرنول کے بھائی کے خط کا ذکر کیا ہے۔ رزیڈنٹ سے بیان کردہ نواب کرنول کے بھائی کے واقعات اور زیر نظر تفصیلوں میں تاریخ کا بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ مبارزالدولہ کے محل کے محاصرے کی تاریخ ایک جگہ مئی ۱۸۳۹ ہے اور دوسری جگہ کچھ اور' تاریخوں کا یہ فرق بالکل عیاں ہے۔ اس سلسلے میں شہزادے کی ڈیوڑھی کے محاصرے کے روز کے کچھ واقعات کا حال بھی پایا گیا' مثلاً "مستعد پورے میں مبارزالدولہ کی علالت اور مستعد پورے ہی میں ایک بوڑھی عورت کا بیمار ہو کر آنا اور انتقال کر جانا۔ اب سب واقعات کی تاریخیں متنازعہ ہیں۔ مقدمے میں اس معمر عورت اور اس کے چھوٹے سے ہتھیار کا احوال مذکور ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ عورت اس کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان دکھائی دیتی تھی تاہم کافی پوچھ گچھ کے باوجود اس نے اس کے متعلق ایک لفظ نہیں کہا۔ وہ چیز جوہریوں کو دکھائی گئی جنھوں نے کہا اس کو آگ میں تپایا جائے تاکہ رنگ کی تبدیلی سے اس کی دھات وغیرہ کا پتہ لگے لیکن آگ میں ڈالنے پر اس نے رنگ نہیں بدلا تھا۔ جب اس عورت کے قبضے سے وہ ہتھیار برآمد ہوا تھا اس کی رنگت سیاہ تھی اور لگتا تھا کہ وہ اس کے ہاں ایک مدت سے تھا۔

Marfat.com

کاغذات پر جو مہر ثبت کی گئی تھی اس میں "اللہ الناصر" کے الفاظ درج تھے۔ غلام رسول خاں حاکم کرنول کے والد الف خاں کی مہر پر بھی یہی الفاظ کندہ تھے۔ نواب نے یہ مہر پائی تھی اور غالباً" اپنے کاغذات پر استعمال کرتا تھا۔ یہ عین ممکن ہے کہ الف خاں کی مہر اس کے بیٹے نواب کرنول غلام رسول خاں کے قبضے میں ہو کیونکہ باپ کی مہر بیٹا اپنے پاس رکھ سکتا تھا۔ سید علی خاں نے جو تینوں بھائیوں میں سب سے زیادہ عقلمند تھا اس امکان کو قبول کرلیا' چنانچہ کمیشن کے ارکان نے جب دریافت کیا تو اس نے کہا کہ باپ کی مہر بیٹے کے پاس ہونی چاہیے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ مہر جعلی تھی' اس کی تصدیق کے لئے ہم نے تین ماہروں کی خدمات حاصل کیں اور کسی اور بات کے ذکر کے بغیر صرف اس مہر کے بارے میں ان کی رائے مانگی۔ انھوں نے بتایا کہ یہ مہر جعلی تھی اور جعلی مہر کی پہچان یہ کہ اس کا چھاپا تادیر باقی نہیں رہتا جبکہ اصلی مہر کی چھاپ ایک عرصے تک برقرار رہتی ہے۔

نتیجتاً" (رزیڈنٹ کے پیش کردہ) اس خط کا جعلی ہونا ثابت ہوا۔ معلوم یہ ہوتا تھا کہ یہ جھوٹی دستاویزیں نواب کرنول کے بھائی' پیرزادہ اور مہدی علی خان کی سازش کا نتیجہ تھیں۔ سوائے زبانی شہادت کے جب کوئی تحریری ثبوت ہاتھ نہ آیا تو مبارزالدولہ اور نواب کرنول کی مراسلت کا خیال مشکوک ہوگیا۔ اس کے خارج از بحث قرار پانے کے بعد واحد بیان جو بالکل صاف ہے حاجی اسمٰعیل کا ہے جو مبارزالدولہ اور مولوی سلیم سے متعلق ہے۔ لیکن اس حقیقت کے مدنظر کہ اس نے یہ بیان مہدی علی خاں اور نواب کرنول کے بھائیوں کی زبردستی سے دیا تھا حاجی اسمٰعیل کی بھی گواہی کو کوئی اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ حیدر صاحب کے بیان پر ہمیں کوئی شبہ نہیں' اس حصے کے سوا جس کے مطابق امام خاں شہزادے کی ڈیوڑھی گیا تھا اور وہ کرنول سے مراسلہ لے آیا تھا۔ یہ بات صاف نہیں کہ خط کس کا لکھا ہوا تھا اور کس کا موسومہ' یہ بھی معلوم نہیں کہ امام خاں نواب کرنول کا جاسوس تھا یا مبارزالدولہ کا۔ اپنی تفتیش کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ نواب کرنول کے قبضے میں اسلحہ اور گولا بارود کا ذخیرہ تھا۔ اس میں بھی شک نہیں کہ گواہوں نے شہزادے اور نواب کے تعاون کی توثیق کی تھی لیکن یہ تحریری ثبوت سے خالی تھی۔

مبارزالدولہ پر جاگیردار اودگیر' نواب ٹونک اور چینا پٹم کے خان عالم خاں سے راست مراسلت کا بھی الزام تھا گو کہ دستاویزی ثبوت مفقود تھا' لیکن پیش کردہ معاہدات اس حقیقت

Marfat.com

کے شاہد تھے اور الزام کسی شک و شبہ سے بالا تھا۔ مبارزالدولہ اور ہندوستان کے دیگر شہزادوں وغیرہ کے درمیان جو تعلقات استوار ہوتے جارہے تھے وہ اس قدر واضح اور عیاں تھے کہ کسی شہادت کی ضرورت نہ تھی۔ یہ بھی ثابت ہے کہ مراسلات آتے تھے اور مولوی سلیم کے حوالے کئے جاتے تھے۔ مولوی سلیم شہزادے کے ملازم نہیں تھے' وہ ان سے روزانہ ملا کرتے تھے اور گفتگو ہوتی تھی۔ چنانچہ یہ ہرگز تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ شہزادہ تمام امور سے ناواقف محض تھا۔ نواب ٹونک کے مراسلوں کا ذکر پہلے آچکا ہے' خصوصاً" اس مکتوب کا جو مولوی سلیم کی معرفت بھیجا گیا تھا اور عبدالعظیم حیدر آباد لایا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ بہت پہلے یہ مذاکرات ہو رہے تھے اور دونوں راست مراسلت کر رہے تھے۔ ایک خط میں ایک مقام پر کسی خبر رساں کی تعیناتی اور مبارزالدولہ سے اس کے تنخواہ پانے کا ذکر تھا۔ عبدالعظیم جب حیدر آباد آگیا تو شہزادے نے اس کو اپنی دیوڑھی میں ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ شہزادے اور نواب ٹونک میں مراسلت جاری تھی۔

چارج شیٹ کی دفعہ نمبر ۱ میں مرقومہ شہادتوں کی روشنی میں مبارزالدولہ پر خط و کتابت کا الزام درست معلوم ہوا۔ مذکورۂ بالا حقائق سے یہ امر ثابت ہے کہ چینا پٹن و اودگیر کے جاگیرداروں اور نواب ٹونک سے ان کی مراسلت تھی۔ اپنی اولین نشست میں ہم یہ کہہ آئے ہیں کہ یہ خط و کتابت برطانوی حکومت ہند کے خلاف تھی' لہٰذا یہ الزام مبارزالدولہ پر عائد ہوجاتا ہے' شک سے یہ خالی ہے اور مزید ثبوت ضروری نہیں۔ ہرچند کہ مبارزالدولہ اور نواب کرنول کی براہ راست مراسلت کا کوئی پکا ثبوت حاصل نہ ہوسکا اور یہ امر ہنوز مشتبہ ہے' اس حقیقت کو صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ کرنول میں ایک اسلحہ خانہ شہزادے کی خواہش کے مطابق بنایا گیا تھا اور وہاں ہتھیار جمع کئے جاتے تھے۔ لہٰذا شہزادے اور نواب کرنول میں اتحاد و اتفاق کچھ غیر ممکن نہ تھا۔

برطانوی سپاہ کو آمادۂ بغاوت کرنے کیلئے مبارزالدولہ کی سازش

یہ حقیقت آشکار ہوچکی ہے کہ نیلور میں گرفتار شدہ جاسوس فوجیوں کو انگریزوں کے خلاف ورغلا رہے تھے اور ایک گزشتہ اجلاس میں اس تعلق سے اختیار کردہ کوششوں کا حال بھی روایت کیا جاچکا ہے۔ ان جاسوسوں کے اعترافات کے ملاحظے کے بعد ہم نے یہ نتیجہ اخذ

Marfat.com

کیا کہ کچھ لوگوں نے اپنی دگرگوں حالت کے باوجود سکندر آباد میں سپاہ کو اکسانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ ان بیانات سے ظاہر ہوا کہ حسین ساگر کے کوتوال کی وساطت سے مبارزالدولہ نے یہ مہم چلائی اور کئی مولوی متعین کئے جو فوجیوں کی مساجد میں تبلیغی وعظ کیا کرتے تھے۔ وہ انھیں یہ تلقین کیا کرتے تھے کہ انگریزوں کی ملازمت کرنا صایب نہیں اور مختلف ہتھکنڈوں سے انھیں ورغلایا کرتے تھے۔ محمد عباس نے شہزادے سے یہ تک کہا کہ سپاہ تیار ہیں اور ان کے احکام کی منتظر۔ محمد سلیمان کی گواہی ہے کہ مولوی فوجیوں کی مسجدوں میں آیا کرتے تھے' حاضرین سے مباحثہ کیا کرتے اور انگریزوں کے ملازم مسلمانوں کو ان کے خلاف ابھارا کرتے۔ ان (سپاہیوں) سے کہا جاتا تھا کہ انگریزوں کی نوکری گناہ کبیرہ تھی۔ جذبہ جہاد کو بیدار کرنے کی خاطر یہ طویل نظم سناتے تھے۔

اس سلسلے میں ہم مولوی محمد عباس اور سید عباس سے متعلق محمد عثمان کی شہادت پیش کرتے ہیں: "مولویوں نے مذہب کے بارے میں ایک غلط تاثر پیدا کردیا اور جہاد کی ضرورت پر بڑا زور دیا۔ انھوں نے رنجیت سنگھ وغیرہ کے خلاف لڑنے کا مطالبہ کیا اور بتایا کہ مجاہدوں کو کامران شاہ اور دوست محمد خاں کی حمایت حاصل تھی۔ ایک روز کچھ سپاہی بھی میرے ہمراہ مسجد میں موجود تھے' سید احمد نے کہا کہ انگریزوں کی خدمت گزاری بڑی حقارت کی بات ہے۔ انھوں نے لوگوں سے مجاہدین کی فوج میں شمولیت کے لئے اصرار کیا اور کہا کہ خدا ان کی مدد کو آئے گا اور مشکلیں دور کرے گا۔" محمد عثمان نے یہ بھی بتایا کہ ۳۷ ویں رجمنٹ کے تمام سپاہیوں کے استعفیٰ کے بارے میں اس کو معلوم ہوا تھا۔ اس نے سید احمد کا ایک بیان دہرایا جو انھوں نے کسی مسجد میں دیا تھا اور یہ کہا تھا کہ کافروں کی ملازمت میں رہنا گناہ گاری ہے اور ہر مسلمان پر مجاہدین کی فوج میں شرکت فرض ہے۔ بڈن صاحب کی مسجد میں بھی یہی باتیں کہی گئی تھیں اور بمبئی کا ایک رسالہ "جہاد" نمازیوں میں تقسیم کروایا گیا تھا۔ اس رسالے میں لکھا تھا کہ مبارزالدولہ ایک نیک ہستی ہے اور ہر کوئی اس کا ساتھ دے نیز یہ کہ ہر مسلمان پر اسلام کی حفاظت فرض ہے۔ کچھ لوگوں کے بتانے کے مطابق مبارزالدولہ کے تنخواہ دار ملازمین جہاد کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ ان کا ایک سیکریٹری مولوی عبدالرزاق اور کچھ دوسرے لوگ وعظ اور تقریروں میں وہابیت کا پرچار اور حاضرین سے اس کی پیروی کے لئے اصرار کیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں امیر کبیر شمس الامرا کے ایک ملازم محمد جعفر نے شہزادے

Marfat.com

کو مطلع کیا کہ پانچ سو برطانوی سپاہی ان کی اطاعت پر راضی تھے' جبکہ شہزادے کے ایک برادر نسبتی محمد اکبر کے بقول ایسے لوگ صرف دو سو تھے اور (محلہ) تمبرپیٹھ کی ایک رپورٹ یہ تھی کہ یہ تعداد چھ سو سے گیارہ سو تھی۔

تاہم یہ صرف افواہیں تھیں اور محمد اقبال سے بھی ایسی ہی روایت منسوب ہوئی۔ ہم نے چاہا کہ ان سپاہیوں سے معلوم کریں جو ایسے مواقع پر مسجدوں میں ہوتے تھے۔ چنانچہ بہت سے فوجیوں سے پوچھ گچھ کی گئی لیکن انھوں نے بتایا کہ وہ کسی گڑبڑ یا ورغلانے کی کوششوں سے واقف نہیں۔ ہم نے ان مساعی کے بارے میں دریافت کیا جو لوگوں کو ورغلانے اور مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب کے لئے کی جاتی تھیں۔ یہ ناممکن تھا کہ مساجد کے نمازی سپاہی اس درجہ معصوم یا واقعات سے اتنے بے خبر ہوتے۔ ان کے رویے سے ثابت تھا کہ وہ ان تبلیغی کوششوں سے متاثر تھے اور اس طرح انھوں نے حکومت سے بے وفائی کا ارتکاب کیا۔ شہادتوں سے عیاں تھا کہ اس فرقے میں شمول کے لئے مسلمانوں پر زبردستی کی جاتی تھی' ان کے مذہبی جذبات برانگیختہ کئے جاتے تھے' اور ملحد فرنگیوں کی نوکری چھوڑنے کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ یہ تھے وہ ہتھکنڈے جن کو وہابیوں نے اختیار کیا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مبارز الدولہ اس تحریک سے وابستہ ہو چکے تھے۔ دوسرے مسلمان بھی اس میں شرکت کے لئے راغب کئے جاتے تھے۔

یہ معلوم کرنا دشوار تھا کہ مبارز الدولہ کب اس تحریک سے منسلک ہوئے لیکن یہ صاف ہے کہ چند سال سے انکا اس سے تعلق تھا۔ تحریک کے شرکاء (غالباً" کارکن مراد ہیں) بارہ ایک سو روپے ماہانہ الاؤنس پاتے تھے۔ یہ بھی علم ہوا کہ ان برسوں میں کچھ مولوی دورے پر گئے اور باور یہ کرایا کہ مکہ معظمہ جا رہے ہیں اور طویل عرصہ بعد واپس ہوئے۔ دراصل یہ لوگ سندھ اور دیگر مقامات گئے ہوئے تھے' انھوں نے خفیہ مراسلے پہنچائے اور لوگوں سے خفیہ ملاقاتیں کیں۔ اس طرح کی ساری شہادتیں زبانی ہیں اور کوئی تحریری ثبوت ہاتھ نہ آیا۔ مبارز الدولہ کی ڈیوڑھی سے تین دفعہ لوگ "زیارت" کیلئے روانہ ہوئے' انھوں نے شہزادے سے اجازت اور رقم حاصل کی' لیکن ان احکام کی تحریری شکل نظر نہیں آئی۔

ایک بار چالیس پچاس مجاہدین کی ایک جماعت تن خواہ یاب مولوی کی قیادت میں دورے پر روانہ ہوئی' یہ لوگ شہزادے کے خرچ پر حیدر آباد سے چلے تھے۔ شولاپور پہنچ کر

Marfat.com

انھوں نے گاؤں میں تبلیغ کی اور لوگوں سے حلف لینے اور ان کی پیروی کرنے کا مطالبہ کیا۔ یہاں سے وہ بمبئی پہنچے اور قیام کیا۔ مبارزالدولہ تمام اخراجات اٹھایا کرتے تھے۔ بمبئی سے یہ لوگ جہاز پر کراچی گئے اور وہاں سے حیدر آباد سندھ۔ وہاں کے ذمہ دار اشخاص سے انھوں نے ملاقات کی اور آگے چل پڑے۔ انھوں نے مولوی نصیرالدین کا دستخط کیا ہوا سیل بند خط اپنے ساتھ لیا جو سکھوں سے لڑائیوں کے متعلق تھا۔ اس خصوص میں یہ کہنا بالکل غلط ہوگا کہ وہ نصیرالدین کی مدد کے لئے سکھوں سے برسرپیکار تھے۔ لیکن یہ معلوم ہوا کہ مبارزالدولہ کی جانب سے انھوں نے نصیرالدین سے ملاقات کی اور ان کو ایک لاکھ روپے دینے کے بعد ان میں سے کچھ لوگ واپس حیدر آباد آگئے۔ ممکن ہے چند لوگ محض اپنے ذاتی فائدے یا نجی تعلق کے سبب وہاں گئے ہوں اور لہٰذا مقدمے کو اس امر سے کوئی سروکار نہیں کہ آیا وہ سکھوں سے جنگ کرنے گئے تھے یا نہیں۔ یہ درست ہے کہ مبارزالدولہ نے ایک لاکھ روپوں کے ساتھ ایک خط نصیرالدین کو اپنے ایک معتبر ملازم لال خاں کے ہاتھ بھیجا تھا مگر اس کے یا دیگر خطوں کے جو ایران اور سندھ بھیجے گئے مطالب سے ہم ناواقف ہیں۔

عبدالعظیم نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ وہ نواب ٹونک کا ایک خط لے کر آیا تھا اور اس بات کو اس نے اس خیال کی تائید میں پیش کیا کہ لال خاں سندھ سے واپسی پر مبارزالدولہ کی دیوڑھی میں مقیم رہا اور یہ کہ وہ کچھ خفیہ مکاتیب بھی لایا تھا۔ لیکن دیوڑھی کے محاصرے میں ایسے کوئی مراسلے نہیں ملے، ممکن ہے یہ باتیں لوگوں میں جوش و خروش پیدا کرنے کی خاطر پھیلائی گئی ہوں لیکن ان کا کوئی پکا ثبوت نہیں پایا گیا۔

وہابیوں سے اتحاد کیلئے مبارزالدولہ کی مراسلت اور مساعی

یہ بنیادی نکتہ کہ مبارزالدولہ وہابی تحریک میں شرکت کے مرتکب ہوئے تھے زبانی اور تحریری شواہد سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ اپنے وطن کے مفاد کی خاطر انگریزی حکومت کی مخالفت اور ہندوستان میں اپنی سرکردگی میں وہابی حکومت دونوں کی گویا بنیاد رکھنا ہی ان کا نصب العین تھا۔ اس تعلق سے کچھ مولویوں کے مکتوبات بھی تھے۔ ہرچند کہ یہ بات پوری طرح واضح نہیں اس پر کچھ روشنی پڑ چکی ہے۔ تاہم ان مراسلوں کا منشاء سکھوں کی (بھی) مخالفت کرنا اور ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں کے لئے جہاد کا لزوم اور وجوب

Marfat.com

عائد کرنا تھا۔

جب محمد علی عرف علی جان حیدر آباد پہنچا تو عبدالہادی عرف لال خاں کے توسط سے اس کو مبارزالدولہ کی ڈیوڑھی کے پاس ایک مدرسے میں شریک کیا گیا۔ عبدالہادی نے محمد علی کو سندھ چلنے کے لئے کہا۔ محمد علی نے سندھ سے جو خط لکھا وہ اپنے مطالب میں مولوی نورا لہدیٰ کے نام کے خط سے جدا تھا۔ اس نے لکھا کہ نصیرالدین کے بہت سے رفقاء انگریزوں اور سکھوں کے خلاف مصروف جنگ تھے۔ محمد علی نے اس نکتے پر بڑا زور دیا کہ مسلمانوں کو بے دینوں اور کافروں سے جہاد کرنا چاہیے جو دیگر عبادات سے کہیں زیادہ خدا کی پسندیدہ عبادت ہے۔ اس نے خط میں عوام کو آمادۂ جہاد کرنے کے صلے میں انعام و اکرام کا بھی وعدہ کیا۔ افسوس کہ مسٹر اسٹونس نے اسی محمد علی کے دیگر خط حاصل نہیں کئے جو اس نے مسلمانان نیلور کو انگریزوں کے خلاف ابھارنے کی غرض سے لکھے تھے اور جن میں ان کی غفلت اور تساہل پسندی پر نفریں بھیجی تھی۔ قاضی آصف اور عبدالرحمٰن بیگ کے خطوط بھی اسی نوعیت کے تھے۔ بنگال سے ولایت (مولوی ولایت علی) نے خط لکھے تھے اور ان کو مبارزالدولہ کے ملاحظے میں گزراننے کا متمنی تھا۔

ان مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہابی مبارزالدولہ کو اپنی کامیابیوں سے مطلع کرنا اور یہ بتانا چاہتے تھے کہ کلکتہ بردوان وغیرہ میں ہزاروں لوگ تحریک میں شامل ہو چکے تھے۔ شہزادے کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کی گئی تھی تاکہ خدائے تعالیٰ ان کو اپنی خوشنودیوں سے نوازے۔ مولوی حلیم نے اپنے ایک مکتوب میں مبارزالدولہ کو تحریک کی اشاعت کیلئے ترغیب دی۔ اس خط سے یہ منکشف ہوا کہ شہزادے کو "حامی دین مبین رئیس المسلمین" کا خطاب دیا جانے والا تھا جبکہ گرفتاری سے پہلے تیار کروائی ہوئی ان القاب کی ایک مہران کے ہاں سے برآمد ہوئی: "حامی دین مبین و شرع متین' محافظ اسلام و المسلمین' عبدالعزیز ثانی' مبارزالدولہ -- ۵۵ھ۔" تحریک میں شہزادے کی شمولیت تقویت اور استحکام کی موجب سمجھی جاتی تھی' اس لئے وہابیوں نے انہیں تحریک کا سرگرم رکن بنانے کی زبردست سعی کی اور کامیاب رہے۔

اب ہم مبارزالدولہ پر لگائے گئے دوسرے الزامات سے بحث کریں گے۔

ہمارے ملاحظے سے اب تک جتنے کاغذات اور بیانات گزر رہے ہیں ان سے مترشح ہے

Marfat.com

کہ مبارزالدولہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کا سختی سے خاتمہ کرنا چاہتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ملک کی بہتری کیلئے اس حکومت کی مخالفت ناگزیر تھی۔ اپنے منصوبوں کو روبعمل لانے کیلئے وہ موزوں وقت اور مواقع کے منتظر تھے اور وہابی تحریک کو اس خصوص میں بڑا کارآمد ہتھیار سمجھتے تھے۔ مبارزالدولہ کی زندگی کے کچھ واقعات ان عوامل کی علانیہ نشاندہی کرتے ہیں جو وہابی تحریک میں ان کی شرکت کی وجہ ہوئے نیز ان کا نصب العین بھی متعین کرتے ہیں۔

ان کے مختصر حالات زندگی یوں ہیں کہ مبارزالدولہ ۱۲۱۰ھ میں متولد ہوئے' یہ سکندر جاہ نظام ثالث کے تیسرے فرزند تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بچپن میں انھوں نے ٹھیک طرح سے تعلیم و تربیت حاصل نہیں کی البتہ فن سپہ گری میں مہارت پیدا کرلی تھی۔ وہ بڑے سرپھرے تھے اور باغیانہ جذبات اور مستحکم ارادے کے مالک۔ ۲۰ سال کی عمر میں وہ اپنے والد اور بھائی نیز انگریزی حکومت کے لئے دردسر بن گئے۔ ۱۲۳۰ھ میں ان کے والد سکندر جاہ نے انتشار پردازی کے ایک واقعے میں ماخوذ کرکے ان کو قلعہ گول کنڈے میں نظربند کرایا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے والد نے چاہا کہ ایک انگریزی سپاہی بغرض حفاظت ان کی دیوڑھی پر متعین کیا جائے' انھوں نے جواب دیا کہ انگریز فوج کو اپنی دیوڑھی پر کھڑا دیکھنے سے تو وہ مرجانا بہتر سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ (رزیڈنٹ) رسل نے شہزادے کو مخالف انگریز قرار دیا تھا۔ جب ان کو قلعے سے رہا کیا گیا تو دوسرے شہزادوں کی طرح ان کو بھی خط و کتابت اور آمدورفت سے منع کردیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو دی گئی سزا ان کے طور طریق اور رجحانات کو بدلنے میں ہرگز کارآمد ثابت نہ ہوئی۔

یہ بھی علم ہوا کہ ۱۸۲۹ میں سکندرآباد سے ایک سپاہی کے اغوا کے کیس میں شہزادہ ماخوذ ہوا۔ کچھ جاگیردار ان کے رفیق کار تھے اور ان کے مقاصد تھے انگریزی حکومت کا خاتمہ نیز (وزیراعظم) چندولعل کا قتل اور تخت سے نظام کو دستبردار کراکے تخت حاصل کرنا۔ ایک وفادار افسر نے یہ اسکیم منکشف کردی تھی اور یہ لوگ ناکام ہوگئے تھے۔ شہزادہ پھر قلعہ گول کنڈہ میں قید کردیا گیا جہاں سے کوئی ڈھائی سال بعد رہا ہوا۔ انہیں چھ ہزار روپے ماہانہ وظیفہ دیا گیا اور اپنی دیوڑھی میں رہنے لگے تھے۔

قبل ازیں ہم نے مختصراً" یہ بتایا ہے کہ برطانوی حکومت چونکہ کابل اور قندھار میں ایک اہم مہم میں مشغول تھی' بہت سے ہندوستانی شہزادوں نے انگریز حکومت کا تختہ الٹنے کیلئے

Marfat.com

اسے بہترین موقع سمجھا۔ مبارزالدولہ جانتے تھے کہ برطانوی حکومت کی مداخلت سے انھیں دو دفعہ ناکام ہونا پڑا تھا اور یہ ایک اچھا موقع ہاتھ آیا تھا۔ انکے حلقہ بگوش لوگوں نے انھیں وہابی تحریک سے منسلک کرنے کیلئے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ ایرانی اور روسی سپاہ کی آمد کے بارے میں افواہیں پھیلائی گئیں اور مبارزالدولہ کی اعانت سے کامیابی کی بھرپور توقع کے ساتھ انتشار پھیلایا گیا۔

مبارزالدولہ بغاوت کے حالات پیدا کر رہے تھے

نواب کرنول کا اسلحہ و گولا بارود کے ذخائر کرنا' جاگیردار اودگیر کا فوجی گودام قائم کرنا اور نیلور سے دستاویزات کا آنا یہ سبھی اس امر کا ثبوت ہیں کہ مبارزالدولہ ایک منظم بغاوت کے لئے حالات پید کر رہے تھے اور اگر یہ باتیں بروقت آشکار نہ ہوتیں تو یقیناً" غدر ہی مچ جاتا۔ اگر ہم ان حقایق کو صرف نظر کردیں تب بھی یہ امر یقینی ہے کہ شہزادہ وہابی تحریک میں شامل ہوا اور اس کی وساطت سے اس نے برطانوی سپاہ کو گمراہ کرنے کی سعی کی۔ شہزادے کی یہ شمولیت وہابیوں کے حق میں بڑی مفید تھی۔ مذہبی دیوانگی اور تاج و تخت کی ہوس میں وہ اپنی غلطی محسوس نہ کر سکے اور نتیجتاً" خود کو افترا پردازیوں میں ملوث ہونے سے نہ بچا سکے۔

ہاشم خان نے الٰہی بخش سے اپنی ملاقات کا حال سنایا تھا جو مبارزالدولہ کی دیوڑھی کے محاصرے کے بعد ہوئی تھی۔ اس نے شہزادے کے سابق ملازم جمعدار شاہ ولی خان کو ترغیب دی کہ ملک کو اس آفت سے نجات دلانے کیلئے اپنی سپاہ حیدر آباد بھیجے۔ اس سے شہزادے کی فطرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہاشم خان کے بقول الٰہی بخش نے بتایا کہ مہاراجا چندولعل کی ملازمت سے برخاست ہونے کے بعد اس نے مبارزالدولہ کی خدمت اختیار کی تھی۔ اس کو معلوم ہوا تھا کہ شہزادہ ہمیشہ مولوی سلیم سے مشورے کیا کرتا تھا اور اس کے ہاں دوست محمد خاں' محبوب خاں اور نصیرالدین کے مکاتیب آیا کرتے تھے۔ جب چندولعل شہزادے کی ان معروفیات سے باخبر ہوئے تو شہزادہ رازداری اور احتیاط برتنے لگا۔ مبارزالدولہ نے اس سے کابل میں کامیابی اور دکن کے بیشتر زمینداروں کی حمایت کا ذکر کیا۔ یہ قرار پایا تھا کہ جب سندھ میں (شہزادہ کے آدمیوں کی) کامیابی کی خبر آئے گی تو ان (**حمایتیوں**) کو (مدد کیلئے) طلب کرلیا جائے گا۔ غالباً" شہزادے کا ارادہ حیدر آباد میں گڑبڑ پھیلانے کا تھا کیونکہ یہاں بہت

Marfat.com

لوگ اس کے ساتھ تھے۔ حضرت اکبر جاہ' سلیمان جاہ' میر تفضل علی خاں' سید عبداللہ خاں اور راجا راؤ رنبھا (جیسے عمائدین ریاست) ان کے حامی تھے۔ منصوبہ یہ تھا کہ جوں ہی انگریزوں کی شکست کی اطلاع آئے حیدر آباد میں زبردست انتشار پیدا کردیا جاتا۔ (نظام) ناصرالدولہ کو گرفتار کرلیا جانے والا تھا' چندولعل کو قتل اور خود شہزادہ مبارزالدولہ کو تخت نشین۔

چونکہ تمام بڑے بڑے مولوی صاحبان قید کئے جاچکے تھے اور مبارزالدولہ کے منصوبوں کی تفصیل بیان ہو چکی' منقولہ گواہیوں کی چنداں ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ لہٰذا اب فرداً" فرداً" ہر ایک کو چارج شیٹ پیش کی جائے گی۔ سرکاری فوج نے مبارزالدولہ کے محل سے جن ۳۶ مولویوں کو گرفتار کیا تھا ان کے بارے میں یہ امر طے پانا باقی تھا کہ کون واقعی شہزادے کے ساتھی تھے' اس لئے سبھی کو مقید کردیا گیا اور تفتیش کا کام کمیشن ہذا کو تفویض ہوا۔ ان میں سے اکثر کے حقائق کا پتہ چل چکا تھا چنانچہ کچھ حضرات کی بلاضمانت اور چند صاحبان کی ضمانتوں پر رہائی کے احکام جاری کئے گئے جس کے بعد ان کی حرکات و سکنات کی نگرانی کروائی گئی۔ اس طرح صرف یہ لوگ باقی (قیدی) رہ گئے کیونکہ ان کے خلاف الزامات سخت تھے۔ (۱) مولوی سلیم' (۲) لال خاں عرف عبدالهادی' (۳) سید عباس' (۴) قاضی محمد آصف' (۵) الٰہی بخش عرف افضل علی خان' (۶) عبدالرزاق' (۷) مولانا پیر محمد' (۸) محمد فیض اللہ' (۹) منشی فخرالدین عرف عبدالرحمٰن خاں' (۱۰) سید قاسم۔

ہم اپنے ابتدائی اجلاس سے مولوی سلیم کی مصروفیات کا ذکر کرتے آئے ہیں۔ وہ مبارزالدولہ کے مشیر تھے اور بہت ہی معتبر شخصیت مانے جاتے تھے' وہ بڑے لائق اور فاضل تھے۔ وہابی تحریک کی مقبولیت میں انھوں نے بہت نمایاں حصہ لیا اور شہزادے پر ان کو کامل رسوخ تھا۔ سپاہیوں کو انگریزی حکومت کے خلاف اکسانے میں انھوں نے بڑا کام کیا۔ ہماری رائے میں وہابی تحریک کو (صرف حیدر آباد کی حد تک مراد ہے) تقویت بخشنے میں مولوی سلیم کی فعال شخصیت کا بڑا حصہ رہا ہے۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ ان پر کڑی نظر رکھی جائے اور انھیں ہرگز رہا نہ کیا جائے۔ دوسرا شخص ہے لال خاں عرف عبدالهادی جس کا تعلق برطانوی عملداری کے علاقے آنگول سے ہے۔ حیدر آباد آنے کے بعد اس نے مبارزالدولہ کا اعتماد حاصل کرلیا اور انکے نمائندے کے بطور سندھ گیا۔ وہاں سے خفیہ مکتوبات لے کر آیا اور

Marfat.com

دوبارہ بھیجا گیا۔ فوجیوں کو گمراہ کرنے کی غرض سے وہ حسین ساگر میں مقیم تھا اور جب وہاں سے اسکو منتقل ہونا پڑا تو پھر مبارزالدولہ کے ہاں رہنے لگا۔ مئی میں وہ پھر بطور نمائندہ بھیجا گیا۔ تیلور کی مسجد میں اس کا جو خط پڑھ کر سنایا گیا تھا اس کا ذکر ہم کر چکے ہیں اور مسٹر اسٹونس نے بھی اپنے بیان میں اس کا حوالہ دیا ہے۔ سید عباس کا تعلق قندھار (مرہٹواڑے کے ضلع ناندیڑ کے قصبے) سے تھا' ٹیچر کی حیثیت میں عرصے تک مبارزالدولہ کے ساتھ مقیم رہا۔ شہزادے نے اس کو بطور پیغام رساں بھیجا تھا' وہ وہابیوں اور مبارزالدولہ کے نزدیک لائق اعتبار شخص تھا۔ ہرچند وہ مولوی سلیم یا عبدالهادی کی سی اہمیت کا حامل نہیں تھا' ہمارے خیال میں اس پر بھی کڑی نگاہ ضروری ہے تاکہ آئندہ کوئی فتنہ نہ پھیلا سکے۔

محمد آصف' اندور (۱۱) کا قاضی تھا' وہاں اس نے وہابی تحریک پھیلائی اور انتشار پیدا کیا جس کے نتیجے میں عہدۂ قضاۃ اس سے چھین لیا گیا۔ حیدر آباد آکر اس نے مبارزالدولہ کی ملازمت اختیار کرلی جنھوں نے اس کو سندھ روانہ کیا۔ وہاں سے وہ مئی ۱۸۳۹ میں واپس ہوا اور چھاؤنی میں رہنے لگا۔ قاضی صاحب کے چچا مولوی عباس پر سکندر آباد کے فوجیوں کو گمراہ کرنے کا الزام تھا' بعد میں وہ روپوش ہوگیا۔ قاضی محمد آصف کی وجہ سے وہابیوں نے مبارزالدولہ کی ڈیوڑھی میں بڑا اثر پیدا کرلیا۔ اس کی عمر رسیدگی کے مدنظر اس کی سزا میں ممکنہ کمی کردی جائے گی اور امید ہے کہ اس کے ساتھ سختی نہیں برتی جائے گی۔ الٰہی بخش عرف افضل علی خان سارنگ پور کے قریب علاقہ تھانہ کا رہنے والا تھا۔ کوئی شک نہیں کہ مبارزالدولہ نے اس کو بطور خفیہ ملازم رکھا تھا۔ جمعدار کرنول شاہ ولی خاں سے رابطہ پیدا کرنے کا وہی ذمہ دار تھا۔ مبارزالدولہ نے دورے پر اس کی روانگی کے وقت اس کو ایک ہزار روپیہ دیا جس کا مقصد نامعلوم ہے۔ البتہ یہ واضح ہے کہ بڑا قابل آدمی تھا اور اپنے فرائض سے بہت اچھی طرح عہدہ برآ ہونے کا اہل۔ برطانوی حکومت کے خلاف اس کی معاندانہ سرگرمیاں دو نوعیت کی تھیں۔ ایک تو افتراپردازی' مثلاً کڑپہ (آندھرا) کی مسجد میں سور پھینکے جانے کا واقعہ جس میں اس کا ہاتھ تھا۔ دوسرے اتحاد و استحکام کی مساعی' مثلاً "شاہ

---

(۱۱) نظام آباد دکن' مترجم سطور ہذا کا وطن۔ مولوی غلام احمد کا شانہ وکیل کی "تاریخ نظام آباد" (مطبوعہ قبل آزادی) میں تفصیل ہے۔

Marfat.com

ولی خاں کو شہزادے سے متحد کرنے کی کوششیں۔ ان الزامات کیلئے حکومت اس کو مناسب سزا دے سکتی ہے۔

عبدالرزاق جو حیدر آبادی تھا عرصے سے مبارزالدولہ کا ملازم تھا اور مولویوں میں اس کا شمار ہوتا تھا' اس کو ماہانہ بیس روپے ملتے تھے۔ وہ قاضی آصف اور مولوی عباس کا قریبی رشتہ دار تھا۔ برطانوی سپاہیوں کو وہابی تحریک کے متعلق لیکچر دینے کے لئے اس کو مقرر کیا گیا تھا چنانچہ وہ اکثر ان کی مسجد میں تبلیغ کیا کرتا تھا۔ عبدلرزاق کا ایک خط بھی ہمارے سامنے پیش کیا گیا جس میں لکھا تھا کہ برار سے تین ہزار افراد وہابی تحریک میں شمولیت کے لئے آچکے تھے۔ چونکہ اس غرض سے بہت سارے لوگ مبارزالدولہ کی دیوڑھی پر آیا کرتے تھے اس لئے ہم عبدالرزاق کے خلاف کوئی سخت الزام نہیں پاتے۔ جیسے کہ دوسروں کے خلاف عائد تھے' لہٰذا اس کو کوئی معمولی سی سزا دی جاسکتی ہے۔ مولانا پیر محمد بھی حیدر آبادی تھا اور مبارزالدولہ کا ملازم۔ وہ بڑا متعصب اور طاقتور شخص تھا' جب اس کی گرفتاری عمل میں آئی تو اس نے کئی سپاہیوں کو زخمی کردیا تھا۔ قاضی آصف کے ہمراہ سندھ جانے اور مکاتیب لانے والوں میں یہ بھی تھا۔ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کو بھی خود شہزادے نے بھیجا تھا مگر وہ کسی اور کا ملازم بھی نہ تھا۔ اس کو مذکورہ پانچ آدمیوں سے کم سزا ملنی چاہیے۔

مہر بردار محمد فیض بھی حیدر آباد کا باشندہ تھا اور شہزادے کا ملازم۔ اس پر اہم ترین الزام یہی ہے کہ مبارزالدولہ کے القاب والی مہریں اس نے بنائی تھیں اور یہ کام حکومت کے خلاف تھا لہٰذا اس کو مناسب سزا ملنی چاہیے۔ منشی فخرالدین کا تعلق نیلور سے تھا اور وہ چند دنوں سے مبارزالدولہ کا ملازم تھا۔ جیسا کہ سکھ جاسوس دھوم داس نے مسٹر اسٹونس کو بتایا تھا لال خاں عرف عبدالہادی کے ساتھ فخرالدین بمبئی گیا اور کچھ خطوط لے کر واپس آیا تھا۔ اس کو تاحکم ثانی قید رکھا جائے کیونکہ یہ مبارزالدولہ کا وہ ایجنٹ معلوم ہوتا ہے جس نے مولوی کا روپ دھارا تھا۔ تاہم چونکہ اس کے خلاف کوئی الزام ثابت نہیں اس لئے ہماری رائے میں وہ ضمانت پر رہا کیا جاسکتا ہے۔ سید قاسم حکیم بھی شہزادے کا ملازم تھا' اس سے متعلق حقائق اسی فخرالدین کے واقعات سے مماثلت رکھتے ہیں۔ وہ قاضی آصف کے ساتھ سندھ گیا تھا اور واپسی میں شولاپور میں گرفتار ہوا۔ اس کی بھی رہائی ضمانت پر ہوسکتی ہے۔

ہماری رپورٹ خاصی طویل ہے جس سے مفر ممکن نہ تھا۔ چونکہ متعلقہ کاغذات کی

Marfat.com

نقول کا انتظام محال تھا اس لئے ضروری تفصیلوں کا پیش کرنا ناگزیر تھا جس کے بغیر یہ روداد ادھوری اور بیکار ہوتی۔ فائلوں کا بظاہر جائزہ ہر ایک کے لئے مشکل ہوتا اس لئے اہم حقائق کا بیان ضروری ہوگیا۔ محولہ معلومات کی فراوانی کے مدنظر اس روداد کو بھی ہم مختصر ہی کہیں گے۔ مقدمے کی تفتیش کی عظیم ذمہ داری ہر ایک واقعے کی گہرائی میں جانے اور حقائق کی چھان بین کی متقاضی تھی۔ حکومت نے اس اہم معاملے کو ہمارے سپرد کیا تھا چنانچہ خاصی جستجو کے بعد ہم نے اپنی رائے پیش کی ہے۔

تحقیقاتی کمیشن کی روداد کا ضمیمہ

دو برس کی مدت میں جو اہم بات ہوئی وہ تھی چیناپٹن مدراس کے خان عالم خان' کلکتہ کے ولایت علی' بمبئی کے عبدالحکیم و قاضی یوسف' الٰہ آباد کے مولوی محمد علی خاں اور دہلی کے مولوی اسحاق کے خطوط کی آمد۔ بالعموم یہ مکاتیب مولوی سلیم' عبدالہادی اور عبدالرزاق کے نام ہوتے تھے اور چادر گھاٹ میں مقیم ولی الدین کی معرفت بذریعہ ڈاک آیا کرتے تھے۔ محرم میں کرنول سے احمد خان نے خان عالم خان کا ایک اہم خط مولوی سلیم کو لا کر دیا جس میں چیناپٹم کی گڑبڑ کا حال درج تھا اور لکھا تھا کہ ایک باغیانہ خط لکھنے کی بناء پر کسی دفتری بابو کو مار دیا گیا تھا۔ خان عالم کے خط میں حیدر آباد کے معاملوں پر بھی تبصرہ تھا۔ احمد خاں چار پانچ روز ٹھہرا رہا اور پھر عبدالرزاق کا تحریری جواب لے کر چلا گیا۔

تین سال قبل چیناپٹم کے احمد خان نے مبارزالدولہ کی ملازمت اختیار کی' ان کے ایک اور ملازم سید عباس کے ساتھ بمبئی گیا اور واپس آکر ان کی دیوڑھی میں مقیم ہوا۔ مبارزالدولہ اس کے اخراجات کا بار اٹھایا کرتے تھے۔ وہ بعد میں کرنول اور وہاں سے اپنے شہر کو گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سے وہ متعدد بار آیا اور محمد بھائی اور شیخ امام کبھی کبھی اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ محمد مخدوم کی گواہی سے پتہ لگا کہ سید عباس بمبئی کے امور کی پیش رفت جاننا چاہتا تھا اور خان عالم سے اس نے وہاں کے حالات سے مطلع رکھنے کو کہا تھا۔ کمیشن کے ارکان نے محمد مخدوم سے کہا کہ خان عالم کے مراسلے آنے کے بعد والی مبارزالدولہ کے محل کی اندرونی صورت حال پر روشنی ڈالے مگر اس نے کوئی مفید جواب نہ دیا۔ مہربردار محمد فیض اللہ نے ایک سوال کے جواب میں خان عالم خاں کے خط کی اطلاع سے بالکلیہ انکار کیا لیکن

Marfat.com

ہمارے اصرار پر اس نے یہ منکشف کیا کہ مہدی علی خاں نے ایک روز اس کو بتایا تھا کہ الٰہی بخش خان عالم کا ایک سیل بند خط مبارز الدولہ کے نام لایا تھا۔ کیمشن نے ۲۹ر جون ۱۸۳۹ کو محمد مخدوم کو طلب کر کے اس کے بیان کا عبدالرزاق کے بیان سے مقابلہ کیا۔ عبدالرزاق نے خان عالم کے مکاتیب اور ان کے جوابات کی ساری تفصیل دی تھی جبکہ محمد مخدوم نے پچھلا بیان دہرا دیا۔ عبدالرزاق کے ہاں بھی ولایت علی اور خان عالم کے خط آتے تھے، ایک میں تین چار مولویوں کے نام لئے گئے تھے۔

عبدالہادی کے بیان سے معلوم ہو چکا تھا کہ مبارز الدولہ اور خان عالم میں مراسلت تھی، اس نے بتایا کہ مولوی سلیم کے ہاں مؤخرالذکر کے خط ڈاک سے آیا کرتے تھے۔ یہ ڈیڑھ دو سال کے واقعات تھے۔ وہ خان عالم سے پہلے سے واقف تھا۔ مولوی سلیم کو تین برس پہلے اس کا ایک خط ملا تھا جس میں خان عالم نے اپنے مخاطب کی توصیف کی تھی۔ مولوی سلیم نے خان عالم کو تین چار خط لکھے تھے جن کے جوابات آ چکے تھے۔ عبدالہادی نے یہ بھی قبول کیا کہ بمبئی سے عبدالحکیم نے خان عالم کو دو تین مراسلے لکھے اور یہ کہ محمد علی خان کی وہابی دشمن سرگرمیوں اور نصیرالدین سے محمد علی کی ملاقاتوں سے خان عالم ناخوش تھا۔ خان عالم کے مکتوبات سے متعلق فائل میں اور بھی چیزیں تھیں۔ عبدالہادی کے ایک برادر نسبتی محمد صالح نے جو اونگول کا باشندہ تھا اور مبارز الدولہ کا وظیفہ خوار ، ۷ر جولائی ۱۸۳۹ کو اعتراف کیا تھا کہ وہ خان عالم کے خطوط رساں احمد خان سے واقف تھا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ عبدالہادی صفر ۱۲۵۵ھ میں سندھ سے واپس آکر مبارز الدولہ کی ڈیوڑھی میں آیا تو محمد صالح نے اس کو دیکھ کر پوچھا کہ وہ کہاں تھا تو اس نے بتایا کہ میں مولوی سلیم کے نام خان عالم کا خط لایا ہوں اور چیناپٹم سے آ رہا ہوں۔

اپنی روداد کے شروع میں ہم اس حقیقت کا ذکر کر چکے ہیں کہ مبارز الدولہ اور نواب ٹونک وزیر الدولہ میں خط و کتابت تھی اور ثانی الذکر بھی وہابی تحریک سے وابستہ تھا۔ گواہوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی۔ عبدالحکیم کے گھر سے حکومت بمبئی نے جو خطوط برآمد کئے تھے ان سے بھی تصدیق ہوئی کہ بمبئی میں مقیم اس مولوی کو وہابی عقائد کی اشاعت کے لئے مبارز الدولہ سے تنخواہ ملا کرتی تھی۔

(ملتان : ستمبر تا نومبر ۱۹۶۴) (کراچی : ۲۴ر ۴ر ۱۹۹۱)

Marfat.com

مبارزالدولہ : مرگ آشفتہ سر : ۱

۱۸۵۴ : مرگ آشفتہ سر

حیدر آباد کی ۱۸۳۸ء کی وہابی تحریک بغاوت یا سازش کی تفتیش کی روداد کو رزیڈنٹ فریزر نے مئی ۱۸۴۰ میں کمپنی کی مرکزی حکومت ہند کو ارسال کیا جس کے متعدد اقتباسات "فریڈم اسٹرگل ان حیدر آباد" سے بصورت ترجمہ گزشتہ صفحوں میں منقول ہوئے۔ کمیشن کے اجلاس حیدر آباد رزیڈنسی میں ۲۸ر جون ۱۸۳۹ سے مارچ ۱۸۴۰ تک جاری رہے تھے۔ رزیڈنٹ نے روداد کے ساتھ یہ تجویز محض رسما" رکھی کہ مبارزالدولہ اور ان کے اہم حامیوں کو قید کردیا جائے، ورنہ عملاً وہ سب قلعہ گول کنڈہ میں مقید ہی تھے۔ اس کمیشن کے تفتیشی عمل اور اس کے اخذ کردہ نتائج کا خلاصہ یہی تھا کہ مبارزالدولہ نے انگریزی اقتدار کے خاتمے کی غرض سے نواب کرنول کے ساتھ سازباز کی تھی نیز نوابان ٹونک و رامپور اور دوسرے زعماء سے مراسلت کررہے تھے۔ سازشیوں کا ارادہ تھا کہ نظام کو تخت سے ہٹا کر مبارزالدولہ کو بٹھادیں نیز انھیں مسلمانوں کا قائد اور سید احمد شہید کا جانشین قرار دے دیں۔ مبارزالدولہ اور ان کے آدمیوں نے سکندر آباد میں تعینات مدراسی سپاہ میں بغاوت کا بیج بونے کی بھی کوششیں کیں۔

اس پوری کاروائی کے نتیجے میں مبارزالدولہ کو قید مسلسل میں رکھنا اور ان کے حامیوں کو بھی بند رکھنا طے پایا جن کے نام "فریڈم اسٹرگل" کے صفحہ ۱۳۳ پر درج ہیں۔ (۱) مولوی محمد سلیم، (۲) لال خان عرف عبدالہادی، (۳) سید عباس، (۴) قاضی محمد آصف، (۵) الٰہی بخش عرف افضل علی خاں، (۶) عبدالرزاق، (۷) مولانا پیر محمد، (۸) محمد فیض اللہ، (۹) منشی فخرالدین عرف عبدالرحمٰن خاں، (۱۰) سید قاسم۔ کوئی تیس چالیس آدمیوں کو بے گناہ قرار دے کر چھوڑ بھی دیا گیا اور شاید یہ تعداد اور زیادہ ہو جیسا کہ صاحب "گلزار آصفیہ" نے دوران ساعت کے حال میں لکھا ہے: "ہر روز تا سہ ماہ حال فردا" فردا" وہابیاں را بدریافت تمام آوردہ بسیار کساں را از قید رہا کردند و مولوی سلیم را معہ دیگر مولویان و اشخاص مخصوصان ایشاں تا حال مقید داشتہ اند کہ رہائی ایں ہا بنظر نمی آید" (صفحہ ۱۵۱)۔ جن دوسروں کو غیر مقررہ معیاد کے لئے محبوس رکھا گیا وہ لوگ آئندہ کئی برس تک رہائی نہ پا سکے۔

Marfat.com

جیل میں ان کی حالت ذرا بھی اچھی نہ تھی اور انھوں نے اپنی رہائی کے لئے درخواستیں گزرانی بھی تھیں مگر یہ کوششیں بے سود رہی تھیں حتیٰ کہ اخبارات میں ان کی کیفیت کی طرف توجہ مبذول کرانے والے مراسلے تک شائع ہوئے۔

دوران مقدمہ و قید کے مبارزالدولہ کے حالات کی جستجو میں سخت ناکامی ہوئی ہے کیونکہ یہ مطبوعہ ذرائع سے سامنے نہیں آتے ہیں۔ جو کچھ مختصرات زیر استفادہ ہیں ان میں اہم ترین صورت معاملہ کے بارۂ خاص میں سرے سے تذکرہ و تبصرہ نہیں ہے اور حیرت ہے کہ "فریڈم اسٹرگل" سی زبردست محققانہ تاریخ میں بھی چند سوالات کا کوئی جواب نہیں ملتا ہے جبکہ اس تالیف کی دستاویزی حیثیت مستند ہی نہیں باقاعدہ مسلمہ ہے۔ سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ تفتیشی ادارے نے اپنے متعدد اجلاسوں میں جب کئی ملزموں اور گواہوں کے اظہارات سماعت اور محفوظ کیئے تو آخر اتنے بڑے مقدمہ بغاوت کے اصل اور اہم ترین ملزمین مبارزالدولہ اور مولوی محمد سلیم سے بیانات کیوں نہیں لئے۔ غالباً" ان دونوں حضرات کا قلعے اور جیل سے رزیڈنسی تک لانا انتظامی لحاظ سے مشکل اور سیاسی نقطہ نظر سے پر خطر ہوتا نیز مصالح و مفادات کے خلاف کیونکہ فریزر مبارزالدولہ کے فرار کے اندیشے سے خایف تھا جس کا حوالہ آئے گا۔ تاہم ان وسوسوں یا خدشات کی بناء پر سہی کچھ اجلاسوں کے ان قیدخانوں میں انعقاد کا اہتمام کیا ہی جاسکتا تھا جس سے انگریز یقیناً" گریزاں رہے۔ پھر یہ کہ مبارزالدولہ و مولوی سلیم صاحبانؒ کی عدم موجودگی پر مسلمان ریاستی اراکین کمیشن کو مجال اعتراض بھی ہوسکی تھی یا نہیں اس کا بھی کوئی ذکر تک نہیں ملتا ہے۔ کمیشن کے قیام سے قبل بحیثیت تفتیشی افسر مصروف دو فوجی ارکان کی کمیشن میں نامزدگی تمام ملزموں کے لئے سخت قابل اعتراض واقع ہوئی تھی مگر غالباً" ان کی کمیشن میں موجودگی سے اختلاف اور یا اس پر تنقید کا عمل کسی گوشے سے سامنے نہ آسکا۔ یہ سبھی باتیں سخت حیران کن ہیں۔

آئندہ صفحوں میں زیر اقتباس اخباری مراسلات میں اس آخرالذکر پہلو کے ساتھ ساتھ مروجہ ملکی نظام عدل گستری کو اپنانے سے اجتناب اور ملزموں کے لئے صفائی کے مواقع کی عدم فراہمی جیسے سرکاری رویوں پر سخت اعتراضات کئے گئے۔ مراسلہ نگاروں نے اس تعلق سے بھی آواز اٹھائی کہ برطانیہ کے اپنے عدالتی نظام اور فراہمی انصاف کے رائج و پسندیدہ طور طریقوں سے گریز کیا گیا۔ غرضیکہ خاص کر مولوی محمد سلیم اور خود مبارزالدولہ کو

Marfat.com

بیان دینے کا اختیار یا موقع نصیب نہ ہوسکا اور اتنی آزادی سے وہ محروم ہی رہے۔ اس پورے معاملے کا یہ قبیح ترین پہلو بھی تھا جس پر مستزاد متعلقہ ذرائع میں اس جانب کسی اشارے کا تک نہ ملنا کچھ کم حیران کن امر نہیں ہے۔ مبارزالدولہ اپنی تمام تر مقبولیت کے باوجود کوئی عوامی لیڈر نہیں تھے اور نہ ہی شعلہ بیان مقرر جو کمیشن کے روبرو اس کے پرزے اڑا دیتے اور خواہ وہ جو کچھ کہتے ان نیم عدالتی مراحل میں ان کی سرے سے عدم موجودگی انصاف کے تقاضوں کے بے حد منافی تھی اور اس خصوص میں کمیشن اور کمپنی کی حکومت کا اپنا رویہ سخت اور غیر معقولیت پر مبنی تھا۔ ان بڑے اور اصل ملزموں کے اظہارات کی عدم سماعت اس پورے تفتیشی عمل کو ہی سراسر جانبدارانہ اور بالکلیہ یکطرفہ ہی نہیں مکمل طور پر مشتبہ بنا دیتی ہے۔ آج اس کو انگریزوں کی اپنی چور ضمیری Guilty Conscious کے سوا شاید ہی کوئی اور نام دیا جاسکے۔

مقدمہ وہابی تحریک کی سماعت کے دوران احوال کے من جملہ صرف یہ معلوم ہوسکا ہے کہ رزیڈنٹ چاہتا تھا کہ مبارزالدولہ کی سابقہ دو شورشوں والی نظربندی کی روایت کو توڑتے ہوئے انہیں کہیں اور قید کروادے۔ مگر نظام ناصرالدولہ نے اپنے بھائی کے لئے کوئی دوسری جگہ مناسب نہ سمجھی یا گوارا نہیں کی۔ مصنف "گلزار آصفیہ" راوی ہے کہ " معہذا مبارزالدولہ بہادر را نیز خواستہ بودند کہ جاے دیگر بدارند۔ اما حضور پرنور در قلعہ محمد نگر کہ آں ہم دولت خانہ سرکاراست در موتی محل داشتند تا حال مقیم موتی محل مذکور اند۔ عربان سرکار و جواناں وغیرہ در حفاظت و فرماں برداری و چوکی پہرہ حاضر ہستند" (صفحہ ۱۵۱)۔ "تاحال" کے یہاں اور اسی مقام سے منقولہ گزشتہ فقروں میں استعمال سے مراد یہ ہے کہ اس صفحے پر ۱۸۳۹ اور ۱۸۴۰ کے دوران کی سماعت مقدمہ کی کیفیتیں درج ہیں جبکہ "گلزار آصفیہ" صفحہ ۷۶۴ کے مادۂ تاریخ اور بیان کی رو سے اس کی تصنیف ۴ر جمادی الثانی ۱۲۶۰ مطابق ۲۱ر جون ۱۸۴۴ کو مکمل ہوئی۔

مورخ نے مبارزالدولہ کی "حفاظت" کے نام سے ریاستی سپاہ کی تعیناتی کا جو اشارہ کیا ہے اس سے مراد فقط "حفاظت و فرمانبرداری" ہی نہیں بلکہ "چوکی پہرہ" کے فرائض کی ادائیگی بھی ہے۔ اس تعلق سے رزیڈنٹ کو لاحق بے چینی اور تشویش کا اندازہ اس کے ان الفاظ سے ہوتا ہے جن میں اس نے اظہار اضطراب کیا ہے۔ "میمایرز" میں مندرجہ فریزر

Marfat.com

کے طویل مراسلے مورخہ ۱۹-۶-۱۸۳۹ کے اختتامی فقرے صفحہ ۳ پر ملاحظہ ہوں مخلصانہ لکھا ہے:

"Mubarizud Dowla, from his rank and family, and his ambitious and sanguinary character, might have proved a very dangerous foe to the public peace; and it is a source of gratification to me to know, from the assurances of the Nizam himself, that he is quite secure in the fort of Golconda, and that there is no risk of his making his escape" (Fraser's "Memoirs" P.63)

"حیدر آباد افیرز" کی جلد ۵ سے "فریڈم اسٹرگل" میں دو طویل مراسلے اقتباس ہوئے ہیں جن میں کا ایک "ایگزامنر" اور دوسرا "انگلش مین" سے ماخوذ ہے۔ "ایگزامنر" نے ۱۱ر فروری ۱۸۴۱ کے شمارے میں اور "انگلش مین" نے ۳۱ر اکتوبر ۱۸۴۸ کے پرچے میں اپنے جن حیدر آبادی نمائندوں یا مراسلہ نگاروں کے مکاتیب شائع کئے ان کے نام "فریڈم اسٹرگل" میں درج نہیں ہیں' ان میں رزیڈنٹ اور کمیشن کی کارگزاریوں پر سخت تنقید ہے۔ ان طویل مراسلات میں قیدیوں کی حالت زار اور سزاوں کی غیر متعینہ و غیر یقینی مدت پر اعتراضات ہیں۔ اول الذکر صفحہ ۱۷۲ تا ۱۷۴ پر اقتباس ہوا ہے اور دوسرا صفحہ ۱۷۴ تا ۱۷۶ پر منقول ہے۔ ان مکاتیب سے بخوف طوالت صرف چند اجزاء منقول ہیں جن سے مترشح ہے کہ کمپنی کے کارندوں کے کچھ ایسے ہم وطن بھی تھے جو خود انصاف کے نام پر دادرسی کے لئے آواز بلند کرنا اخلاقی فرض سمجھتے تھے اور انھوں نے حکام بالا کو متعلقہ افراد کے حالات کی طرف متوجہ کرنا انسانی فریضے کی بجا آوری کے طور پر ضروری خیال کیا۔

"ایگزامنر" کے مراسلہ نگار نے ابتداء میں ہی سخت لب و لہجہ اختیار کرتے ہوئے لکھا تھا:

"We have lately heard some particulars connected with the case of Wahabees tried at Hyderabad some time since, and as we are of opinion that much injustice is being done under a mistaken idea of the views and wishes of the British authorities, we are particularly

Marfat.com

anxious to bring the case to the notice of the supreme government, as the parties themselves are too poor and their friends too timid to do so directly by way of memorial."

"انگلش مین" کے بھی مراسلہ نگار نے سخت زبان استعمال کر کے قیدیوں کی زبوں حالی پر آٹھ سال بعد لکھا:

"The case of certain Wahabees who were committed. about ten years ago to the utmost - horror of all harrors, the Nizam's prison, is very deplorable. They were charged either with a conspiracy to overthrow the Nizam's government, and to place his brother Mubarizud Dowla on the Musnud, or to subvert the English Government"

"حیدر آباد رزیڈنسی ریکارڈ" جلد ۵ بابت ۱۸۳۹/۱۸۴۰ سے "فریڈم اسٹرگل" میں ایک خط مبارزالدولہ کا موسومہ اقتباس ہوا ہے جو غالباً" فارسی میں رہا ہو گا' صفحہ ۱۷۸ سے تعارف اور انگریزی ترجمے کا ترجمہ پیش ہے۔ "شاہ ولی خان نے جو نواب کرنول کے روہیلہ سرداروں میں سے تھا اور ایک مہم میں مارا گیا ایک شخص حسین خاں کو مبارزالدولہ کے نام اپنی یہ عرضی حوالے کی تھی۔ عرضی مبارزالدولہ کو پہنچائی نہ جا سکی تھی اور میجر آرم اسٹرانگ کے کہنے پر وزیر سلطنت کے آدمیوں نے برآمد کی تھی۔ ترجمہ موسومہ حضور پرنور من جانب شاہ ولی خاں۔ بعد از تکریمات عرض ہے کہ آپ کا غلام اس وقت کرنول میں مقیم ہے اور اس کے پیروکار تین سو روہیلے اس غلام کے ساتھ ہیں۔ یہاں ہمارا کوئی اور محافظ بجز آپ کے نہیں ہے' دعا ہے کہ اللہ آپ کو ہمیشہ حفظ و امان میں رکھے۔ غلام کا معروضہ یہ ہے کہ خدا کے فضل سے جو نافع برکات ہے غلام پیش قدمی کا ارادہ رکھتا ہے۔ دیگر یہ کہ ایک منصبدار نے یہاں پہنچ کر غلام کو سرکار کے احوال سے واقف کرایا ہے۔ غلام کو فی الفور ایک سے دو ہزار روہیلوں کی جمعیت کے ساتھ حاضر خدمت ہو جانا چاہیے۔ آپ کا غلام ان آدمیوں کو جمع کرنے کے انتظام میں لگا ہوا تھا کہ معلوم ہوا کہ حضور پرنور قلعہ گولکنڈہ تشریف لے گئے ہیں۔ افسوس کہ غلام کچھ نہ کر سکا۔ اگر عالی جناب کا حکم ہو غلام پیروکاروں کو لے آئے اور پیش خدمت ہو۔ یا اگر غلام کو ارشاد ہو تو خود کسی نہ کسی طرح حاضر خدمت ہو جائے۔ خدا کا

Marfat.com

فضل ہمیشہ شامل حال ہے۔ غلام کو عطائے جواب کا انتظار و اشتیاق رہے گا۔ خادم سے کوئی قصور ہوا ہو تو معاف فرمایا جائے۔" اس خط کی اہمیت بھی منقولہ خلاصہ تفتیش کے ضمن میں تاریخی ہے کہ اس سے منکشف یہ ہوتا ہے کہ جنوب میں کرنول اور اودگیری کے نوابین ہی نہیں بلکہ چھوٹے موٹے مقامی سردار بھی راست یا بالواسطہ مبارزالدولہ کے اثر میں آئے ہوئے تھے اور ان کے اشارے پر خدمات کے لئے آمادۂ عمل رہتے تھے۔ یہ خط کمیشن کے مندرجات میں شریک نہ ہوسکا اور "فریڈم اسٹرگل" میں اضافہ کیا گیا۔

مبارزالدولہ کے ذاتی ہی نہیں سیاسی کردار کا ایک بڑا کمزور پہلو جو کچھ کم متاسف کن نہ تھا یہ رہا کہ اپنے نوابانہ ٹھاٹ باٹ سے محرومی پر زیادہ صبر نہیں کرسکتے تھے اور عیش و آرام کے معمولات کی جگہ معمولی درجے کی صعوبتیں برداشت کرنے کی بھی قربانی دینے کے قابل نہیں ہوتے تھے۔ اس کے عام اور کھلے ثبوت "جنگ مبارزالدولہ" ۱۸۱۵ اور ۱۸۲۹ کی شورش تن خواہ و خزانہ کی نظربندیوں کے مواقع پر جس طرح سامنے آئے بطور مجاہد حریت یا انگریز دشمن ہیرو ان کی حیثیت اور درجہ بندی کو مجروح کرنے اور نتیجتاً ان کے امیج کو پروان چڑھانے والوں کی ذہنی کوفت کے موجب ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کے پراجیکشن سے بوجوہ دلبستگی رکھنے والے جدید مبصرین ان کے مفصل حالات کو پوست کندہ بیان کرنے کی ضرورت کو اپنے مصالح پر قربان کرکے ایسی سب کیفیات کو قلم انداز کرکے ان کی سوانح پیش کرتے ہیں جس کی افادیت ظاہر ہے۔ پہلی دو نظربندیوں کے مراحل کی لاؤ لشکر اور حشم و خدم والی کوئی تفصیل آخری گرفتاری کے بارے میں تو کہیں مذکور نہیں ہے البتہ ان کی ایک ترحم طلب درخواست "فریڈم اسٹرگل" کے محققین کی دریافت ہے جس کے علاوہ فریزر کے مجموعے سے ان کی اور مراسلتوں کا بھی علم ہوتا ہے۔ درخواست حراست کے قریبی زمانے کی ہے اور اس کے معروضات و متعلقات سے جو کچھ منکشف ہے وہ ان کی سیاست و مبارزت کے ایک انگشت بدنداں طالب علم کو تو حیران و پریشان کرنے کے لئے کافی ہے ہی لیکن ہیرو پرستی کے جذبات میں مغلوب سوانح نگاروں اور مبصرین کے تحیر عشق کے لئے بھی یہ خبر جنوں اتارنے والی ثابت ہوگی۔ مبارزالدولہ کی اس التجا کا لب و لہجہ بھی نفس مضمون بھی قاید حریت درکنار ایک شہزادے کے تک شایان شان نہیں ہے اور قیدوبند کے شروع میں ہی جس بے صبری و بے تابی کا اظہار ہوا ہے وہ ایک معمولی سیاسی اسیر بھی اپنی آن کے منافی سمجھتا۔

Marfat.com

نومبر ۱۸۳۹ کی اس درخواست کے انگریزی ترجمے اور متعلقہ شذرات کو بھی "فریڈم اسٹرگل" صفحہ ۱۷۹/۱۸۰ سے بصورت ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ "مبارزالدولہ نے بحالت قید رزیڈنٹ کو خط لکھا تھا جو رزیڈنٹ اور وزیراعظم کے ملاحظات کے ہمراہ درج ہے۔ میجر جنرل فریزر کارگزار رزیڈنٹ حیدر آباد کے مراسلہ مورخہ ۱۸۳۹-۱۱-۹ بنام وزیراعظم نظام کا ترجمہ۔ بعد تکریمات میں بمسرت منسلکہ شذرہ واپس ارسال کررہا ہوں جس میں ہزہائنس نے مبارزالدولہ کو تحریر فرمایا ہے کہ تم نے میرے خلاف کچھ نہیں کیا تھا مگر میں بے بس ہوں کیونکہ فرنگیوں نے قید کیا ہوا ہے۔ اطلاعا" تحریر ہے کہ میں ایک لمحے کے لئے بھی تصور نہیں کرسکتا کہ ہزہائنس کا یہ مشاہدہ ہے جیسا کہ آپ نے بھی اس شذرہ کو بھیجتے ہوئے تاثر دیا ہے۔ میں یہ جاننا ضروری سمجھتا ہوں کہ مبارزالدولہ نے اپنی عرضداشت میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ آپ کے نزدیک کس قدر درست ہے" ترجمہ شذرہ من جانب وزیراعظم موسومہ رزیڈنٹ۔ "بعد تکریمات۔ مبارزالدولہ کی بے وفائی دنیا بھر کو معلوم ہے۔ آپ نے متعدد یادداشتوں میں جو کچھ تحریر کیا ہے یا حضور نظام سے ملاقات میں ارشاد کیا ہے اور اس موقع پر حضور نظام کا جو فرمودہ رہا ہے اس میں کسی اضافے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ہے۔ مبارزالدولہ نے اب تک کون سی ایسی حق بات کی ہے یا قریب قریب حق جو ان کی تازہ تحریر میں کوئی صداقت موجود ہوتی۔ وہ سب آپ کے ملاحظے میں ارسال ہے۔"

ترجمہ خط مبارزالدولہ موسومہ میجر جنرل فریزر" صاحب عالی شان! برادر عزیزم!! آپ پر خدا کی رحمتیں ہوں۔ میرے ساتھ انصاف کا معاملہ فرمایئے۔ یہ ملاحظہ ہو کہ پانچ روز سے میری حلق اور پشت میں ایسی تکلیف ہے کہ نہ کچھ کھاسکا ہوں نہ پانی ہی پی سکتا ہوں۔ حضور نظام کی خدمت میں عرضداشت گزرانی ہے کہ میں جس حالت زار کو پانچ گیا ہوں اس پر نظرکرم فرمائیں۔ حضور نظام نے تحریر فرمایا ہے کہ تم نے میرے خلاف کوئی قصور نہیں کیا ہے مگر میں مجبور ہوں کیونکہ فرنگیوں نے تمہیں قید میں ڈالا ہے۔ اب صاحب عالی شان سے درخواست گزار ہوں کہ کمپنی کا کوئی معزز عہدہ دار روانہ فرمائیں تاکہ میرا حال خود ملاحظہ کرے کہ اب مجھ میں کیا جان باقی رہ گئی ہے۔ یہاں اس جگہ پر میں اتنا زیادہ رنج والم سے گزررہا ہوں کہ ضبط تحریر میں نہیں آسکتا ہے۔ خدا کسی کو ایسی زبوں حالت میں نہ ڈالے۔ صاحب بہادر رحم فرمائیں اور حضور نظام سے اس امر کی وکالت فرمائیں کہ مجھے اس قید سے

Marfat.com

نجات دلوائیں۔" یہ یاد رکھنا واقعی تکلیف دہ امر ہے کہ یہ الفاظ اور انداز اس زمانہ کی یادگار ہیں جب حضرت سید احمد شہید کے رفقاء میں سے کئی ایک مجاہدین جزایر انڈومان میں حقیقی قید فرنگ بھگت رہے تھے!

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مبارزالدولہ کی اس التجایہ درخواست سے بات ختم نہیں ہوئی بلکہ یہاں سے شروع ہوئی اگرچہ معاملہ پوری طرح عیاں نہیں ہے۔ فریزر نے گورنر جنرل ڈلہوزی کو گیارہ برس بعد نجی خط میں ۳۰ مئی ۱۸۵۰ کو اس بابت اجمالا" مطلع کیا۔ اس میں مبارزالدولہ کے معروضوں کی تفصیل کجا ایک آدھ اقتباس بھی نہیں ہے بلکہ خود فریزر کا برتری و ترحم کا اظہار زیادہ ہے۔" "میموایرز" سے اس خط کے صرف آخری جملے ہی یہاں کافی ہیں جن کا تکبر زیرلب تبسم کا سامان ہے۔

"I have received several private or rather secret notes lately from the Nizam's brother, Mubarizud Dowla, who is confined in the fort of Golconda, soliciting my interference on his behalf. But he earnestly entreats me not to allow these communications of his to become known lest his fate should be rendered worse, thus depriving me of an opportunity of taking any step to alleviate his condition; which I might otherwise be glad to do. If a better government were established here, I should probably propose his liberation, as well as that of most, if not all of the Moulavees and other persons who were confined at the same time with him in 1839; but upon this subject I will not trouble you further at present. I may have occasion to address government officially regarding it here - after."

فریزر کا حیدرآباد میں بہتر حکومت کے قیام کی جانب اشارہ کناں ہونا غالبا" اپنی ان حرکتوں کی پردہ پوشی کی غرض سے تھا جو وہ ۳۵ برس سے پیشکار سلطنت کے منصب پر قابض رہنے والے چندو لعل کی ۱۸۴۳ میں علیحدگی کے بعد ناصرالدولہ پر کمپنی کی حکومت کے پسندیدہ مہروں کو مسلط کرنے کے لئے مسلسل کرتا رہا۔ ۱۸۵۰ تک وہ اپنی اس سیاسی و انتظامی مداخلت

Marfat.com

کی مہم میں دو مواقع پر سخت ناکام رہا اور دو مرتبہ کامیاب اور مرضی کی حکومت کو تسلسل اور قرار نہ مل سکنے کے باعث ہی اس کو ایسی انتظامیہ کا ابھی انتظار ہی تھا جو بالکل اس کے اشاروں پر ناچتی اور اسی کو وہ مستحکم بھی باور کر سکتا۔ غرض انہی وجوہ سے مبارزالدولہ کے حق میں فریزر اور بعد کے بھی کسی رزیڈنٹ کی جانب سے ایسا کوئی اقدام ظہور میں نہیں آیا جو ان کی رہائی پر منتج ہو سکتا۔ اس اسیری سے مبارزالدولہ کی جان چھوٹی بھی تو مستقل رہائی کی صورت ۱۸۵۴ میں۔

مبارزالدولہ کی اس آخری قید کے ۱۵ برس بعد تاریخوں اور تذکروں میں ان کا اہم ترین حوالہ ۱۸۵۴ میں ہی ملتا ہے جو تاریخ "خورشید جاہی" سے لے کر "حیدر آباد کرانالوجی" اور "فریڈم اسٹرگل" تک میں موجود ہے۔ موخرالذکر میں صفحہ ۱۷۳ "رزیڈنسی ریکارڈ" جلد ۹۳ بابت ۱۸۵۴ تا ۱۸۵۷ سے منقولہ ذیل سرکاری مراسلہ ماخوذ ہے۔

"To : GF Edminstone Esq.

Secretary to the government of India
Foreign Department, Fort William
Date, Hyderabad, 26th June 1854.

Sir,

I beg to acquaint you for the information of the most noble the Governor - General of India in council, that Mubrizud Dowla died last night in the fort of Golcondah.

The person was the third 'illegitimate son of the late Nizam Secunder Jah, and consequently a brother of the present Nizam. He was confined as a state prisoner in the fort of Golcondah in 1840, for having been engaged in a plot with the Wahabees, against the British Government and that of his highness the Nizam.

I have, etc.

Marfat.com

Hyderabad Residency, Sd/G.A. Bushby"
26th June 1854 Resident.

قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لوگو! دوانہ مرگیا!! کل نفسٍ ذا یقتہ الموتہ۔ کلیجہ شق ہوتا ہے کہ کیسی موت نصیب ہوئی اور وہ بھی کس شخص کو۔ کس مپرسی ایسی کہ کل تک جس کے اطراف خدام نیز حواریوں اور متوسلین کی ہی بھیڑبھاڑ نہیں ہوتی تھی عوام کا تک ہجوم مشتاق دید ہوتا تھا وہ شہزادۂ والا شان وہ اولین مجاہد دکن' کس بے کسی کی موت مرا۔ انسانی زندگی میں پندرہ بیس سال کی حقیقت ہی کیا ہے آن واحد کی طرح گزر گئے اور ساری گہما گہمی کل کی بات ہو کر رہ گئی۔ زندگی کی طرح موت کے معاملے میں بھی وہ نہ خوش قسمت ہو سکا اور نہ ہی سیہ بخت۔ آخری گرفتاری سے قبل مقابلہ کرتا ہوا مارا جاتا تو تاریخ دکن ہی نہیں تاریخ ہند اور خاص کر تاریخ آزادی میں سید احمد کی شہادت عظمیٰ یا سراج الدولہ کی جاں سپاری اور ٹیپو کی شہادت سلطانی کا مصداق و مثیل قرار پاتا۔ دوران اسارت اعلیٰ ظرف و عالی حوصلہ ہونے کے ہی ثبوت دے جاتا تو قید فرنگ میں عمریں بتانے والے تحریکِ مجاہدین کا ہم پلہ لازما" تسلیم کیا جاتا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی اپنی قسمت کھوٹی تھی یا کیا کہ اس کا کردار بہرحال عروج اور ارتقاع حال ہی نہ کر سکا۔ حالات تو سراج الدولہ سے لے کر عظیم اللہ خان تک کسی کے بھی مساعد نہ رہے اس لئے ناسازگاری زمانہ کا کیا گلہ؟! قید کے معا" بعد سے لے کر ۱۸۵۰ تک رہائی کے لئے مبارزالدولہ نے جو کوششیں دست بستہ اور التجایہ انداز میں کیں انہیں آخر آج کیا نام دیا جا سکتا ہے۔ تاریخ میں ان کا امیج مسخ ہی ہوا کہ قید و بند کی صعوبت جھیلنے کی جو قربانی انھوں نے ظاہرا" دینی گوارا کی اس کی حقیقی قیمت مشتبہ ہو کر رہ گئی۔

مبارزالدولہ کے یوم وفات کے طور پر ۲۵'۲۶ جون ۱۸۵۴ کی درمیانی رات کی تاریخ کسی قدر اختلافی ہو سکتی ہے مگر کیونکہ یہ ان کے وصال کے معا" بعد کا اولین اندراج ہے اور سرکاری مراسلہ کا حتذکرہ اس لئے اسی کو قرین وقوعہ ہونا چاہیے۔ "شجرۂ آصفیہ" میں .صفحہ ۶۴ "وفات مبارزالدولہ بست و ہفتم رمضان شریف ۱۲۷۰ یک ہزار و دو صد و ہفتاد ہجری شد" تحریر ہے جو ہفتہ ۲۴' جون کے مطابق ہے جبکہ "خورشید جاہی" میں .صفحہ ۴۵۲ "پچیسویں تاریخ ماہ رمضان ۱۲۷۰" کا داخلہ ہے جو اور دو دن پہلے کا ہے۔ "کرانالوجی" میں صفحہ ۲۷۴ پر

Marfat.com

تاریخ رحلت ہفتہ ۲۴ جون ۱۸۵۴ درج ہے اور تدفین کی کیفیت ایک روز بعد کی ہے جو اسی مقام سے اقتباس ہے۔

"1854. 25th June, Sunday. By the order of the Nizam, the funeral cortege of Mubarizul Mulk is taken, from the Golconda fort to the palace near the tomb of Hazrat Brahna Shah, where burial takes place" (P.274) "Chronology")

اس کی کچھ صراحت "خورشید جاہی" صفحہ ۴۵۳ سے ہوتی ہے۔ آج حیدر آباد کا شہر بڑھ پھیل کر مبارزالدولہ کے عہد کے آصف نگر اور انگریزوں کے دنوں کے کیمپ فرسٹ لانسرز میں واقع شفاخانہ کی آبادی کو چھوتے ہوئے قلعہ محمد نگر یا گول کنڈہ کے اپنے قدیمی شہر کے قریب قریب جا پہنچا ہے' مگر مبارزالدولہ کی ۱۸۱۵ تا ۱۸۳۹ کی تین اسارتوں کے زمانے تک قلعہ "بلدۂ حیدر آباد" سے دور افتادہ ہی تھا۔ یوں ۱۵ سال کی قید مسلسل کے بعد مبارزالدولہ کو غریب الوطنی اور نظربندی سے مشترکہ طور پر نجات ملی بھی تو ۱۸۲۰ کی رہائی کے بعد والد کی طرف سے کو ٹلہ عالی جاہ کے عطیے اور ۱۸۳۲ کی واپسی میں بھائی کی جانب سے شایان شان سواری کے اہتمام کے برعکس بھائی کے ہی "حسب الامر اہل کاران سرکار نعش کو بعد غسل و کفن کے قلعہ سے باہر نکلے۔ باہر باہر شہر سے لاکر حویلی میں درگاہ شاہ برہنہ صاحب قدس سرہ کے دفن کیے۔" متصل تعزیتی الفاظ۔ "بہت ذی جاہ عالی ارادہ قدر شناس صاحب سلوک سخی مزاج رعب و داب حشم شہزادگان والا تبار ہر دلعزیز۔ ملازم اون کا بلدہ میں ہرجا مکرم محترم۔ موزوں مزاج روزہ دار' نماز گزار ریش بررو۔ آپ کے چھ خلف تھے۔" (صفحہ ۴۵۳) جن کی تفصیل کتاب ہذا کے آخر میں جمع کی جا رہی ہے۔

۹ر نومبر ۱۹۶۱ کو راقم سطور ہذا نے مرقد پر حاضری دی اور حسرت بھرے آنسوؤں کی حقیر سی نذر گزرانی۔ یہ مستحضر نہیں ہے کہ اس حضوری اور نذرانے کے لئے جو مرحوم کے تئیں شاید ہی مہتمم بالشان رہا ہو "خورشید جاہی" کے اندراج کے مطابق آیا کسی واقف کار کی رہنمائی حاصل کی تھی کیونکہ اس روز کی مجمل یادداشت میں کسی شناسا یا رہبر کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔ مبارزالدولہ کے آخری بیٹے صاحبزادہ میر عابد علی خاں کے پڑپوتے لطف علی خاں صاحب سے ربطہ ضبط ۱۹۶۳ میں راقم کی ایک اخباری اپیل کے جواب میں قائم ہو سکا تھا۔

Marfat.com

مبارزالدولہ کے مرقد کی زیارت کے زمانے میں مولانا نصیرالدین' ہاشمی صاحب کے ایک مقالے کی بناء پر راقم نے احتیاطا" ان سے بھی رجوع کیا اور انھوں نے ایک خط میں اس کی تصدیق فرمائی کہ مبارزالدولہ کی قبر وہی ہے۔ مبارزالدولہ کے حالات کی جستجو کا سفر اس سے ٹھیک ایک سال قبل سے شروع ہوا تھا۔ "احاطہ مبارزالدولہ" کی تلاش اور حاضری کے ایام میں راقم بی۔اے کے طالب علم کے بطور جامعہ عثمانیہ کے اے ہاسٹل میں مقیم تھا اور ہر اتوار کے علاوہ دوسری تعطیلات بھی اپنی بڑی خالہ اماں صاحبہ کے گھر واقع لال ٹیکری میں گزارتا تھا جہاں سے شہر بھر کے مختلف مقامات کے دورے کے مواقع رہا کرتے تھے۔

یادداشت "احاطہ مبارزالدولہ" "۹ر نومبر ۶۱ء : آج مبارزالدولہ کی قبر پر جانے کا اتفاق ہوا۔ یہ شہر حیدر آباد کی جانب مشرق اندرون بلدہ کی آبادی سے تین ایک میل دور برہنہ شاہ کی درگاہ کے قریب واقع ہے۔ یہ علاقہ کارپوریشن کی حدود میں شامل ہے۔ مبارزالدولہ کی قبر "احاطہ مبارزالدولہ" کے نام سے وہاں مشہور ہے۔ قبر پختہ یا سنگی نہیں ہے جیسی کہ سلاطین آصفیہ کی قبور مکہ مسجد میں ہیں' بلکہ بظاہر چونے کی ہے اور اس کے اطراف کے چبوترے پر ایک چاردیواری کھینچ کر چھت بنادی گئی ہے۔ افسوس ہے کہ کوئی کتبہ یا تختی وغیرہ ان کی قبر کے سرہانے یا مقبرہ پر کہیں کندہ نہیں ہے' لیکن یہ یقین کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہوتا ہے کہ یہ مبارزالدولہ کی ہی قبر ہے۔ تاریخ "خورشید جاہی" اور "حیدر آباد کرانالاجی" میں یہی مذکور ہے کہ شہزادہ کو برہنہ شاہ کی درگاہ کے قریب دفن کیا گیا۔ چنانچہ یہ قبر بزرگ موصوف کی درگاہ سے کوئی تین ایک سو گز پہلے واقع ہے اور اتنا مختصر علاقہ "احاطہ مبارزالدولہ" کے نام سے وہاں پر معروف ہے۔ جہاں تک کتبات کا سوال ہے' مکہ مسجد میں واقع سلاطین آصفیہ کی قبروں پر بھی ایسی کوئی چیز نہیں ہے اور صرف ہر جمعہ کے روز قبروں پر تختیاں لگادی جاتی ہیں۔"

اغلب ہے کہ مبارزالدولہ کے پڑپوتے صاحبزادہ میر لطف علی خاں سے تعارف کے بعد ان کے ہمراہ بھی ایک دو مرتبہ "احاطہ مبارزالدولہ" جانے کا موقع ہوا مگر کوئی یادداشت کاغذات میں محفوظ نہیں ہے۔ مولانا نصیرالدین ہاشمی کے ایک مقالے سے استفادے پر راقم کے استفسار کے جواب میں مرحوم نے ۳۱ر دسمبر ۱۹۶۲ کے مکرمت نامے میں ارشاد کیا تھا۔
"مبارزالدولہ کے متعلق آپ نے جب اخبار دیکھ لیا ہے تو پھر مزید صراحت بے ضرورت

Marfat.com

ہے۔ مبارزالدولہ کا مدفن مکہ مسجد میں نہیں بلکہ درگاہ برہنہ شاہ میں ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے مکہ مسجد کا ذکر نہیں کیا ہے۔ برہنہ شاہ کی درگاہ حیدر آباد (میں) مشرق (کی) طرف ایک مشہور یادگار ہے۔" اس طرح "احاطہ مبارزالدولہ" کی حقیقت اشتباہ سے بالاتر ہوجاتی ہے۔

مبارزالدولہ کی سیاست و مبارزت : نگاہ واپسیں

مبارزالدولہ کے سیاسی کردار اور تاریخی مقام پر گزشتہ ابواب کی کاوش کی بنیاد پر ایک بھرپور نظر شاید ہی ممکن ہو کیونکہ ان کی سوانح کے تینوں اہم حوادث سمیت مبارزالدولہ کی زندگانی کے کئی پہلوؤں پر تمام تر معلومات کا حصول تاحال حدامکان سے سوا ہے۔ منقولہ جزیات کی روشنی میں مبارزالدولہ کی حیثیت کا حتمی طور پر تعین و تجزیہ مطالعہ تاریخ کے علمی و تحقیقی تقاضوں کے مطابق کیا غالبا" قرین واقعہ بھی نہ سمجھا جائے۔ البتہ مبارزالدولہ کے بازیاب کوائف کی بناء پر یہ ضرور معلوم ہوجاتا ہے کہ ان کا تاریخی عمل تہہ در تہہ تھا اور سیاسی مقام پہلودار۔ اس مناسبت سے ان کے کردار کو کئی زاویوں سے دیکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور معلوم سوانح کی رو سے اس کے ممکنات پر نظر کی جاسکتی ہے۔

تاریخ میں مبارزالدولہ کے کردار کی تہہ داری پر تجزیے کے لئے اولا" یہ طے کرنا ضروری ہے کہ ان کے سیاسی عمل کی رعایت سے ان کے مزعومہ مقاصد و مطلوبات کیا تھے اور کس حد تک وہ مجموعی قومی مفادات کے حق میں ارفع نوعیت کے حامل تھے۔ بایں ہمہ بالفعل موجودہ بھی کئی ایک پہلوؤں پر اطلاعات تشنہ بھی ہیں مبہم بھی' قطعیت سے یہ فرض کرنا غیر حقیقت پسندانہ ہوگا کہ اس سوال کا جواب اثبات میں نہیں نفی میں ہے۔ مبارزالدولہ کی نیت و ذہنیت سے لے کر منصوبہ سازی تک فکر اور عمل کا کوئی مرحلہ اشتباہ سے مبرا نہیں معلوم ہوتا ہے جیسا کہ منقولہ تفصیلیں گواہ ہیں' بااین ہمہ اس تعلق سے اور تامل کی گنجائش ہے کہ مبارزالدولہ کے مطلوبہ مقاصد ملک و قوم کے اجتماعی مفاد سے کتنے ہم آہنگ واقع ہوئے تھے یا نہیں تھے۔ اس انتہائی منفی مگر بہرحال حقیقت بداماں عنصر کو خواہ ان کے مزعومات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے قلم انداز کردیا جائے یا ان کے مقصود کی عملاً نفی کرنے والے عوامل کا اعتبار کیا جائے' اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تاریخ میں مبارزالدولہ کے درجے یا مقام کو مختلف و

Marfat.com

متعدد زاویوں سے دیکھنا بہرطور ناگزیر ہے۔

تاریخ ہو یا ادب اس میں شہرۂ عام کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی نام و نمود میں کوئی پائیداری۔ کردار اگر اتنا توانا اور اس کا ظہور اس قدر پرقوت نہ ہو کہ وہ بقائے دوام کے مراحل طے کرسکے تو خواہ موقتی شہرت کی صدائے بازگشت بھی آسمانوں سے آتی معلوم ہو اس میں اتنی جان نہیں ہوگی کہ تاریخ میں ماہ و سال کے چند قدم وہ چل سکے۔ بظاہر وہ اپنے حال میں جست لگاتا اور زقندیں بھرتا نظر آئے گا اور کامرانی کی منزل پر منزل سر کرتا دکھائی دے گا لیکن اس کے نام اور کام دونوں کے دوام کا فیصلہ اس کا حال نہیں مستقبل کرے گا۔ دائمی ناموری و عزت اور اس کے حصول کا بھی انحصار شعوری کوششوں پر شاید ہی ہوتا ہو البتہ وقتی شہرت اس طرح ضرور مل جاتی ہے جس پر پھر وقت کی ہی گرد بیٹھتی بھی چلی جاتی ہے۔ سیاسی تحریک اور اس کے تاریخی کرداروں کے سلسلے میں دوامی کامیابی اور یا شہرت منحصر ہوتی ہے جدوجہد اور عملی قربانی پر جن کے بغیر وقتی ہیجان اور شہرہ دونوں بے معنی ہوتے ہیں اور ان کی کوئی دائمی قدر یا وقعت سرے سے ہوتی نہیں ہے۔ سوئے اتفاق کہ مبارزالدولہ کا تاریخی سفر شہرۂ عام سے شروع ہوا اور نہ صرف یہ کہ ان کی سمت سفر ہی بگڑ گئی بلکہ انھوں نے منزل بھی آغاز سفر میں ہی کھوٹی کرلی۔ زیادہ گہرائی میں جانے پر مبارزالدولہ کے سیاسی کردار کے اس المیے کے نقصانات واضح تر ہوں گے۔

تاہم یہ مبارزالدولہ کے سیاسی کیریئر کی تصویر کا فقط ایک رخ ہے جس پر ان کے مزاج کے دو پہلوؤں یعنی افتادِ طبع اور عجز طبیعت کی اثراندازی بہت گہری بھی ہے اور بالکل کھلی بھی۔ مبارزالدولہ کے کردار اور مقام پر افتاد طبیعت اور عجز طبع کی چھاپ یا اس کے منفی و مضر اثر سے شاید ہی انکار کیا جاسکے۔ اس کے بالکل برعکس اس تصویر کا دوسرا رخ مبارزالدولہ کی شخصیت کے دو اور گوشوں یعنی روشنی طبع اور جوہر طبع سے متعلق ہے جن کے آثار و مظاہر مجموعا" خوش آیند و امید افزا ہیں اور مبارزالدولہ کے ذوق نمود کے مثبت ارتقاء میں ان کا حصہ پوری پوری اہمیت رکھتا ہے۔ مبارزالدولہ کی ہستی کی سہ ابعادی تصویر کا تیسرا پہلو یہی ہے کہ ان کی روشن طبعی ان کی طبیعت کی افتاد کی تیرگی کا مقابلہ نہ کرسکی اور ان کا عجز طبیعت اتنا پرقوت ثابت ہوتا رہا کہ مبارزالدولہ کے جوہر کسی طرح کھلنے نہ پائے۔ ان سب طبعی عوامل پر جستہ جستہ نگاہ گزشتہ منقولہ واقعات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کی جارہی ہے۔

Marfat.com

شبہ یہ ہوتا ہے کہ شہرت و مقبولیت کا برخود غلط تصور مبارزالدولہ پر عالم شبابؑ میں کچھ یوں مستولی ہوگیا کہ ان کی افتاد کا قوی و موثر حصہ بن گیا اور زندگانی یا تاریخی کردار کے نصب العین یا اونچے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بننے کے بجائے یہی ہوس مقصود بالذات ہو کر رہ گئی۔ یہاں یہ یاد رہے کہ "جنگ مبارزالدولہ" ۱۸۱۵ کے وقت وہ جوان العمر یا نوجوان ہی نہیں تھے بلکہ محض بیس سال کے تھے اور پس منظری سلسلہ واقعات کی شہر بھر میں ہنگامہ خیز شہرت ان کی اس موقع کی عوامی مقبولیت کی موجب اور وسیع پیمانے پر عامتہ الناس کی حمایت کی ضامن ہوئی تھی۔ عزیز احمد نے فن کارانہ نفسیاتی گرہ کشائی اور اس کے ادبی تجزیے کے بطور "شبنم" میں شہرت کی ہوس کو تیسری بھوک قرار دیا ہے جو انسانی جبلت کا بڑا اہم و طاقتور مگر منفی نکتہ ہے۔ ظاہر ہے کہ جب وسیلہ بذاتہ مقصد بن جائے تو اصل گوہر مقصود کے نظروں سے اوجھل ہوتے کوئی دیر نہیں لگتی ہے حتیٰ کہ اس کا وجود ہی معدوم ہو کر رہ جاتا ہے' اور مبارزالدولہ کی سیاسی مہم جوئی کی تاریخ میں عملاً "یہی کچھ ہو کر رہا۔ "جنگ مبارزالدولہ" سے عین قبل کے سلسلہ واقعات سے لے کر ۱۸۲۹ کی شورش تن خواہ و خزانہ سے ہوتے ہوئے وہابی تحریک ۱۸۳۸ تک کا سیاسی سفر مبارزالدولہ کے اپنے اقوال و اعمال کی روشنی میں شہرت سے لے کر اقتدار تک کے حصول کی ایسی جدوجہد سے عبارت ہو کر رہ گیا ہے جس میں ان کے ہاتھوں صرف وقتی مشہوری ہی آسکی۔ مآل کار یہی کہ قیدوبند کی تھوڑی بہت ظاہری قربانی کے مظاہروں کے باوجود مبارزالدولہ خود کو کسی حقیقی اور اعلیٰ نصب العین کے لئے مجاہدے کا اہل تک ثابت کرتے دکھائی نہیں دیتے۔

اس تاثر کو تاریخ کے ایک بے مایہ و بے بضاعت طالب علم کا عجز نظر بے شک خیال فرمایا جاسکتا ہے مگر خاص کر ۱۸۱۵' ۱۸۲۹ اور ۱۸۳۸ کے واقعات کے حوالے سے تاریخی جائزہ کی سنجیدہ تر کوشش پر توجہ منعطف فرمائی جائے تو واقعی بدرجہا بہتر ہوگا۔ ان حوادث میں مبارزالدولہ کے اطراف کثیر تعداد میں عامتہ المسلمین کا اجتماع اور ان مجمعوں کا انکے حق میں یا دیدار کیلئے وسیع مظاہرہ مبارزالدولہ کو یہ یقین دلانے کیلئے بہت کافی سے زیادہ ہوتا تھا کہ وہ عوام الناس کے محبوب و مقبول راہنما تھے جو رعیت کے لئے جہاد اور قید و بند کی صعوبت کیلئے ہمہ تن تیار رہتا ہو۔ لیکن یہ محبوب خلایق لیڈر نہ صرف متعلقین اور خدام کے جلو میں روانہ قلعہ ہوتا تھا جیسا کہ ۱۸۱۵' ۱۸۲۹ میں ہوا بلکہ وسیع و عریض قلعے میں نظربندی جیسی معمولی سے

Marfat.com

درجے کی قربانی سے بڑی جلدی عاجز آکر اس سے بعجلت تمام نجات کے لئے خواہاں و کوشاں ہوجاتا تھا جیسا کہ ۱۸۲۹، ۱۸۳۹ میں ہوا۔ حتیٰ کہ اس کی بھاری قیمت دینے پر تک آمادہ رہتا تھا جس کا مظاہرہ ۱۸۳۹ تا ۱۸۵۰ ہوتا رہا۔ پچیس برس کے عرصے یعنی مبارزالدولہ کے آغاز سفر سے لے کر اختتام تک کے مقبولیت عامہ کے اس زادِراہ کو قلم انداز کرنے کا نہ تو کوئی سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی ان کی سیاسی سوانح اور اس کی تنقید دونوں ہی کی مقتضیات کے مدنظر کسی طور ممکن اور جائز ہوگا۔ خدانخواستہ مبارزالدولہ کے کردار کی نفی محض ہرگز مطلوب نہیں ہے بلکہ ان کی ذہنی افتاد اور مزاجی نفسیات میں اس عنصر کے بنیادی عوامل میں سے ہونے کی جانب اشارہ مقصود ہے۔

تاریخ میں مبارزالدولہ کی حیثیت ان اعتبارات سے پہلودار ہے کہ نہ صرف تحریک آزادی کے پیش رو واقعات میں ان کا نام اہمیت اختیار کرگیا ہے بلکہ کم از کم تحریک مجاہدین کے حیدر آباد اور جنوب میں ارتقائی نقشے سے ان کا تعلق کچھ نہ کچھ عملی نوعیت کا رہا ہے۔ سلطنت آصفیہ کے رجال میں آج اسی بناء پر ان کا درجہ اکابر میں شمار کیا جاتا ہے اور ماضی قریب کی تاریخ دکن کے نامور افراد میں ان کا مقام ممتاز سمجھا جاتا ہے۔ مبارزالدولہ کی تاریخی قدر یا ان کے کردار کی قیمت بہرحال آزادی کے تصور سے ہی وابستہ ہے اور اس سے منسلک کئے بغیر ان کے نام سے فیض کے کوئی اور اسباب منسوب نہیں ہوسکتے۔ ان سب امور پر ایک مجمل نگاہ سے مبارزالدولہ کے عہد کے پس منظر و پیش منظر میں ان کی شخصیت کے کچھ ایسے نقوش آشکارا ہوتے ہیں جو مذکورہ تفصیلوں میں مرتسم نہ ہوسکے ہیں۔ چند سوالات کا واضح اور مکمل جواب تو نہیں اس کا کچھ اندازہ گزشتہ جزئیات سے ہوجاتا ہے اور مستقبل کی تحقیقات سے حتمی طور پر فراہم ہونے کی امید کی جاسکتی ہے۔ مثلاً یہی کہ مبارزالدولہ کا خمیر کن عوامل سے اٹھا تھا، اس میں اٹھارویں صدی کے حالات اور خاندانی پس منظر کا کس حد تک حصہ تھا اور نوابی ماحول ان کے مزاج میں کس حد تک دخیل بلکہ راسخ ہوچکا تھا۔ "جنگ مبارزالدولہ" ۱۸۱۵ سے لے کر ۱۸۲۹ کی دو گوشہ شورش ہائے تن خواہ و خزانہ اور پھر وہابی تحریک ۱۸۳۸ تک ان کے کردار کے ارتقائی عمل اور تاریخ آزادی کے خصوصی حوالے سے اس کی قدر و قیمت کے تعین میں ایسے سبھی سوالوں نیز متعلقہ شکوک اور اعتراضات میں سے کسی کو قطعی طور پر وزن نہیں دینا سیاسی سوانح کے تقاضوں سے روگردانی کے مترادف ہوگا۔

Marfat.com

ان سے اغماض و چشم پوشی نہیں بلکہ قرار واقعی تعرض کے ساتھ ہی مبارزالدولہ کے درجات متعین کیے جاسکتے ہیں۔

تاریخ دکن میں مبارزالدولہ کی جگہ عبدالرزاق لاری جیسے جری و بے خوف جرنیل کے بالمقابل بڑی فروتر معلوم ہوئی لیکن باہمی جائزہ کے بغیر چارا نہیں ہے۔ قطب شاہی ریاست کی خودمختاری کی خاطر اس کے آخری سپہ سالار نے بے دھڑک جان کی بازی لگائی تھی اور دادشہادت نہ سہی دادشجاعت دی تھی جس نے اس کے نام کو دکن کی تاریخ میں امر اور ان مٹ کردیا۔ بانی سلطنت آصفیہ کے والد میرشہاب الدین فیروز جنگ عالم گیر کے سپہ سالار اور سقوط یا تسخیر گول کنڈہ کے ذمہ دار تھے۔ مبارزالدولہ کو اپنی پہلی ہی نظربندی میں گول کنڈہ کے صدر دروازہ پر عبدالرزاق لاری کی جان کی بازی کا واقعہ بار بار یاد آتا اور قربانی کے جذبے کی اہمیت باور کراتا رہا ہوگا، مگر رہائی کے بعد باپ کے مرنے تک مبارزالدولہ اپنے محل میں عملاً" دوبارہ نظربند ہی رہے اور یہ سلسلہ جملہ قریب ۱۵ برس جاری رہا جس کے سبب مبارزالدولہ کے جذبات کا کند ہوجانا قدرتی امر تھا۔ ۱۸۲۹ کی شورشوں میں انہیں اپنے بھرپور دفاعی اہتمام کے باوجود مقابلہ کی توفیق تک نہ ہوئی شہادت کے رتبہ بلند کی آرزو کجا۔ غالبا" ان کو ذہنی طور پر ایسے خلجان یا کنفیوژن سے پالا پڑا کہ ۱۵ سال قبل کا جوش و خروش نوجوانی کے جذباتی ابال سے کچھ زیادہ نہ تھا اور دوبارہ ویسی اشتعال پذیری کا مظاہرہ بھی بے فیض ہوگا اور قیدلاحاصل پر منتج۔ چنانچہ انھوں نے عبدالرزاق لاری کی طرح سرفروشی کیا مقابلے کا تک خیال عین اسی مرحلہ آزمائش میں ترک کردیا۔ البتہ گول کنڈہ منتقلی کے موقع پر مبارزالدولہ سستی شہرت حاصل کرنے سے نہ چوکے جس کے اثرات مبارزالدولہ کے ہمدرد جدید مبصروں پر لازما" پڑے۔

مبارزالدولہ کو تین مواقع کی قید کی وجوہ سے حالیہ مورخین مملکت کے اہم افراد اور مجاہدین میں شمار کرتے ہیں لیکن یہاں ان کا تقابل انگریزوں کے مخالفین راجا مہی پت رام نیز راجا راو رنبھا اور طرہ باز خاں کے علاوہ عالی جاہ کے ساتھ بھی ناگزیر ہے۔ عالی جاہ نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے ولی عہد تھے اور مبارزالدولہ کے تایا اور انھوں نے والد کے خلاف سرکشی کی تھی جس کا تدارک بلا توقف کیا گیا۔ عالی جاہ کی بغاوت اور اس کے ازالے کے کچھ بعد ان کی جواں مرگی سے ان کے علاتی بھائی میراکبر علی خاں سکندر جاہ ولی عہد اور پھر تیسرے

Marfat.com

نظام ہوئے کیوں کہ دونوں کے منجھلے بھائی کیوان جاہ کو ان کے والد نے اعظم الامرا کو بخش دیا تھا۔ مبارزالدولہ کے اولین خروج ۱۸۱۵ تک کی آصفیہ ریاست اور آصفی خانوادہ کی بھی مختصر سی تاریخ میں سرکشی کی یہ صرف دوسری مثال تھی جس میں مبارزالدولہ نے اپنے تایا کی روایت پر عمل کیا اور اس کا ازالہ بھی ان کے والد نے بلا تاخیر کروانا ضروری سمجھا۔ اس تقابل میں مبارزالدولہ عالی جاہ کی مثال سے یقیناً" بھاری نظر آتے ہیں کیونکہ انھوں نے جیسے تیسے ہمت نہ ہاری اور انگریزوں کے توڑ کے نہ سہی اقتدار پر قبضے کے لئے گویا اپنے "ارمان ریاست" کی تکمیل کی غرض سے سہی ۱۸۲۹ اور ۱۸۳۸ میں منصوبہ سازی کی۔ اس تناظر میں مبارزالدولہ کے دوسرے مجاہدوں سے مقابلے کا جواز ہے مگر اس کے قرار واقعی اور حتمی اثبات کے لئے نئی تحقیقات کی گنجائش ہی نہیں ہے بلکہ سوانحی اور تاریخی ضرورت بھی ہے۔

برصغیر کی تحریکات آزادی میں مبارزالدولہ کے حصے اور درجے کے بھی دو پہلو بنتے ہیں یعنی ایک عمومی اور وہابی تحریک کی نسبت سے خصوصی۔ اس کے قطع نظر کہ مبارزالدولہ نے ازخود کوئی مخالف انگریز تحریک قائم نہیں کی اور نہ ہی ۱۸۱۵ کی "جنگ مبارزالدولہ" اور ۱۸۲۹ کی شورشوں نے ایسی کوئی تحریک پیدا کی اور محض وقتی تحرک و تموج کے سوا کوئی فوائد حاصل نہ ہوئے' انگریزوں سے محاذ آرائی کے عمومی حوالے سے مبارزالدولہ کے علاوہ ایک ایسی شخصیت موجود ہے جس کا کسی اور سے تقابل بایدوشاید۔ یعنی ٹیپو سلطان جس کا مدمقابل نہ کوئی ہوا اور نہ ہو سکتا تھا اور جس سے مبارزالدولہ کا کوئی Comparison کسی طور ممکن ہی نہیں۔ فی الحال تفصیل غیر ممکن ہے اور قصہ مختصر یہ کہ جدوجہد آزادی کی تاریخ میں مبارزالدولہ اپنے پیشرو اور متعاقب معدودے چند ناموں یعنی سراج الدولہ نیز ٹیپو اور عظیم اللہ خاں کی صف کی شخصیت ہرگز واقع نہیں ہوئے تھے اور اس باب میں دو رائیں ناممکن ہیں۔

وہابی تحریک ۱۸۳۸ میں مبارزالدولہ کی شمولیت کے بھی اس قبیح رخ کو صرف نگاہ کرتے ہوئے کہ اس کا مقصود واحد و اصلی اپنے لئے "سامان ریاست" بہم پہنچانے کی دیرینہ آرزو پوری کرنا تھا' مبارزالدولہ سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید جیسی قدر اول کی ہستیوں درکنار چند اہم تحریکی قائدین مثلاً" ولایت علی و عنایت علی برادران سے بھی تقابل کا کوئی استحقاق رکھتے دکھائی نہیں دیتے۔ بلکہ حقیقت یہی ہے کہ صف اول کے کسی قائد کجا مبارزالدولہ حیدر آباد

Marfat.com

میں تحریک کے اصل روح رواں اور تنظیمی سربراہ مولوی محمد سلیم کے برابر کے قد کاٹھ کے مالک بھی نہیں معلوم ہوتے گو انھیں مالی فوائد اور ریاستی نوابین سے رابطہ کی ضرورتوں کے تحت سرپرست اور قاید تحریک باور کرایا جاتا تھا۔ بد قسمتی سے تحریک میں ملوث و ماخوذ ہونے کے بعد کی قید کے شروع میں ہی رہائی کے لئے مبارز الدولہ کی بے صبری و بے تابی نے انھیں جزائر انڈومان میں مقید تحریکی شخصیات کا بھی ہم پلہ ہونے کے قابل نہیں رکھا۔ حیدر آباد کو جنوب میں تحریک کے مستقر کے طور پر استعمال کر کے مولوی محمد سلیم نے ایک مستحکم اور بڑے مرکز کی حیثیت دلائی اور مولوی سلیم ہی پورے جنوبی ہند میں تحریک کی اشاعت و مقبولیت اور شمال و جنوب میں سیاسی و فوجی سطحوں پر تحریکی روابط اور منصوبوں کے لئے منتظم اور عملاً" اعلیٰ ترین درجے کے ذمہ دار قائد کا مقام رکھتے تھے۔ مبارز الدولہ فقط ایک اعزازی سرپرست تھے جن کا نام اور روپیہ تحریک کی تنظیمی ضروریات اور منصوبہ بندیوں کے لئے استعمال ہو رہا تھا وگرنہ حقیقت یہی ہے کہ نوابی ماحول اور محلاتی فضاء کی حدود و قیود اور ذہنی و عملی تربیت کے فقدان کے باعث وہ اس برائے نام سی سربراہی سے زیادہ کے شاید ہی اہل رہے ہوں۔ الغرض بالاکوٹ کی شہادت عظمیٰ کے حامل بانیان تحریک یا صف اول کے قائدین اور کالاپانی کے اسیران فرنگ تو بڑی بات ہے مبارز الدولہ کو وہابی تحریک حیدر آباد ۱۸۳۸ کے منتظم اعلیٰ مولوی سلیم سے بھی وابستگی اور خدمات کسی لحاظ سے چنداں نسبت حاصل نہیں ہے۔

عرض کردہ مجموعی تاثر کے متوازی مبارز الدولہ کے سوانح نگاروں کے ملاحظات کی مبصرانہ اہمیت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ ماضی قریب کی تاریخ اور سیاست پر ان افاضل کی نگاہ بڑی گہری ہے اور یہ امر واضح ہے کہ واقعات و حالات پوری طرح ان کی محققانہ نظر کی گیرائی میں ہیں۔ البتہ اختلاف کی جسارت ایک متحیر سے طالب علم کا بنیادی حق ہے اور اس رعایت یا نسبت سے معروضہ یہی ہے کہ مبارز الدولہ کے سیاسی تعامل یعنی ان کے بپا کئے ہوئے تحرک و تموج کی تمام تر جزوی **تفصیلوں** کو ملاحظے میں رکھتے ہوئے کوئی رائے قائم کرنا اور فیصلہ صادر فرمانا علمی و تحقیقی اعتبارات سے انسب و احسن رہے گا۔ مبارز الدولہ کی زندگانی کے ان سب گوشوں کو جن کا سایہ ان کی سیاست کے برپا کئے ہوئے وقتی ہیجانات پر پڑا' فراموش نہیں کیا جا سکتا خواہ درون خانہ حالات پر پڑنے والے ان کی مبارزت کے منفی و معتر اثرات کو قلم انداز کر دیا جائے۔ تاریخ کے تحقیقی و تجزیاتی عمل کے اور عجایب کی طرح یہ

Marfat.com

عجوبہ بھی کچھ کم نہیں ہے کہ مبارزالدولہ کے وقفے وقفے سے ظاہر ہونے والے اقدامات کے پس پشت اور پیش منظری سلسلہ حوادث کو اگر دانستہ قربان نہیں کردیا گیا ہے تو غیرارادی طور پر سہی فاضل تجزیہ کاروں کے احاطہ نظر سے وہ بہرطور اوجھل رہا۔ ضروری نہیں کہ ان واقعات و حالات کی جستجو کو ناگزیر خیال نہیں فرمایا گیا ہو اور شعوری طور پر اس دریافت احوال کی اہمیت صرف نظر کردی گئی ہو، ممکن ہے کہ جو کچھ معلومات ہم دست ہوئیں انھی پر انحصار کو کافی فرض کرلیا گیا ہو۔ اس طرح جو پس منظری تفصیلی کھوج جانی چاہیے تھیں وہ سامنے نہ آسکیں جب کہ معاصرین مبارزالدولہ کی اپنی مجبوریوں اور ضرورتوں یعنی کسی نہ کسی فریق کی ناراضگی کے خوف سے بہت سے حقائق الگ پردہ پوشی کی نذر ہو ہی چکے تھے۔ یہ سوال اہم ہے کہ آخر تاریخ کو اس کے لکھنے والے کب تک اپنے مصالح کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھاتے رہیں گے اور اس کے لہو کا خراج وصول کرتے رہیں گے۔ نیز مصلحتوں کی خاطر تاریخ میں حقیقتوں کا خون کب تک کیا جاتا رہے گا اور یہ پوری صورتحال جو بجائے خود حسرت و عبرت کی تصویر ہے کب تک جاری رہے گی۔ انھی وجوہ سے ہمارے تعقل پسند علماء و ماہرین تاریخ کے بکثرت ادوار کی ازسرنو تدوین کی ضرورت بجاطور پر محسوس اور ظاہر کرتے رہتے ہیں، خدا کرے وہ دن قریب آئے جب اس انقلابی خیال کا وزن محسوس کیا جائے اور اس تصور کی عملی صورت گری ممکن ہو۔

مبارزالدولہ کے بخصوصیت مداح و معترف جن حالیہ محققین نے ان کے برپا کئے ہوئے سیاسی تموج و ہیجان کو تاریخی اہمیت دی اور تحریکات آزادی کے پیش رو عمل کے طور پر ان کے کام کو کارہائے نمایاں میں شمار کیا ان میں "فریڈم اسٹرگل" کے محققین کے علاوہ مولانا نصیرالدین ہاشمی نیز تھیوڈور لاطوش اور پروفیسر ثمینہ شوکت جیسے حیدر آبادی سوانح نگار اور مولانا غلام رسول مہر نیز نینی گوپال چودھری اور ڈاکٹر قیام الدین احمد جیسے شمال کے مورخین شامل ہیں۔ ان کے من جملہ چند حضرات کی تحقیق صرف تحریک مجاہدین کے جنوب میں ارتقائی امکان تک محدود ہے اور انھوں نے سرے سے مبارزالدولہ کے سابقہ واقعات کی جستجو نہ فرمائی کیونکہ مقامی تواریخ ملاحظے یا دسترس میں نہ تھیں۔ عجیب تر یہ کہ نئی پرانی دکنی مطبوعات جن اسکالروں کی رسائی میں تھیں اور یا ان کے لئے وہ یقیناً قابل حصول تھیں ان تجزیہ نگاروں نے بھی مبارزالدولہ کی پوری زندگی کے حالات کی کرید اور چھان بین کو بوجوہ اہمیت

Marfat.com

نہیں دی۔ حد یہ ہے کہ بعض مبصرین نے شورش ہائے خزانہ و تنخواہ ۱۸۲۹ کے متصل حوادث کے مفصل کوائف کیا اس دو گوشہ واردات کے وقوع کو ہی مصلحت بینی کی نذر کردینا مناسب خیال فرمایا اور صرف یہ ظاہر کیا کہ مبارزالدولہ کی متعلقہ نظربندی محض انگریزوں کی اپنی سیاسی مداخلت کاری تھی۔ اس خاص تعلق سے یہ امر تحیر انگیز بھی ہے متاسف کن بھی کہ فقط اس مصلحت اندیشی میں کہ مبارزالدولہ کا بطور انگریز دشمن مجاہد آزادی امیج مجروح نہ ہو جائے وسائل کے سامنے ہوتے ہوئے بھی اہم سے اہم پس منظری اطلاعات کو پیش منظر پر آنے کا موقعہ نہ دیا گیا۔ تحقیقی امور میں یہ رویہ کس درجہ اذیت رساں ہوتا ہے اس کا اندازہ فرمایا جائے!

ان صفحوں میں مبارزالدولہ کی سیاسی پیکار کے تینوں اہم مظاہر پر بقدر ضرورت ایسے چند نکات سے متعلق تحقیقی اشارے اور تجزیاتی معروضے اضافہ کئے جارہے ہیں جن کا موقع ان واقعات کے احوال کے ہمراہ نہ ہوسکا۔ مبارزالدولہ کے حق میں یا متعلقہ دعاوی کے خلاف ان عنوانات کی حیثیت خدانخواستہ حتمی یا فیصلہ کن تجزیئے اور حرف آخر کی ہرگز ہرگز نہیں ہے کہ یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے۔ راقم کے حقیر معروضوں کا منشاء اس سے زیادہ یقیناً" نہیں ہے کہ مبارزالدولہ کی سوانح اور خاص کر تگ و تاز سے علمی سطح پر دلچسپی رکھنے والے آئندہ محققین کی فاضلانہ توجہ ان امور کی جانب مرکوز کرائی جائے جن کی ضروری تفصیل میں حتی المقدور مستند اطلاعات اور ان کی ناگزیر جزئیات کی گرد آوری کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ یہ اس لئے کہ انھی کی روشنی و راہنمائی میں بشرطیکہ یہ معلومات اس قابل سمجھی جائیں تجزیہ و انتقاد کے عمل کے پہلودار تہہ در تہہ ممکنات پر حتی الوسع تدبر و تامل فرمایا جاسکتا ہے خواہ مبارزالدولہ کی شخصیت سے مورخین و مبصرین میں سے کسی کی فاضلانہ دلچسپی محض ضمنی رہی ہو۔

"جنگ مبارزالدولہ" ۱۸۱۵ : نتائج و عواقب

"جنگ مبارزالدولہ" یا اولین حربی تصادم کی مکمل تفصیلات متعلقہ باب میں پیش ہو چکی ہیں جو اس کے پس منظر سے لے کر انجام تک کو محیط ہیں۔ یہاں تاریخی حوالوں اور روایات دونوں کی تکرار سے گزر کر اس واقعے پر ایک نظر مکرر مناسب رہے گی تاکہ اس کے اثراتِ

Marfat.com

مابعد کا اندازہ ممکن ہوسکے۔ کوشش یہی ہے کہ اہم نکات کے علاوہ اس واقعے کی عام جزئیات کا کوئی اعادہ نہ ہونے پائے۔

مبارزالدولہ کی سرکار میں جو افراد ملازم تھے اور ان اشرار نے پہلے سے شہر میں سلسلہ عناد و فساد برپا کیا ہوا تھا ان میں سے ایک مرثیہ خواں شیریں کا رزیڈنسی کے ایک درزی سے کچھ جھگڑا ہوا اور معاملہ کچھ ایسا بگڑا کہ شیریں جان کے خوف سے اپنے آقا و سرپرست کے محل میں پناہ گزین ہوا۔ مبارزالدولہ کی ایماء پر حواریوں نے رزیڈنسی کے اس درزی کو پکڑ کر محل میں بند کردیا۔ رزیڈنسی کے آدمی فوراً وزیراعظم سے فریادی ہوئے جنھوں نے درزی کو مبارزالدولہ کے محل سے طلب کیا۔ مبارزالدولہ کے آدمیوں کی جرات انکار کے بعد مہاراجا نے ان لوگوں کے ہاتھوں ایک کارندے کے قتل کے حوالے سے نظام کو ان حرکتوں کی اطلاع گزرانی۔ سکندرجاہ کے حکم سے کوتوال بلدہ مبارزالدولہ کے خاطی ساتھیوں کی گرفتاری کے لئے فوراً گیا مگر خود مبارزالدولہ نے راست نظام کی عدول حکمی کا ارتکاب کیا۔ رزیڈنٹ نے صورتحال کا نوٹس لیا اور اپنے درزی کے مسئلے میں فریق بن کر دربار میں شاکی ہوا۔ نظام نے دادرسی کا خواستگار ہونے اور مناسب انتظام کی اجازت طلب کرنے میں چند سیاس و زیرک عمائد کے تعرض کو خاطر میں نہ لاکر رزیڈنٹ کو "بندوبست ایشاں" کا اختیار دے دیا۔ مبارزالدولہ سے خلوص رکھنے والے بزرگان دربار حالات کا رخ تاڑ کر ہی رزیڈنٹ کے عزائم میں مزاحم ہونا چاہتے تھے مگر ناکام ہوئے کیونکہ مبارزالدولہ کی جانب سے خود نظام کی حکم عدولی سرکشی کے برابر تھی اور اسی بناء پر نظام نے بھرے دربار میں اجازت کی درخواست منظور کی جس میں کسی قسم کی مداخلت کی گنجائش نہ تھی اور امراء بے بس تھے۔

رزیڈنٹ نے دوسرے ہی دن جس بھاری بھرکم پیمانے پر نظام کی اجازت کا درانہ استحصال کیا وہ بیٹے کی نافرمانی کے فوری تدارک کے خیال کے باوجود خود نظام کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا۔ اس نے شاہی اختیارات کا بالکل ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک ہزار مسلح سپاہ کو مع دو توپوں اور چار سو رائفل برداروں کے مبارزالدولہ کے محل پر حملے کے لئے بھجوادیا۔ یہ امر یقینی ہے اگرچہ مذکور نہیں ہے کہ رزیڈنٹ کے جارحانہ منصوبے کے تحت آنے والے سیلاب بلا کی خبر مبارزالدولہ کو بروقت مل چکی تھی اور وہ اُمڈنے والی طوفانی کیفیت سے لاعلم نہیں رہ گئے تھے۔ انھوں نے بھی زبردست دفاعی انتظامات کے ساتھ حواریوں کو

Marfat.com

بڑی تعداد میں محل کے اندر اور باہر مجتمع کرلیا۔ ادھر قریبی راستوں اور عمارتوں پر بھی عامتہ الناس ہی سے مبارزالدولہ کے حمایتیوں کے ہجوم کے ہجوم آموجود ہوئے۔ ظاہرا" رزیڈنٹ کی جمیعت کی یلغار کا مقصد رزیڈنسی کے آدمی کو چھڑانا اور خاطیوں کو پکڑنا تھا مگر اس کا رائفلوں سے مسلح اور توپ خانہ کے ہمراہ ہونا قلب شہر کو جدال و قتال کے حوالے کرکے میدان جنگ میں بدلنے اور کم از کم مبارزالدولہ کے محل پر حملہ آور ہونے کی کارروائی عام طور پر سمجھا جانا ایک قدرتی امر تھا۔ دونوں فریقین میں باقاعدہ و زوردار تصادم بپا ہوا اور گھمسان کا رن پڑا جس کے دوران ایک انگریز افسر کی ہلاکت اور ایک توپ کے رخ کی خود حملہ آوروں کی طرف پھر جانے سے رزیڈنٹ کے سپاہی شکست کھا کر پسپا ہوگئے۔

اپنی سپاہ کی غیرمتوقع اور ناقابل یقین ہزیمت سے مغلوب الغضب ہو کر رزیڈنٹ نے فی الفور نئے حملوں کی سازش و تیاری کرتے ہوئے اسی شب حسین ساگر سے آٹھ سو فوجیوں کو مہاراجا کی بارہ دری بھجوادیا جہاں اس کی شکست خوردہ جمیعت بھی آپہنچی تھی۔ ان سب سپاہیوں کا وزیراعظم کے سرکاری محل میں ناگاہ اجتماع منزل پر پڑاؤ کے بجائے ایک عجیب و غریب سے دوراہہ کا آغاز بن کر رہا۔ ایک راستہ نئے محاربے کی طرف جاتا تھا جس کی متوقعہ تباہ کاری اور بدانجامی کو روکنے والی تیسری قوت یعنی مملکتی افواج کا بھی استعمال کچھ کم پرخطر نہ ہوتا' جب کہ دوسری راہ اس جنگی صورتحال کو سیاسی کارروایوں میں تبدیل کرتے ہوئے ریاست کے رسوخ کو دونوں متصادم فریقوں پر آزما کر کوئی متبادل حل تلاش کرنے کی تھی۔ مہاراجا رزیڈنٹ کی دونوں سپاہ کے اپنی بارہ دری میں جمع ہونے سے ایک خوفناک بلکہ بھیانک موڑ پر آکھڑے ہوئے تھے جو ان کے کیریئر یا مستقبل کے حق میں تباہ کن ہوتا اور اسی دوراہے سے سیاسی حل کا راستہ کھل گیا۔ اولا" مہاراجا کی مخصوص حکمت عملی یعنی داودہش کام آئی اور انھوں نے فورا بخششوں اور تحائف کی مدد سے فوجیوں اور رزیڈنٹ کو ٹھنڈا کرکے بارہ دری سے واپس کیا۔ دوسری صبح نظام سے مصالحت کی اجازت لے کر وہ رزیڈنٹ کے ہاں گئے اور یہ طے کرکے قضیہ ختم کیا کہ مبارزالدولہ کو بعنوان سیروشکار اور بطور تنبیہہ قلعہ گول کنڈہ منتقل کروادیں گے۔

مبارزالدولہ کے کچھ بزرگ روسائے دربار بھی جو ان حالات سے پریشان اور آزردہ تھے۔ اسی اثناء میں انھیں سمجھانے بجھانے میں مصروف تھے اور انھی کی کوششوں سے وہ نظام

Marfat.com

کی خدمت میں آداب بجا لانے کے لئے شاہی محل میں منتقلی پر آمادہ ہوئے۔ سکندر جاہ کی آنکھوں میں اپنے بڑے بھائی اور ولی عہد وقت عالی جاہ کی آصف جاہ ثانی کے خلاف سرکشی کا واقعہ گھوم رہا تھا جس کے ازالے کے لئے ان لوگوں کے والد نے بلا تاخیر اقدام کیا تھا۔ سکندر جاہ نے بھی بیٹے کی وارداتوں کی گرفت کے لئے رزیڈنٹ کو مجاز کردیا تھا اور اپنے مقرب زعماء کی طرف سے ایک کوشش کی درخواست کو نظرانداز کردیا تھا۔ مبارزالدولہ کی شاہی محل میں آمد کی اثناء میں مہاراجا اور رسل کے مابین تنازعے کا جو سیاسی فیصلہ ہوا نظام نے اسی پر عمل کروایا کیونکہ اس طرح سرزنش کے کسی اور شاہی حکم یا اقدام کی ضرورت لاحق نہ ہوتی۔ مبارزالدولہ کی شاہی محل سے گول کنڈہ منتقلی کے فرمان کی خلاف ورزی کی مجال کس سے ہوتی مگر خود نظام کی والدہ نے شاید اپنے مرحوم سوتیلے بیٹے عالی جاہ ہی کے حشر کو یاد کرکے مزاحم ہونا چاہا اور ان کے ساتھ شاہی بیگمات نے بھی اثرانداز ہونا چاہا تاکہ باپ کے جذبہ ترحم و شفقت کو تحریک ہو۔ نظام نے دو طرفہ مداخلت پر خفگی ظاہر کی البتہ اپنی والدہ اور مبارزالدولہ کی بھی ایک علاتی والدہ کو ساتھ جانے کی اجازت دی۔ مبارزالدولہ کے آدمیوں میں سے خاطیوں کو سخت سزائیں دینے کے لئے نظام نے احکام جاری کئے اور مفسدین کو پھانسی دے دی گئی۔

آج یہ کوئی انکشاف نہیں ہے کہ یہ پورا ہنگامہ ہی بے اصل و بے بنیاد تھا جیساکہ ابتدا" منقولہ تفصیلی مظہر ہیں اور باوجود اس کے یہ ہنگامہ آرائی نتیجہ خیز بھی رہی اور اس کے نتائج دوررس بھی رہے۔ مبارزالدولہ نے خود پر جنگ مسلط کرواکے اس میں جو فتح حاصل کی وہ محض وقتی اور اتفاقی تھی اور یہ فائدہ عارضی ہی ثابت نہیں ہوا بلکہ ریاست کے مستقبل کے مفادات کے حق میں سخت مضرت رساں نکلا۔ مبارزالدولہ کا کوئی واضح و متعین اور اونچا مقصد ہونا کجا انھیں اندازہ تک نہ تھا کہ موقتی ہار جیت کے سوا شاہی اجازت کے بلاجواز فائدہ کے بطور انگریزی فوج کے حملہ آور ہونے کے سیاسی اثرات آئندہ کیا ہوں گے۔ یعنی یہی کہ انگریزوں کی فوجی و انتظامی دخل اندازی کا دروازہ کھل جائے گا۔ کوئی شبہ نہیں کہ مبارزالدولہ کی شدید جذباتیت اور انھیں فوری حاصل ہونے والی وسیع عوامی پذیرائی و حمایت کے کارفرما عوامل انگریز دشمنی کے احساسات ہی تھے۔ انگریزوں کے غلبہ و رسوخ اور اندرون ریاست کے سیاسی و فوجی تصرفات پر مبارزالدولہ کی گہری نظران کے تئیں قلبی تنفر

Marfat.com

اور بالاخر اس حربی تصادم پر منتج ہوئی۔ یہ محاربہ ہر چند کہ رزیڈنٹ نے مفوضہ اختیار سے صریحی اور جارحانہ تجاوز سے ازخود مسلط کر کے شہر کے قلب میں جنگی کیفیت پیدا کی تھی مگر اس کا فوری اور بالراست محرک مبارزالدولہ کی ضد کا مظاہرہ تھا۔ ان کی نافرماں برداری کا سبب انگریزوں کے تئیں دشمنی و نفرت کا بے پناہ جذبہ ہی تھا لیکن ان کی زندگانی کے اگلے واقعات سے تک ثابت ہے کہ ان کی اس وقت کی جذباتی شدت پسندی خود بے حد غیر مستقل بلکہ فقط لمحاتی ہوا کرتی تھی اور وہ رہائی کے لئے کسی اور کی نہیں انھی انگریزوں کی خوشامد پر اتر آتے تھے۔ مبارزالدولہ کی جذباتیت نوجوانی کا ابال بھی نہ تھی کیونکہ وہ ۱۸۱۵ تک کم از کم دو شادیاں کر چکے تھے جن سے پہلی ہی اولاد عین روز جنگ اور دوسری اوائل نظربندی میں ہوئی۔

کمپنی کی حکومت کے کارندے رزیڈنٹ نے اولین فائدہ تو یہی اٹھایا کہ سلطنت کے نظم و نسق میں مداخلت کی اجازت لے کر بھرے دربار کو اپنی سیاسی برتری کا احساس دلایا۔ پھر اس کا فوجی جارحیت سے ایسا بے جواز استعمال کیا کہ اختیار عطا کرنے والے حکمران کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا اور اس طرح ریاست کے اہم ستون پر حملہ آور ہو کر اپنی دخل اندازی کو فوجی حاکمیت کی شکل دے دی۔ سکندر جاہ کوئی انگریزوں سے خائف اور ان کے سامنے بے دست و پا قسم کے سربراہ نہیں تھے لیکن "جنگ مبارزالدولہ" کے رونما ہونے تک اس کی روک تھام بھی عملاً" غیر ممکن ہو گئی تھی اس لئے تصادم برپا ہو کر رہا۔ نظام کا مقصود اس سے زیادہ نہ تھا کہ امرائے دربار کے بجائے رزیڈنٹ ہی اپنی سی ایک کوشش کر لے کیوں کہ اس کی رزیڈنسی کا آدمی مبارزالدولہ کی قید میں تھا جنھوں نے اس کی رہائی کے لئے وزیراعظم اور پھر نظام کے تک احکامات کی نافرمانی کی تھی۔ یہ امر بالکل یقینی تھا کہ رزیڈنٹ درخواست گزار ہو کر اجازت نہ لیتا تو نظام خود بیٹے کی سرکوبی کے لئے سختی سے پیش آتے اور مبارزالدولہ کی وارداتوں کو باغیانہ کارروائی پر محمول کر کے اس کو فرو کرنے کے لئے ویسا ہی اقدام بلا تامل کرتے جیسا ان کے اپنے بھائی کے خلاف ان کے والد نے کیا تھا۔

رزیڈنٹ نے اپنی کھلی بدنیتی اور دیدہ و دانستہ بدقماشی سے سلطنت کے ایک زعیم پر دارالحکومت کے قلب میں جنگ مسلط کر کے سیاسی و فوجی برتری اور حاکمیت کا ہی پہلا مظاہرہ نہیں کر دیا بلکہ اس میں اپنی فوج کی شکست کو فوراً مذاکرات کی میز پر فتح میں بدل دیا۔ نتیجتہ"

Marfat.com

اپنے اس زبردست اور ہم پلہ حریف کو جو ٹیپو کی موت کے صرف ۱۵سال بعد ہی دکن میں کمپنی کی حکومت کے خلاف ٹیپو کی سی شان کے ساتھ یکلخت نمودار ہو گیا تھا فوجی نہ سہی اس سے کہیں بڑے پیمانے پر سیاسی زک پہنچا کر رزیڈنٹ نے ریاست کے اندرونی ڈھانچے میں انگریزی سیاست و اقتدار کی کارگزاریوں کے لئے نئی شاہراہ کھول دی جس پر چل کر کمپنی کی حکومت کی برتری اور کھلی مداخلت کے کارواں سلطنت آصفیہ کی حدود میں وارد ہوتے رہے۔ حیدر آباد کا اقتدار اعلیٰ اگر صحیح معنوں میں اقتدار اعلیٰ ہوتا تو شاہی اجازت کا استحصال کر کے پایۂ تخت میں ننگی جارحیت کا مرتکب ہونے پر رزیڈنٹ اس حد تک خود کو قابل مواخذہ کر چکا تھا کہ اس کو برسرعام پھانسی پر لٹکایا جاتا اور یوں کمپنی کی حکومت کی سیاسی شہ زوری کا فوری خاتمہ کر دیا جاتا۔ لیکن جنوب میں انگریزوں کی دراندازی میں مزاحم سب سے طاقتور عنصر ٹیپو کی شہادت میں ملوث ہو کر اور قبل و بعد کے معاہدات کے جال میں پھنس کر آصف جاہ ثانی آصف جاہ ثالث کو اقتدار اعلیٰ کی جو ہیئت ترکے میں بخش گئے تھے اس کے بعد ثانی الذکر اس لائق ہی نہ رہ سکے تھے۔ فی الجملہ آصفی مملکت کو اس درجہ ادبار تک پہنچانے کے ذمہ دار دونوں حکمرانوں کے ادوار کے معاہدے بھی تھے' وزیراعظم وقت جیسے گرگ باراں دیدہ کے اس خاص موقع کے مشاغل بھی نیز خود اس "جنگ مبارز الدولہ" کے پس منظری و پیش منظری واقعات بھی جو ایں ہمہ آوردۂ تست تھے ہی۔

مہاراجا کے کردار کو مبارزالدولہ کی سزایابی میں ماخوذ کرنا کسی طور مناسب نہ ہوگا کیونکہ یہ ان کے دوگوشہ سیاسی عمل کا ایک حصہ تھا جس کا دوسرا رخ ۱۸۲۰ء میں مبارزالدولہ کی واپسی کے مرحلے میں قدرتاً" ظاہر ہوا۔ ۱۸۱۵ میں وزیراعظم کی بارہ دری میں انگریزوں کی شکست خوردہ اور تازہ دم فوجوں کا اجتماع انھیں جس پر خطر سیاسی آزمائش کے دوراہے پر کھڑا کرنے کا موجب ہوا تھا قابل فہم تھا اور اسی کے زیر اثر ان کا رزیڈنٹ کے بپھرتے ہوئے جنگی جنون کو مذاکرات کی میز پر لے آنا بھی۔ تاہم ہزیمت کے بعد اس کی آتش انتقام کو فرو کرنے کے لئے مہاراجا کی افہام و تفہیم وقتی مصالح کا ناگزیر تقاضا تھی اور کسی نہ کسی صورت ان کی طرف سے جانبین کو ایک نکتے پر متفق کرنے والی مفاہمانہ کاروائی بہرحال صادر ہوتی کیونکہ مبارزالدولہ کی حرکتوں سے ریاست کا اپنا وجود اندرونی و بیرونی خطرات کی زد میں ناگاہ ہی آیا ہوا تھا۔ یہ خیال نرا خوش فہمانہ ہوگا کہ ان کی طے کردہ مبارزالدولہ کی قید پر اتفاق نہ ہوتا تو

Marfat.com

رزیڈنٹ کی فوجی شکست اسی کو لے ڈوبتی کیونکہ اس کے بالکل برعکس یہ خدشہ غالب تھا کہ رزیڈنٹ کی نئی فوجی تیاری ریاست کے اس نئے داخلی خلفشار کو ایک دم ہی مہمیز کردیتی۔

۱۸۲۰ء میں حسب معاہدہ مبارزالدولہ کی واپسی سکندر جاہ کی اپنی مصلحت بینی کے سبب موخر ہونے کا اندیشہ تھا کیونکہ انہیں بیٹے کی جانب سے بے تدبیری کی حرکتوں اور ان کے پروردہ اشرار و مفسدین کی نئی وارداتوں کا خیال تھا۔ نظام کے خدشات کو "گلزار آصفیہ" کی رو سے مہاراجا اور دیگر اعیان سلطنت کی مساعی نے دور کیا۔ مہاراجا کے سیاسی کردار کا دوسرا رخ اسی مرحلے پر عیاں ہوا کہ انھوں نے مبارزالدولہ کی رہائی کے لئے بھی کوشش کی جو مصلحت وقت کے عین مطابق تھی۔ سکندر جاہ کی خفگی جاری رہنے سے مبارزالدولہ رہا نہ ہوتے تو رعیت میں اس کا برا اثر پڑتا اور عام طور پر سمجھا جاتا کہ نئے رزیڈنٹ کے ڈر سے ان کی قید کو بڑھا دیا گیا۔ یوں مہاراجا کا کردار مبارزالدولہ کی قید میں بھی وقتی مصالح کا تابع تھا اور رہائی کے موقع پر بھی نئی مصلحتوں کا پابند۔ ان کے کسی ایک وقت کے عمل کو بالکلیہ جداگانہ طور پر نہیں دیکھا جاسکتا بلکہ مجموعی کردار کے متوازی پہلو کو بھی زیر نظر رکھنا ہوگا۔ مبارزالدولہ کی رہائی پر راضی ہو کر نظام نے انھیں جن نئی جکڑبندیوں میں رکھا اس میں بھی مہاراجا کا ہاتھ نہ تھا۔ نظام کے اس نقطہ نظر کی اصلیت کہیے یا اصابت ان کی موت اور ناصرالدولہ کی تخت نشینی کے بعد ان کی برادرانہ مروت سے مبارزالدولہ کو ملنے والی آزادی کی رعایت کے مبارزالدولہ کی جانب سے استحصال کے موقع پر ظاہر ہوئی۔ مبارزالدولہ نے باپ کی عائد کردہ سخت پابندیاں ۱۸۲۹ میں اٹھتے ہی اس کا جس طور فائدہ اٹھایا اس نے رزیڈنٹ کے استحصال اور پامر کی لوٹ مار کی یاد دلادی۔ ۱۸۲۹ء کے واقعات میں مہاراجا کا نام تواریخ میں نمایاں طور پر نہیں آیا ہرچند کہ وہ اس دوران بھی پیشکار سلطنت یا وزیراعظم کے عہدے پر ہی مسلسل فائز تھے۔ تاہم کوئی پچاس برس بعد کے ایک انگریز وقائع نویس نے چندولعل کو ملوث قرار دیا' ملاحظہ ہو "اختتامیہ"۔

شورش خزانہ ۱۸۲۹ : سود و زیاں

مبارزالدولہ ۱۸۱۵ء کے محاربہ شیریں میں گرفتار اور نظربند ہو کر جب ۱۸۲۰ میں رہا ہوئے تو اس سب کے عواقب کے بطور اپنے والد نظام سکندر جاہ کی عائد کردہ پابندیوں کے

Marfat.com

سبب قریب نو برس تک کم از کم تواریخ کی حد تک عرصہ گم نامی میں رہے۔ والد کی رحلت اور بڑے بھائی ناصرالدولہ کی تخت نشینی کے تقریباً عین بعد مبارزالدولہ ۱۸۲۹ء سے آئندہ چند سال کے لئے تاریخ کی کتابوں میں نظر آتے ہیں' اور اس مرتبہ بھی اپنے وقت کے ناراض نوجوان بلکہ شاید زیادہ مناسب لفظوں میں باغی سلطنت شہزادہ کے کردار میں۔ اس بار مبارزالدولہ اپنے متوسلین اور حامی و مددگار آدمیوں کی تنظیم کو مستحکم کرلیتے ہیں اور عدم وصولی تنخواہ کے عنوان سے نئے نظام ناصرالدولہ کی حکومت کے خلاف معروفیات کا آغاز سرگرم و منظم انداز میں کرتے ہیں۔ متعلقہ باب میں اس ہنگامۂ عروب و افاغنہ کو بخیال اختصار شورش خزانہ سے موسوم کیا گیا ہے۔

اس شورش کی تفصیلوں سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ مبارزالدولہ اپنے والد کے وقت سے خاصی زیادہ شدت کے ساتھ بڑے بھائی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے وہیں محسوس یہ ہوتا ہے کہ اس کے بالکلیہ برعکس ناصرالدولہ اپنے چھوٹے بھائی کے تئیں اتنے سخت گیر و جابر نہیں تھے جتنے دونوں کے والد۔ اس ہنگامہ عروب و افاغنہ کے وقوع کے کوئی ایک عشرہ بعد ۱۸۳۸ء میں برپا ہونے والی وہابی تحریک کی سرپرستی جب مبارزالدولہ نے اختیار کی اس وقت بھی ان کے حاکم وقت بھائی کے تردد آمیز اور پر از شفقت جذبات کا اظہار ہوا۔ دونوں ہی مواقع پر رزیڈنٹ کے سیاسی و فوجی دباؤ کے آگے نظام ناصرالدولہ خاصے بے بس تھے ورنہ بھائی کی حرکتوں کو مخالفانہ سازشوں پر محمول کرنے کے وہ روادار نہیں تھے اور برادرانہ محبت سے مجبور ہو کر صرف شرارت تصور کرنے پر قناعت کرتے۔ وہابی تحریک کے سلسلے میں ناصرالدولہ کے مشفقانہ جذبے کا مظاہرہ رزیڈنٹ کے روبرو اور شاید بھرے دربار میں ہی ہوا جبکہ ۱۸۲۹ کی شورش خزانہ کے تعلق سے انکے برادرانہ محسوسات مبارزالدولہ کی حراست کے دن کے علاوہ ان کی خلاف توقع رہائی میں صورت پذیر ہوئے۔

دکنی ادبیات و تاریخ کے معروف محقق مولانا نصیرالدین ہاشمی نے اس ہنگامۂ افاغنہ و عروب کا اپنے مقالات میں حوالہ دیا ہے لیکن ان کے زیر نگہ جائزوں کے من جملہ صرف ایک مقام پر اس کا زیادہ سے زیادہ تذکرہ محض اس قدر ہے کہ "مبارزالدولہ کی دوسری نظربندی ۱۸۳۰ء میں ہوئی۔ واقعات یہ ہیں کہ خودان کے علاقے کے عربوں اور روہیلوں میں کچھ تکرار ہوگئی اور مارپیٹ سے کچھ سپاہی زخمی ہوگئے۔ رزیڈنٹ تو مبارزالدولہ کی تاک میں تھا' فوراً

Marfat.com

سکندر آباد کی چھاؤنی سے فوج آگئی اور مبارز الدولہ کی ڈیوڑھی کا محاصرہ کرلیا گیا۔ اس زمانے میں ناصر الدولہ یعنی مبارز الدولہ کے بڑے بھائی کی حکمرانی تھی۔ انگریزوں نے ان کو مجبور کرکے مبارز الدولہ کو قلعہ گول کنڈہ میں نظربند کردیا" ("صبا" صفحہ ۸۲)۔ اس سے متصل مبارز الدولہ کی گول کنڈہ کو منتقلی کے موقع کی عوامی پذیرائی کا منظر کھینچا گیا ہے جو مولانا نصیرالدین ہاشمی کے سبھی مضامین میں مذکور ہوا ہے۔ تاہم ظاہر ہے کہ واقعہ فقط اتنا سا اور معاملہ اس قدر سادہ نہیں تھا بلکہ پیچیدہ سا تھا جس کو مبارز الدولہ کی دوران حراست کی تگ و تاز نے اور الجھا دیا۔ دراصل ہمارے معاصر مبصرین کے طرزبیان اور انداز فکر پر مبارز الدولہ کی ہمعصر تواریخ میں متذکرہ متفرق بلکہ خاصی منتشر سی اطلاعات سے اثرپذیری کا رجحان عیاں ہے جبکہ ان کتابوں میں ہی جو مبارز الدولہ کی سیاسی سوانح کے بنیادی منابع کی سی حیثیت کی حامل ہیں واقعہ نویسی میں افشاء کے بجائے زیادہ تر اخفا سے کام لیا گیا ہے۔ مثلاً اسی دو گوشہ شورش ہائے تن خواہ و خزانہ ۱۸۲۹ کے دوسرے حصے یعنی گول کنڈہ کے سرکاری خزانے پر قبضے کی مبارز الدولہ کی جدوجہد کا تاریخ "گلزار آصفیہ" میں سرے سے کوئی مذکور نہیں ہے۔ چونکہ یہ مطبوعات مبارز الدولہ کی زندگی سے معاصرانہ تعلق رکھتی ہیں ہمارے جدید محققین اور تحریکات آزادی کے مبصروں میں سے جن افاضل کو جس ذریعے سے جو روایت ہم دست ہوگئی انہوں نے اسی کو سند مان کر کلیتہً "اس پر انحصار کرلیا اور تحقیق کی فوری ضرورت نہیں محسوس فرمائی یا زیادہ گہرائی میں جانے سے بے سبب اور یا بوجوہ گریزاں رہے۔

۱۸۲۹ء کی شورش خزانہ کی تفصیلی اور جزئیات کھنگالنے کے بعد یہاں اس پورے ہنگامے کا خلاصہ پیش ہے تاکہ اس کے سلسلہ واقعات کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو اور سود و زیاں کا احاطہ ممکن ہو سکے۔ مبارز الدولہ کے حلقہ بگوش افراد ان کی ایماء سے شورش بپا کرتے ہیں جس کی وجہ یہ تھی کہ مبارز الدولہ نے چھ ماہ سے جیب خرچ کی عدم وصولی کو بشدت محسوس کرکے تنخواہ کی فوری ادائگی کا مطالبہ کیا تھا جو انتظامی بلکہ مالی مشکلات کے سبب پورا نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد مبارز الدولہ نے اپنے متوسل پٹھانوں اور عربوں کو آمادۂ پیکار کرلیا اور ممکنہ تصادم کے تدارک کے لئے مبارز الدولہ کی حراست کا فیصلہ کیا گیا۔ اس اقدام کی خبرپاکر مبارز الدولہ نے ۱۸۱۵ کی طرح کثیر تعداد میں اپنے آدمیوں کی مدد سے زبردست مدافعت کے انتظامات کرڈالے، مگر جب انگریزی سپاہ ان کی گرفتاری کے لئے آئی تو دفاع کی

Marfat.com

کوئی کوشش بھی نہیں کی گئی اور مبارزالدولہ بغیر مقابلے کے ہی حراست میں لے کر گول کنڈہ میں نظربند کردیئے گئے۔ مبارزالدولہ نے قلعے میں چند ماہ بعد سلطنت کے سرکاری خزانے پر قبضہ کی کوشش بھی کی مگر انگریزی فوج نے محاصرہ کرکے اس مزاحمت کو روکا اور اپنی حفاظت میں خزانہ منتقل کرایا۔ پھر انھوں نے انگریزی کمان دار کے مطالبات تسلیم کئے اور ان کی والدہ نے بھی نظام پر اپنا اثر استعمال کیا اور مبارزالدولہ رہا ہوگئے۔ اس سارے واقعے میں مبارزالدولہ کے جو آدمی ملوث تھے وہ بکثرت پٹھان اور چاؤش یعنی عرب نژاد تھے اس لئے اس کو عروب و افاغنہ کا ہنگامہ بھی کہا جاسکتا ہے اور چونکہ اس کے دو اہم اجزاء روپے پیسے کے باقاعدہ حصول کی جدوجہد سے متعلق ہیں اس لئے اسے خزانے کی شورش کا بھی نام دیا جاسکتا ہے۔ اس واقعے کی جزئیات نویسی ان کی سیاسی زندگی اور افتاد طبع دونوں کے ہی نشیب و فراز کی تصویر کشی کے لئے ناگزیر رہی ہے۔

مبارزالدولہ عنفوان شباب کے اس پرشور اور منہ زور دور سے پندرہ برس آگے نکل آئے تھے جس کا نقطہ عروج ۱۸۱۵ کا محاربہ شیریں تھا۔ اس وقت نوعمر تھے تو شورش خزانہ کے موقع پر ذہنی و فکری اور سیاسی اعتبارات سے بھی بلوغ کے مالک تھے۔ مگر اس دوسرے ہنگامے میں اپنے محدود مقاصد کی خاطر انھوں نے کس حد تک بالغ نظری کا مظاہرہ کیا اور اس میں کتنے کامیاب یا ناکام رہے یہ نہ تو کوئی مشکل سوال ہے اور نہ ہی ماضی قریب کی تاریخ کا کوئی سربستہ راز۔ اس سلسلے کی تفصیلوں سے پوری طرح مترشح ہوچکا تھا کہ میر گوہر علی خاں مبارزالدولہ کی تاریخی سوانح کی اس شناوری میں کتنے گہر ہاتھ آتے ہیں اور کتنے خزف۔ ان کی طبیعت کا جوہر ۱۸۱۵ میں عین نوجوانی کے عالم میں جس ولولے اور شان کے ساتھ کھلا ۱۸۲۹ میں ان کا ذوق نمود اس طرح دار انداز میں ظہور نہ کرسکا' اور جیسا کہ کتاب کے گذشتہ حصے میں معلوم ہوا ۱۸۳۸ء میں بھی مبارزالدولہ کے جوہر بس کھلتے کھلتے ہی رہ گئے۔ مختصر ترین الفاظ میں یہ درمیانی کڑی مبارزالدولہ کے جوہر طبع اور عجز طبع دونوں ہی کا ایک عجیب و غریب امتزاج بھی ہے مرقع بھی۔

اس اجمال کی جو واقعاتی تفصیل گزر چکی ہے اس کے من جملہ بطور خاص وہ پہلو واقعی حیران کن ہیں جو مبارزالدولہ کی طبعی کمزوریوں کی منہ بولتی تصویریں ہیں اور بطور حریت پسند ان کے قائدانہ تصور کو ایک دم اور سخت مجروح کرتے ہیں۔ مبارزالدولہ اگر ایک عام سے

Marfat.com

شہزادے یا اپنے بڑے بھائی صمصام الدولہ کی طرح محض چلبلے سے کردار کے حامل ہوتے تو ان کی بشری خامیوں پر نظر کیا معنے ان کے کردار کے ہی مطالعے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اس لئے کہ نوابانہ ماحول میں افراد کی مزاجی کمزوریاں ظاہر ہوتی تو رہتی ہیں تاریخ اور سیاست کے موضوعات میں ان کی کوئی جگہ بنتی نہیں ہے۔ مبارزالدولہ کی سہ ابعادی شخصیت ایک سمت انگریز دشمن دوسری جانب آزادی خواہ اور تیسری طرف کم از کم اقتدار اعلیٰ کے لئے خواہاں و کوشاں بلکہ "ارمان ریاست" سے لے کر "سامان ریاست" کے دعویدار کے بطور تاریخی کردار اور مقام کی مالک بہرحال ہے۔ ان سب حیثیتوں میں ان کے تمام تر افعال و اعمال کو احاطہ نظر میں رکھنا ضروری ہے تو ان کا معرض تنقید میں آنا بھی ناگزیر ہے۔ ذاتیات کا حصہ باور کر کے یا کرا کے ان کی زندگانی کے کسی بھی گوشے کو حیدر آبادی روزمرہ میں "گوشے" میں تو ہرگز ہرگز نہیں چھوڑا جا سکتا' یہ سوانح نویسی کی مقتضیات کے خلاف تو ہو گا ہی ان کی سیاست و مبارزت پر منحصرو مرتکز مطالعے یا تاریخی تجزیے کے سلسلے میں بھی مسلمہ اصولوں اور تحقیقی دیانت سبھی کچھ کے بے حد منافی الگ رہے گا۔

اعادۂ تفصیلات میں گئے بغیر یہ عرض کرنا شاید کافی ہو کہ اس دو گوشہ محاذ آرائی کا مبارزالدولہ کا پورا عمل ایک جانب عظیم اور افادی نصب العین سے یکسر محروم تھا تو دوسری سمت ان کے معمولی سے فوری مقاصد یعنی اجرائے تنخواہ کے حصول کے تک سخت خلاف واقع ہوا تھا۔ ان مواقع پر ان کا کردار اور منصوبہ اتنی زیادہ قباحتوں کی گرفت میں نظر آتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے اور ان کا شمار الگ تکلیف دہ ہو جاتا ہے۔ بحالی تنخواہ کے لئے اپنے پروردہ اشرار کے استعمال سے لے کر قلعے کے خزانے کے استحصال تک نیز عدم مقابلہ سے لے کر رہائی کے لئے اغیار کی خوشامد تک کے سارے قبیح پہلوؤں کا تعلق محض ذاتی سوانح سے کم اور سیاسی کردار سے اتنا قریبی اور قوی ہے کہ انہیں طبعی خامیوں اور بشری کمزوریوں میں کسی طور محسوب نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی واقعاتی اہمیت کا اندازہ فرمائیے کہ مبارزالدولہ کا امیج مجروح ہونے کے ڈر سے ان کے ایسے سوانح نگاروں نے جن کی متعلقہ مآخذ تک رسائی تھی' ۱۸۲۹ء کی شورش ہائے تنخواہ و خزانہ کی اہم و ضروری تفصیلیں بھی قلم انداز کرنے میں ہی عافیت جانی۔ تاہم مستقبل کے مورخ کو یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگے گی کہ اس کو مبارزالدولہ کے کردار کے صرف پسندیدہ پہلو ہی اجاگر کرنے چاہئیں یا ان کی شخصیت اور

Marfat.com

زندگانی سے خوب و زشت کی فطری آمیزش کو دو شاخہ کرنے کے الزام سے وہ خود کو بری الذمہ رکھے گا۔

مبارزالدولہ جیسے سکہ بند انگریز دشمن کا اس "بعنوان سیروشکار" والی لاؤلشکر کے ساتھ کی برائے نام قید کی قربانی سے بچنے کے لئے رہائی کی غرض سے انہی انگریزوں کی خوشامد کا معاملہ ہی غور طلب نہیں ہے بلکہ بھائی کی عطا کی ہوئی آزادی کے استحصال اور پھر روپے پیسے کی خاطر لوٹ مار ہر دو واقعات میں انہی انگریزوں کی اتباع بھی سنجیدہ توجہ کی طالب ہے۔ مبارزالدولہ کو باپ کی جکڑ بندیوں سے نجات بھائی کی مہربانی و مروت سے حاصل ہوئی مگر آزادی ملتے ہی انہوں نے اس کا بعجلت تمام ویسا ہی ناجائز فائدہ اٹھایا جیسا ان کے معاملات میں انتظام کی اجازت ملتے ہی رزیڈنٹ رسل نے ۱۸۱۵ء میں اس کا استحصال کیا تھا۔ مبارزالدولہ کو انگریزوں سے سخت نفرت تھی اور مصلحت کوشی کا یہ سبق انہوں نے سیکھا بھی تو انہی سے اور ان کی ہی تقلید میں استحصالی عمل کا اعادہ کر بیٹھے۔ اس سے زیادہ قبیح انداز میں وہ جس طرح کھلے عام خزانہ لوٹنے پر تل گئے اس میں اور انگریزوں کی پامر کمپنی کی لوٹ مار میں صرف طریقہ واردات کا ہی فرق تھا ورنہ نیت اور مقاصد میں جنھیں مفاسد کہنا قرین صحت ہوگا دونوں اصل میں ایک تھے۔ پامر کے ساہوکارہ کی لوٹ کھسوٹ کی تفصیلات کا تعلق بطور خاص سکندر جاہی عہد سے ہے مگر یہاں اس کی طرف اشارہ خالی از عبرت نہ ہوگا کہ نیتوں اور اعمال میں بڑی مشابہت ہے۔

شورش ہائے خزانہ کے یہ وہ رنگ ہیں جو اس تاثر کے ساتھ معدوم کردیئے جاتے ہیں کہ ۱۸۲۹ء میں مبارزالدولہ کو انگریزوں کی سیاسی مصلحتوں سے قید کیا گیا تھا۔ انگریزوں سے متنفر مبارزالدولہ نے وقتی اور انتہائی ذاتی مطالبات کی خاطر انگریزوں کی کمپنی کی لوٹ مار کی جس جارحانہ انداز میں تقلید کرنی چاہی آئندہ محققین کے لئے بے حد قابل غور ہے۔ مبارزالدولہ کے سوانح نگاروں کے اس طبقے نے جو ۱۸۲۹ کے حالات کی اصل و مکمل تفصیل سے واقف تھا مبارزالدولہ کی وارداتوں کا مفصل بیانیہ پیش ہی نہیں کیا اور اب مورخین کا یہ فریضہ ہے کہ ان حوادث کو انگریز دشمن اور آزادی خواہ مبارزالدولہ کے کارنامے قرار دینے کے لئے ان کے افکار اور اعمال کا حقایق کی روشنی میں احاطہ ہی نہیں اثبات بھی اس طرح کریں کہ اشتباہ کی گنجائش باقی ہی نہ رہے۔

Marfat.com

حیات مبارزالدولہ کے آیندہ محققین اور جدید تر سوانحی مورخین کو قطعی اور کلی طور پر دو ناگزیر امور کو ذہن نشین رکھنا ہو گا۔ یعنی نہ صرف یہ کہ مطبوعہ و مخطوطہ قسم کے مزید نئے نئے وسائل کی کھوج اور بازیابی پر ہی ان کی تازہ تر تحقیقات مبنی و منحصر ہوں بلکہ اپنی ان علمی و تاریخی دریافتوں کا بھرپور فیضان وہ سوانح نگاری اور تجزیہ کاری کے عمل کو لازماً منتقل کریں۔ پرانے مورخوں اور وقایع نویسوں کی جو عادات بد از قسم افشائے واقعات کی جگہ اخفائے حقایق ایک برخود غلط اور مضرت رساں روایت کے روپ میں مبارزالدولہ کے مقالہ نگار بزرگ اور جدید اسکالروں کے ہاں تردد انگیز حد تک راسخ ہیں ان سے شعوری طور پر حذر لازمی بلکہ ناگزیر سمجھنا چاہیے۔ گویا اس حذر کو اپنے تحقیقی مزاج اور تصنیفی منہاج کا صرف حصہ ہی نہیں کارفرما عنصر کی طرح جزو لاینفک بنائے بغیر چارۂ کار اور کچھ نہ ہو گا۔

(کراچی۔ جولائی و اگست ۱۹۹۱ء)

Marfat.com

Marfat.com

مبارز الدولہ : مرگ آشفتہ سر : ۲

وہابی تحریک ۱۸۳۸ : مضمرات و موثرات

ڈاکٹر نتی گوپال چودھری نے "وہابی بغاوت حیدر آباد میں ۱۸۳۸۔۱۸۴۰" پر اپنی تحقیق کمپنی کی حکومت ہند کے محکمہ داخلہ و سیاسی امور کے خفیہ کاغذات کی مدد سے شائع کی تھی۔ اولاً" اس کا ترجمہ پیش ہے کہ اس کی حیثیت تفتیشی روداد کی عمدہ تلخیص کی ہے۔ اس سے خاصی معلومات کا اضافہ بھی ممکن ہوگا اور سرکاری روداد کے بعض نکات پر بھی روشنی پڑے گی۔ یہ صراحت ضروری ہے کہ محقق موصوف کی نظر سے سندھ کے قریب العہد واقعات اوجھل رہ گئے جس کی بندرگاہ کراچی پر انگریزوں نے اسی اثناء یعنی ۱۸۳۸ میں قبضہ کیا نیز امیران سندھ سے اور ان کے خلاف سازشیں کر کے پانچ چھے سال میں سندھ پر بالآخر قابض ہو کر رہے۔ ترجمہ ذیل میں اصل متن کے حوالے متعلقہ فقروں کے ساتھ ہی اضافہ کر دیئے گئے ہیں جو بیشتر سرکاری فائلوں کے ہیں۔ یہ تحقیق ۱۹۵۶ کی مطبوعہ ہے۔

"افغانستان کی سرحد پر واقع ہرات پر ایرانیوں نے نومبر ۱۸۳۷ میں روسیوں کے اشارے پر قبضہ کرلیا تھا۔ لارڈ پامرسٹن نے جو روس کے بارے میں خاص طور پر حساس تھا ہرات کے اس قبضے کو بہت کچھ نادرست محسوس کیا۔ پامرسٹن کے شبہات میں امیر افغانستان کے ہاں ۱۸۳۸ میں روسی کارندے کی آمد سے اور اضافہ ہوگیا۔ گورنر جنرل ہند لارڈ آکلینڈ بھی پامرسٹن کے شکوک میں ہم خیال تھا۔ ان لوگوں کی مفروضہ روسی جارحیت کے خوف نے ۱۸۳۹ میں اولین اینگلو افغان جنگ کی ابتداء کی۔ روس کے اس ڈر اور اس کے نتیجے میں افغانستان کو بھیجی گئی کثیر برطانی سپاہ کی عدم موجودگی سے حوصلہ پا کر ہندوستان کے وہابیوں نے انگریزوں کے خلاف سازش تیار کی۔ اس وہابی سازش کا مقصود یہ تھا کہ ملک سے برطانی تسلط کا خاتمہ کر دیا جائے۔ حیدر آباد اس سازش کا مرکزی مقام تھا جہاں کے نظام ناصر الدولہ کے بھائی مبارز الدولہ اس منصوبے کے قائد تھے۔

"نیلور کے مجسٹریٹ اسٹون ہاؤس نے اس سازش کو منکشف کیا۔ اکتوبر ۱۸۳۷ میں محسوس یہ ہوا کہ کابل اور مصر و ایران کے علاوہ شمالی ہند کے بھی متعدد لوگوں کی مدراس پریسیڈنسی میں آمد و رفت ہو رہی تھی (بحوالہ خفیہ کاغذات نمبر ۱۵ مورخہ جون ۱۸۳۹)۔ نومبر

Marfat.com

۱۸۳۸ میں ایک سکھ غیر معمولی انداز میں نیلور آیا اور چند روز خفیہ طور پر مقیم رہا جس سے پولیس کو شبہ ہوا' اسے پکڑ کر مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا اور قید کردیا گیا۔ مجسٹریٹ نے اپنے ایک معتمد ملازم کو متعین کیا کہ وہ اس کی وہاں آمدو موجودگی کا مقصد اگلوائے۔ یہ ترکیب کارگر ہوئی اور اس شخص نے قیدی سکھ کا اعتماد حاصل کرکے اس سے مدراس پر۔ یسیڈنسی میں قیام کا حقیقی مقصد معلوم کرلیا۔ اس سکھ نے انگریزوں کو گالیاں دیں اور ایرانیوں اور روسیوں کی تعریف کرکے انکشاف کیا کہ وہ دراصل راجا جودھ پور کا آدمی تھا۔ اس نے بتایا کہ انگریزوں کے خلاف ہندوستان کی دیسی ریاستوں کے شہزادوں کا ایک اتحاد موجود تھا (بحوالہ نمبر ۳۹۳ پیرا نمبر ۱۰ مورخہ ۲۹/۶/۱۸۴۰)۔

ابتدائی معلومات کی بنیاد پر سات اور آدمیوں کو پکڑنے میں مدد ملی جن کے مشاغل پولس کی نظر میں مشکوک تھے' وہ سب مسلمان تھے اور ان میں کا ایک نواب بھوپال کا ملازم تھا۔ ان لوگوں سے محلہ کاغذات اور بیانوں سے پتہ چلا کہ برطانی مفادات کے خلاف ایک محاذ موجود تھا اور گرفتار شدگان جاسوسی کے مرتکب تھے۔ ان لوگوں کی دو قسمیں تھیں جن میں سے چند تو عام جاسوس تھے جن کا کام مقامی طور پر اطلاعات جمع کرنا تھا۔ چند دوسرے لوگ عہدہ دارانہ حیثیت رکھتے تھے جو ہندوستانی شہزادوں سے رابطہ و تعاون حاصل کرنے نکلتے تھے۔ کچھ خبر رسانوں کو دریائے کرشنا کے کنارے مقیم رکھا گیا تھا جو حیدرآباد کی سرحد پر تھا اور انھیں معلومات جاسوس پہنچاتے تھے۔ یہ لوگ خبریں مبارزالدولہ تک ارسال کردیا کرتے تھے (حوالہ اولین' پیرا نمبر ۱۴'۱۵)۔

ان نمایندوں کے اظہارات سے عیاں ہوا کہ برطانی حکومت کی مخالفت میں ایک وسیع سازش تیار ہورہی تھی جس میں چند عمایدبھی ملوث تھے۔ گرفتار شدگان اگر عہدہ دار نہ بھی تھے تو باصلاحیت لوگ ضرور تھے جن سے سازش کا افشاء ہوا۔ ان کے بیانات کو خاصا بڑھا چڑھا کرلیا گیا اور بڑے ہی محتاط انداز میں اقدامات کئے گئے۔ حکومت کو ایسی کوئی راست شہادت ہاتھ نہ آئی تھی جو معاملے کا قانونی ثبوت ہوتی۔ وہ لوگ بھی تحریری پیغام رسانی سے گریز کی ضرورت سے باخبر تھے۔ ان سے جو کاغذات ہاتھ آئے یا اور طرح سے برآمد ہوئے وہابیت کے عام اصولوں سے متعلق تھے جن میں تلقین کی گئی تھی کہ مسلمان غاصبوں کو ملک سے نکال باہر کریں جس سے انگریز مراد تھے۔ (ایضاً" پیرا نمبر ۵۸۔۳)۔ ایک عرب سے

Marfat.com

شریف مکہ کا ایک خط جو نواب کرنول کا موسومہ تھا ضبط کیا گیا۔ مگر بالخصوص نواب کو ہی اس میں مخاطب نہیں کیا گیا تھا بلکہ عام مسلمانوں سے خطاب تھا۔ یہ مسلمانوں کے مشترکہ مفاد کی خاطر ان کے مذہبی جذبات کو ابھارنے کی ایک اپیل تھی (ایضاً" نمبر ۲۵)۔ غالباً" وہابیوں نے معلومات کو ارسال اور تبادلہ کرنے کی غرض سے خفیہ اعداد استعمال کئے تھے' راجا جودھ پور کے سکھ نمایندے سے ایک ایسا مراسلہ حاصل ہوا تھا مگر کیوں کہ ان ہندسوں کی کلید ظاہر نہ ہو سکی اس لئے اس خط کا مفہوم بھی نہیں کھل سکا (ایضاً" ضمیمہ ب)۔

کوئی شک نہیں کہ نمایندوں کے بیانات میں افراط و تفریط تھی مگر کچھ اطلاعیں مشترکہ بھی تھیں اور حیدر آباد میں میلکم نے جو تفتیش کی اس کے نتائج سے ان کی توثیق ہوگی۔ ان سب شواہد سے وہابی سازش کے بارے میں معلوم ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کے وہابیوں کو توقع تھی کہ روسی اور ایرانی دریائے سندھ تک آپہنچیں گے' اسی وقت وہابی اور ہندوستانی شہزادے ان سے مل کر ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوں گے اور کمپنی کے زیر تسلط اہم مقامات پر قابض ہو جائیں گے۔ عجیب سا محسوس ہوتا ہے کہ وہابیوں نے ستارا اور جودھ پور کے ہندو راجاؤں پر بڑا انحصار کیا ہوا تھا۔ جودھ پور کے سکھ کی ایک اطلاع یہ بھی تھی کہ مبارزالدولہ اپنے آدمیوں سے مسلسل اطلاعیں ستارا کے مرہٹے راجا کو اور وہ راجا جودھ پور کو ارسال کرتے تھے (ایضاً" نمبر ۲۲)۔ شاید وہابی دونوں ہندو رجواڑوں سے تعاون کے طالب تھے کیونکہ وہ انگریزوں کے تئیں باغیانہ منصوبے رکھتے تھے۔ یاد رہے کہ جودھ پور کے راجا مان سنگھ کی نااہلیت اور ستمرانیوں سے کمپنی کی حکومت کو جودھ پور کے نظم و نسق میں دخل اندازی کا موقع ملا تھا۔ ۱۸۳۲ میں مان سنگھ کی ایماء سے جودھ پور سپاہ نے ایک برطانی ڈاکٹر کے مکان پر حملہ کر کے مسمار کر دیا تھا۔ سپاہیوں اور راجا کو بھی تنبیہہ کرنے کے لئے اجمیر میں برطانی افواج جمع ہوئیں۔ ستمبر ۱۸۳۹ میں برطانی فوج نے پانچ ماہ تک جودھ پور پر عملاً قبضہ کیے رکھا۔

ستارا کا راجا گوا کی پرتگیزی حکومت سے مراسلت کر رہا تھا کہ انگریزوں پر مشترکہ حملہ کے لئے اس کی مسلح مدد کی امید ہوتی' اور اسی غرض سے اس نے برار کے معزول راجا اپا صاحب سے بھی خط و کتابت کی جو جودھ پور میں پناہ لئے ہوئے تھا۔ اس نے بمبئی میں متعینہ ہندوستانی سپاہیوں اور افسروں کو بھی ورغلانے کی کوششیں کیں جس کی بناء پر گورنر جنرل آکلینڈ نے اپنے فرمان کے ذریعے اگست ۱۸۳۹ میں ستارا کی گدی سے اسے ہٹا دیا تھا۔ اغلب

Marfat.com

یہی ہے کہ وہابیوں نے ان ناراض ہندو راجاؤں کی خفگی کا فائدہ اٹھانا چاہا تاکہ ان کے مخالف انگریز منصوبوں میں وہ ممد معاون ہو سکیں۔ جودھ پور کے سکھ جاسوس کا بیان تسلیم کرلیا جائے تو اس کے بقول "ستارا کے راجا کا عزم پیشوا کے منصب کی بحالی اور مرہٹہ ریاست کا احیاء تھا اور مبارزالدولہ اپنے بھائی کی جگہ صوبہ دار دکن ہونے والے تھے۔ راجا مرہٹہ علاقوں میں حملوں کا آغاز کرتا اور مبارزالدولہ بھی یہی کام مملکت حیدر آباد میں کرتے۔" نواب بھوپال کے نمائندے نے بھی اعتراف کیا کہ نواب کی ان لوگوں سے نہایت دوستدارانہ مفاہمت تھی۔ نواب بھوپال کے وہابی سازش سے ربط و تعلق کی حیدر آباد کی تفتیش سے بھی تصدیق ہوئی (بحوالہ ایضاً")۔

مبارزالدولہ کے مقاصد کے حصول میں دو رکاوٹیں سدراہ تھیں' ایک یہ کہ مبارزالدولہ کی کوئی فوج نہ تھی دیگر یہ کہ کرناٹک میں کوئی ایسا مقامی سربراہ نہ تھا جو وہاں بغاوت کے انتظامات کا ذمہ دار ہوتا (ایضاً" نمبر۲۵)۔ پہلی کمی کو مبارزالدولہ نے یوں پورا کرنا چاہا کہ سکندر آباد کی دیسی سپاہ کو بھڑکانے کی کوشش کی اور حیدر آبادی فوج پر بھی اثرانداز ہونے کا جتن کیا۔ دوسری رکاوٹ کے مدنظر مبارزالدولہ نے کرناٹک کے علاقے کے مسلمان روسا کو ہم خیال بنانے کے لئے اپنے آدمی ان کے ہاں روانہ کیے۔ نواب کرنول اور جاگیردار اودگیری وہابیوں کی امداد پر آمادہ ہوگئے تھے' قلعہ اودگیری کو وہابیوں نے غلہ و اسلحہ کے ذخائر کے بہترین مرکز کے بطور چن لیا تھا (ایضاً")۔ طے پایا تھا کہ حیدر آبادی فوج کو بے دست و پا کر کے باغی فوج مدراس کا رخ کرے گی اور اس غرض سے ضروری سمجھا گیا تھا کہ اودگیری میں جہاں تقریباً پوری آبادی مسلمان تھی بڑا ڈپو قائم ہو (ایضاً" نمبر۲۴)۔ ہندوستان اگر برطانوی تسلط سے آزاد ہو جاتا تو اس کو شاہ ایران کے زیر نگیں کر دیا جاتا اور مبارزالدولہ اپنے بھائی کی جگہ صوبہ دار دکن قرار پاتے (ایضاً" نمبر۲۵)۔

گو قانونی ثبوت کے بطور سازش کی کوئی راست شہادت ان آدمیوں سے مل نہیں سکی' ان نکات سے یہ نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ اولاً" یہی کہ ہندوستان میں برطانوی مفادات کے مخالف سازش تیار ہوئی اگرچہ عملاً کوئی بغاوت رونما نہیں ہوئی۔ دوسرے یہ کہ مبارزالدولہ کے متعلق یہ شبہات سامنے آئے کہ اس منصوبے کے مرکزی کردار کے طور پر وہ چند سازشی مقربین کے زیر اثر تھے۔ تیسرے یہ کہ نظام اور ان کے وزیراعظم چندو لعل اس سازش کا کسی

Marfat.com

طرح کوئی کردار نہیں تھے۔ چوتھے یہ کہ والا جاہ کے بڑے بھائی محافظ (محفوظ) خاں کا نواسا خان عالم خاں نیز عباس علی خاں جاگیردار اودگیری معہ فرزند اور نواب کرنول یہ سب اس منصوبے میں کسی نہ کسی طور ملوث پائے گئے۔ پانچویں یہ کہ مدراس پریسیڈنسی کے علاقے کے کسی ہندو سربراہ کا اس سازباز میں کوئی حصہ نہیں تھا (ایضاً" نمبر۱۵ پیرا نمبر ۶۵)۔

حیدر آباد میں رزیڈنٹ فریزر نے حکومت مدراس سے وہابی سازش سے متعلق اطلاع ملتے ہی اپنے مددگار کپتان میلکم کو مقرر کیا کہ مبارز الدولہ کے عزائم کی تفتیش کروائے اور میلکم نے خفیہ کارندوں کو لگایا۔ جمع شدہ اطلاعیں نیلور کے قیدیوں کے انکشافات سے مماثل تھیں اور منصوبوں پر کچھ نئی روشنی بھی ان سے پڑی۔ معلوم ہوا کہ مبارز الدولہ مولوی سلیم کے زبردست اثر میں تھے جو لکھنؤ کے متوطن تھے اور مشہور وہابی لیڈر سید احمد کے شاگرد سمجھے جاتے تھے' انھوں نے مبارز الدولہ کو کھلے عام وہابیت کو قبول اور اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ مولوی سلیم نے مبارز الدولہ پر اتنا بھرپور اثر قائم کرلیا تھا کہ ان کے معاملات کا سارا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا (ایضاً" ضمیمہ بی)۔ وہابیت کی تبلیغ اور تبدیلی عقیدہ کی غرض سے روانہ کیے ہوئے علماء کی آڑ میں مبارز الدولہ مختلف دیسی شہزادوں سے سیاسی سازباز میں لگے رہے۔ خیال یہی تھا کہ مبارز الدولہ کی مراسلت سندھ میں مولوی نصیرالدین دہلوی اور دیگر مسلم زعماء سے جاری تھی' یہ نصیرالدین سندھ میں وہابیوں کے قائد تھے اور ۱۸۳۸ کے شروع میں ان کی مصروفیتوں نے کمپنی کی حکومت کو متوجہ کیا۔ اس نے وہابیوں کی حرکتوں پر امیران سندھ کو متنبہ کیا مگر شبہ یہ تھا کہ ان میں سے چند صاحبان خود وہابیوں کے خفیہ معاون تھے۔

تفتیش سے دریافت ہوا تھا کہ مبارز الدولہ کی مراسلت نواب ٹونک' نواب بھوپال اور امیران سندھ میں سے بھی کسی سے تھی۔ خیال تھا کہ ان کے آدمیوں نے کلکتہ کا بھی دورہ کیا تھا جہاں وہابیت کے متشدد پیروکار تھے۔ ہندوستان میں وہابی کئی امراء یا خلفاء کے ماتحت تھے جنھیں معتقدین ان کے ایمان اور مقامی اثرات کی بناء پر اپنی سربراہی کے لئے چنتے تھے۔ سندھ کے نصیرالدین بھی ایک ایسے ہی قائد تھے۔ مبارز الدولہ وہابیوں کے تسلیم شدہ سربراہ بننا چاہتے تھے مگر یہ حیثیت اختیار کرنے سے پہلے تمام خلفاء بالخصوص نصیرالدین کی رضامندی ضروری تھی۔ کپتان میلکم کی تفتیش کی اثناء میں خلفاء نے اس امر پر اتفاق کرلیا تھا کہ مبارز الدولہ وہابیوں کے مسلمہ امیر کی حیثیت اختیار کرلیں اور خیال تھا کہ مبارز الدولہ کے

Marfat.com

ہاں ایک ایسی مہر موجود تھی جس پر "رئیس المسلمین" کندہ تھا۔ میلکم کی یہ بھی دریافت تھی کہ وہابی فرقے کے مبلغین سکندر آباد میں موجود فوج کے دیسی سپاہیوں کو تبدیلی عقیدہ کے لئے ورغلا رہے تھے اور یہ کہ ایک ہندوستانی نظم ان میں بڑی تعداد میں تقسیم کی گئی تھی جس میں مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد پر اکسایا گیا تھا۔

نظام اور وزیراعظم، جو کچھ ہو رہا تھا اس سے بے خبر تھے جبکہ میلکم مبارزالدولہ کے وہابیوں سے تعلق کی تفتیش میں لگا تھا۔ رزیڈنٹ نے اس وقت تک کوئی فیصلہ کن قدم نہ اٹھایا جب تک کہ مبارزالدولہ نے اپنے لئے ایک مہر تیار نہ کروائی جس پر "رئیس المسلمین" کا لقب کندہ تھا۔ رزیڈنٹ کو نامناسب لگا کہ نظام کو ان کے بھائی کے اس سازش میں نمایاں کردار سے لاعلم ہی رہنے دیا جاتا۔ جب نظام اور وزیراعظم کو رزیڈنٹ نے مبارزالدولہ کے مشاغل سے آگاہ کیا تو انھوں نے اسی سے مشورہ چاہا۔ رزیڈنٹ کا کہنا تھا کہ اولاً "مبارزالدولہ کے ہاں سے نئی مہر نیز وہ خطوط و کاغذات برآمد کروائے جائیں جو ان کے ہاں کئی ماہ سے آجا رہے تھے۔ وزیراعظم کی تجویز تھی کہ مبارزالدولہ کے محل کا محاصرہ کروالیا جائے تاکہ متعلقہ افراد بھاگنے نہ پائیں اور نظام کے چند افسر محل میں داخل ہو کر مطلوبہ مراسلے قبضے میں لے لیں۔ نظام نے محاصرے کی حد تک اتفاق کیا مگر کاغذات کی ضبطی کی کاروائی پر تیار نہ ہوئے کیونکہ انھیں خدشہ تھا کہ مبارزالدولہ مزاحمت کریں گے اور ان کی جان کو کہیں خطرہ نہ لاحق ہو جائے۔ بالآخر نظام کے کہنے پر ہی عمل کیا گیا، مبارزالدولہ قلعہ گول کنڈہ میں قید کر دیئے گئے اور ان کے خطرناک رفقاء کو بھی حراست میں لے لیا گیا۔ رزیڈنٹ فریزر کا اندازہ تھا کہ اس موقع پر ریاست میں بیس ہزار کے قریب وہابی موجود تھے۔

گورنر جنرل ہند لارڈ آکلینڈ نے نیلور کے گرفتار شدگان کے اظہارات اور حیدر آباد میں میلکم کے انکشافات ملاحظہ کر کے لکھا تھا (بحوالہ مورخہ ۱۸۳۹،۶،۲ نمبر ۱۳)۔ میں خارجہ و سیاسی محکموں کے معتمد میڈاک سے پوری طرح متفق ہوں کہ ان تحقیقات کو ہندوستان میں برطانوی اقتدار کو درپیش کسی عمومی سازش کے باور کرنے کے لئے کافی نہیں سمجھا جاسکتا۔ نیلور میں چند آدمیوں کی بڑھا چڑھا کر بیان کی ہوئی حکایات اور دوسری چھوٹی موٹی کہانیاں شاید ہی توجہ طلب ہوں۔ البتہ مقامی نوعیت کی سازشوں کی راست شہادت ملتی ہے۔ بعج حیدر آبادی اور جنوب کے دیگر مسلمانوں کے درمیان ملی جلی مذہبی و سیاسی نوعیت کے اثرات

Marfat.com

کے مالک ایک خاص اور پھیلتے ہوئے فرقے کی موجودگی کے۔ ان واقعات کے بڑے کرداروں کی محتاط نگرانی ہونی چاہیے اور باغیانہ یا مخالفانہ سے پرخطر رجحانات یا مظاہروں کا فوری اور سختی سے سدباب ہونا چاہیے۔ اس غرض سے اس فرقے کے بڑے لیڈر نواب مبارزالدولہ کے تعلق سے حیدر آباد میں متعینہ رزیڈنٹ کو مکمل اختیارات تفویض کردیئے گئے ہیں اور حکومت مدراس کو بھی نواب کرنول اور جاگیردار اودگیری کی طرف سے ناجائز اسلحہ کی ذخیرہ اندوزی اور بدعملیوں کی سزا کے لئے مطلوبہ اقدامات کا مجاز کردیا گیا ہے۔ میں ان لوگوں میں سے بہرحال نہیں ہوں جو یہ یقین رکھتے ہوں کہ ہندوستان میں برطانوی اقتدار اعلیٰ کے خلاف کوئی ملک گیر اور عملی تحرک موجود ہے۔"

جب فریزر کو اس سازش میں مبارزالدولہ کے ملوث ہونے کے ثبوت مل گئے تو اس نے نظام پر اس امر کی ضرورت جتلائی کہ اس ساری منصوبہ سازی میں حصہ لینے کی بناء پر پکڑے جانے والوں کے خلاف تفتیش کروائی جائے۔ وہ ایک ایسا تحقیقاتی ادارہ قائم کرنا چاہتا تھا جو کمپنی کی حکومت کے انگریز عہدہ داروں اور حیدر آباد کے مسلمان عمائد پر مشتمل ہوتا جس کی وجوہ اس کے نزدیک یہ تھیں۔ ایک تو یہی کہ وہ سب واقعات جو اس ادارے کے احاطہ اختیار میں آتے حیدر آباد میں رونما ہوئے' حیدر آباد کی ہی رعایا میں سے خود نظام کے بھائی اور ان کے رفقاء اس سازباز میں محرک تھے' نیز نظام انھی اسباب سے تفتیشی عمل میں اپنے عہدہ داروں کی عدم موجودگی پر معترض ہوتے۔ دیگر یہ کہ نہ صرف ریاست بلکہ ملک بھر کے مسلمان عوام ایسی یک طرفہ کاروائی کا اعتبار نہ کرتے جس میں صرف انگریز ہی حصہ لیتے۔

اس کمیشن کی تحقیق نے کپتان میلکم کی دریافت سے سامنے آنے والے حقایق کی توثیق کردی۔ یہ بھی عیاں ہوگیا کہ مبارزالدولہ نواب کرنول کے ساتھ گہری اور باغیانہ سازش میں ملوث تھے نیز نواب ٹونک و نواب رامپور سمیت دوسرے مسلمان شہزادوں اور زعیموں سے برطانوی حکومت کے تئیں مخالفانہ عزائم کے ساتھ مذاکرات جاری رکھے ہوئے تھے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ مبارزالدولہ وہابی مولویوں کی مدد سے جو سکندر آباد کی ہندوستانی رجمنٹ میں جایا کرتے تھے اور کبھی وہاں مقیم بھی رہتے تھے کمپنی کی حکومت کے مسلمان سپاہیوں کے وفا شعارانہ جذبات کو بھڑکایا کرتے تھے (بحوالہ ''میوایرز'' فریزر صفحات ۶۱'۶۲)۔

مبارزالدولہ اور ان کے وہابی ساتھیوں نے اس سازش میں جو کردار ادا کیا اس پر

Marfat.com

کمیشن کا فیصلہ یہ تھا۔ "مبارز الدولہ کے عزایم اور میلانات کی نوعیت اور وسعت اور ان پر عمل در آمد کے طریقے کے بارے میں قطعی نتیجے تک پہنچنا ہمارے سامنے موجود شہادتوں کی بنیاد پر بڑا مشکل معلوم ہو رہا ہے۔ دوران تفتیش جاگیردار اودگیری اور دوسروں کے ہمراہ ان کی مراسلتیں، کمپنی کی سپاہ کے درمیان بے اطمینانی پھیلانے کی ان کے آدمیوں کی کوششیں اور وہابیوں کی قیادت پر ان کی اثراندازی کی حرکتیں روشنی میں آئیں۔ موخرالذکر اس معنے میں کہ شہزادہ یقینی طور پر برطانوی حکومت کے مفادات کے خلاف راہنمایانہ کردار ادا کر رہا تھا اور متعلقہ منصوبوں پر عمل آوری کے لئے صرف وقت اور موقع کا انتظار ہو رہا تھا" (بحوالہ۔ مورخہ ۲۹ر۶ر۱۸۴۰ نمبر ۹۳ پیرا نمبر ۱۷۲)۔

کمیشن کے قیام سے قبل ہی فریزر خود اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا۔ "میرے خیال میں اگر بغاوت کا قطعی ثبوت ہاتھ نہ آسکا تب بھی یہ نتیجہ اخذ کرنے کی کافی وجوہ ہیں کہ برطانی حکومت کے خلاف وسیع پیانے پر بے اطمینانی کی کیفیت موجود رہی ہے۔ مبارز الدولہ اور دوسرے ملکی عمائید خطرناک سے منصوبوں میں مصروف رہے ہیں جو اگر ظاہر اور ثابت نہ ہوتے تو بے شک باغیانہ حرکتوں کے بعد جلد یا بدیر سامنے آتے، خاص کر اس صورت میں کہ ہماری افواج سندھ کے پار حالیہ حساس مہموں میں الجھی رہتیں۔ (مکتوب فریزر بنام معتمد حکومت ہند مورخہ ۲۸ مئی ۱۸۴۰ بحوالہ خفیہ کاغذات محکمہ سیاسی و خارجہ امور بابت ۲۹ر۶ر۱۸۴۰ نمبر ۹۲ پیرا نمبر ۶)۔

تفتیشی ادارے کی روداد حکومت ہند کو پیش کر کے فریزر نے سفارش کی کہ مبارز الدولہ اور ان کے حواری سرکاری قیدی بنا دیئے جائیں تا آں کہ ملک میں مکمل طور پر امن و امان کی بحالی اور بیرونی حملوں کے خدشے کے خاتمے پر حالات ان کی رہائی کی اجازت دیں (ایضا")۔ نظام نے مبارز الدولہ کو قلعہ گول کنڈہ بھجوادیا جہاں وہ اپنی موت تک مقید رہے جبکہ ان کے وہابی ساتھیوں میں سے بھی چند قید رکھے گئے" ("انڈین ہسٹری کانگریس" اجلاس نمبر ۱۹ آگرہ ۱۹۵۶ کی روداد کا حصہ "جدید ہندوستان" جزو ۳ صفحہ ۳۴۳/ ۳۵۳)۔

نینی گوپال چودھری نے اپنے جائزے کے حواشی میں کچھ خفیہ اعداد و شمار کا ایک جدول نقل کیا ہے جو نیلور میں گرفتار شدہ سکھ سے مجسٹریٹ اسٹون ہاوس نے برآمد کروایا تھا اور مصنف مقالہ کو محکمہ خارجہ و سیاسی امور کی فائل مورخہ ۱۲ر۶ر۱۸۳۹ نمبر ۱۵ ضمیمہ بی سے

Marfat.com

حاصل ہوا۔ بقول فاضل موصوف یہ خفیہ اعداد فارسی میں تحریر کئے ہوئے تھے اور اس کاغذ پر مجسٹریٹ نے دستخط ثبت کئے تھے۔ وہابی تحریک کے جدید محققین کے من جملہ صرف ڈاکٹر قیام الدین احمد نے نبی گوپال چودھری کی اس تحقیق سے فائدہ اٹھایا تھا مگر ترجمہ کتاب میں نہ تو یہ جدول نقل ہوا اور نہ ہی اس میں مستور مخصوص پیغام کے افشاء یا انکشاف کی کوئی کوشش انھوں نے کی' حالانکہ ان کو تحریکی امور پر مکمل اور وسیع دستگاہ حاصل تھی اور چند خفیہ اشارات کی جو مراسلتوں اور پیغام رسانی میں مستعمل رہے تشریح پروفیسر موصوف نے کی بھی۔ اس تعلق سے انھوں نے صرف یہ لکھا کہ "کچھ مرموز نقش جو حیدر آباد سازش کے مقدمے میں پکڑے گئے تھے ان کا حل ابھی باقی ہے" (صفحہ۱۹۱)۔ ظاہراً ان خفیہ ہندسوں یا عددوں میں محفوظ پیغام کو آج منکشف یا اس کے مفہوم کو بیان کرنا اس کی تشریح کے لئے مطلوبہ کلید یا CODE کے بغیر شاید ہی ممکن ہو۔ اس کے ایک معنی یہ بھی سمجھے جا سکتے ہیں کہ ابھی تحریک مجاہدین کے اولین اور متعاقب مراحل کے درون خانہ کئی ایک اسرار ظاہر نہیں ہوسکے ہیں۔ غرض یہ خفیہ جدول منقول ذیل ہے۔

۸۱۱۲۹	۱۲۹۱۲۱	۱۲۱۹۱۱	۲۱۲۹۲۱
۱۱۲۹۲	۱۱۲۹۲۲	۱۲۱۹۱۱	۱۱۲۹۲۱
۱۱۲۹۲	۱۱۲۹۱۱	۱۲۹۱۱۲	۱۲۹۱۱۲۱
۱۱۳۱۱۲	۱۱۲۱۳۱۱	۹۹۱۱۲۹	۱۲۹۲۱۱

انگریزوں کی حاکمانہ ذہنیت کا اجتماعی مظاہرہ

حیدر آباد کے مرکز سے جنوب کی سمت تحریک کے تنظیمی و اشاعتی ارتقاء کا یہ خلاصہ پروفیسر قیام الدین کے منقولہ ذیل بیان سے مکمل ہوتا ہے جو ان کی تحقیق کے باب ۵ کے ضمنی جزو (ب) موسومہ "وہابیوں کا ہندوستانی فوج میں تداخل" کی سرخی "دکن میں وہابیوں کی کارگزاری" پر مشتمل ہے۔ قبل ازیں "وہابی قایدین کا عسکری تدبر" پر ڈاکٹر قیام الدین احمد نے تحریر کیا ہے کہ "وہابیوں نے فوج میں گھس جانے کی چال بہت پہلے سے اختیار کرلی تھی اور فوجی ٹولیوں میں ان کی گڑبڑ کی کارروائیوں کے بہت سے تحریری واقعات موجود ہیں' ان سے ان کے طریقہ کار کا یکساں نمونہ صاف ظاہر ہے" (صفحہ ۱۹۷/۱۹۸)۔ پروفیسر صاحب نے اسی

Marfat.com

تسلسل میں اسٹون ہاؤس والے نیلور کے علاوہ ایک اور شہر ویلور میں ارکان تحریک کی مصروفیات پر روشنی ڈالی ہے' یہ دونوں شہر بالترتیب موجودہ صوبہ آندھرا پردیش کے "آندھرا" نامی علاقے اور تامل ناڈو نامی پرانے صوبہ مدراس کے ہی ہیں۔ ڈاکٹر قیام الدین احمد نے اس اقتباس کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے اور ان کے حواشی متن میں اضافہ کئے جا رہے ہیں۔

"دکن میں وہابیوں کی کارگزاری" کے عنوان کے تحت پروفیسر قیام الدین نے منکشف کیا ہے کہ "عجیب بات ہے کہ ہندوستانی فوج کی وفاداری کو متاثر کرنے کے لئے وہابیوں کے ہندوستانی فوج میں تداخل کا پہلا تحریری واقعہ جنوبی ہند سے متعلق ہے۔ ۱۸۳۹ء میں حیدر آباد سازش کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس سازش میں حکومت کی تفتیش کے دوران یہ انکشاف ہوا تھا کہ مدراس میں اور آگے دکن تک مختلف ملکی اور فوجی چھاؤنیوں میں وہابی کارندوں کا ایک وسیع جال مصروف کار تھا۔ (حاشیہ: اس زمانہ کا دستور تھا کہ رجمنٹ میں ایک مولوی اور پنڈت مقرر ہوتا۔ بعض دفعہ وہابیوں نے رجمنٹ کے مولویوں اور پنڈتوں کے ذریعے سے بھی کام لیا ہے۔) ویلور کی کمان کے مفتی ولی محمد اور عدالت کلکٹر کے صدر ہوب اللہ (؟) ایک فارسی اخبار "ستارہ" (؟) اخبار جو کلکتہ کا ایک شخص رجب علی طبع کرتا تھا کیا کرتے تھے۔ آخرالذکر شخص محمد علی رامپوری کا خلیفہ ہے (حاشیہ: ان کو سید احمد نے دکن میں کام کرنے کو بھیجا تھا) جو (یعنی رجب علی) اب سے پیشتر علاقہ کرناٹک میں اپنی باغیانہ جدوجہد کے سبب سے مدراس سے نکال دیا گیا تھا۔ اس اخبار نے دوست محمد (یعنی والئی افغانستان) اور انگریزون کے درمیان ہونے والی جنگ کو نمایاں کیا ہے' اور پیش گوئی کی ہے کہ دوست محمد جلد ہی انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کردے گا۔ مولوی مودین (یعنی محی الدین کا دکنی تلفظ) مسجد نزد قلعہ کا بڑا مولوی اور مولوی محمد علی رامپوری موصوف الصدر کے دوسرے معتقدین مغرب کی نماز کے بعد مجمع میں وعظ کہتے اور جہاد کی تبلیغ کرتے ہیں۔ شہر کی دوسری مساجد مسجد قلعہ سی اسٹریٹ مسجد اور پران صاحب کی مسجد میں اسی قسم کی تقریریں ہوتی ہیں۔ آخرالذکر مسجد کا پیش امام فوج سے خارج کیا ہوا سپاہی ہے۔ بعد کی ایک چٹھی مورخہ ۱۵ر جون ۱۸۳۹ء میں ویلور کے کمان افسر نے حکومت مدراس کو ایک گودا میاں کے بارے میں خبر دی ہے جو پلاوم کے سپاہیوں کو لیکچر دیا کرتا تھا اور شطرنج کھیلنے کے بہانے سے اکثر افسروں کی کوٹھیوں پر حاضر رہتا۔ اس نے ایک شخص موسوم بہ "بڑا صاحب" کی طرف سے ایک رسالہ کی اشاعت کی خبر بھی

Marfat.com

دی جس میں باغیانہ مضامین درج ہیں (حاشیہ: ولایت علی کو رفقاء کے حلقے اور مراسلات میں "بڑے حضرت" سے خطاب کیا جاتا تھا)۔ افسر نے ایک اور چٹھی مورخہ ۱۰ر جون ۱۸۳۹ میں حکومت مدراس کو موصوف الصدر محمد علی کے حلیفوں اور ایجنٹوں کی فہرست بھیجی جو دکن میں مختلف ملکی اور فوجی چھاؤنیوں میں کام کرتے تھے" (صفحہ ۱۹۸۔۱۹۹)۔

وہابی تحریک ۱۸۳۸ کے خلاصے کے بعد اس کے پہلو بہ پہلو انگریزوں کے ان خفیہ اور اعلانیہ مزعومات پر ایک نگاہ ضروری ہے، جن کا علم تحقیقاتی کمیشن کی کاروائیوں سے متعلقہ مراسلت کے وسیلے سے ہوتا ہے۔ "فریڈم اسٹرگل" میں رزیڈنٹ کی خفیہ خط و کتابت کے جو متون اقتباس کئے گئے ہیں ان سے ایسی بہت سی معلومات ملتی ہیں جن کا جاننا تحریکات آزادی کے مورخین اور مبصرین کے لئے بڑا مفید اور بہت ضروری ہے تاکہ اس سلسلہ عمل کے موثرات و مضمرات کا صحیح تر اندازہ ہو۔ رزیڈنٹ کے مشاہدے کو ایک فرد کے ذاتی خیال یا میلان طبع پر محمول کرنا بھی غلط ہوگا کیونکہ ان الفاظ سے جو ذہنیت بے نقاب ہوتی ہے معدودے چند مستثنیات کے سوا کمپنی کی حکومت کے انگریز کلرک سے لے کر گورنر جنرل تک تمام غاصبوں کی مشترکہ فکر کی آئینہ دار ہے۔ بڑی تعداد میں اتنے بہت سے دماغ انہی خطوط پر سوچ رہے تھے اور عمل پیرا بھی تھے، کمپنی کی حکومت کا ادنیٰ اور اعلیٰ ایک ایک فرد و بشر خود کو تاج برطانیہ کا نمایندہ اور سپاہی سمجھتا تھا اور اسی ذہن کے ساتھ اپنا کام کرتا تھا۔ ذیل کے اظہارات میں مسلمانوں پر جو خصوصی نقطہ نظر منکشف ہوتا ہے اسی کو کسی نہ کسی حد تک عمومی سطح پر پورے ہی برصغیر سے متعلقہ حکمت عملی میں جاری و ساری دیکھا جا سکتا ہے کیونکہ خواہ اکثریتی طبقے کا نام نہ لیا گیا ہو استبداد کا نشانہ تو بھی رہے۔

رزیڈنٹ فریزر کے ذاتی خبث باطن سے لے کر اقصائے ہند پر قابض و مقتدر انگریزوں کی اجتماعی ذہنیت منقولہ ذیل اقتباسات میں منعکس ہے جن میں بطور خاص مسلمانوں کے خیالات سے لے کر عقاید و اعمال تک کو انگریزوں کے حق میں جفاشعارانہ ہی نہیں مجنونانہ گردانا ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ ہندوستان پر انگریزوں کے غاصبانہ و بالجبر قبضے کی دو سو سالہ تاریخ کے پس پشت کارفرما اصل عامل و محرک ایک یہی زاویہ فکر تھا کہ دیسی باشندے ان کے غلام ہیں اور وہ ان کے آقا۔ ہندوستان کی مختلف بندرگاہوں سے یہ لوگ تجار کے بطور جب سترھویں صدی میں داخل ہونا شروع ہوئے تو ان کے گروہوں کا اول و آخر مقصود اپنے

Marfat.com

جہازوں کو مال تجارت سے لدوانا ہی تھا۔ شاہ جہاں کی مضبوط حکومت میں خوشحالی کا دور دورہ تھا اور اس کے دربار میں حاضر ہونے والے انگریزوں نے تجارتی کوٹھیوں کے ہی لئے زمین کے حصول کی درخواست پیش کی تھی۔ عہد عالم گیری کے نصف آخر میں اندرون ملک کی صورتحال جو جنگ و جدل کا نقشہ کھینچ رہی تھی عن قریب رونما ہونے والی طوایف الملوکی کے صاف اشارے دینے لگی تھی اور آخری شہنشاہ ہند کی آنکھیں بند ہوتے ہی اس کے بیٹوں کی زبردست باہمی آویزش سے یہ لاوا پھوٹ پڑا۔ ان دنوں موجود اور نئے آنے والے انگریزوں اور دوسرے یورپیوں نے بھی انتشار کی اس ملک گیر حالت میں اپنی کوٹھیوں کے اردگرد کے چھوٹے موٹے رجواڑوں سے لے کر نئی ابھرنے والی چھوٹی بڑی وحدتوں تک سبھی کو جس للچائی ہوئی نگاہ سے دیکھا وہ ان لوگوں کی مجموعی و مشترکہ نظر تھی اور اجتماعی ذہن اسی احساس کا حامل۔ اورنگ زیب کے انتقال ۱۷۰۷ء کے بعد صرف پچاس سال کے اندر انھوں نے علی وردی خان کی نیم خودمختار مملکت کے وارث و سربراہ سراج الدولہ اور اسی صدی کے اخیر تک سلطنت خداداد میسور کے حکمراں ٹیپو سلطانؒ کو شہید نیز حیدر آباد کی آصفی ریاست کو سخت نامعقول مستبدانہ معاہدوں کے جال میں جکڑ کر عملاً پورے ہندوستان پر غلبہ کمل اور قبضہ مستحکم کرلیا۔ اس کے ساتھ کمپنی کی حکومت انگریزوں کی ذہنی و فکری اجتماعیت کی پوری طرح نمائندہ اور آئینہ دار ہوگئی اور اسی ایک بنیاد پر ان کے ایک ایک دفتری اور سپاہی سے لے کر گورنر جنرل ہند تک کو صحیح معنوں میں وہ "بنیان مرصوص" بنتے ہوئے ذرا سی دیر نہ لگی جس کی حسرت ہم لوگ صدیوں سے کرتے چلے آرہے ہیں اور بن نہیں پاتے۔ اپنے مجموعی قومی مفادات کے خلاف موجود ایک ایک عنصر کے بالمحاذی سیسہ پلائی ہوئی دیوار جس ذہنیت کے ساتھ وہ بنے رہتے تھے وہ نرا مالکانہ دماغ تھا، چنانچہ وہ خود کو آقا اور مقامی اہل ملک کو غلام سمجھتے تھے۔ انگریزوں کے ایک ایک فرد و بشر کی ہر حرکت کو صرف اور صرف اسی ایک زاویے سے پرکھا جاسکتا ہے اور اسی لحاظ سے ذیل کی عبارات ملاحظہ کی جائیں۔

"فریڈم اسٹرگل" کے قابل مولفین نے تفتیشی کمیشن کی روداد کی ترتیب سے قبل رزیڈنٹ فریزر کی مراسلت کے چند اجزاء اقتباس کرتے ہوئے جو پیراگراف پیش کئے ہیں یہاں ان کے من جملہ صرف تین اصل الفاظ میں منقول ہیں۔

"The following remarks culled out from the correspondence

Marfat.com

are very significant and may be quoted down verbatim.

15. I apprehend that disaffection to our Government prevails to a considerable extent among the Mahometans of India and that pains have been taken to introduce it into our Army, more especially perhaps among the sepoys of the Madras establishment.

16. This affection is derived from no accidental or transitory cause, nor is it inspired by means that may exist today, but for which no ground may be found on the morrow. The sources of the evil apprehend are more deeply roooted; and the seeds of disloyalty and dislike to the British Government are sown in the heart of the Mahometans and nurtured by fanaticism and the sedulous inculculation of an intolerant religion, are more likely to receive added strength and extention, than to be weakend by the lapse of time

17. Many years must pass away before the Mahometan character is changed, and the professors of this faith become quiet and orderly subjects."

فریزر کی قسمت میں بھی اپنے آخرالذکر الفاظ کا حشر دیکھنا لکھا تھا چنانچہ ان کے ضبط تحریر میں آنے کے صرف بیس برس کے ہی اندر اندر کمپنی کی حکومت کی یہ نافرمان و غیروفادار رعیت اپنے دوسرے ہم وطنوں کے ساتھ اس کے دیو استبداد کو فنا کرنے کیلئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ۱۸۵۷ کی وسیع اور منظم کل ہند تحریک کے نتیجے میں آزادی کامل نہ سہی کمپنی کی حکومت سے نجات تو حاصل ہو کر رہی نیز عظیم اللہ خان اور نانا صاحب وغیرہم کے مشترکہ جہاد حریت کا فیضان بعد کی نسلوں کو منتقل ہوا، جنھوں نے نئی جدوجہد کی راہیں تلاش بھی کیں استوار بھی اور نشان منزل از سرنو متعین کرکے آزادی کے قافلے کو اس پر گامزن کیا۔ منشی عظیم اللہ خان کان پوری ملک کے کونے کونے کے قائدین کو مجتمع کرنے اور ان میں اتحاد و اشتراک عمل کی روح پھونکنے میں جس طرح کامیاب رہے وہ یقیناً انقلاب آفریں اور عہد ساز تاریخی کارنامہ

Marfat.com

تھا۔ چھوٹے پیانے پر اور محدود نقطہ نگاہ سے اس منفقہ جہاد کی بنیادیں تحریک مجاہدین کے دوسرے مرحلے کی قیادت نے ہی رکھی تھیں مگر حالات زمانہ اور مستبد غیر ملکی حکمرانوں کے مجموعی مزاج کا جو ادراک عظیم اللہ خاں کو حاصل تھا اس سے ۱۸۵۷ کی پیشرو نیم انقلابی تحریکوں کے قائدین متصف نہیں تھے۔ ان کے من جملہ مبارزالدولہ بھی کوئی استثنا نہیں تھے کیونکہ وہ تحریکوں کے نہیں صرف سیاسی ہیجانات کے بنیاد گزار تھے۔ گو تحریک مجاہدین کے دامان سیاست کی پناہ میں آنے کے بعد ان کے مقاصد اور احاطہ نظر میں وسعت پیدا ہوئی اور وہ اپنی ذہنی سطح و استعداد میں بلند تر ہو سکے' اور محدود سوچوں کے خول کو توڑ کر باہر نکل آنا تو خیر نہیں اس سے جھانکنا ان کے لئے ضرور کچھ نہ کچھ ممکن ہوا۔

تحریک مجاہدین کے وسیع ارتقائی اثرات اور اس کے سیاسی عواقب کے قطع نظر جن کی تفصیل کم از کم ایک اور طویل تر باب کا مضمون ہے نفس موضوع شخصیت کے خاص حوالے سے دیکھئے تو ان کے امیج کی بہتری میں اس کا حصہ غیر معمولی ہے۔ تحریکی مورخین کے من جملہ مولانا غلام رسول مہر اور پروفیسر قیام الدین احمد نیز دوسرے مبصرین میں نیتی گوپال چودھری مبارزالدولہ کے اس میں حصے سے ہی واقف اور اس کے بے حد قائل ہیں۔ ان حضرات کے علاوہ مبارزالدولہ کے حامی سوانح و تجزیہ نگار افاضل کو حقیقتاً وہابی تحریک میں مبارزالدولہ کے کردار نے جتنا اور جیسا کچھ بھی وہ تھا ان کی سیاسی زندگانی کا رخ روشن فراہم کر دیا ہے۔ البتہ وسائل کی دستیابی کے باوجود ان مبصرین نے ۱۸۱۵ کی پس منظری تفصیلوں کو قلم زد اور خاص کر ۱۸۲۹ کی متصل شورش تنخواہ و خزانہ کو قلم انداز کرنا بدرجہا مناسب خیال فرمایا۔ اس طرح مبارزالدولہ کے جدید سوانح نگار طبقے کو تحریک مجاہدین کے وسیع میدان میں مبارزالدولہ کی تگ و تاز کو جاودانہ سمجھنے کا کھلا موقع اور باور کرانے کا تاریخی جواز ہاتھ آگیا جس کا ممکنہ بلکہ بیش از بیش فائدہ انھوں نے اٹھایا۔ اس میں بھی شک نہیں کہ مبارزالدولہ کو مجاہد حریت اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ کے پیشرو قائدین میں سے ایک مقامی طور پر اور محدود معنے میں سہی کسی نہ کسی لحاظ سے ہوش مند فرد ثابت کرنے کے لئے حیدر آباد کی وہابی تحریک میں ان کی خواہ کسی درجے کی ہو شرکت ہی بڑے اور قوی استدلال کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کے بغیر ان کا ذاتی مزاج گذشتہ واقعات کی بناء پر آزادی کے سابقون الاولون مجاہدوں میں ان کے نام کے شمول میں مزاحم دکھائی دیتا ہے جبکہ تحریک مجاہدین کے ساتھ بریکٹ کرنے سے مبارزالدولہ کا

Marfat.com

امیج اور کردار و مقام حرف معتبر کی صورت اختیار کرسکتا ہے۔ یوں وہابی تحریک آج مبارزالدولہ کی شخصیت یا سوانح کی ایک تاریخی ضرورت بھی بن گئی ہے اور گستاخی معاف یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے خود مبارزالدولہ نے اپنی اغرض کے لئے تحریک کو استعمال کیا اور اپنے مفادات کی تحریکی مقاصد میں صورت گری کی کوششیں کیں۔ ادھر یہ اتفاق بھی کچھ کم عجیب نہیں کہ وہابی تحریک ۱۸۳۸ کی قیادت میں سے مبارزالدولہ کو اگر منہا کردیا جائے تو نظر بظاہر حیدر آباد کے خاکدان سے کوئی اور شخصیت ایسی ابھرتی دکھائی نہیں دے گی کیونکہ وہاں اس کی بنیادیں رکھنے والے قائدین مولانا ولایت علی اور مولوی محمد سلیم نے شمال سے آکر یہ خدمت سرانجام دی تھی۔ راقم سطور ہذا کے نانا حضرت مولانا فضل حق کے دادا مولانا کرامت علی کا اس تحریکی عمل میں کیا حصہ اور کیا درجہ رہا ہوگا اس بدنام کنندہ نکونامے چند کی اپنی شومی قسمت کہ اس کی تحقیق کی سعادت سے تاحال محروم محض ہے جس کا واقعی اور دلی تاسف ہے۔

"فریڈم اسٹرگل" کے فائق مرتبین کے تجزیے کی رو سے (صفحہ ۱۷۶، ۱۷۷) "جدوجہد آزادی کی تاریخ میں حیدر آباد کی وہابی سازش ایک اہم سنگ میل کا سا مرتبہ رکھتی ہے۔ یہ کہ یہ سید احمد کے معتقدین کی وسیع و عریض اور کل ہند باغیانہ سازش کا حصہ تھی اس زمانہ کی تاریخ کے طالب علموں پر آشکارا ہے۔ مبارزالدولہ کے انجام نے حیدر آباد میں جو عمومی ہمدردی پیدا کردی تھی اس سے عیاں ہے کہ ان دنوں دکن میں انگریزوں کے خلاف عوامی جذبات کتنے گہرے تھے۔ نظام اور ان کے وزراء انگریزوں کے پوری طرح مطیع فرمان تھے اور مبارزالدولہ انگریزوں کے تئیں مخالفانہ جذبات کی بناء پر ان لوگوں کے لئے مرکز توجہ بن گئے جو ایسی باغیانہ منصوبہ سازی کررہے تھے۔ ۱۸۰۰ تا ۱۸۵۷ کے درمیان کی حیدر آباد کی تاریخ میں راجا مہی پت رام اور مبارزالدولہ کے نام ملک گیر جدوجہد آزادی میں نمایاں رہیں گے"۔ انگریز دشمن مبارزالدولہ کی جانب سے ۱۸۲۹ اور علی الخصوص ۱۸۳۹ کی اسارت میں بغرض رہائی انگریز پرستی کے مظاہرے کی خاصی تفصیلی اسی تاریخ "فریڈم اسٹرگل ان حیدر آباد" میں جمع شدہ ہیں۔ اس کرداری کمزوری اور تضاد کی کیفیت اس مقام پر بلا تبصرہ رہ گئی ہے!

حیدر آباد میں تحریک مجاہدین کے فوری و مابعد اثرات خواہ راست نہ سہی بالواسطہ

Marfat.com

پڑے ہوں ظاہر ہوتے رہے۔ ریاست کے کنڑی بولنے والے تین اضلاع میں سے ایک رائچور میں ۱۸۴۱ میں عرب نژاد اور براہمن افراد نے مل جل کر انگریزوں کے خلاف محاذ آرائی شروع کی اور ان کے علاقوں پر بھی حملہ آور ہونے لگے۔ "فریڈم اسٹرگل" میں اس پر باب نمبر۱۳ اور باب نمبر۱۴ سکندر آباد کی سبسیڈری سپاہ کی ۱۸۴۳ کی بغاوت سے لے کر ۱۸۵۷ تک کے کئی مخالفانہ واقعات میں اس فوج کے استعمال کی تفصیل پر اضافہ کیا گیا ہے۔ ۱۸۵۱ کی اورنگ آباد میں متعینہ کنٹنجنٹ کے واقعات اور ۱۸۵۵ میں سکندر آباد کے نزدیک بلارم میں حیدر آباد کنٹنجنٹ کی بغاوت پر بھی دو ابواب اس محققانہ تاریخ میں شامل ہیں۔ چھوٹے پیمانے پر سہی ۱۸۵۷ تک سلسلہ مختلف اطراف میں جاری رہا جس کی کیفیات زیر احاطہ موضوع سے بالراست متعلق نہیں ہیں۔

مرگ آشفتہ سر : افتاد طبع سے عجز طبیعت تک

مبارز الدولہ کی آشفتہ سری کہیے یا افتاد طبیعت "جنگ مبارز الدولہ" ۱۸۱۵ کے بعد کے دونوں واقعات میں جو طویل وقفوں سے ان کی زندگی میں حادث ہوئے ایک خاص حد سے آگے بڑھنے میں ناکام رہی اور ان کا عجز طبع ان موقعوں پر اس کے آڑے آیا۔ دوسرے لفظوں میں شورش ہائے خزانہ ۱۸۲۹ اور وہابی تحریک ۱۸۳۸ کے حوادث کے ایک حد یا انتہا کو پہنچنے پر مبارز الدولہ کی روشنی طبع کی قندیلیں بجھنے لگیں۔ پھر انھوں نے ان مواقع پر اپنی شوریدہ سری کے منہ زور گھوڑے کو خود ہی لگام دی اور وہ قیود یا پابندیاں قبول کرلیں جو نظام وقت اور ان کے بڑے بھائی نے ان پر عائد کیں۔ اس میں کسی نہ کسی طور ان حالات کا حصہ ہو گا جو ۱۸۱۵ کی ان کی اولین شوریدہ مزاجی اور ان کے والد کی سخت گیری کا مجموعی نتیجہ یا اثر تھے۔ تاہم مبارز الدولہ کے جوہر طبع کے بے طرح زیاں یا ان کی بے عملی و بے توفیقی کے کئی اور محرکات ان کی محلاتی زندگی سے لے کر ماضی قریب کی تاریخ تک میں ملتے ہیں جن پر پس منظری معروضوں میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اس خیال کو تحریک دینے کی ہی نہیں تقویت بہم پہنچانے کی بھی خاصی وجوہ ہیں کہ قید و بند اور پابندیوں کی اس عادت کے علاوہ جو مبارز الدولہ کے والد نے انھیں ڈال دی تھی یہ تاریخی عوامل بھی ان کے مزعومات کی عین آزمائش کے مراحل پر ان کے عجز طبیعت کا بھاری بھرکم حصہ بن کر عملاً ان کے خروج کے سد راہ ہوتے

Marfat.com

تھے۔ بالکل اسی طرح باقاعدہ منصوبہ بندی سے مگر بے تدبیری کے نمونے کے طور پر تین مرتبہ رونما ہونے والی انقلابی تو خیر نہیں محض جنگی اور ہیجانی صورت حال اور اس کی پس پشت مبارزالدولہ کی فکر اور ذہنیت کا تسلسل ماضیٔ قریب کے اسباب و علل سے قرار واقعی محسوس ہوتا ہے' یعنی ہرچند اس کا کوئی دستاویزی ثبوت متعدد دیگر امور کی طرح نہ تو موجود ہے اور نہ ہی ممکن انھیں آپس میں ہم رشتہ کرنے کی قابل فہم وجوہ ہیں۔

سکندر جاہ نے اپنے والد آصف جاہ ثانی نظام علی خاں کا جانشین اور تیسرا نظام بننے سے پہلے پہلے خاصی بھرپور عملی زندگی گزاری تھی۔ والد کی طرف سے ان کے بڑے بھائی اور حکمران وقت صلابت جنگ کی معزولی کا معرکہ اور پراسرار تاریخی ہلاکت کا واقعہ تو ان کا شنیدہ تھا مگر والد کے خلاف بڑے بھائی اور ولی عہد عالی جاہ کی سرکشی کا فتنہ انھوں نے دیکھا تھا اور ان دونوں حوادث سے ریاست کی اندرونی سطح پر اقتدار کی جنگ کا مشاہدہ و تجزیہ انگیز کیا۔ اہم تر یہ کہ داخلی مخالفتوں سے نمٹنا ہی انھوں نے نہیں سیکھا بلکہ سلطنت پر حملہ آور پڑوسی افواج کے من جملہ میسور سے جنگوں میں بھی سکندر جاہ نے بڑا کردار ادا کیا جن میں سے آخری لڑائی سلطان ٹیپو کی شہادت اور سرنگا پٹم کی تسخیر پر منتج ہوئی۔ "جنگ مبارزالدولہ" ۱۸۱۵ سکندر جاہ کے تجزیے کے آگے کسی لحاظ سے محاربہ کی حیثیت کی حامل نہیں تھی اور بیٹے کی نالائقی کی حرکتوں یا بہت سے بہت معمولی سی سرکشی سے زیادہ نہیں تھی۔ رزیڈنٹ اپنی سپاہ سے مبارزالدولہ کے محل پر بعجلت تمام حملہ نہ کروا بیٹھتا تو یہ امر بالکل یقینی تھا کہ سکندر جاہ تعمیل احکام کے لئے مبارزالدولہ سے کسی رو رعایت کے ہرگز روادار نہ ہوتے' چاہے مبارزالدولہ کی اس وقت کی حرکتیں باقاعدہ باغیانہ انداز ہی اختیار کرلیتیں۔ اس صورت میں خود مبارزالدولہ میدان جنگ کجا دارالحکومت کے قلب میں عوامی حمایت اور نیم مسلح حواریوں کی کثیر تعداد میں برسر موقع موجودگی کے باوجود ریاستی افواج کے مقابلے کے کسی طور متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔ حکومتی فوج کی برتری اور مبارزالدولہ کی جمعیت کی بہرطور کمتری کی تشریح وجہ طوالت ہوگی مگر یہ تفصیل محتاج بیان بھی نہیں ہے کہ آصفی افواج کو خود سکندر جاہ کے فعال حربی تجربوں کی پشت پناہی حاصل تھی۔

مبارزالدولہ کے ناگاہ خروج نے سکندر جاہ کے دل و دماغ میں ان ناگزیر شکوک کو تحریک اور تقویت بھی لازماً دی ہوگی کہ کہیں عالی جاہ کی آصف جاہ ثانی کے خلاف بغاوت کی

Marfat.com

طرح مبارزالدولہ آئندہ خود ان کے لئے کوئی اور بڑی مصیبت کھڑی نہ کردیں یا یہ کہ ولی عہد ناصرالدولہ کی سربراہی کے زمانے میں ان کے لئے ہی سہی خطرات کی علامت نہ بن جائیں۔ انھی شبہات کے زیر اثر سکندر جاہ پہلے تو ۱۸۲۰ میں بیٹے کی رہائی کے ہی خلاف تھے اور اس کی وجہ انگریز کا ڈر نہیں بلکہ ان کی اپنی ذاتی اور حکومتی یا سیاسی مصلحت اندیشی تھی۔ پھر مبارزالدولہ کو قلعے سے واپسی کے بعد سکندر جاہ نے اپنے مرنے تک نو برس کڑی پابندیوں میں رکھا اور اس سخت گیری کے ہی باعث والد کی حیات میں وہ سر اٹھانے کے قابل کبھی نہ ہوسکے۔ وہ تو سکندر جاہ کی موت اور تخت نشینی کے بعد کی ناصرالدولہ کی برادرانہ نرم خوی ان دونوں عوامل نے مل کر مبارزالدولہ کی ہمت بندھائی اور نیا حوصلہ پاکر انھوں نے ۱۸۲۹ میں ہی ہنگامہ عروب و افاغنہ برپا کروایا۔

سکندر جاہ کے سابقہ کردار کی بناء پر جو انھوں نے شہزادگی اور بڑے بھائی عالی جاہ کی سرکشی کے بعد وفات کی وجہ سے ولی عہدی کی حیثیت میں سلطنت آصفیہ کی تاریخ کے اوراق پر ثبت کیا ان کو نہ تو کوئی کمزور حکمران سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی انگریزوں سے خائف۔ خاص کر مبارزالدولہ کے تعلق سے ان کے دو اقدامات کے پیچھے یعنی رزیڈنٹ رسل کو امرائے دربار کے تعرض کو نظرانداز کرکے مبارزالدولہ کے خلاف ۱۸۱۵ کی کاروائی کی اجازت دینے اور ۱۸۲۰ میں مبارزالدولہ کی رہائی کی اجازت نہیں دینے ہردو میں سکندر جاہ کے حکومتی اور ذاتی مصالح تھے نہ کہ انگریز کا اثر یا دباؤ یا خوف۔ اول الذکر موقع پر بالفرض اگر رسل کو وہ اجازت نہ دیتے تب بھی وہ لمحہ دور ہی نہ تھا جب سکندر جاہ خود مبارزالدولہ کے محل پر فوج کشی کا حکم دیتے کیونکہ اس کی مثال نہ صرف تاریخ میں بلکہ خود خانوادہ میں اور ان کی اپنی آنکھوں کے سامنے رونما ہوچکی تھی جب ان کے والد نے ولی عہد وقت کی سرکشی کے خلاف بلا تاخیر تادیبی کاروائی کی تھی۔ مبارزالدولہ کی رہائی کے مرحلے پر سکندر جاہ کے تذبذب کا اصل محرک نئے رزیڈنٹ کی آمد کے بعد اس کی ممکنہ یا مفروضہ خفگی کا خدشہ نہیں تھا اور سکندر جاہ کی اپنی ناراضی یا مبارزالدولہ کی قلعے سے واپسی پر عدم آمادگی کے اصل اسباب رہائی کے معاً بعد ان پر عائد سخت پابندیوں کی صورت میں واضح تر ہوگئے۔

مبارزالدولہ ازاں بعد ۱۸۲۹ میں والد کی موت تک عملاً قید و بند کی حالت میں نہ سہی اپنے پر عائد کردہ نگرانی میں رہنے پر مجبور تھے لیکن بڑے بھائی کے تخت نشین ہونے پر نرمی اور

Marfat.com

مروت کے رویے نے انھیں اپنے اطراف کے پرانے آدمیوں کو اکٹھا کرنے کا موقع دیا۔ اس مرحلہ زندگی میں بھی بے تدبیری اور محبت نا جنس نے انہیں یہ توفیق نہ ہونے دی کہ نظام حکومت کے اہم ستون کی حیثیت میں سنجیدہ ارباب علم و فضل اور مدبر امراء پر مشتمل ایک شایان شان دربار ترتیب دیتے جو ان کے مرتبے کا مصداق بھی ہوتا اور رسوخ میں اضافے کا موجب بھی۔ معاً بعد تن خواہوں کی عدم ادائیگی کے معاملے کو انھوں نے مسئلے کی اور پھر اپنے حواریوں کی مسلح حرکتوں کے وسیلے سے مسئلے کو پیچیدگی کی شکل بھی تیزی سے دے دی۔ مبارزالدولہ نے اپنے آدمیوں کی شہ پر یا مبارزالدولہ کی سرپرستی میں انکے متوسلین نے ہنگامہ آرائی کا جو سلسلہ شروع کیا یا کروایا اس کی منقولہ جزئیات سے اس کے عواقب سامنے آچکے ہیں۔ اس ضمن میں ماخوذ ہونے کے بعد مبارزالدولہ نے جس طرح قلعے کے اندر نئی کاروائی شروع کردی حتیٰ کہ شہر سے ہزارہا آدمی بلا کر قلعے میں مجتمع کرلئے وہ بھی ناصرالدولہ کی طرف سے عملی نرمی کا نتیجہ تھا جسکے بغیر اتنا بڑا واقعہ نمودار نہ ہوتا۔ ہنگامہ پروری و محاذ آرائی کے انھی نئے متصل معرکوں نے مبارزالدولہ کے صرف مقدر پر ہی نہیں انکے سیاسی کردار پر بھی مہرلگادی کیونکہ پندرہ برس پہلے کی "جنگ مبارزالدولہ" کی طرح یہ جدوجہد بھی بڑی حد تک بے مقصد اور لاحاصل ہی نہیں تھی بلکہ سخت محدود و خودغرضانہ نوعیت کی بھی حامل تھ۔ 1815 میں تو مبارزالدولہ کو انگریزی فوج کے ان پر حملہ آور ہونے کا فائدہ حاصل تھا مگر ۱۸۲۹ کے تصادم میں وہ براہ راست اور بے دھڑک اپنے بھائی کی نئی حکومت کے ہی مدمقابل ہوگئے اور بغیر کسی اعلیٰ مقصود یا نصب العین کے۔ زیادہ سے زیادہ معاملے کا صرف یہ رخ قابل فہم معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر انھوں نے اپنے دادا میرنظام علی خان آصف جاہ ثانی کی سی نیت اختیار کرکے انھی کی مثال پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کی جو کچھ نہ کچھ منصوبہ سازی کے باوجود بے تدبیری کا بری طرح شکار رہی۔ انکے حامی و ناصر طبقات کے افراد چوں کہ انھی کے پروردہ متوسلین اور حواریوں پر مشتمل تھے نہ کہ امرائے دربار یا سیاسی مدبرین کے گروہوں پر' ان کی سازش کامیاب اور دادا کی طرح بھائی کو معزول کرنے کی حسرت پوری نہ ہوسکی۔

تاہم اس تعلق سے مبارزالدولہ کے ذہن و فکر کا نشوونما اور مزعومات کا ارتقاء وہابی تحریک ۱۸۳۸ کی حمایت میں صورت پذیر ہوا جبکہ ۱۸۲۹ کے دو گوشہ واقعات میں ان کے منشاء و مقاصد کی محدودیت آشکار ہوئی جس نے ان کے تاریخی کردار کا فیصلہ بھی کردیا۔ جو کچھ عوامی

Marfat.com

مقبولیت سابقہ اور نئی نظربندی کے دوران حاصل ہو سکی ان کی قسمت کا رائیگاں تبسم بن کر رہ گئی کیونکہ ارفع نصب العین کی عدم موجودگی سے وہ اپنی اس عام مقبولیت کو کسی صحیح تر سمت میں متحرک کرنا کجا اس سے کوئی کام ہی نہیں لے سکتے تھے کہ ان کے مطلوبات کا نہ تو قبلہ ہی درست تھا نہ ان کی محدود اور کمتر درجے کی اغراض پر عوام قربان ہونے کو تیار ہوتے۔ مولانا نصیرالدین ہاشمی صاحب کا یہ فرمودہ کچھ کم حیران کن نہیں ہے کہ انگریز رزیڈنٹ ان کی تاک میں ہی تھا جس نے گرفتار و قید کروادیا کیونکہ پابندیوں سے نکلتے ہی مبارزالدولہ کے نئے پرانے آدمیوں کی وارداتوں کا سلسلہ کسی طرح انگریزوں کے نہیں بلکہ صرف شہریوں اور نئی انتظامیہ کے افراد کے خلاف برپا ہوا۔ اور پھر تن خواہ کے تنازعے پر اس کی صورت باقاعدہ اور کھلے عام معرکوں کی ہوگئی جو صرف جاری ہی نہیں رہے بلکہ بڑھ پھیل کر امن و امان کا سنگین مسئلہ بن گئے۔ یہ قضیہ مبارزالدولہ کا ہی شروع کروایا ہوا تھا اور اسی کی پاداش میں وہ اسیر ہوئے نہ کہ انگریز دشمنی کے کسی گراں قدر اور تاریخی حیثیت کے مالک کارنامے کی بناء پر یا انگریزوں کی ناراضی کے خدشات کے تحت۔

اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر چارا نہیں ہے کہ "جنگ مبارزالدولہ" ۱۸۱۵ والی نوجوانی کی بے خوفی اور آہنی جواں مرداں قسم کی بے باکی اسارت اور یا بعد کی سختی کے ہاتھوں اپنی بے پناہ لامحدودیت سے یکسر محروم ہو چکی تھی اور گھٹ کر ایک چھوٹے اور تنگ دائرے میں مقید ہو گئی تھی۔ دراں حالیکہ اس موقع کے علاوہ شورش خزانہ ۱۸۲۹ والی نظربندی بھی مبارزالدولہ کے حق میں ہر طرح کی صعوبتوں سے محفوظ ترین اور صحیح معنوں میں بغرض سیروشکار ہی ثابت ہوئی تھی جیسا کہ دونوں وقتوں کی طے شدہ سرکاری درباری حکمت عملی سے لے کر مبارزالدولہ کی اندرون قلعہ کی مشغولیات کی جھلکیوں سے معلوم ہوتا ہے۔ مبارزالدولہ دونوں مواقع پر نہ تو جیل گئے نہ قید تنہائی یا محبوس حالت میں رہے بلکہ لاؤلشکر نیز اہل خانہ اور خدام کے ساتھ قلعے میں منتقل ہو کر ضروری آسائشوں کے ساتھ مقیم رہے۔ انھیں کسی حد تک صرف آزادی اور اپنی مخصوص آزادانہ حرکتوں کی قربانی دینی پڑی جبکہ آزادی کے متوالوں اور انقلاب کے بانیوں کو زبردست و مسلسل عملی جدوجہد کے علاوہ عقوبت خانوں کے سخت سے سخت جاں سوز و جاں گسل مصایب سے گزرنا پڑتا ہے۔ کوئی بھاری قربانی دیئے بغیر اور کوئی بڑی سزا بھگتے بناء ہی مبارزالدولہ اولین نظربندی اور پھر والد کی

Marfat.com

نافذ کی ہوئی نگرانی و پابندی سے ہی ہر طرح کی اخلاقی جرات کھو بیٹھے تھے۔ بظاہر وہ ہمت کے ساتھ ۱۸۲۹ میں اٹھ کھڑے ہوئے اور شورشوں کا محاذ بھائی کے خلاف کھول دیا لیکن عین وقت آزمائش ان کا ذوق نمود ایک خاص حد تک ظہور کر کے عجز طبیعت اور مضمحل مزاجی میں ڈھل گیا اور انقلابی انداز ناکام سرکشی بن کر رہ گیا۔ اجرائے تن خواہ اور خزانے پر قبضے کی یہ دو گوشہ شورشیں کسی بہتر و برتر مقصد سے عاری تھیں مگر طرفہ تماشا بلکہ مبارزالدولہ کے سیاسی عمل کا عجوبہ یہ کہ بالکل یہی وہابی تحریک ۱۸۳۸ کے موقع پر بھی مبارزالدولہ کی طرف سے ظاہر ہو کر رہا جبکہ وہ اعلیٰ نصب العین کی حامل تھی۔ جس طرح ۱۸۲۹ کے متصل محاربوں کے وقت محل کے پاس اور قلعے میں بھی مبارزالدولہ کا سارا دفاعی انتظام جھاگ کی مانند بیٹھ گیا تھا' وہابی تحریک کے سلسلے میں بھی وہ عین مرحلہ سخت جاں پر ہی استقامت کی راہ ترک کر کے اضمحلالی کیفیت اور غیر مستقل مزاجی کا شکار ہو کر رہ گئے۔

۱۸۱۵ کے بعد کے ان دونوں موقعوں پر مبارزالدولہ جس طرح سپر انداز ہوئے اس سے ظاہر ہے کہ ۱۸۱۵ میں جو مقابلہ انھوں نے انگریزی فوج کا کیا وہ محض جوش جوانی کے ابال سے زیادہ نہ تھا کیونکہ ۱۸۲۹ اور ۱۸۳۸ میں وہ جاں سپاری کے جذبے سے عملاً اور یکسر محروم رہے۔ گویا اضمحلال میں مبتلا ہو کر اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی کی مجسم تصویر بن جاتے تھے۔ طبیعت کا عدم استقلال ان کے کرداری ارتقاء کے حق میں محض نقصان دہ یا مضرت رساں ہی نہیں جو ہر کش اور سم قاتل ثابت ہو کر رہا اور شدید انفعالی کیفیت نے انہیں کسی آزمائش پر پورا اترنے کا سرے سے قابل نہیں رکھا۔ اس مضمحل و منفعل مزاجی کو کئی عوامل کا ملا جلا نتیجہ یا مجموعی اثر باور کیا جا سکتا ہے مثلاً محلاتی زندگی اور نوابی ماحول یا ذہنی و فکری تربیت اور سیاسی تجربے کی کمی نیز مشیروں کے انتخاب اور غلط صحبت کی لغزشیں وغیرہ جو بہر حال و بہر طور انکی فطرت ثانیہ ہی تھیں۔

محلاتی اور نوابانہ زندگی کا ایک خاصہ عورتوں سے دو طرفہ لگاؤ بھی ہوا کرتا ہے جو مبارزالدولہ کی زندگانی میں نمایاں ہی نہیں رہا بلکہ ان کے سیاسی کیریئر پر تک بری طرح اثرانداز ہوا۔ اس دو گوشہ تعلق سے یہاں مراد یہ ہے کہ ایک تو محل کی بزرگ خاندانی خواتین کی انہیں سرپرستی بلکہ پشت پناہی حاصل تھی اور دوسرے ان کی خواصوں کی تعداد سے معلوم ہو جاتا ہے کہ "چھوٹے نواب" عورتوں کے بھی شوقین تھے۔ ایک سمت دادی کی

Marfat.com

تشویش اور ماں کی پریشانیوں نیز علاتی والدہ کی محبت نے ان کے کردار کی سیاسی تربیت و ترقی میں مزاحمت کی اور یہ پرشفقت جذبات ان کی سوچوں کی صحیح تر خطوط میں پیش رفت میں جارج ہوئے جس کا نقصان ان کے کیریئر کو پہنچا۔ رہی سہی کسر خود مبارزالدولہ نے اپنی عیش کوشی سے پوری کرلی جس کے مضرات سے انہیں کسی طور بری الذمہ نہیں کیا جاسکتا۔ ان دونوں طرح کے نوابی لچھن مبارزالدولہ کو کامیاب اور بڑا انقلابی لیڈر بنانے میں کبھی ممدومعاون نہیں ہوسکتے تھے اور یوں "ارمان ریاست" کہاں سیاست و سیادت کا تک ارمان پورا نہیں ہوسکتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ مبارزالدولہ کے عیش پرستانہ طور طریق کے واقعات مذکور نہیں ہیں مگر سوال یہ ہے کہ اور کس کس کے بیان ہوئے ہیں جو ان کے ہوتے سوائے اس کے کہ اشارتاً" حوالے آئے ہوں۔ ان سے وابستہ عورتوں کی تعداد سے ظاہر ہے کہ مبارزالدولہ کو عیش و عشرت کی زندگی کتنی مرغوب تھی۔ خواتین کا اندرون خانہ ان کا سرپرست ہونا ایک جانب اور دوسرے عیاشی کا نوابانہ طور طریقہ مبارزالدولہ کے سیاسی کیریئر کے ارتقاء کو گھن کی طرح کھاتا رہا اور ان کا کردار بری طرح مسخ ہوتا رہا جس کے اثرات کو کم سے کم لفظوں میں بھی تباہ کن ہی کہا جائے گا۔

مبارزالدولہ نے تھوڑی بہت تربیت کے باوجود متذکرۂ بالا عوامل کے علاوہ بھی محدود محلاتی زندگی اختیار کئے رکھی مگر برعکس اس کے نوابانہ طرز کے بعض ضروری تقاضوں کو انہوں نے نظرانداز کردیا اور دونوں کا مجموعی نقصان ان کے سیاسی عمل کو پہنچتا رہا جو ناقابل تلافی ہوتا گیا۔ نوابی زندگی اور محلاتی بودوباش کی عام رائج الوقت حدودو قیود کے تحت ریاست کے عوام سے ان کا ربط ضبط بالراست کیا بالواسطہ بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔ مبارزالدولہ کو رعیت میں جو پذیرائی وقتاً" فوقتاً" ان کے اپنے برپا کئے ہوئے سیاسی ہیجانات کے دوران ملتی رہی اس کا واحد محرک انگریز دشمنی کا وسیع طور پر زبردست مقبول عام جذبہ تھا مگر عوام میں اسی بناء پر اپنی مقبولیت کے باوجود آیا وہ عوامی قائد کی حیثیت حاصل کرنے کے قابل ہوبھی سکے تھے یا نہیں یہ سوال غور طلب ہے۔ دوسری طرف شاہی خانوادوں کی روایت کے برخلاف مبارزالدولہ نے ایک شہزادے کے شایان شان دربار قائم کرنے پر ذرا توجہ نہیں کی جس کے باعث وہ معاصر اور مستقبل قریب کے بھی اعلیٰ درجے کے سیاست دانوں کی قربت اور نتیجتہ" معتبرو معزز مقربین کی صحبت سے محروم رہ گئے۔ نہ صرف یہ کہ عوام الناس سے رابطے کے

Marfat.com

اس قابل اعتبار وسیلے سے استفادے کا انھوں نے کوئی اہتمام نہیں کیا بلکہ اپنے حواریوں کے طور پر جس معاش و قماش کے آدمیوں کا انھوں نے کثیر تعداد میں انتخاب کیا وہ بذاتہ معززین ریاست سے بھی مبارزالدولہ کی دوری اور محرومی کا سبب ہوتے رہے۔

گذشتہ تفصیلوں سے عیاں ہے کہ مبارزالدولہ کے اطراف موجود تمام تر افراد یعنی انکے سارے مقربین اور مشیراُن طبقوں کے نمائندے تھے جنکی سماجی حیثیت شاید ہی کبھی اشتباہ سے بالاتر رہی ہو۔ مبارزالدولہ چونکہ ایک نظام کے ناخلف سہی بیٹے گویا شہزادے تھے اور دوسرے نظام کے حقیقی بھائی پھر اپنے واقعات ہی نہیں اپنے آدمیوں کی حرکتوں اور شہرت کی وجہ سے ان سے خواہ وہ حالت قید میں ہی رہے ہوں خائف رہنا ایک قدرتی امر تھا۔ ان کی سرپرستی و سرکردگی میں آئے دن رونما ہوتے رہنے والی وارداتوں اور معاشرے پر ان کے اثر کے بارے میں جزیات نویسی کسی بھی مورخ یا تذکرہ نگار کیلئے تکلیف دہ بلکہ اذیت رساں تجربہ ہوتی تھی اور ان واقعات کا مجسم خود مشاہدہ کچھ کم ایذارساں ان کیلئے نہ ہوتا۔ اس سب کے باوجود مبارزالدولہ کے حلقہ بگوش طبقے پر چند تواریخ کے بیانات سے اس کی حقیقت حال پوری طرح بھی اور بری طرح بھی بے نقاب ہوتی ہے۔ اس سطح اور مزاج و کردار کے حامیوں اور مشیروں کے ہجوم میں گھرے ہوئے مبارزالدولہ آزادی یا انگریزوں کے تسلط سے تحفظ کی جدوجہد ایسے مقاصد درکنار حصول تخت کی کوشش یا اور کم تر محدودی اغراض مثلاً اجرائے تن خواہ کی بھی مقصد براری کیلئے مورخ "خورشید جاہی" کے بقول "بھروسے پر ایسی ناکارہ سپاہ کے" کیا خاک کامیابی پاسکتے تھے یہ سوال قابل غور ہے۔ ان طبقات کو مبارزالدولہ نے خود ہی اپنے ہاں اکٹھا کیا اور اپنی ساری کاروائیوں کارگزاریوں کیلئے ان کا ہمیشہ ہی اور کلی انحصار انھی لوگوں پر رہا۔ گویا انہیں خود پر مسلط مبارزالدولہ نے ہی کیا اور ان سے وہ کبھی نجات نہیں پاسکے کیونکہ اس سطح سے اوپر اٹھنا انکے تصور میں تک نہ تھا۔ وہ لوگ مار دھاڑ کے عادی تھے اور شاید سوپشت سے پیشہ آبا کا تجربہ بھی رکھتے تھے۔ اس لئے مطلوبہ چھوٹی بڑی طرح طرح کی وارداتوں میں مبارزالدولہ کیلئے کارآمد و مددگار تو ہوسکتے تھے انہیں ان کے مزعومات میں جو اگرچہ کسی طور اعلیٰ وارفع نہیں تھے کامران ہرگز نہیں کرسکتے تھے۔ عملاً یہی کچھ ہو کر رہا جس پر مستزاد اس قبیل و قماش کے افراد کی سرپرستی اور انکی طرف سے حمایت کے سیاسی و سماجی مضرات۔

Marfat.com

مبارزالدولہ نے بطور شہزادۂ والا شان اپنا دربار قائم کرنا کجا بزرگ امرائے دربار سے صلاح و مشورہ کو بھی چنداں اہمیت تک نہ دی پھر بھی سکندر جاہ کے درباری عمائید میں سے کچھ معتبر و محترم ہستیاں مبارزالدولہ سے خلوص رکھتی تھیں اور ۱۸۱۵ میں متعلقہ حوادث پر ان کی نہ صرف نگاہ تھی بلکہ خانوادہ کے مخلص مقربین کی حیثیت میں انہیں تشویش بھی تھی۔ "جنگ مبارزالدولہ" میں ان اہل الرائے حضرات نے صورت معاملہ بگڑنے سے پہلے پہلے حالات پر گرفت کی کوشش دربار میں حدادب کے ساتھ اور اصلاح احوال کی نیت سے کی بھی۔ سکندر جاہ اغلب ہے کہ نئے رزیڈنٹ کی مداخلت اور اثراندازی سے کہیں زیادہ اپنے مرحوم بڑے بھائی کی والد کے خلاف بغاوت کے واقعے سے اتنے زیادہ متاثر تھے کہ بیٹے کی نامعقولیت پر عملی سرزش کو انھوں نے قدرتاً" بڑا ضروری سمجھا۔ مبارزالدولہ سے خلوص رکھنے اور ان کی حرکتوں کے نفع و ضرر کو سمجھنے والے اہل نظر بزرگوں کی دربار میں تو کوئی پیش نہ چلی مگر تصادم میں ہزیمت پر رزیڈنٹ نے پوری قوت سے نیا انتظام کیا تو ان حضرات نے مبارزالدولہ اور خود سلطنت کو ممکنہ تباہی سے بچانے کی خاطر ایک اور کوشش کی۔ انھی صایب الرائے عمائد کی افہام و تفہیم کی بناء پر مبارزالدولہ شاہی محل میں منتقلی اور والد کی خدمت میں پیشی پر تیار ہوئے۔ اس سے ان مصالحت کنندہ بزرگان دربار کو مقصود یہ تھا کہ نظام مبارزالدولہ کو کچھ عرصہ اپنے ساتھ مقیم رکھنے پر رضامند ہوجاتے تو رزیڈنٹ کو کسی اور منتقمانہ کاروائی کی ہمت نہ ہوتی' مبارزالدولہ وغیرہ اس کی فوج کشی سے محفوظ رہتے اور معاملہ ان لوگوں کے خاطی ساتھیوں تک محدود رہتا۔ اسی دوران رزیڈنٹ اور وزیراعظم میں مبارزالدولہ کی نظربندی پر اتفاق رائے ہوا جس پر عمل درآمد کا فیصلہ سکندر جاہ نے کیا اور اس سے سرتابی کی کسی کو مجال نہ ہوسکتی تھی۔ اسی قید سے ۱۸۲۰ میں نجات دلانے کے لئے ان سے رشتہ خاطرات رکھنے والے طبقہ اشراف میں سے چند درباری بزرگ آگے بڑھے اور سکندر جاہ کو رہائی کا قائل بھی کیا۔

شورش ہائے تنخواہ و خزانہ ۱۸۲۹ کے سلسلے میں مبارزالدولہ کی طرف سے اپنے بھائی کے خلاف نئی شروعات نے مبارزالدولہ کو درحقیقت اس قابل ہی نہیں چھوڑا کہ ان کے پرانے مخلصین اور محبان بے ریا یا صاحب الرائے زعماء کسی بھی طبقے کے اہم رجال سے انہیں قربت حاصل ہوسکتی۔ چنانچہ سرسری حوالہ بھی نہیں کہ نئے نظام کے دربار دار ارباب

Marfat.com

نظر نے اس موقع پر مبارزالدولہ کے معاملات میں عملی کیا زبانی کلامی ہی دلچسپی کا اظہار کیا ہو' اور یوں مبارزالدولہ کو اپنے مخصوص مقربین کے علاوہ جو ان کے اپنے متوسلین کا طبقہ تھا نیز جن کی ذہنی پستی اور طبقاتی سطحیت کی طرف مورخین قلق کے ساتھ اشارہ کناں ہیں حیدر آباد کے طبقہ اشرافیہ میں سے کسی سیاستداں کا خلوص سرے سے حاصل نہ ہو سکا۔

ازاں بعد ۱۸۳۸ کی وہابی تحریک میں مبارزالدولہ پوری طرح تحریکی علماء خاص کر مولوی محمد سلیم کے طلسماتی اثرات کی گرفت میں آچکے تھے اور تمام تر آثار و قراین شاہد ہیں کہ دربار کے امراء کے کسی طبقے سے مبارزالدولہ کا ربط ضبط باقی رہنا کجا قائم ہی نہ ہو سکا تھا۔ اس طرح ۱۸۱۵ تا ۱۸۴۰ کے دورانیہ میں گویا شروع سے آخر تک ہی ریاست کے اہل بصیرت مدبرین میں کسی کی رفاقت درکنار مشاورت تک کا فیض مبارزالدولہ کو نہ پہنچ سکا اور کسی مرحلے پر اصابت فکر کی مالک کسی ایسی برگزیدہ ہستی کی سرپرستی انھیں میسر نہ آسکی جس کی صحبت نیک سے میر گوہر علی خان مبارزالدولہ کو گوہر مقصود حاصل ہو سکتا۔ ان کی پوری سیاسی پریشان حالی و درماندگی میں کسی بھی موقع پر کوئی ایسا نہ تھا جو مبارزالدولہ کے گوش گزار کر سکتا کہ ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں۔

ادھر جس قبیل و قماش کے افراد کو مبارزالدولہ نے اپنا حلیف و حواری بنایا ہوا تھا جو بھاری تعداد میں ان کے اطراف مجتمع ہی نہیں ان پر باقاعدہ مسلط بلکہ حاوی ہو چکے تھے ان کی تفصیل میں جانا آج بھی تکلیف دہ امر ہے۔ مبارزالدولہ کے ان حاشیہ بردار طبقوں کی اپنی معاشرتی حیثیت کی جانب تذکرہ نگاروں کے اشارے ایک ناخوش گوار فریضے سے کم نہیں معلوم ہوتے اور ان کیفیات کا اعادہ بھی متاسف کن ہی ہو گا۔ ان طبقات کی پست تر سماجی حیثیت نیز کمترذہنی حالت اور بدتر غیراخلاقی حرکتوں کے باعث مبارزالدولہ اپنی شہرت و عزت بھی کچھ داؤ پر لگا چکے تھے۔ مبارزالدولہ کی فکر کی کجی اور نیت کی خرابی کے علاوہ ان لوگوں کے ہاتھوں مبارزالدولہ کا سیاسی کردار اور عمل برباد ہو کر رہا اور اس کے بھیانک اثرات سے ان کی اپنی نجی زندگی بھی محفوظ نہ رہ سکی جس کا کچھ احوال آخری باب میں مذکور ہو گا۔ ان طبقوں کی صحبت بد کے تباہ کن اثر کی قباحتوں پر آئندہ مبصرین سنجیدگی سے غور و خوض کر کے رائے دیں گے گو اس خصوص میں دو رائیں شاید ہی ممکن ہوں۔

تیسری طرف اس تصویر کا ایک اور تاریک رخ مبارزالدولہ کو حاصل شاہی خانوادے

Marfat.com

کی خواتین کی سرپرستانہ رفاقت کا مظہر ہے جس کے معمولی اور وقتی فوائد پر مبارزالدولہ اپنے مستقل مفادات کو قربان کرتے اور ان کا نقصان بھی بھگتتے رہے۔ ایک جانب مبارزالدولہ کو سیاس و مدبر بزرگان ریاست کے فیضان نظر سے مستقلاً" محرومی رہی' دوسری سمت ان کے ہم نشین و ہم جلیس افراد ان کی معاشرتی حیثیت کے پست سطح تک گرنے کا سبب ہو رہے تھے تو تیسری طرف انھیں جس طبقے کی سرپرستی حاصل ہو سکی وہ شاہی محل کی سینئر خواتین تھیں۔ محلاتی سیاست کے روایتی تصور کے قطع نظر یہ امر قابل فہم ہے کہ مبارزالدولہ کی دادی اور علاتی والدہ ۱۸۱۵ میں نیز ان کی اپنی ماں ۱۸۲۹ اور علاتی والدہ ۱۸۳۸ میں اپنی پوری قوت سمیت ان کا ساتھ دینے کے باوجود مبارزالدولہ کے "این ہمہ آوردۂ تست" سے سانحات کے نازک و سنگین مواقع پر انھیں کوئی ہوشمندانہ مشورہ دینے اور منوانے کے ہرگز قابل نہیں تھیں۔ مبارزالدولہ کی شخصیت ہی نہیں ایک ایک حرکت بھی ان سب کو اتنی پیاری تھی اور وہ ان کے زیر اثر تھیں نہ کہ مبارزالدولہ ان کے اثر میں۔ یہ خواتین بمشکل تمام صرف اس لائق ہی تھیں کہ اپنی قلبی تشویش اور بزرگانہ شفقت کے ساتھ حیدرآبادی محاورے میں مبارزالدولہ کی "پشتی" لیتی رہتیں یعنی ان کی ہر قسم کی حرکتوں کی حامی و ناصر بنی رہتیں اور عملاً اس کے سوا ان کے حد امکان میں کبھی کچھ نہ رہا۔

سکندر جاہ کے درباری امیروں کی اخلاص پروانہ سرپرستی سے مبارزالدولہ کچھ تو از خود اپنی نادانی سے اور کچھ حالات کے جبر کے تحت محروم محض جو ہوئے تو آخر تک یہ محرومی ان کا مقدر بنی رہی۔ مجبوراً یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مبارزالدولہ نے زیرک و مدبر سیاستداں شخصیات سے استفاضہ کا اہتمام نہ کرکے اور اپنے سے خلوص رکھنے والے اکابر سے خود کو فاصلہ پر رکھ کر اپنی ہی خرابی کا سامان کیا۔ رہی سہی کسران کی صحبت ناجنس سے لے کر صنف لطیف سے ان کی رغبت اور شاہی خواتین کی پشت پناہی نے پوری کردی۔ خصوصیت کے ساتھ دنیا بھر کے نالایق و نااعتبار اور ناکارہ لوگوں کو اپنے حواریوں کے طور پر جمع کرلینا اور معتمد و معتبر معززین شہر سے رابطوں کا مفقود بلکہ سراسر معدوم ہی رہنا مبارزالدولہ کے کیریئر کے حق میں بالکلیہ تباہ کن ثابت ہوا اور ان کی ذہنی ناراجی کا موجب۔ صحبت نیک سے محروم اور صحبت رایگاں میں مشغول رہنا محض ایک حد تک نہیں بلکہ بہت بڑی حد تک مبارزالدولہ کے مزاج کے لازم و ملزوم عناصر تھے جنھوں نے مبارزالدولہ کے جوہر طبع کو ضایع بلکہ تباہ و

Marfat.com

برباد کردیا اور یوں ان کے کردار میں جو خلاء پیدا ہوا اس کو افتادِ طبع اور عجزِ طبیعت کے متواتر مظاہرے پورا کرتے رہے جس میں سلیم الطبعی کا عمل دخل نہیں ہونے کے برابر تھا۔

مبارزالدولہ کو صحبت نیک مطلوب ہوتی تو اربابِ سیاست میں سے کسی نہ کسی کا فیضانِ نظر ان کی شخصیت کو صیقل کردیتا اور طبیعت کے جوہر بروقت اور پوری طرح کھلتے مگر صحبت ناجنس کو مبارزالدولہ نے نہ صرف شعوری طور پر اختیار کیا بلکہ روز و شب کا شغل بنالیا اور نتیجتاً" مختلف قسم کی معترتوں اور مفسدات کو اپنا مقدر کرلیا۔ مآل کار یہ کہ ان کی لیاقت و صلاحیت جس قدر بھی اور جیسی کچھ بھی تھی زنگ آلود ہوگی اور پست و حقیر سے مقاصد میں ضائع ہوتی رہی' ذہن بلند سطح پر سوچنے سمجھنے اور سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کرنے کے قابل ہی نہ ہوسکا۔ علوء فکر اور تدبر و تعمق جیسے عوامل جو روشنی طبع کا سامان بہم پہنچا سکتے تھے ذہنی سطحیت کے سبب ان کے مزاج و کردار کا عشر عشیر سا حصہ بھی نہ بن سکے اور دماغی پستی کے باعث وہ برتر و اعلیٰ مقاصد کی طرف اپنی توجہات مرتکز کرنے کی اہلیت حاصل نہیں کرسکے۔ ان کی سیاست بے مقصد و بلاوجہ اور محدود و حقیر سے مطلوبات کے لئے مبارزت کے حصار میں مقید ہو کر رہ گئی اور انگریزوں سے نفرت یا آزادی کا نصب العین اگر کسی درجے پر انھیں مقصود اور عزیز تھا بھی تو جذباتی سطحیت اور خفیف الحرکتی کے واقعات کی صورت غارت ہوا۔ ہیرو ازم کا جوہر اور ذوق نمود جس قدر بھی مبداء فیض نے عطا کیا تھا وہ حالات کے جبر اور خودکش سی مزاجی کیفیت کے دوپاٹوں کے بیچ پستا رہا اور کچلا گیا۔ مبارزالدولہ جوہر طبع کے کسی توجہ طلب یادگار اور تاریخی کارنامے کیا مظاہرے کے بھی لائق نہیں ہوسکے۔

آزادی کے کسی بھی مجاہد کو جان کھپانے اور سر دینے کے لئے تیار رہنا پڑتا ہے اور اس جادے پر وہ سر بکفن ہو کر ہی چلتا ہے مگر مبارزالدولہ کے کردار کو جتنا کچھ اور جیسا بھی ارتقاء نصیب ہوا اس کے آثار و مظاہر کی روشنی میں سوال یہی ہے کہ دار و رسن کے مرتبہ بلند کے لئے طبعی ہمت نہ سہی آرزو سے بھی سرشار تھے یا نہیں؟ اس کا جواب شاید ہی اثبات میں ہو' چنانچہ ۱۸۲۹ کی اور خاص کر ۱۸۳۸ کی وہابی تحریک والی قید سے رہائی کے لئے ۱۸۳۹ سے ۱۸۵۰ تک کی عاجزی کی کوششوں میں اس کی بھرپور نفی موجود ہے۔ ٹیپو سلطان کی شہادت سے مبارزالدولہ نے انگریزوں کے تئیں تنفر کا سبق اور جذبہ تو سیکھا' لیکن شوق شہادت سرے سے اکتسابی نہیں عطیہ وہبی ہوا کرتا ہے اور شبہ یہی ہے کہ آیا مبارزالدولہ جان دینے اور سر

Marfat.com

کٹانے کا حوصلہ پا بھی سکتے تھے یا نہیں۔ قلعے میں رہتے ہوئے گول کنڈے کے صدر دروازے پر عالمگیر کی افواج قاہرہ کے سامنے قطب شاہی سلطنت کی بقاء کی جنگ میں جان کی بازی لگانے والے دکنی جرنیل عبدالرزاق لاری کی یادوں سے مبارزالدولہ انسپائر ہو سکے تھے یا نہیں؟ عبدالرزاق لاری نے شہادت نہ پائی مگر دکن کی تاریخ کی حد تک سہی نام تو پایا۔ مگر یہ سب کچھ گول کنڈے کی اسارت کے دوران بار بار ذہن میں تازہ ہونے کے باوجود مبارزالدولہ فکری و عملی طور پر اس سطح تک اٹھنے کے قابل ہونا نہ سہی اس کے لئے سوچنے کی ہمت بھی پا سکے تھے یا نہیں؟ ان سوالوں کا جواب کس پر فرض اور قرض ہے؟!

محولہ شواہد مظہر ہیں کہ مبارزالدولہ خاصی تیاری اور بہت کچھ منصوبہ سازی کر کے کام کا آغاز کرتے تھے اور اپنی کامیابی کا پوری رجایت سے سوچا کرتے تھے مگر پھر اپنی سخت بے تدبیریوں اور دیگر عوامل کی بناء پر حالات کا رخ اپنے خلاف جاتا دیکھ کر کبھی عین وقت ابتلاء پر اس سے زیادہ تیزی سے یاسیت کا بھی شکار ہو جاتے تھے۔ انھیں نامرادی کا دیو منہ پھاڑے اپنی طرف بڑھتا دکھائی دینے لگتا اور اسی قنوطیت میں وہ سخت کنفیوژن اور عملاً بے توفیقی میں مبتلا ہو کر رہ جاتے تھے جیسا کہ ۱۸۲۹ اور ۱۸۳۸ میں ہوا۔ بیم و رجا کی اس کشاکش میں ان کا ذہن مختلف مواقع پر منتشر ہو جاتا اور شدید تذبذب کے عالم میں وہ قوت فیصلہ بھی کھو بیٹھتے۔ حد سے بڑھی ہوئی توقعات اور امید پرستی نیز یکلخت مایوسی و بے عملی کی کیفیات کی بناء پر مبارزالدولہ کو بیک وقت رجایت پسند اور قنوطی بہ آسانی قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ صریحی اور اعلیٰ نصب العین اور ذہنی ترفع کی عدم موجودگی اور چھوٹے موٹے سطحی سے مقاصد کے دباؤ میں غیر مستقل مزاجی کے یہی کچھ اثرات ممکن تھے۔ مگر اس کش مکش کے پس پردہ جو معشوق زنگاری بیٹھا تھا وہ مبارزالدولہ کی نرگسیت زدگی کے سوا اور کوئی نہ تھا جس کی کارفرمائی ان کی ذہنی افتاد اور خیالات کی اتھل پتھل پر علانیہ محسوس ہوتی ہے۔ مبارزالدولہ نہایت درجہ خود نگری و خودستائی میں مبتلا رہتے تھے اور ان کی نرگسیت کہیے یا پھر خود پرستی انھیں ہمیشہ ہی امید و بیم کی کھینچ تان اور عدم استقلال و پریشاں خیالی میں الجھائے رکھتی تھی۔

مبارزالدولہ کی اس فطرت ثانیہ نے جو خود بینی پر محمول کی جا سکتی ہے انہیں کبھی اس کی تحریک نہ ہونے دی کہ وہ اپنے وجود اپنے خیالات اپنے اردگرد کے ماحول سے اوپر اٹھ سکیں یا اس خول سے باہر آ سکیں، گویا نرگسیت زدگی ان کی اپنی بڑی بڑی مجبوریوں میں سے ایک

Marfat.com

تھی۔ مبارزالدولہ اس نوع کی سطحیت سے خود کو محفوظ رکھ کر اپنے اطراف کچھ تو پہلے سے موجود اور کچھ اپنی بھی بنائی ہوئی محدود سی فضاء کے باہر وسیع و عریض میدان عمل اور کارزار زیست کی تنہائیوں میں جھانک سکتے تھے لیکن اپنی محدودات کے حصار میں گھرے رہ کر وہ کبھی اس کی توفیق نہ پا سکے۔ اس سب کچھ کا نتیجہ اور اثر یہ کہ مبارزالدولہ مستقل باطنی قوت پیدا نہیں کر سکے یا یہ کہ اس کے حصول کے قابل نہ ہو سکے۔ یہ نہیں کہ باطنی قوت مبارزالدولہ کے کردار میں یکسر معدوم رہی یا اس سے ان کی شخصیت بالکلیہ محروم ہی رہی بلکہ ان کے مزاج میں اس کی کوئی پائیدار و مستقل حیثیت نہیں تھی اور وہ ان کے سیاسی کردار کا کوئی جاندار حصہ نہیں بن سکی جس کی وجوہ ان کی نرگسیت یا خود پرستی کے علاوہ بھی تھیں۔

صرف وہابی تحریک ١٨٣٨ کے موقع پر مبارزالدولہ نیم پختہ ذہنی ماحول اور نیم سیاسی نیم نوابانہ خاندانی فضا کے حصار سے تھوڑا بہت باہر نکلے بھی تو تحریکی علماء اور خاص کر مولوی محمد سلیم کی مخصوص و منفرد منصوبہ بندی کے زیر اثر اور اسی کو مبارزالدولہ کی اس خود تحدیدی یعنی سیلف کنفائنمنٹ سے رہائی یا نجات کا پورا پورا کریڈٹ جاتا ہے۔ اس وقت کی مبارزالدولہ سے منسوب جو کچھ اور جتنی بھی کارکردگی رہی اس کی فعالیت اور اثراندازی و اشاعت عام کے حقیقی اور براہ راست و بالکلیہ ذمہ دار مولوی محمد سلیم ہی تھے نہ کہ خود مبارزالدولہ۔ مولوی سلیم جیسے متحرک منصوبہ ساز کی اپنی تنظیمی تیاریوں اور عملی کارگزاریوں کی بنائر پر وہابی تحریک کا پورا کام جنوب میں پھیلا اور شمال کے تحریکی نظام سے بھی سلسلہ جنبانی موثر و مستحکم ہو سکی۔ البتہ مبارزالدولہ کی شخصیت اور مالی سرپرستی کو عملی ضروریات و اغراض کے لئے مولوی سلیم نے بیشک ہنرمندی سے استعمال کیا اور تحریک کو منظم کرنے میں پورا فائدہ اٹھایا۔ مبارزالدولہ کی سابقہ مصروفیات کی بناء پر مولوی سلیم نے انھیں تحریک میں بعنوان سرپرستی شریک کرنے اور ان کے نام کو پیش پیش رکھنے کے لائق پایا جس کو مراسلت میں مستعمل رکھا تاکہ ان کی حیثیت کے باعث موثر ثابت ہو نیز مالی فوائد بھی تحریکی نظام کو استحکام اور منصوبوں کو تکمیل بخشنے کے لئے ان سے حاصل کئے۔

یہ امور واضح نہیں ہیں کہ مبارزالدولہ کے مزعومات اعلیٰ اور منصوبوں کے مقاصد ارفع تھے یا ان کے ارادے اور مطلوبات محدود اور پست نوعیت کے تھے' یعنی انگریزوں کی مسلط و مقتدر پوزیشن یا کمپنی کی حکومت سے نجات اور ریاست یا ملک کے اقتدار اعلیٰ کی بحالی

Marfat.com

و آزادی انہیں عزیز اور مقصود تھی اور وہ حقیقتاً حریت پسند واقع ہوئے تھے یا نہیں۔ انگریزوں سے تنفر اور انگریزی رسوخ و اقتدار سے عداوت کے رجحانات اور منصوبے بغیر حسن تدبیر کی تیاری کے لیکن شدید ترین جذباتی سطح پر "جنگ مبارزالدولہ" ۱۸۱۵ میں بھرپور طور پر پہلی بار سامنے آئے۔ ان کے انھی جذبات و اقدامات کو آزادی خواہی کا پہلا عملی مظاہرہ کہا جاسکتا ہے جو انگریزوں کی زبردستیوں اور دخل اندازیوں کے خلاف کامیاب اور شدید و پرکار احتجاج تھا۔ شورش ہائے تن خواہ و خزانہ کا دوسرا مظاہرہ ۱۸۲۹ صاف سیدھی بات ہے کہ محض اور محض خود غرضانہ اور مفاد پرستانہ ہی کہلائے گا اور کچھ نہیں۔ اپنی ذاتی اغراض کی تکمیل کے لئے انھوں نے جو ہنگامہ اپنے آدمیوں کو شہ دے کر کھڑا کروایا اور خود بھی اس کو باقاعدہ محاذ آرائی کی شکل دے کر نئی قائم ہونے والی حکومت کی انتظامیہ کے مدمقابل اٹھ کھڑے ہوئے صحیح معنوں میں وہ "جنگ مبارزالدولہ" کی سی کیفیت تھی۔ اس موقع پر وہ اپنی ہی خاندانی ریاست کے "باغی شہزادہ" کے روپ میں ظاہر ہوئے اور ۱۸۱۵ کے برعکس سلطنت کے اقتدار اعلیٰ ہی کو انھوں نے براہ راست چیلنج کیا۔ گرفتاری کے وقت مبارزالدولہ کی ساری دفاعی تیاری اس لئے دھری کی دھری رہ گئی کہ انھوں نے بھائی کے اپنے خلاف ہنگامہ پروری کا جو محاذ کھولا ہوا تھا اس کے برخود غلط اور بے اصل و بے بنیاد ہونے کا انہیں ضرور احساس ہوا اور گلٹی کانشیس ہو کر ہی انھوں نے جنگ کے بجائے خاموشی و سپردگی کو ترجیح دی۔ وہابی تحریک میں ان کے ظاہرا سرپرستانہ و قائدانہ کردار کا تک سہرا ان کے سر نہیں باندھا جاسکتا بلکہ تحریکی منتظم مولوی سلیم کو ہی سارا کریڈٹ جاتا ہے جو اس حیثیت میں ممتاز ترین تھے اور جن کی کامیاب منظم منصوبہ بندی سے سارے تحریکی کام ہندوستان کے جنوب میں توسیع پذیر ہوئے۔ مبارزالدولہ ذہنی و فکری اعتبارات سے اس منظر پر ابھرتے دکھائی دیتے ہیں گو اس عمل میں بھی ان کا اصل اور حقیقی مقصود ریاست کا اقتدار تھا جس میں کوئی شک نہیں۔ اس عامل کو بمشکل تمام نظرانداز کردیا جائے تو ان کے امیج کی بہتری کی صورت ہو سکتی ہے۔

مبارزالدولہ کی ۱۸۱۵ اور ۱۸۳۸ والی بالترتیب بے ساختہ محاذ آرائی اور تحریکی پشت پناہی کی حامل منصوبہ بندی اور جدوجہد کو ثانی الذکر کی اپنی اصلیت کو صرف نگاہ اور قلم انداز کرتے ہوئے ہم رشتہ کیا جاسکتا ہے اور انھیں باہم دگر CO-RELATE کرنے سے ہی

Marfat.com

مبارزالدولہ کا انگریز دشمنانہ تصور ابھرتا بھی ہے۔ تاہم اس آخری موقع پر بھی ایک سمت تحریک مجاہدین کی ہندوستان گیر کاروائیوں اور ریاستی عوام کی ذہنی بیداری و تیاری سبھی کچھ کے باوجود مبارزالدولہ کے اپنے عجز طبع سمیت کئی عوامل اس منصوبے کے سدراہ ہوگئے' مبارزالدولہ پھر ایک بار بلاچوں وچرا سپرانداز ہوگئے اور زمانہ ان کے خروج کا منتظر ہی رہا۔ اس پر مستزاد سابقہ قید کی طرح ۱۸۳۹ تا ۱۸۵۰ کے دوران مبارزالدولہ کا آئین جواں مرداں کو سراسر فراموش کرکے وہ روباہی اختیار کرلینا جو "شیخ محمد عبدالرحمٰن" پر "آگ" کے کسی کردار کی زبانی "پلنگ کشمیر" والا عزیزاحمد کا تاریخی طعن ہی یاد دلاتا ہے۔ یعنی کم ازکم تحریک مجاہدین کے سرفروش بانیوں کی شہادت عظمٰی کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اگر شہادت "مطلوب و مقصود مومن" ہوتی تو آزادی کی تاریخ میں مبارزالدولہ کے درجات میں جو اضافہ ہوتا وہ ضرور اس کے مستحق ہوتے مگر شہادت کا مرتبہ بلند ان کی آرزو کا منتظر ہی رہا۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ بے چارے اتنی زیادہ روشنی طبع کو ہی اپنے لئے بلا سمجھتے تھے اور قید وبند کی صعوبتوں کی تنک قربانی کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔ یہ شہادت تو بہت بڑی بات تھی ۱۸۲۹ اور خاص کر ۱۸۳۹ کی دارورسن کی آزمائش ہی مبارزالدولہ کے لئے گوارا اور قابل برداشت نہیں واقع ہوسکی تھی۔

اس طرح اس بات میں ہمیشہ ہی اشتباہ رہے گا کہ مبارزالدولہ کی موقع بموقع بدلتی ہوئی ترجیحات میں سے کس کو ان کے عمل کا حقیقی حصہ اور تاریخی ویادگار عطیہ یا کنٹریبیوشن سمجھا جائے۔ ان کے مزعومات "ایسی بلندی ایسی پستی" کا مرقع تھے تو ان کے منصوبے اسی منقلب دماغی نشیب و فراز کے تابع مہمل' ان کے افکار و اعمال کے تضادات ذہنی تربیت و ترقی کے فقدان اور باطنی قوت کی نشوونما میں کمی کا نمونہ تھے تو ان کے ارادے اور مطلوبات سیاسی و معاشرتی لحاظ سے انتہائی متصادم' ان کے عزائم اور مطالبے انتہاپسندانہ ہوتے تھے تو اقدامات بظاہر منصوبہ بند ہونے کے باوجود بے تدبیری کا شاہکار ہوتے تھے۔ وہ پوری طاقت اور زورآوری کے ساتھ انگریزوں یا حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے تھے مگر عین آزمائش و ابتلا کے مرحلوں میں دلاوری سے محروم ہوکر سپرانداز ہوجایا کرتے تھے' عوام کی جذباتیت کو ایکسپلائٹ کرکے مقبولیت حاصل کرلیتے تھے لیکن عوامی حمایت کا صحیح فائدہ و استعمال کبھی ان کے لئے ممکن نہیں ہوتا تھا۔ ۱۸۲۹ اور ۱۸۳۸ میں ان کی تیاریوں کے منظر سے

Marfat.com

یوں لگتا تھا گویا مبارزالدولہ مقابلہ ہی نہیں شہادت کے لئے بھی مضطرب ہیں مگر محض اسارت سے تنگ عاجز آجاتے تھے۔

مبارزالدولہ کی تمام تر مجبوریوں اور محدودات کا منطقی ہی نہیں عملی اور ناگزیر نتیجہ و اثر جو کچھ ممکن تھا اور قدرتاً" رونما ہوئے بغیر نہ رہ سکا اس کے یکسر بلکہ بالکلیہ قطع نظر جدید محققین کا مبارزالدولہ کی حمایت اختیار کرنا یقیناً بلاوجہ نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ مبارزالدولہ کی مزاجی کوتاہیوں اور کرداری خامیوں کے باوجود ان کی شخصیت کی تاریخی اہمیت بالکل واضح ہے ہرچند کہ اس کو عہد آفریں قرار دینا حقایق کے برعکس اور تاریخ ساز سمجھنا خود تاریخی واقعات کے سخت منافی و برخلاف ہوگا۔ تاریخ آزادی کے فاضل مبصرین اس باب میں متفق علیہ ہیں کہ مبارزالدولہ آزادی خواہ طبقے کے محسوسات کے نمایندہ و ترجمان اور حریت پسندوں کے جذبات کے علم بردار نیز ان سب کے حامی و ناصر ہی نہیں قائد و راہ نما اور ہیرو بھی تھے۔ مبارزالدولہ کی قایدانہ حیثیت کی خامیاں اور ذاتی و کرداری کوتاہیاں ان کے امیج کی تشکیل و تہذیب میں مزاحم ضرور ہیں مگر ان تاریک تر گوشوں کے باوجود اس متفقہ تاثر یا رائے کو سراسر مسترد بھی نہیں کیا جاسکتا گو ان سب زاویوں کو جو اس کی نفی کرتے ہیں' نئے مورخین آزادی بوجوہ قرار واقعی اہمیت نہیں دے سکے ہیں۔ تاریخ کے نئے محققوں اور مبصروں کے وقیع و موقر خیالات کے تئیں حد ادب و احترام کے ساتھ مبارزالدولہ کے "ارمان ریاست" کے تصور کو وزن دیئے بغیر بھی چارا نہیں ہے کیونکہ "جنگ مبارزالدولہ" ۱۸۱۵ء سے لے کر وہابی تحریک ۱۸۳۸ تک کی ساری کارگزاریوں کے پس پشت عزائم اور منصوبوں کی بنیاد مبارزالدولہ کا "سامان ریاست" بہم پہنچانے کا ہی ارمان ہے۔ بظاہر اگر ناصرالدولہ ۱۸۲۹' ۱۸۳۸ کے سانحات کے تعلق سے نرم خوی اور برادرانہ محبت سے کام نہ لیتے اور والد کی طرح سخت گیری سے پیش آتے تو اس درمیان میں مبارزالدولہ کے مزعومات کا لاوا زیادہ شدت و تواتر سے پھٹتا۔

جدید مورخین اور تجزیہ نگاروں نے کچھ تو مبارزالدولہ کی پوری سیاسی سوانح کے واقعات و معاملات کی تحقیق و تنقید کے ضمن میں جزئیات کی جمع آوری کو ضروری اہمیت اور مطلوبہ توجہ کے قابل نہیں گردانا' دوسری جانب یعنی حقایق کی تفصیلوں سے بھی عدم اعتنائی روا رکھی کیونکہ اس کے برعکس صورت میں ان کے اپنے تصور و تاثر گویا مبارزالدولہ کے

Marfat.com

امیج میں فرق آجاتا۔ اس خاص مناسبت سے مبارزالدولہ کے تاریخی کردار کے تمام تر گوشوں کو یکجا کرنے کے لئے حتی الامکان مفصل کیفیات کی تلاش و بازیابی کی کوشش ناگزیر ہے جس کی قیمت اور وقعت سے شاید ہی انکار کیا جاسکے۔ حقایق و معلومات کے چند پہلوؤں سے اغماض برتنے سے متعلقہ شخصیت کا امیج کسی طرح بہتر تو نہیں کیا جاسکتا اور اس کے کردار یا تصور کے جھول کم ہونے کے بجائے اور بڑھ سکتے ہیں کیونکہ تاریخی اطلاعات کو نظرانداز کرنے پر کچھ نہ کچھ سوالات نامکمل رہ جائیں گے۔ مبارزالدولہ کے خاص حوالے سے ان سوالوں کی ایک باقاعدہ اور طویل فہرست بنتی ہے جو ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللساں فاضل مبصرین کی جانب سے ان کی خانگی و محلاتی ہی نہیں سیاسی سوانح کے ہی بعض زاویوں کے تئیں چشم پوشی سے ابھرتے ہیں۔ چونکہ مبارزالدولہ کے واقعات کے تجزیہ نگاروں نے ان گوشوں کی جستجو کے بجائے انھیں گوشے میں ہی رہنے دیا ہے اس لئے سخن گسترانہ بات یہی ہے کہ ان اعتراضات کے کافی و شافی جواب کی توقع کس سے کی جائے؟!

ڈاکٹر سہیل بخاری کو مطالعہ تاریخ سے اس قدر دل بستگی تھی کہ انھوں نے حضرت مشفق خواجہ کی تحریک پر "تحفتہ العالم" کو اردو میں منتقل کرنا قبول فرمایا۔ مبارزالدولہ کے دادا آصف جاہ ثانی میر نظام علی خاں کے دور کے ایک عالم فاضل ایرانی سیاح کے مشاہدات اس عہد کی تواریخ میں اہمیت اور وقعت کے حامل ہیں جس کا عنوانیہ فایق مترجم نے راقم کو دست خاص سے تحریر کرکے عطا کیا اور راقم نے "انوار سہل بخاری" کے کتاب وار جائزے میں اسے شریک کیا۔ "تحفتہ العالم" مصنفہ عبداللطیف شوستری کی ترجمہ نگاری کے زمانے میں تاریخ کے موضوعات پر ڈاکٹر سہیل بخاری سے مفصل استفاضہ کی سعادت اس احقر کو ملا کرتی تھی کیونکہ ان پر ڈاکٹر سہیل بخاری کا مطالعہ بے حد وسیع تھا اور نگاہ عمیق۔ بعض تاریخی شخصیات کے کردار و اعمال کی شہرت اور ان کی پس پردہ حقیقت کے تضادات کے تعلق سے ڈاکٹر سہیل بخاری کا تجزیہ بڑا حکیمانہ ہوا کرتا تھا۔ ان کا یہ تاثر تھا کہ تاریخ کا کوئی موڑ دریا کے اس منظر کی طرح ہوا کرتا ہے جس میں خس و خاشاک اچھل کر اوپر آجاتے اور نمایاں ہونے لگتے ہیں حالانکہ وہ ہوتے خس اور خاشاک ہی ہیں۔ گویا تاریخ کا عمل ایسی شخصیتوں کو بھی اچھال کر کسی موڑ پر سامنے لے آتا ہے جو اس لایق نہیں ہوتے ہیں مگر نمایاں ہوجاتے ہیں اور ان کا کوئی نہ کوئی فعل کارنامہ سمجھ کر اہم فرض کرلیا جاتا ہے۔ اس حکیمانہ

Marfat.com

تجزیے کا اطلاق و انطباق نفس موضوع کردار پر جتنا زیادہ ممکن ہے شاید ہی کسی اور شخصیت پر اس طرح سے صادق آئے۔ سوانح و تجزیہ نگاروں کی متفقہ رائے کے پہلو بہ پہلو اس زاویے کو سامنے رکھنا بھی صداقت کے قریں ہوگا۔

سلطنت آصفیہ کے عام تاریخی اور مبارزالدولہ کی سیاسی زندگانی کے خاص الخاص حوالے سے ریاست کے محض امور ہی نہیں رموز مملکت خویش میں تک انگریزوں کی طرح طرح کی مداخلت کا تعلق اس عمومی صورت حال سے بڑا قریبی اور گہرا ہے جو انگریزوں نے ملک کے کونے کونے میں پیدا کی ہوئی تھی۔ آج انگریزوں کی ہر طرح کی انفرادی خباثتوں اور مجموعی سازشوں یعنی تجارتی جارحیت سے لے کر سیاسی و انتظامی دراندازیوں تک سب کچھ کو آزاد و مہذب دنیا کے کسی بھی رواج اور قانون کے انتہائی منافی اور بناء بریں سخت قابل مواخذہ ہی سمجھا جائے گا۔ حکمران طبقوں میں سے اہم ترین افراد کی اپنی اپنی مصلحتوں کی بڑی اور بنیادی وجہ ہمیشہ ہی یہ رہی کہ یا تو خود انھوں نے یا ان کے بزرگوں نے وقتی ضروریات اور یا مصالح کے ماتحت انگریزوں سے مقامی دشمنوں کے خلاف ساجھا کیا اور نتیجتہ" ان کے جال میں پھنس کر رہے جس سے ان کے جانشینوں کو تک نجات نہ ملی بلکہ وہ بھی ضرورتا" سہی اور کچھ مجبوراً نئے معاہدوں کے زیر اثر آتے چلے گئے۔ مآل کار یہ کہ مغلیہ دربار سے لے کر دربار آصفی تک میں متعینہ کمپنی کی حکومت کا رزیڈنٹ بے تکلفانہ اور مستقلاً" مداخلت بیجا کا سخت غیر مہذبانہ ارتکاب کیا کرتا تھا اور متعدد درباری طبقوں کے امراء ہی نہیں اقتدار اعلیٰ کے مالک حکمران بھی رزیڈنٹ کی اپنی زبردستیوں اور اس کے مقامی کھلے اور چھپے ہوئے ایجنٹوں کی حرکتوں اور سازباز سے ہوشیار اور خائف و پریشان رہا کرتے۔

یہاں یہ سوال اہمیت اختیار کرجاتا ہے کہ جب میسور کے خلاف حیدر آبادی اور مرہٹہ قیادت جیسی باہم متصادم بلکہ متحارب قوتیں انگریزوں کی کوششوں سے متحد ہوسکتی تھیں اور سلطان ٹیپو کی شہادت کی آلہ کار تو آخر بیرونی دشمن یعنی انھی انگریزوں کے خلاف میسوریوں نیز مرہٹوں اور حیدر آبادیوں کے اتحاد باہمی کے وسیلے سے انگریزوں کا صفایا کیوں نہیں کیا جاسکتا تھا؟ آخر وہ ایسے کون سے زبردست و قوی عوامل تھے جو مقامی طاقتوں کو انگریزوں کے خلاف متفق علیہ اور نبرد آزما کرنے میں واقعی مانع ہوئے؟ اس عدم اتفاق کا الزام انگریزوں کو دینا تاریخ کے کھلے اور چبھتے ہوئے حقایق سے منہ موڑنے کے برابر ہوگا۔ بظاہر محسوس ہوتا

Marfat.com

ہے کہ نئی سلطنت میسور کی ہوس ملک گیری کے بے حد عملی اور نہایت جارحانہ مظاہروں اور ان کے سال ہا سال تک تواتر نے مرہٹوں اور آصف جاہیوں جیسے تاریخی دشمنوں کو بھی ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا۔ بانی خانوادۂ آصفیہ مغل حکومت کے صوبہ دار "شش صوبہ دکن" اور بعدہ وزیراعظم کی حیثیت میں مرہٹہ طاقت کے ظہور اور عروج کے خلاف عشروں تک خود برسرپیکار رہے اور ان کی حکمت عملی میں دفاعی و جارحانہ کاروائیوں کے علاوہ مصالحتی اقدامات بھی شامل تھے۔ ان کے بیٹوں صلابت جنگ اور آصف جاہ ثانی کے ادوار میں مرہٹوں نے زور بازو سے ریاست کے موروثی "شش صوبہ دکن" کے مرہٹہ علاقوں پر حملہ آور و قابض ہو کر جنگ و جدل متصل جاری رکھی۔ اس کے بعد ٹیپو کی بھی مسلط کی ہوئی جنگوں کے سبب ہی نظام ثانی اور مرہٹے لڑائی کی بساط لپیٹ کر اتحاد پر مائل ہوئے اور اولاً ۱۷۹۱ء میں میسور سے کامیاب محاربہ کرکے بعد میں پھر الجھ پڑے۔ یہاں بطور خاص آصفی حکمران کی حکمت عملی کی ناکامی آشکار ہوتی ہے کہ وہ مرہٹوں کی ہمت شکنی کے لئے ٹیپو سے مفاہمت کر لیتے تو بڑا قابل فہم ہوتا۔ ساتھ ہی چاہے مرہٹوں کے تعلق سے یا علی الخصوص انگریزوں کے خلاف آصفی طاقت سے مصالحت نہ کرکے خود ٹیپو نے بڑی سخت تاریخی غلطی کا ارتکاب کیا کہ اس وقت اس کا اصل مقابلہ آصفی سیادت اور مرہٹہ قوت سے نہیں تھا جن کے علاقے وہ چھین رہا تھا۔

غرضکہ شمال ہو یا جنوب اور مشرق یا مغرب ہندوستان بھر میں مقامی قوتوں کے ایک دوسرے کے خلاف مستقل محاذ آرائی کے ہی طرز عمل نے انگریزوں کا حوصلہ اس حد تک بڑھا دیا کہ انھوں نے حسب موقع و ضرورت ان متحارب طاقتوں کو استعمال کرکے ان کو ٹوٹ پھوٹ کے عمل سے دوچار کیا۔ انگریزوں کی حکمت عملی کو موردالزام نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے ورود سے قبل ہندوستان میں عالمگیر طوائف الملوکی جاری تھی اور ان کی قوت کے جنوب میں استحکام و نفوذ سے پہلے ہی جنوب کے تینوں اہم ترین عناصر ایک دوسرے کے خطوں پر حملہ اور قبضہ کر رہے تھے۔ انگریزوں پر زیادہ سے زیادہ یہی الزام عاید ہو سکتا ہے کہ اہل ملک کی باہمی آویزش کو انھوں نے مختلف اطراف میں اپنے جیوپولیٹکل مفادات کا تابع کرکے مقبوضات میں اضافے کے لئے سبھی کا استحصال اور یکے بعد دیگرے خاتمہ کیا۔ انگریز نہ تو فاتحین کی طرح برصغیر میں داخل ہوئے تھے نہ لشکر کشی کی خاطر کثیرالتعداد سپاہ لے کر وارد

Marfat.com

ہوئے تھے بلکہ جنگی لحاظ سے تقریباً بے سروسامانی کی حالت میں مجتمع ہوئے تھے۔ ان کی اصل قوت ان کی مختلف النوع قسم کی حکمت عملی تھی جس کے تحت انھوں نے مقامی آبادی میں سے سپاہی بڑی تعداد میں ملازم رکھے' طوائف الملوکی کی جاریہ صورتحال کو خود بھی ایکسپلائٹ کیا' چھوٹے موٹے رجواڑوں اور مقتدر طبقات کے افراد کو اپنا حامی بنایا اور ایک دوسرے کے خلاف استعمال کیا' پھر بڑی طاقتوں کو مغلوب کرنے کے لئے ان کا بھی منصوبہ بند استحصال کیا۔ حیدر آباد کی حد تک مقتدر طبقے میں سے دو وزرائے اعظم انگریزوں کے بخصوصیت اور پوری طرح آلہ کار ثابت ہوئے' ایک میر عالم جو نظام الملک کے معاصر تھے اور چندو لعل جو تین آصفی حکمرانوں کے معتمد مقرب تھے۔ آخرالذکر طریقہ واردات میں جنوبی ہند کی حد تک انگریزوں نے بیک وقت دونوں نئی مملکتوں کو ایک دوسرے سے آخری مرحلے میں لڑوا کر ملک گیری کی منصوبہ سازی پر بڑی ہوشیاری سے عمل کیا' یعنی آصفی ریاست کو معاہدوں سے زیر کیا اور سلطنت میسور کو بھرپور جارحیت سے۔ ازاں بعد خود مرہٹہ قوت کا خاتمہ ۱۸۰۳ کی بڑی جنگ میں انھوں نے کردیا اور اس طرح مکافات عمل کا قانون پورا ہو کر رہا کہ قتل ٹیپو کی ذمہ دار طاقتیں اس سازباز کے شریک غالب کے ہی ہاتھوں علیحدہ سازشوں کی شکار ہو کر قدرتی انجام کو پہنچیں۔ اس سب کچھ کے لئے بنیادی طور پر دیسی طاقتوں کی باہمی منافرت اور سخت ناعاقبت اندیشی کو ہی ذمہ دار گردانا جاسکتا ہے کیونکہ تینوں کے مشترکہ اور حقیقی خارجی دشمن نے اسی صورتحال کا فائدہ اٹھایا۔

ادھر خود انگریزوں کو ان کی منافقانہ ذہنیت اور اس پر عمل آوری کے مختلف پہلوؤں کی بناء پر قانون شکنی اور بڑے پیمانے پر استحصال کی عجیب و غریب اور غیر مہذبانہ وارداتوں کی ذمہ داری سے کبھی بری نہیں کیا جاسکتا۔ وہ جارحین اور حملہ آور کے بطور آتے تو سرحدوں پر تمام منتشر اندرونی قوتیں خود بخود جمع ہو کر ان کا مقابلہ کرتیں۔ مگر مجموعی طور پر انگریز نہ تو کسی ملک یا قوم کے فاتحانہ منصوبے اور لشکر لے کر آئے تھے نہ ان کے تجارتی مقاصد کے پس پشت جارحیت کی کوئی تیاری عیاں تھی۔ بعد کے انگریزوں کو کچھ تو جارحانہ انداز و اطوار کے ساتھ وارد ہونے والے دوسرے یوروپیوں کی منصوبہ سازی نے اور کچھ مقامی انارکی نے تسخیر کا نسخہ کیمیا سجھایا اور تاجروں کے طور پر نئے پرانے انگریزوں نے جو تعلقات قائم اور اثرات پیدا کر لیے تھے ان پر انحصار کرتے ہوئے انھوں نے چھوٹی موٹی قوتوں کو اپنا ہمنوا اور

Marfat.com

مقامی شہریوں کو متفرق دستوں میں ملازم کرنا شروع کیا۔ اسی مرحلے سے انگریزوں کی ہوس ملک گیری کی صورت گری چھوٹے بڑے پیانے کی فوج کشی میں ہوئی اور مورخین کو ان کی اجتماعی ذہنیت کے مماثلات پر اسی لئے تعجب ہوتا ہے کہ انھیں نہ تو سات سمندر پار کی فوجی مدد کی آس تھی نہ اس کی فراہمی کی کوشش ان کے گروہوں میں سے کسی نے کی۔ خود کمپنی کی کھلے عام اور ڈھکی چھپی پالیسیوں کا اہم ترین عملی نکتہ تجارتی انداز کی نفع اندوزی تک مرکوز و محدود تھا مگر رفتہ رفتہ ان کا عمل مقامی قوتوں کو اپنی حکمت سے کبھی منتشر تو کبھی مجتمع کر کے بہرصورت اپنے حق میں حامی و ناصر بنانے پر منحصر و مرتکز ہوتا چلا گیا۔ اسکے تحت کمپنی والوں نے ملک بھر میں یکساں و مختلف ہر نوعیت کے اقدامات کئے حتیٰ کہ سپاہی تک مقامی ہی بڑی تعداد میں بھرتی کر کے انھی کی قوت کے بل بوتے پر علاقے ہتھیا لئے۔

ان کی مجموعی بصیرت کا تصور فرمائیے کہ انگریزوں نے اجتماعی طور پر ہندوستان کے طول و عرض میں جنگی و فاتحانہ عمل کے ساتھ ساتھ لسانی و تعلیمی سطحوں پر نفوذ کے ارادوں کے تحت بھی متنوع اور منصوبہ بند پالیسی اختیار کی' تاکہ ان کی حکومت کے نمائندوں اور ترجمانوں یعنی دفتریوں سپاہیوں سبھی کو مقامی عوام کی زبان بھی آئے اور وہ حسب ضرورت و موقع جس سے جو چاہیں کام لے سکیں۔ یہ بھی ان کے منافقانہ تصور حکمرانی یا منصوبہ ملک گیری کا ایک لازمی حصہ تھا اور ان فوائد کے قطع نظر جن سے اہل ملک کی نسلیں ان سے ازاں بعد بہرطور متمتع ہوئیں متعلقہ اقدامات کے طریق کار اور ان کی پشت پر موجود پالیسی ساز ذہنیت کو ان کی منافقت کا ہی نمونہ کہا جائے گا۔ اس تعلق سے محض "فورٹ ولیم کالج" کے قیام کی محرک ذہنیت اور حکمت عملی کو نگاہ میں رکھا جاسکتا ہے گو یہ ادارہ آغاز کار میں ہی خصوصاً اردو و ہندی ادب کے تیز تر ارتقاء کے حق میں انتہائی نفع بخش نکلا جس کی اپنی مطبوعات ہی متعدد نہیں ہیں بلکہ جس کی اپنی تاریخ پر تحقیقی جائزوں کی تعداد تک کم و بیش پچاس ہو چکی ہے۔ کمپنی کی حکومت کی تعلیمی و لسانی پالیسیوں اور اس کے مضمرات و فوائد کی کیفیت یہاں وجہ طوالت ہوگی کہ یہ خود ایک مبسوط تحقیق کا موضوع ہے۔

انگریزوں کی مختلف و متنوع اور متعدد حکمت عملیوں کے بھی تذکرے اور تبصرے کی متحمل ان اوراق کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ عرض ہوا ان کی مجموعی ذہنیت کا ایک پرمذمت پہلو تو یہی تھا کہ وہ سابقہ فاتحین کی طرح عسکری وسیلے سے سرزمین ہند پر وارد نہیں

Marfat.com

ہوئے تھے جس کے بعد فریقین یعنی فاتحوں اور مفتوحوں میں مسلح مقابلوں کا جواز ایک تاریخی روایت کے بطور ہوتا۔ تجارتی جارحیت کے بعد ملک کی ریاستوں میں ان کی ہر طرح کی اور ہر وقت کی فوجی اور سیاسی و انتظامی مداخلت انگریزوں کے اجتماعی تسخیری و قابضانہ عمل کا دوسرا مرحلہ اور نہایت ہی قبیح پہلو تھا۔ ملک گیری کے طریقہ ہائے واردات کے طور پر چھوٹی بڑی خودمختار وحدتوں میں کمپنی کی حکومت کے مقرر ہر رزیڈنٹ کی داخلی امور و مسائل میں بلاوجہ اور خود غرضانہ دراندازیاں اور سخت غیر معقول سی زبردستیاں جس جبر و اکراہ کی صورت حال کو عام کرتی جارہی تھیں ان کی منظرکشی صرف ناصرالدولہ کی اس بے بسی سے ہی ہوجاتی ہے۔ جس کا مظاہرہ وہابی تحریک ۱۸۳۸ کے ضمن میں بھائی کو ماخوذ کرنے اور حراست میں لینے سے لے کر رہائی کی ابتدائی کوشش تک کے موقعوں پر ان سے ہوکر رہا۔ دراصل یہ سبھی کچھ انفرادی و مجموعی طور پر انگریزوں کے منافقانہ طرز عمل کا نتیجہ تھا اور منافقت کا ہر ایسا اظہار دنیا کے کسی بھی اخلاقی نقطہ نظر اور جہاں بانی کے بھی معتدل و متوازن فلسفوں کی رو سے سخت قابل مذمت ہوتا تھا۔

انگریزوں کی علی الخصوص مسلمانوں کے تئیں منافرت و عصبیت اور نفاق پرورانہ ذہنیت کی تاریخ بھی ایک مستقل کتاب بلکہ کئی مجلدات کا موضوع ہے۔ وہابی تحریک ۱۸۳۸ کی گیرودار کے موقع کے مراسلات سے رجوع فی الوقت کافی ہوگا جو اقتباس ہوئے ہیں۔ یہ خفیہ کاغذات اولاً "ایک سو سال سے زائد بعد منکشف ہوئے ہیں اور گواہ ہیں کہ کمپنی کی حکومت کا ہر کارندہ قومی مفاد و ذہن کے مطابق ہی سوچتا تھا۔ یہ ان کی عمومی سوچوں کی ہی کارفرمائی تھی کہ ان کی مشین کا معمولی کل پرزہ بھی اپنے کام کی جگہ پر تاج برطانیہ کے محافظ و سپاہی کا سا دماغ رکھتا تھا اور مخصوص مذہبی فکر و ذہنیت کی اثراندازی اس پر مستزاد۔ ان میں سے ایک ایک فرد و بشر کا عمل انھی کیفیات کا ملا جلا نمونہ ہوا کرتا تھا۔

ان ذہنیتوں اور حکمتوں اور ان پر عمل آوری کی طویل و متصل ستم فرمائیوں کا فی الجملہ اور قدرتی تقاضا تھا کہ ایسی کوئی شخصیت سامنے آتی جو انگریزوں کی عمومی اور خصوصی سوچوں کا نظری سطح پر احاطہ اور عملی مقابلہ کرنے کی فطری صلاحیتوں سے لیس ہوتی۔ مبارزالدولہ اپنی دماغی سے لے کر خاندانی اور ریاستی سے لے کر سیاسی ہر نوع کی حد بندیوں میں گھرے رہنے اور کمزوریوں میں مبتلا رہنے کے باعث تمام تر خواہش و کوشش کے باوجود جو ذاتی

Marfat.com

اغراض و مفادات سے داغدار بھی تھی اس کی کس قدر اہلیت کے مالک تھے ظاہر ہی ہے۔ تاہم مبارزالدولہ کی رحلت ۱۸۵۴ کے زمانے میں ایسی قیادت کا ظہور منبع فیض کی جانب خاص سے ہوا جو اسم بامسمیٰ طور پر عظیم ثابت ہوئی۔ عظیم اللہ خاں نے قائدین وقت کو حکیمانہ انداز میں انگریزوں کے بالمقابل مجتمع و متحد اور منظم و متحرک کرکے کل ہند پیمانے پر انقلاب برپا کرنے کی محکم اور بے لوث جدوجہد کی۔ عظیم اللہ خاں کی اپنی قائدانہ لیاقت اور خوبی کے علاوہ ان کی انقلابی تحریک کا خمیر ۱۸۵۷ کی پیشرو ان ساری کوششوں کی مجموعی قوت سے اٹھا تھا جس میں بقدر ظرف و حوصلہ مبارزالدولہ کا بھی کنٹریبیوشن تھا اور یقیناً تھا۔ مبارزالدولہ کا خون اس میں شامل گرچہ نہ تھا انھوں نے محدود مفادات و اغراض کے تحت سہی جو تموج و تحرک برپا کیا وہ وقتی ہیجان ثابت ہونے کے باوجود انگریزوں کی قوت کو کمزور اور زخمی کرنے کا موجب ضرور ہوا۔ فوری بعد کے "غدر ۱۸۵۷" سے لے کر سیاسی نوعیت کی باقاعدہ و منضبط تحریکات آزادی تک ہر ایک کو مبارزالدولہ کی مختصر المیعاد شورشوں اور منصوبہ سازیوں کا فیضان لازماً منتقل ہوا۔

تاریخ میں مبارزالدولہ کا مقام و مرتبہ کوئی ایسا سوال نہیں جو خلاء میں معلق رہ جائے تاہم تاریخ میں ان کے درجات کا سوال کہ وہ کس رتبے کے اہل تھے جدید محققین کی تازہ اور نسبتاً" مکمل جستجو پر بہت کچھ منحصر رہے گا۔ خاکسار کی اپنی بے بضاعتی کے سبب ان اوراق پریشان کی بے ترتیبی سے ظاہر ہی ہے کہ یہ مضمون راقم کی حقیر استعداد سے کہیں زیادہ ہے اور وہ خود کو اس کا حق بلکہ اس کا عشر عشیر تک ادا کرنے سے قاصر پاتا ہے۔ یہ احقر اس بھاری پتھر کو صرف چوم کر چھوڑنے کا ہی گناہگار ہو رہا ہے کہ اس سنگ گراں کا بوجھ اٹھانے کا وہ کسی طور دعویٰ دار نہیں ہے۔ راقم کی فی الجملہ تہی دستی یعنی وسائل کی کمی اور مسائل کی زیادتی سوانح ہذا کے کئی گوشوں پر مبارزالدولہ کے تذکرہ نگار مورخین کے ڈالے ہوئے اغماض و چشم پوشی کے دبیز پردے اٹھانے میں حائل رہی ہے۔ مواقع اور بے مائگی کی ملی جلی کیفیت کی بناء پر یہ حقیر سطور جو اسقام و معیوب سے پر ہیں کسی دا عیے کے بغیر ہدیہ ناظرین کی جا رہی ہیں۔ مبارزالدولہ کی تاریخی حیثیت ہمہ پہلو ہے جس پر اسی باب کے شروع میں اشارتاً" عرض کیا گیا ہے تاہم ان کے تاریخی مرتبہ و مقام کے بارے میں سوال کا جواب مستقبل کے سیاسی و سوانحی مبصرین پر قرض بھی رہے گا فرض بھی' اور انھی کے نتائج تدقیق

Marfat.com

اور ان کی بصیرت و صوابدید پر ہی اس کی ادائیگی کا ذمہ عائید ہوتا ہے۔

آئندہ مصنفین سے بجا طور پر اور حقیقی توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں کہ وہ مبارزالدولہ جیسے اولین مجاہد آزادی کے تہہ در تہہ سیاسی کارناموں اور پہلودار تاریخی کردار پر تحقیق اور انصاف کے مشترکہ علمی تقاضوں سے عہدہ برآ ہوتے ہوئے اپنے گراں مایہ تدقیقی عمل اور گراں قدر تجزیاتی مباحث سے نامعلوم حقائق کے انکشافات اور اصل واقعات کی پیش کش کا خصوصی اور بھرپور اہتمام کریں گے۔ اوراق ہذا میں وثوق و قطعیت سے کوئی خاص موقف اختیار کرنا مشکل اور غیر ممکن تھا پھر بھی بطور محرک و مجاہد حریت مبارزالدولہ کی زندگانی پر معلوم کوائف کی گرد آوری کی ناقص و سقیم سی سعی طالب علمانہ کاوش کی گئی ہے۔ مقصود اصلی یہی ہے کہ ایک تو متعلقہ حقیقتوں کی جتنی تہیں کھولنی ممکن ہوں غیر جانبداری اور احتیاط کے ساتھ انھیں آشکار ہونے کا پورا پورا سامان مہیا کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس کوشش کو مستقبل کے تاریخ نویس اور سوانح نگار افاضل ابتدائی خاکے اور خام مال کے طور پر اپنے کام میں لاکر اس وسیع میدان میں تفحص کا آغاز کرسکیں تاکہ نئی سے نئی فکر اور اور تازہ دریافتوں کے عمدہ نتائج علمی دنیا کے سامنے آئیں۔

اس کا قوی اور واثق امکان ہے کہ آئندہ محققوں کی بہترین کاوشوں کے ذریعے یہ صحیح طور پر منکشف ہوسکے گا کہ

——— مبارزالدولہ کے سیاسی عمل میں افتاد طبیعت نیز روشنی طبع اور عجز طبیعت میں سے کس کا پلہ بھاری تھا'

——— تحریک آزادی کے اولین اور بڑے مجاہد کے بطور مبارزالدولہ کے جوہر طبع کا فیضان بعد کی قوتوں کو کتنا منتقل ہوا'

——— ریاست کے دورانیے میں نمایاں ہونے والے اکابر میں مبارزالدولہ کی درجہ بندی کس طور ہونی چاہیے۔

نئی تحقیقات سے ان بہت سے سوالوں اور شکوک و اعتراضات کا نہ صرف شافی جواب مل سکے گا بلکہ انھیں رفع کرنا محکم دلائل کی بناء پر ممکن ہوجائے گا جو اس تاریخی جائزے کے کئی ایک واضح اور غیر معلوم گوشوں کی بابت سامنے آتے ہیں جن میں سے چند گزشتہ صفحوں میں مذکور ہوئے ہیں اور بہت سوں کو "مبارزالدولہ: ایک سیاسی سوانح" سے بخوف طوالت حذف

Marfat.com

کردیا گیا ہے۔

استدعا ہے کہ لائق محققین نیز فاضل مبصر حضرات اور قارئین کرام اس ہمہ صفت موصوف شخصیت کے سیاسی کردار اور تاریخی عمل کے محض چند ایک عنوانات پر ان غیر مرتب اوراق کو ایک متجسس طالب علم کی مطالعاتی کوشش سے زیادہ ہرگز خیال نہ فرمائیں۔ واقعہ یہی ہے کہ حیات مبارزالدولہ کے ممکنات اس سے یقیناً اور بیش از بیش زیادہ ہیں اور "مبارزالدولہ: ایک سیاسی سوانح" کا مقصد وحید اس سے سوا نہیں ہے کہ اس کاہش جاں سے ایک واقعی پر مغز اور محققانہ تجزیے کو تحریک ملے۔

۱۷۹۵ میں مبارزالدولہ کی ولادت کی دو سو سالہ یادآوری کی تقریب سے ۱۹۹۵ میں حیدرآباد کی فضاؤں میں زوردار طریقے سے ایک نعرہ ضرور گونجنا چاہیے۔ "مبارزالدولہ ـــــ زندہ باد"!

(کراچی : جولائی' اگست ۱۹۹۱۔)

Marfat.com

Marfat.com

مبارزالدولہ : شجرۂ آل و اولاد

۱۹۶۴: مبارزالدولہ کی آل و اولاد کی فہرست سازی

اختتامیہ کتاب کے بطور مبارزالدولہ کی آل و اولاد کی ممکنہ تفصیلات پیش ہیں جو شایع شدہ ذرایع کے علاوہ غیر مطبوعہ نجی وسائل سے بھی بازیاب کر کے جمع کی گئی ہیں۔ مبارزالدولہ کے فی الوقت موجود ورثاء سے ارتباط و استفاضہ کی غرض سے راقم نے ایک گزارش حیدر آباد کے روزنامہ "سیاست" مورخہ ۲۱ر جون ۱۹۶۴ اور انجمن ترقی اردو ہند کے ہفت روزہ "ہماری زبان" علی گڑھ مورخہ یکم جولائی ۱۹۶۴ میں شائع کروائی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ مبارزالدولہ کے خاندان کے معاصر بزرگوں سے حاصل ہوسکنے والی معلومات سے اکتساب کے ساتھ ساتھ ان سے نسبی تعلق کو ثابت کرنے والی درمیانی کڑیوں کو وثوق و صحت کے ساتھ کھوج نکالنے کی کوشش ان بزرگان خانوادہ کی ہی سرپرستی میں کی جائے۔ ارکان خاندان سے رابطہ ہونے پر ان حضرات کی مدد اور وساطت سے مبارزالدولہ کے آخری بیٹے صاحبزادہ میر عابد علی خاں کی اولاد کے شجرے بازیاب ہوئے۔ ان صاحبان کے من جملہ جناب لطف علی خاں صاحب بطور خاص قابل ذکر ہیں اور ان کی توجہات قابل شکرانہ کہ صاحب موصوف سے نہ صرف کئی ملاقاتیں رہیں بلکہ انھوں نے مبارزالدولہ تک سلسلہ نسب تحریر کر کے عطا کیا ہے جو منقول ہو رہا ہے۔

مبارزالدولہ کے سب سے چھوٹے بیٹے عابد علی خاں کے بڑے بھائیوں میں سے کسی کے موجودہ وارثوں سے ربط ضبط کا افسوس کہ موقع نہ مل سکا۔ یوں ان حضرات میں سے کسی کی اولادوں کی خاندانی فہرس کا حصول ممکن نہیں ہوسکا ہے اور فقط مطبوعہ ذریعوں سے محملہ مختصر سی فہرستیں اخذ کر کے درج کی جارہی ہیں۔ متعلقہ مطبوعات میں اس سلسلے کے اندراجات زیادہ نہیں پائے گئے ہیں جب کہ مبارزالدولہ کے آخری بیٹے عابد علی خاں کی اولادوں کا سرے سے کوئی داخلہ نہیں ملتا ہے۔ اس طرح کی اطلاعات کے ان ذرایع میں کم یا مفقود ہونے کی مشترکہ وجہ یہی ہوگی کہ امتداد زمانہ کے ساتھ مبارزالدولہ کے گھرانے سے تعلق اور دل بستگی رکھنے والے مقامی مورخین اور تذکرہ نگاروں میں سے کوئی باقی نہ رہے ہوں گے اور نئے مصنفوں کو کوئی دلچسپی ان معلومات کو جمع کرنے سے رہی نہیں ہوگی۔

Marfat.com

مفصل کتابیات میں جن ذرائع کی فہرس ترتیب دی گئی ہے انھی کے من جملہ بطور خاص چار مطبوعات اس آخری باب میں بھی زیر اکتساب ہیں۔ انکے تعارف کا مجملاً اعادہ یہاں مناسب موقع رہے گا: (۱) "نگارستان آصفی" مصنفہ سید التفات حسین خاں میر منشی رزیڈنسی' جو ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۵ کے بعد کی تاریخ ہے۔ (۲) "تاریخ یادگار مکھن لعل" تصنیف مکھن لعل شاہ جہاں پوری' جو ۱۲۴۷ ہجری یا ۱۸۳۲ کے بعد کی کتاب ہے۔ (۳) "شجرۂ آصفیہ" مرتبہ معظم الدولہ ابن شمس الامرا' جو ۱۲۵۲ مطابق ۱۸۳۷ کی تالیف ہے جسکی تکمیل جہاندار علی خاں منصور جنگ نے نصف صدی بعد کی۔ (۴) "تاریخ خورشید جاہی" از محمد امام خاں' جو ۱۲۸۴ یا ۱۸۶۸ کی مصنفہ ہے۔ مبارزالدولہ کی سیاسی زندگی کے اہم حوادث کا احوال محفوظ رکھنے والی کتب تواریخ مثلاً "گلزار آصفیہ" میں کوئی تفصیل دریافت نہیں ہو سکی ہے۔ جبکہ مکمل فہرس کسی ایک ماخذ میں درج بھی نہیں ہے۔

مبارزالدولہ کی شادیوں کا کوئی حال حتیٰ کہ "جنگ مبارزالدولہ" ۱۸۱۵ سے قبل کی پہلی دو بیویوں کے نکاح کا بھی کوئی حوالہ تاریخوں میں مذکور نہیں ہے۔ اولادوں کے ناموں کے ساتھ ان کی ماؤں کے بھی نام کتابوں میں آگئے ہیں جو یہ ہیں۔ روپ نگار بی' سرس نگار بائی' حرمت خانم' امیرا خانم' پاپابی' وزیر بو' شمشاد بیگم' دل نگار بائی۔ جیسا کہ مولانا غلام رسول مہر سے روایت ہوا ہے مبارزالدولہ نے تحریک مجاہدین ۱۸۳۸ سے وابستگی کے دوران اس کی خالص اسلامی تعلیمات کے زیر اثر تعدد ازواج کی شرعی پابندی کے تحت اپنی خواصوں کو آزاد کردیا تھا لیکن بعد میں ان معاملات پر ہنگامہ بھی ہوا۔ اس پورے واقعے کی کوئی سی کیفیت تذکروں میں نہیں آئی ہے چنانچہ نہ تو متاثرہ خواتین کے ناموں کا علم ہوتا ہے اور نہ ہی اس کا کہ مبارزالدولہ نے اپنی بخشی ہوئی اس آزادی سے رجوع کرلیا تھا یا نہیں۔ بہرحال مبارزالدولہ کی بیویوں اور خواصوں کی کل تعداد جو فقط ایک تاریخ میں مذکور ہے آٹھ ہی ہے جن کے نام مختلف کتب سے اوپر نقل کردیے گئے ہیں۔

مبارزالدولہ کے بیٹوں کے احوال اور خصوصاً لڑکیوں کے کوائف کی جمع آوری میں افسوس کہ کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی کیونکہ لڑکیوں کے حالات بہت کم مذکور ہوئے ہیں اور بیٹوں کا تذکرہ تقریباً معدوم ہے۔ مجموعی طور پر گمان یہی ہوتا ہے کہ ان کی اولادوں کی کیفیت چنداں نالائق رشک بلکہ شاید قابل ذکر بھی نہیں رہی۔ جو کچھ تفصیل مل سکی ہے ذیل کے

Marfat.com

عنوان کے تحت اقتباس کی جاری ہے جس کے بعد مبارز الدولہ کے چند بیٹوں کی اولادوں کے نام دیئے جائیں گے اور آخر میں سب سے چھوٹے لڑکے عابد علی کی تاحال موجود نسلوں تک کی فہرستیں۔

مبارز الدولہ کے بیٹوں کے مختصر حالات

ذیل کے اندراجات میں گذشتہ عنوان میں مذکورہ چاروں ماخذ میں سے ہر ایک کا سلسلہ نمبر بمعہ صفحہ نمبر مستعمل ہے۔ لڑکوں کی مجموعی تعداد اختلافی ہے۔

(۱) میر نظام علی : "پسر کلان مبارز الدولہ موسوم میر نظام علی المخاطب فخر الدولہ احتشام جنگ" (ملاحظہ ہو نمبر ۳ صفحہ ۴۳) نیز: "اول میر نظام الدین علی خان بطن سے روپ نگار بو کے" (نمبر ۴ صفحہ ۲۵۴)۔ سنین تولد و وفات نامعلوم: "پیشاہ سے دادا حضرت سکندر جاہ بہادر کے کہ حضرت نے انھیں آغوش میں لیا تھا' روبرو پدر کے محبت و نزار ہو کر قضا کیے" (ایضاً)۔ اولاد: "از ایشاں پسری شدہ بود" (۴۳/۳) تفصیل عدم دستیاب۔

مبارز الدولہ کی اولاد نرینہ کے ضمن میں تقدیم و تاخیر کا کچھ اختلاف بلکہ تضاد بیان سامنے آتا ہے۔ جو کسی طرح سے بھی صاف یا واضح نہیں ہوسکا ہے کیونکہ دو بیٹوں کو علیحدہ تواریخ میں پہلا لڑکا لکھا گیا ہے۔ دوسرے لڑکوں کے بھی تعلق سے متضاد سی روایتیں ملتی ہیں جو پیش ہوں گی' یعنی ایک ماخذ میں کسی کو کوئی نمبر اور اسی کو دوسرے میں کوئی اور نمبر پر درج کیا گیا ہے۔ داخلوں کے ان اختلافات کو رفع کرنا اب بالکل غیر ممکن ہے۔ پھر کسی ایک کتاب میں سارے نام نہیں ہیں۔

(۲) میر تہور علی : "فرزند نخستین کہ بروز جنگ متولد بنام میر تہور علی در سنہ ۱۲۳۰" (۱۸/۲)۔ "بروز جنگ" سے مراد ۱۳ھ رمضان ۱۲۳۰ھم ۲۰ ہر اگست ۱۸۱۵ اتوار ہے۔ کسی اور ذریعے میں اس نام کا کوئی اندراج ہے ہی نہیں اور نہ ہی متعلقہ مورخ نے ان کی کوئی اور تفصیل دی ہے۔ بغیر نام کے ایک داخلہ ان الفاظ میں ہے کہ "یک فرزند متولد بتاریخ ہجدہم (۱۸ھ) ماہ شعبان سنہ ۱۲۳۰" (۲۲/۱) جو اگر تہور علی کا ہی ہے تو تاریخ تولد "جنگ مبارز الدولہ" کی متفق علیہ تاریخ سے اس کا اختلاف ظاہر ہے۔ دوسری صورت یہ بھی ممکن ہے کہ ۱۸ھ شعبان اول الذکر میر نظام علی کی تاریخ پیدائش ہو جن کا نام اس ذریعے میں گو

Marfat.com

غیر مذکور ہے لیکن تواریخ سے ثابت ہے کہ اس جنگ سے پہلے مبارز الدولہ دو تین شادیاں کر چکے تھے کیونکہ ابتدائی چار اولادوں کی ولادت قریب العہد روایت ہوئی ہے۔

(۳) میر مظفر علی : "پسر دومی مبارز الدولہ موسوم میر مظفر علی" (۳/۴۳) نیز "سوم میر مظفر علی بطن سے سرس نگار بائی کے" (۴/۲۵۳)۔ دوسرے ماخذ میں بطور اولاد دوم میر احمد علی کا نام درج ہے جو آگے مذکور ہوگا۔ اولاد "ازایشاں یک پسر شدہ است" (۳/ ۶۴)۔ حالات ناگفتہ بہ: "خلل دماغ سے قتل پر مادر حقیقی و رضاعی کے خون میں گرفتار قید ہو کر دو روز میں بسبب بند ہونے آب و نان کے پانی پانی کرکے تشنہ لب خشک گلو جاں بحق پیش پدر ہوئے" (۴/۲۵۳)۔

(۴) میر جہانگیر علی : "پسر سومی مبارز الدولہ موسوم میر جہانگیر علی" (۳/۴۳) نیز: "پسر پنجم میر جہانگیر علی بطن سے امیرا خانم کے" (۴/۲۵۳)۔ اسی تاریخ میں یہ نام مبارز الدولہ کی اولاد کے من جملہ ان بیٹوں بیٹیوں کی فہرست میں شامل ہے جو اس کی تحریر کے وقت ۱۲۸۴ھ ۱۸۶۹ء تک و بلہ عالی جاہ یعنی "تقدیم محل میں جناب کے سلامت" تھے۔

(۵) میر احمد علی : "پسر چہارمی مبارز الدولہ موسوم میر احمد علی" (۳/۴۳) نیز: "دوم میر احمد علی نام" (۴/۲۵۳)۔ اولاد: "ازایشاں سہ پسر و دو صبیہ شدند" (۳/۴۳) جس کی فہرست آگے آئے گی۔ سنین حیات نامعلوم اور اطلاعات متضاد ہیں۔ اول الذکر مولفہ ۱۲۵۲ھ ۱۸۳۶ء کے مطابق: "در آغوش جمال النساء بیگم صبیہ کلاں سکندر جاہ مرحوم بود" (۳/۴۳) جب کہ دوسری تاریخ مصنفہ ۱۲۸۴ھ ۱۸۶۹ء کے الفاظ میں: "آغوش میں جمال النساء بیگم حقیقی پھوپی صاحبہ قبلہ کے ذی ولد تا حال دولت سرا میں بیگم صاحبہ موصوفہ مرحومہ کے رونق افروز ہیں" (۳/۶۴)۔ میر احمد علی کے سب سے چھوٹے بھائی صاحبزادہ میر عابد علی خان کے پڑپوتے ثم پڑنواسے لطف علی خاں صاحب کے لطف خاص سے جن موقر معلومات کا حصول ممکن ہو سکا ہے۔ ان میں میر احمد علی کی تاریخ وصال بھی ہے۔ ایک پنجاہ سالہ تقویم کی رو سے صاحبزادہ احمد علی کا انتقال ۱۷ر جمادی الثانی ۱۲۹۹ روز شنبہ کو ہوا جو قریب ۱۸۸۵ء ہونا چاہیے۔

(۶) میر سلطان علی : "پسر پنجمی مبارز الدولہ موسوم میر سلطان علی" (۳/۶۵) نیز : "پسر چہارم میر سلطان علی بطن سے حرمت خانم کے" (۴/۲۵۳)۔ اولاد: "ازایشاں چہار پسر و چہار صبیہ" (۳/۶۵)۔ ان کے لڑکوں کے نام آگے منقول ہیں مگر دختروں کی کیفیت کیا

Marfat.com

فہرس بھی کہیں تحریر نہیں ہوئی ہے۔

(۷) میر فتح علی : "پسر ششمی مبارزالدولہ موسوم میر فتح علی" (۴/۶۵) نیز: "پسر ششم میر فتح علی بطن سے پاپابی کے" ۔(۴/۴۵۳)۔ اولاد: ازایشاں سہ پسر شدند" (۴/۶۵) جس کی تفصیل علیحدہ نقل ہے۔

تاریخ "خورشید جاہی" کے بموجب ۱۲۸۲ھ ۱۸۷۹ تک میر جہانگیر علی کے علاوہ مذکورۂ بالا میر سلطان علی و میر فتح علی مبارزالدولہ کے کوٹلہ عالی جاہ والے "قدیم محل میں جناب کے سلامت" تھے۔

(۸) میر عابد علی : "پسر ہفتمی مبارزالدولہ موسوم میر عابد علی" (۴/۶۵)۔ ان کا کوئی ذکر کسی اور تاریخ درکنار "خورشید جاہی" میں تک مفقود ہے حالانکہ وہ اس ماخذ "شجرۂ آصفیہ" مولفہ ۱۲۵۲ھ ۱۸۳۶ کے ہی نہیں خود مبارزالدولہ کی وفات ۱۸۵۴ کے بھی بعد کی تصنیف ہے۔ اولاد: "ازایشاں ہفت پسر و شش صبیہ شدند' نام آں معلوم نیست" (۴/۶۵) اور یہ اضافہ اس تالیف میں ۱۳۰۱ھ ۱۸۸۵ کا معلوم ہوتا ہے۔ تاہم مبارزالدولہ کے ان غالباً سب سے کثیرالعیال بیٹے کی اولادوں کی فہرس حاصل ہو گئی ہے۔ یہ چونکہ مبارزالدولہ کے آخری لڑکے تھے ان کے چند پوترے مبارزالدولہ کی زندگی کی اس حقیر سی تحقیق اور ان اوراق کی ابتدائی تسوید کے زمانے ۱۹۴۳ تک بقید حیات تھے۔ البتہ اب تیس برس بعد مستحضر نہیں ہے اور کوئی یادداشت بھی کاغذات سے بازیاب نہیں ہوئی ہے کہ میر عابد علی کے پوتوں میر اشرف علی و میر آصف علی صاحبان سے خاکسار نے اس وقت لطف علی خاں صاحب کے توسط سے نیاز حاصل کیا تھا یا نہیں۔ یہ دونوں بزرگ ہستیاں ۱۹۴۳ میں حیات بہرحال تھیں۔

مبارزالدولہ کی لڑکیوں کے کوائف

مبارزالدولہ کی بیٹیاں تین تھیں لیکن جب ۱۹۴۳ میں اس باب کو راقم نے اولاً" تیار کیا اور بطور مضمون ۔شائع کیا تو اس میں کسی غلط فہمی کی بناء پر جو یاد نہیں رہی "چار لڑکیاں" لکھا گیا گو تفصیل تین بیٹیوں کی ہی درج تھی جو پیش ہے۔

دو ابتدائی کتب میں جو مبارزالدولہ کی صرف شروع کی اولادوں کی پیدائش یا موجودگی کے ذکر کا ذریعہ ہیں صرف دو ہی بیٹیاں بیان ہوئی ہیں۔ چنانچہ "یادگار مکھن لعل" نامی تاریخ

Marfat.com

میں "یک فرزند و دو دختر از خواصاں متولد شدہ است" (۱۸/۲) کے الفاظ ہیں جبکہ "نگارستان آصفی" نامی تذکرے میں بھی سنین ولادت کے ہمراہ "یک فرزند ـــــ و دو دختر" (۲۲/۱) ہی تحریر ہے۔ بعد کی دونوں ہی کتابوں میں تین بیٹیوں کا مذکور ہے البتہ "چار لڑکیاں" ہونے کا کوئی تذکرہ مبارزالدولہ کی اولاد کی کسی فہرس میں نہیں ہے گویہ فہرستیں اس اعتبار سے ضرور غیر مکمل ہیں کہ مبارزالدولہ کے تمام آٹھ بیٹوں کا یکجا اندراج کسی میں نہیں ہے۔ "شجرۂ آصفیہ" نامی تالیف میں مبارزالدولہ کی دختروں کی تعداد تین ہی ہے۔ "از ایشاں سہ صبیہ و ہفت پسر شدند" (۴۳/۲) جبکہ "خورشید جاہی" میں بھی "تین دختر" (۲۵۳/۴) کے الفاظ ہیں۔ مجملہ معلومات ملاحظہ ہوں۔

(۱) تقیہ بیگم یا نصیبہ بیگم : "صبیہ اول موسومہ تقیہ بیگم" (۴۳/۲) نیز: "تقیہ بیگم بطن سے وزیر بو کے" (۲۵۳/۴)۔ ولادت ۱۲۳۰ھ ۱۸۱۵ء: "دو دختر کی باسم نصیبہ بیگم متولدۂ نہم رجب سنہ الیہ" (۲۲/۱) نیز: "دو دختر از خواصاں متولد شدہ است تاریخ تولد نہم رجب سنہ الیہ" (۱۸/۲)۔

(۲) افضل النساء بیگم، "افضل بیگم بطن سے شمشاد بیگم کے" (۲۵۳/۴)۔ ولادت : "و دیگری افضل النساء بیگم متولدۂ ہفدہم رمضان سنہ الیہ" (۲۲/۱) نیز: "دوم افضل النساء بیگم تولد ہفدہم رمضان سنہ الیہ" (۱۸/۲) یعنی ۱۷ر رمضان ۱۲۳۰ھ ۱۸۱۵ء۔ انھیں "شجرۂ آصفیہ" میں بربنائے غلط فہمی "صبیہ سوی موسومہ افضل النساء بیگم" لکھا گیا ہے اور نجم النساء بیگم (یا نجیب النساء بیگم) کو دوسری بیٹی قرار دیا گیا ہے (۴۳/۲)۔

(۳) نجم النساء بیگم یا نجیب النساء بیگم : "صبیہ دوی موسومہ نجم النساء بیگم" (۲/ ۴۳) جو مبارزالدولہ کی غالباً تیسری بیٹی تھیں جن کا نام اختلاف کے ساتھ اور بھی منقول ہوا ہے۔ "نجیب النساء بیگم بطن سے دل نگار بائی کے" (۲۵۳/۴) کیونکہ اس مقام پر نام نجم النساء مذکور نہیں ہے۔ دونوں ہی کتابوں میں مبارزالدولہ کی تین لڑکیوں کا حوالہ ہے اور سوائے افضل النساء بیگم کے دو بیٹیوں کے دو دو نام چاروں مطبوعات سے دریافت ہوئے ہیں۔ افضل النساء کے تعلق سے "یادگار مکھن لعل" و "خورشید جاہی" نامی تواریخ کی ترجیح کے مد نظر نجم النساء یا نجیب النساء کو تیسرے اور آخری نمبر پر شمار کرنا مناسب تر معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

ان سب مصادر میں متذکرہ پانچ ناموں یعنی تقیہ بیگم، نصیبہ بیگم، افضل النساء، نجم النساء اور نجیب النساء کی بناء پر یہ فرض کرنا قطعاً" غلط ہوگا کہ مبارزالدولہ کی پانچ دختریں تھیں اگرچہ پانچوں نام ان منابع میں سے کسی میں یکجا نہیں ہیں "تاریخ خورشید جاہی" میں مبارزالدولہ کے "قدیم محل میں جناب کے سلامت ہیں" درج ہے۔ ان لڑکیوں کی ازدواجی زندگی پر کل ملا کر صرف اس قدر معلومات "شجرۂ آصفیہ" میں ملتی ہیں کہ "ہرسہ ناکتخدا" (۳/ ۶۴)۔ مبارزالدولہ کی نہ صرف عمومی سوانح بلکہ سیاسی زندگانی کا جائزہ لینے والا کوئی محقق اور مبصر تین الفاظ پر مبنی اس اطلاع کی اہمیت سے انکار کا قطعی اور ہرگز ہرگز مرتکب یا متحمل نہیں ہوسکتا کیونکہ ان پر مبارزالدولہ کی مخصوص سیاست و مبارزت کی بہت گہری چھاپ ہے۔

مبارزالدولہ کی پہلی دونوں بیٹیوں کے بارے میں یہ امر طے شدہ ہے کہ دو مختلف ماؤں سے وہ ۱۸۱۵ میں متولد ہوئیں اور "شجرۂ آصفیہ" کی تالیف کے وقت ان کی عمر بیس اکیس سال ضرور تھی۔ ایک ایسے ماحول میں جہاں ان کے والد عالم شہزادگی میں اسی عمر کو پہنچتے پہنچتے دو بلکہ شاید تین شادیاں رچا چکے تھے ان لڑکیوں کے ہاتھ پیلے کئے بغیر بیٹھے رہنا حیران کن ہے۔ اس کے ایک نہ دو بتیس سال بعد "خورشید جاہی" کا تینوں لڑکیوں کے اپنے تین علاتی بھائیوں کے خاندانوں کے ساتھ کوٹلہ عالی جاہ والے مبارزالدولہ کے محل میں مقیم رہنے کا بیان اس شبہ کو یقین میں بدل دیتا ہے کہ مبارزالدولہ کی بیٹیاں حیدرآبادی محاورے میں "ان بھئی" یعنی بن بیاہی رہ گئیں۔ "شجرۂ آصفیہ" کی ترتیب کے نصف صدی بعد ہونے والے اضافوں میں "ہرسہ ناکتخدا" کے آگے کوئی اطلاع مندرجہ نہیں ہے جس کا مطلب عیاں ہے۔ زیر مطالعہ شخصیت کی خاندانی زندگی کا یہ نرم سے نرم اور کم از کم لفظوں میں بھی بڑا بھیانک پہلو ہے اور ضرور ہے البتہ اس عقدۂ لاینحل کو ان کی سیاسی سطح کی مبارزت کے سانحات سے جدا کرکے شاید ہی سمجھا جاسکے۔

مبارزالدولہ کی دختروں کے "ہرسہ ناکتخدا" رہ جانے کا ایک سبب تو یہی ہوگا کہ ہم پلہ روساء مبارزالدولہ اور ان کے آدمیوں کی حرکتوں اور ان کی بناء پر ان کی معاشرتی ساکھ اور حیثیت کی خرابی بسیار کے باعث ان سے خائف رہتے ہوں گے اور ان کے ہاں پیام دینے سے گھبراتے ہوں گے۔ عامتہ الناس میں مبارزالدولہ کی مقبولیت اور پذیرائی کی جو بھی وجوہ ہوں

Marfat.com

اپنے متوازی یعنی درباری حلقے میں ان کی شہرت کس حد تک نیک نہاد رہی ہوگی یہ نہ تو ان دنوں کوئی سربستہ راز تھا نہ آج ہے۔ شاہی خانوادے کے مقتدر افراد جن ذی مرتبہ خاندانوں میں رشتے کرتے تھے یعنی بیٹیاں دیتے اور بہویں لاتے تھے وہ مبارزالدولہ کی لڑکیاں بیاہ کر خود کو ان کے ساتھ بریکٹ نہیں کرسکتے تھے۔ خاص کر ۱۸۳۲ کے بعد جب مبارزالدولہ کی دو بیٹیوں کی عمریں شادی کے قابل ہورہی تھیں اور مبارزالدولہ شورش تن خواہ و خزانہ کی پاداش کی قید سے نظام کی محض برادرانہ نرم خوی کے باعث رہا ہوئے تھے کوئی بھی سربرآوردہ خاندان ریاستی انتظامیہ اور پھر کمپنی کی حکومت کے بھی کارندوں کی نگاہوں میں اپنے نمایاں ہونے کا خطرہ کبھی نہیں مول لے سکتا تھا۔ اس رہائی کے صرف چھے سال کے اندر اندر مبارزالدولہ وہابی تحریک ۱۸۳۸ میں جس طرح ملوث ہوئے اور فوراً ماخوذ بھی ہوگئے اس وقت ان کی پہلی دو بیٹیاں قریب ۲۵ برس کی ہورہی تھیں اور اس طرح خواہ یہ پورا خاندان مبارزالدولہ کے ساتھ نظربند ہوا یا نہیں ان لڑکیوں کی قسمت پر ہمیشہ کے لئے مہر لگ گی۔

شورش عروب افاغنہ ۱۸۲۹ مبارزالدولہ کی زندگانی کا ایک ایسا عجیب و غریب موڑ ہے جس نے نہ صرف یہ کہ مبارزالدولہ کے سیاسی کیریئر کو مشکوک اور تاریخ میں ان کے ممکنہ مقام کو موہوم کرکے ان کے قائدانہ کردار کے متوقعہ ارتقاء کو مسخ کردیا بلکہ ان کی نجی زندگی کے حق میں بھی تباہ کن ثابت ہوا۔ سکندر جاہ کی موت کے بعد مبارزالدولہ کی سرپرستی میں ان کے متعدد چھوٹے بڑے حواریوں اور ملازمین کی شہر بھر میں جو کارگزاریاں تواتر اور شدت سے ہونے لگی تھیں مختلف ذرائع سے ان کی پوری روداد کئی راویوں سے اخذ کرنے کے باوجود اپنی تمام تر جزئیات سمیت پیش نہ ہوسکی ہے مگر جمع شدہ مختصرات سے متعلقہ حقائق کی نوعیت اور سنگینی کا اندازہ فرمایا جاسکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآباد جیسے پرامن شہر میں اور خاص کر کوٹلہ عالی جاہ کے اطراف و اکناف کے علاقے میں جو امرائے دربار اور دوسرے معززین شہر کا مسکن تھا مبارزالدولہ کے آدمیوں کے ٹولے گروہ در گروہ مفسدانہ کاروائیوں میں لگے رہتے تھے اور مبارزالدولہ کی اپنی سرپرستی کے بغیر جو بقدرے توقف پوری قوت سے ظاہر ہو کر رہی یہ ہنگامہ پروری ممکن ہی نہ ہوتی۔ پھر خود مبارزالدولہ دربار سے اپنی قرابت قریبہ سے بالکل بے نیاز براہ راست اور جلد ہی نہ صرف بھائی کی نئی نئی حکومت کے خلاف سنگین محاذ آرائی میں ملوث ہو کر نظربند ہوئے بلکہ اس برائے نام اخلاقی نظربندی کا استحصال کرتے

Marfat.com

ہوئے انھوں نے اندرون قلعہ اپنی طاقت کے مظاہرے اور وقتی اغراض کی تکمیل کے لئے ایک اور ہنگامہ برپا کرنے میں تک ذرا بھی تکلف و تامل سے کام نہ لیا۔ اس کے جو سیاسی مضمرات و عواقب تھے ان کے نتیجے میں ان کا تاریخی کردار مشکوک کا نشانہ بنا اور قائدانہ مقام الگ محروم ارتقاء ہوا' اس کے نقصانات ان کی شخصی زندگی تک قدرتاً "در آئے اور لڑکیوں کے بھی مستقبل پر اس کے اثرات انتہائی منفی پڑے۔ معاشرتی سطح پر ہم مرتبہ طبقے میں مبارزالدولہ کی جو کچھ بھی ساکھ ممکن تھی وہ داؤ پر لگی اور شہرت کو بٹہ لگا حتیٰ کہ بیٹیوں کے لئے شاید کوئی پیام ہی نہ آسکا۔

سیاسی مبارزت کے پہلو بہ پہلو ایک اور بھی رخ قابل غور و توجہ ہے' یعنی گھر کا ماحول جو مبارزالدولہ نے نوابانہ عیش کوشی سے پیدا کردیا تھا اور ان کی قیادت میں ہونے والے ہنگاموں پر مستزاد تھا۔ مبارزالدولہ نے جس قسم کی عورتیں اپنے محل میں جمع کرلی تھیں اس کی وجہ سے اندرون خانہ پوری فضاء کیا اور کیسی کچھ ہوگئی ہوگی آج اس کا صرف تصور ہی کیا جاسکتا ہے۔ اس خصوص میں مبارزالدولہ کے اس شادی شدہ بیٹے کا واقعہ یاد رکھا جاسکتا ہے جس نے نہیں معلوم کن حالات میں اپنی ماں اور علاتی والدہ کو قتل کردیا تھا۔ وہابی تحریک ۱۸۳۸والی آخری اور فیصلہ کن یعنی تامرگ قید کے بعد چاہے مبارزالدولہ کی ساری خواتین پر مشتمل محل سرا پہلے کی طرح ان کے ہاں قلعہ منتقل ہوئی ہو یا نہیں' مبارزالدولہ کی لڑکیوں کی قسمت پر مہرنہ صرف سیاسی اسباب سے لگی بلکہ گھریلو وجوہ سے بھی لگ گی۔ کیا عجیب اتفاق تھا کہ مبارزالدولہ کی آخری قید کے بعد اسی سال ۱۸۳۹ میں ان کی ایک علاتی بہن کی شادی دونوں کے بھائی نظام ناصرالدولہ نے پورے شاہانہ اہتمام سے ایک بڑے رئیس شمس الامرا کے لڑکے سے کروائی جس کا حال مورخ "خورشید خانی" نے رنگا رنگ انداز میں لکھا کیونکہ نوشہ اس کے ممدوح کے بیٹے تھے اور دلہن تھی نظام وقت کی اپنی بہن عصمت النساء بیگم عرف حشمت النساء بیگم۔ اس وقت دلہن کی اپنی بھتیجیاں قریب ۲۵ برس کی عمر میں "ہرسہ ناکتخدا" بیٹھی ہوئی تھیں' اور باپ کی عدم موجودگی میں کوئی ایسا سرپرست نہ تھا جو ان کی بھی فکر کرتا۔ نظام ناصرالدولہ کے لئے بھائی کے واقعات اس میں شک نہیں کہ ان کی نرم دلی کے سبب سے گھر کی بات کی طرح تھے اور اس ہندوستان گیر سازش کے باوجود وہ مبارزالدولہ کو اس میں ماخوذ کرنے کے لئے جبر و اکراہ سے ہی تیار ہوئے تھے' مگر یہ پہلو بھی قابل فہم ہے کہ اپنی محبت

Marfat.com

اور برادرانہ تشویش کے ہوتے ہوئے بھی ناصرالدولہ بھائی کی مسلسل مخالفانہ بلکہ عناد پرورانہ سی حرکتوں کے باعث بالاخر ان سے نفور ہوگئے تھے اور یہ ایک قدرتی امر تھا۔ اس کا اندازہ اسی واقعے سے ہوجاتا ہے کہ ناصرالدولہ نے بھائی کی اس قید کے بعد ان کے خاندان کو اپنی سرپرستی میں لینے سے اس حد تک احتراز کیا کہ ان کی جوان لڑکیوں کی شادی کے مسئلے کو تک جیسا کہ اس پس منظر میں راقم کا گمان غالب ہے سراسر نظرانداز ہی کردیا۔ مبارزالدولہ کی خانگی زندگی کا یہ کتنا بڑا المیہ تھا جس کی ذمہ داری یکسران کے اپنے پیدا کردہ حالات پر تھی کہ وہی اس سانحے کے بھی موجب ہوئے۔

انسانی زندگی کے بعض اتفاقات بھی عجیب ہوتے ہیں جن کا المیوں میں ظاہرا کوئی حصہ ہوتا تو نہیں ہے مگر یہ شبہ رہتا ہے کہ کسی خاص سانحے سے ان کا بھی تعلق رہا ہوگا۔ مبارزالدولہ کی دونوں حقیقی اور بڑی بہنوں جمال النساء بیگم محل محمد تاج الدین خاں رفیع الملک اور کمال النساء بیگم محل نواب معین الدین حسین خاں ممتاز الامرا عرف امتیاز الدولہ کی ازدواجی زندگی کا ایک پہلو مبارزالدولہ کی اپنی خاندانی زندگانی کا شاید ایسا ہی عجیب و غریب سا اتفاق تھا۔ دونوں ہی خواتین لاولد رہیں ورنہ شاید کم از کم سب سے بڑی بہن کے ہاتھوں اس مسئلے کا کوئی حل نکل ہی آتا۔ کمال النساء بیگم کی سرپرستانہ محبت مبارزالدولہ کو اس طرح حاصل ہوچکی تھی کہ وہ ان کے بیٹوں کو بڑا چاہتی تھیں، ابتدا" ایک کو اپنے ساتھ رکھ لیا تھا پھر تین لڑکوں کے خاندانوں اور "ہرسہ ناکتخدا" بیٹیوں کو بھی اپنے ہی محل میں مستقلا" ٹھہرالیا۔ ان کے اپنے بیٹے ہوتے تو شاید وہ اپنے آفت رسیدہ بھائی کی ان لڑکیوں کو اپنالیتیں۔

مبارزالدولہ کے تین بیٹوں کی اولادیں

"شجرۂ آصفیہ" میں صفحات ۶۴، ۶۵ مبارزالدولہ کے تین لڑکوں میر احمد علی نیز میر سلطان علی اور میر فتح علی کی کچھ اولادوں کی فہرست سازی کی گئی ہے جو مؤلف کے اصل کام میں کوئی پچاس سال بعد کے "تکملہ و تتمہ" والے اضافوں میں سے معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ یہ اطلاعات کسی اور وسیلے سے حاصل نہیں ہوتی ہیں اور ان میں کوئی اور اضافہ ممکن نہیں ہوسکے ہیں ان کا متعلقہ متن یہاں پیش کرنا مناسب رہے گا۔ اس تالیف میں مبارزالدولہ کے

Marfat.com

آٹھ بیٹوں کے من جملہ صرف سات کا تذکرہ ہے۔ اس لئے یہ ملحوظ رہے کہ ان کی اولاد نرینہ کی ترتیب اس میں مختلف ملے گی۔ مندرجہ ذیل تین لڑکوں کی اولادوں کے علاوہ مبارزالدولہ کے کسی اور بیٹے کی اولادیں اس میں مذکور نہیں ہیں۔

میر احمد علی : ان کے بڑے بیٹے کی چار پوتر اولادوں کے نام ابتدا" دیئے ہیں جن کے بعد دوسرے لڑکوں اور لڑکیوں کا اندراج ہے۔ "از ایشاں سہ پسر و دو صبیہ شدند۔ پسر کلاں موسوم میر شمس الدین علی عرف چنو صاحب' از ایشاں یک پسر شد موسوم میر محمود علی عرف دستگیر بادشاہ منسوب از لطف النساء بیگم صبیہ میر جاندار علی نبیرۂ منور جنگ مرحوم شد' از ایشاں دو پسر و دو صبیہ' پسر موسوم میر گوہر علی' پسر دوم میر قادر علی' صبیہ موسومہ جمال النساء بیگم و دیگر غوث النساء بیگم متولد شدند (صفحہ ۱۴)۔ پسر دوئی میر احمد علی موسوم میر نامور علی عرف حاجی صاحب' پسر سوم میر احمد علی موسوم میر معظم علی عرف بادشاہ صاحب۔ صبیہ میر احمد علی موسومہ پیرزادہ بیگم' صبیہ دوم میر احمد علی موسومہ محبوب بیگم از حاجی میر کرم علی نبیرۂ صمصام الملک منسوب شد' صبیہ سوئی میر احمد علی موسومہ کلثوم بیگم از میر نظام الدین علی برادرزادۂ قیصرالدولہ منسوب شد (و) از ایشاں پسری شد" (صفحہ ۱۵)۔

میر سلطان علی : مبارزالدولہ کے ان بیٹے کی اولاد کے من جملہ لڑکیوں کی کوئی فہرس "شجرۂ آصفیہ" میں موجود نہیں ہے۔ "پسر پنجمی مبارزالدولہ موسوم میر سلطان علی۔ از ایشاں چہار پسر و چہار صبیہ۔ پسر کلاں موسوم میر سکان علی' پسر دوم موسوم میر اکبر علی' پسر سوم موسوم میر احمد علی' پسر چہارم موسوم میر محمود علی' و نام صبیہ معلوم نیست" (صفحہ ۱۵)۔

میر فتح علی : ان کے بڑے پوتے کا واظلہ بھی اس مقام پر ملتا ہے۔ "پسر ششمی مبارزالدولہ موسوم میر فتح علی' از ایشاں سہ پسر شدند۔ پسر کلاں موسوم میر غفار علی' از ایشاں یک پسر موسوم میر پرورش علی۔ پسر دوم میر فتح علی موسوم میر ابراہیم علی قضاء کرد۔ پسر سوئی میر فتح علی موسوم میر واجد علی" (ایضاً)۔

مبارزالدولہ کے تین لڑکوں کی اولادوں کے بعد "شجرۂ آصفیہ" کا آخری اندراج ان کے سب سے چھوٹے بیٹے صاحبزادہ میر عابد علی خان سے متعلق ہے جن کے بچوں کے ناموں سے مولف نے لاعلمی ظاہر کی ہے۔ "پسر ہفتمی مبارزالدولہ موسوم میر عابد علی۔ از ایشاں ہفت پسر و شش صبیہ شدند' نام آں معلوم نیست" (ایضاً)۔ تاہم اہم تر یہ کہ مبارزالدولہ

Marfat.com

کے آخری لڑکے کا تمام تر تواریخ اور تذکروں کے من جملہ یہ واحد داخلہ ہے اور عجیب تر یہ ہے کہ "شجرۂ آصفیہ" کے خاصا بعد کی مصنفہ "تاریخ خورشید جاہی" میں مبارزالدولہ کی موت کے ذکر کے ہمراہ ان کے پس ماندگان کی فہرست میں تک یہ نام موجود نہیں ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ "خورشید جاہی" مورخ مبارزالدولہ کے بیٹوں کی تعداد ہی چھ بتاتا ہے اور اس کی یہ بے خبری کچھ کم استعجاب انگیز نہیں ہے۔ دوسری جانب خود عنوان ہذا کے واحد ماخذ "شجرۂ آصفیہ" میں بھی میر عابد علی کی اولادوں سے ناواقفیت کا ذکر حیرانی کا باعث ہے کیونکہ نہ صرف متعدد اندراجات بلکہ عابد علی خان سے متعلقہ اس کے فقرے بھی اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ اس کی ترتیب کے ۵۵ سال بعد کے اضافے ہیں۔

"شجرۂ آصفیہ" میں مبارزالدولہ کے صرف آخری بیٹے کی ہی نہیں پہلے تین لڑکوں کی بھی اولادوں سے لاعلمی کا اظہار ملتا ہے، صفحہ ۴۳ کے اولین تین داخلوں کے الفاظ اس کے گواہ ہیں۔ "پسر کلاں مبارزالدولہ" یعنی میر نظام الدین علی خان کے ایک بیٹا ہونے کا صرف حوالہ دیا ہے نام نہیں: "از ایشاں پسرے شدہ بود" اور دوسرے بیٹے میر مظفر علی خاں کے بھی ایک بیٹے کا ذکر بغیر نام کے کیا ہے: "از ایشاں یک پسر شدہ است" جبکہ تیسرے بیٹے میر جہاں گیر علی کی اولاد کا کوئی مذکور ہی نہیں ہے۔ اس سے بڑا عجوبہ یہ کہ مبارزالدولہ کے دوسرے لڑکے میر تہور علی کا نام "شجرۂ آصفیہ" اور "خورشید جاہی" میں معدوم ہے۔

مبارزالدولہ کے آخری بیٹے میر عابد علی خاں کی اولاد تاحال

مبارزالدولہ کے آخری بیٹے صاحبزادہ میر عابد علی خاں کی اولادوں کے بارے میں جیسا کہ "شجرۂ آصفیہ" کے الفاظ منقول ہوئے ہیں ان کے سات بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ ۱۹۷۳ میں جب میر عابد علی کے پرنواسے لطف علی خاں صاحب سے راقم کا رابطہ ہوا تو انھوں نے اپنے دست خاص سے تحریر کر کے خاندانی شجرے کی جو تین نقول عنایت کیں وہ کئی اعتبارات سے نامکمل تھیں۔ بنا بریں راقم نے اس باب کے اولین مسودے اور اس پر مبنی مضمون میں یہ صراحت کی تھی کہ مبارزالدولہ کے موجودہ ورثاء سے محولہ فہرستیں تکمیل طلب تھیں اور ان کو مکمل کروا کے ہی انہیں شائع کروایا جائے گا۔ صاحبزادہ موصوف نے اپنے لطف و کرم سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ اپنے خاندانی بزرگوں سے جن میں عابد علی خاں کے دو پوتے میر

Marfat.com

اشرف علی و میر آصف علی صاحبان حیات تھے معلومات کر کے شجرے کا خلاء پورا کردیں گے۔ اسی جنوری میں راقم کے والد معظم کی رحلت کے سانحے کے سبب پورا خاندان ترک وطن پر مجبور ہوا اور میر عابد علی کی نسلوں کی مکمل فہرست کے حصول کا موقع نہیں مل سکا۔ اب ان تیس برسوں کے بعد اس تعلق سے تجدید ارتباط و استفاضہ کی کوئی سی کوشش کامیاب ہوتی نظر نہیں آرہی ہے' اس لئے بامر مجبوری صاحبزادہ لطف علی خاں کے عطا کئے ہوئے شجرے کے مطابق اطلاعات کا یہاں اضافہ ناگزیز ہے۔

میر عابد علی خاں کے پڑنواسے میر لطف علی خاں نے اولا" اپنے مکتوب مورخہ ۲۴ر جون ۱۹۶۴ میں انکشاف کیا کہ اصل شجرے شاہی محل کے قدیم دفاتر میں مخزونہ تھے جن کا حصول بوجوہ غیر ممکن تھا۔ "میرے پاس کچھ شجرۂ خاندان شہزادہ نواب مبارزالدولہ اوران کے حقوق جو تلف ہوئے ہیں' موجود ہیں۔ اصل شجرہ محلات مبارک میں موجود ہے اور ان کے عام معلومات بھی ممکن ہے موجود ہوں گے۔ لیکن خاندان شہزادہ مبارزالدولہ مرحوم میں اتنی سکت نہیں ہے کہ اس قدر پیسہ خرچ کریں۔ لندن کی لائبریری میں ان کی سوانح عمری اور ہر چیز موجود ہے لیکن اتنی سکت نہیں ہے کہ وہ لندن سے منگوا سکیں یا محلات سے نقولات لے سکیں۔ کیونکہ ہماری معاش ہم کو بس نہیں ہوتی ہے کہ کچھ کر سکیں۔" صاحبزادہ میر لطف علی اپنے جد عابد علی خاں کی پھوپی کمال النساء بیگم زوجہ نواب کلیانی کی قدیم دیوڑھی میں مقیم تھے۔ صاحبزادہ موصوف نے خاندانی شجرے کی جو نقول تیار کی تھیں وہ نہ صرف اس لحاظ سے غیر مکمل تھیں کہ میر عابد علی خاں کی ساری اولادوں کا اس میں داخلہ نہیں تھا بلکہ صاحبزادگان اشرف علی و آصف علی اور لطف علی کے اپنے بچوں کے اندراجات بھی اس میں نہیں تھے۔ "شجرۂ آصفیہ" میں متذکرہ میر عابد علی کی اولاد کی کل تعداد ۱۳ یعنی سات بیٹوں اور چھ لڑکیوں کے بجائے چار بیٹیوں اور پانچ لڑکوں جملہ نو عدد کے نام جناب لطف علی کے تحریر کئے ہوئے شجرے میں موجود ہیں۔

اولاد میر عابد علی خاں : نہ صرف معلومہ تعداد سے یہ فہرس کم ہے بلکہ غالبًا زمانی ترتیب بھی ملحوظ نہیں رہی کیونکہ اولا" پانچ بیٹوں کے نام درج کرکے چار لڑکیوں کے نام لکھے گئے ہیں۔ لڑکے' محمود علی' محمد علی' سرفراز علی' سکندر علی' خرم علی۔ بیٹیاں : مجید النساء بیگم' حمید النساء بیگم' بشیر النساء بیگم یا شبیر النساء بیگم' کریم النساء بیگم۔ ان سب کی اولادوں کی

Marfat.com

مندرجہ فہرستیں بمع اگلی نسلوں کے (متعلقہ قوسین) میں حسب تفصیل ذیل ہیں۔

محمود علی کی اولادیں (مع متعلقین): صاحبزادہ میرا شرف علی خاں جو ۱۹۶۲ میں حیات تھے (اولادوں کے نام اضافہ طلب)' احمد علی (دو اولادیں موسومہ اعظم علی و عابد النساء بیگم)' حسین علی (دو اولادیں غیر مذکور)۔

محمد علی : محبوب النساء بیگم (دو بیٹیاں: یوسف النساء بیگم و غوث النساء بیگم)' غوث النساء بیگم (لاولد)' احمد النساء بیگم (لاولد)۔

سرفراز علی : سات اولادیں ' تین نامعلوم چار موسومہ : فرخندہ علی عرف جانی پاشا (ایک لڑکا لایق علی)' نامدار علی (ایک ایک بیٹا بیٹی: معین الدین و عظیم النساء بیگم)' قادر علی (پانچ اولادیں غیر معلوم)' اویس علی (لاولد)۔

سکندر علی : پانچ اولادیں' ایک غیر مذکور چار موسومہ: صاحبزادہ میر آصف علی خان جو ۱۹۶۲ میں حیات تھے (اولادوں کے نام اضافہ طلب)' اکبر علی (چھے اولادیں غیر مندرج)' غیاث النساء بیگم (پانچ اولادیں نامعلوم)' میر سکندر علی کی پانچویں اولاد کا نام درج ہونے سے رہ گیا (پانچ اولادیں غیر مذکور)' پرورش النساء بیگم (چار اولادیں غیر مندرجہ)۔

خرم علی : احمد علی (سات اولادیں غیر مذکور)۔

مجید النساء : میر یاور علی (چار بیٹے : یعقوب علی مرحوم' صاحبزادہ میر لطف علی خان جنھوں نے اپنے مورث اعلیٰ مبارز الدولہ تک کا سلسلہ نسب انکے آخری بیٹے عابد علی کے خاص حوالے سے عطا کیا' عثمان علی' جن کے من جملہ کسی کی بھی اولادوں کے اضافے اس شجرے میں ہونے سے رہ گئے)' میر امیر علی (لاولد)۔

حمید النساء بیگم : میر محمود علی (ایک بیٹی بدر النساء بیگم)' رحمت النساء بیگم' نور النساء بیگم' ظہور النساء بیگم (اولادیں نامعلوم)۔

بشیر النساء بیگم (یا شبیر النساء جیسا کہ ایک نقل میں تحریر ہے) : فرخندہ علی' عزت علی (اولادیں غیر مذکور)۔

کریم النساء بیگم : ذوالفقار علی (اولادیں غیر معلوم)۔

جناب لطف علی خاں صاحب سے ملاقاتوں کے دوران یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ وہ مبارز الدولہ سے صرف ننھیالی ہی نہیں ددھیالی رشتہ بھی رکھتے تھے اور اس طرح ان کے سگڑ

Marfat.com

پوتے ثم سگڑنواسے واقع ہوئے تھے۔ گویا مبارزالدولہ صاجزادہ لطف علی کی دادی مجید النساء بیگم کے ہی دادا نہیں تھے بلکہ میرلطف علی خاں کے دادا بھی مبارزالدولہ کے پوتے تھے۔ صاجزادہ موصوف نے اپنے دادا حضرت کی نشاندہی ضرور کی ہوگی لیکن غالباً خاندانی کاغذات کی نقلیں تیار کرتے ہوئے مجید النساء بیگم کے نام کے ساتھ ان کے شوہر کے نام کا اضافہ وہ بھول گئے اور راقم کی یادداشتوں سے بھی یہ دریافت نہیں ہوا۔ مبارزالدولہ کے بیٹے اور میر عابد علی کے ایک بڑے بھائی صاجزادہ میر احمد علی کے یوم وصال کی تاریخ لطف علی خان صاحب کی ہی عطا کی ہوئی خاندانی اطلاعات میں سے ایک ہے' اس لئے خیال ہوتا ہے کہ شاید جناب لطف علی خاں کے دادا میرعابد علی کے تین بیٹوں میر شمس الدین علی عرف چنو صاحب نیز میر نامور علی عرف حاجی صاحب اور میر معظم علی عرف بادشاہ صاحب میں سے ہی کوئی رہے ہوں۔

مبارزالدولہ کی زندگانی نیز سیاسی کارکردگی اور آل و اولاد کا یہ انتہائی معمولی و حقیر سا جائزہ ایک بے حد سقیم و ناقص طالب علمانہ سی کاوش کے طور پر تمام ہوا۔ خدا کرے کوئی دیدہ ور محقق اور تاریخ دکن کا منتہی علمی و تدقیقی طرز پر خالصتاً" معارف پرورانہ انداز میں مبارزالدولہ کی سوانح کو نفس موضوع کرے اور اس حقیقت منتظر کو نقاب برا فگندہ کرے جس کے لئے طالبان شوق ہمیشہ ہی دیدہ و دل فرش راہ کئے رہیں گے۔ راقم ۳۰ سال پہلے کے مبتدیانہ سے تسویدی عمل اور اس پر مبنی موجودہ صحیفہ نویسی کے دوران جن معلومات کی گرد آوری و پیش کش کی سعادت حاصل کرسکا ہے اس کیلئے اگرچہ **وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم** کے سوا کوئی اور محرک کہاں ممکن ہوگا' لیکن جن ارباب فضل و کمال کی عملی دستگیری سے فیض یاب ہوتا رہا ان کی بندہ نوازی اور احقر پروری کے بغیر اس کاوش کا عشر عشیر بھی خاکسار کے حد امکان میں ہرگز ہرگز نہیں ہوتا۔ ان سب کرم گستر و گرامی قدر افاضل کی فیض رسانی اور استمداد اس پریشان حال و درماندہ سے طالب علم و ادب کے حق میں ہمیشہ ہی باران رحمت کے مصداق رہی۔ اس احقر نواز و بندہ پرورانہ سرپرستی کے تئیں شکرگزاری اور سپاس و تکریم کے طور پر راقم جتنا زیادہ عرض نیاز کرے کم بہت کم ہوگا کہ ان احسانات کے سلسلے میں بیش از بیش محتاج کرم اب تک ہی نہیں رہا ہے آئندہ بھی اور ہمیشہ ہی رہے گا۔ اس خصوص میں آغاز کتاب کے استحسان کو رسمی اور وقتی نہیں صمیم قلب سے اور دائمی خیال فرمایا جائے

Marfat.com

تو بدرجہا بہتر ہوگا۔

آخر میں ان عاجزانہ معروضات سے کسی بھی زاویے سے اختلاف محسوس فرمانے والے ارباب علم و نظر سے حد ادب کے ساتھ یہ استدعا ناگزیر ہے کہ وہ تاریخ کے ایک تہی مایہ سے متعلم کو اس کی اغلاط اور خام کاریوں پر تحقیق نیز روایت اور درایت تینوں کی اساس پر تنبیہہ فرمائیں۔ اس کاوش پر سامنے آنے والے ایک ایک فاضلانہ انتقاد کا بھرپور فیضان اس کی ہر ایک فکری و قلمی لغزش کی اصلاح کی غرض سے اور احقاق حق کی خاطر آئندہ ایڈیشن کو حتی الوسع اور لازماً" منتقل کیا جائے گا۔

(نظام آباد ۱۹۶۱ء) (کراچی ۱۹۹۱ء)

Marfat.com

مبارزالدولہ : اختتامیہ

۱۹۹۶ء : اضافی فہارس اور سوانحی مختصرات

مبارزالدولہ پر سوانحی تحقیق کی تکمیل سے لے کر مسودۂ کتاب کے حوالہ طباعت ہونے تک محصلہ ذرائع کی نشاندہی کے لئے نئی تعارفی فہارس باعتبار کتب و مقالات حسب تفصیل ذیل پیش ہیں۔ ان تازہ وسائل سے برآمد ہونے والی اطلاعات گزشتہ ابواب سوانح کی مناسبت گویا زمانی ترتیب سے منقول ہیں۔ اختتامیہ کتاب کے بطور اس اضافی پیشکش میں یہ فائدہ ملحوظ اور متوقعہ ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں صرف اس آخری جزو تحقیق کو ہی حسب ضرورت نئے اضافوں کی بنیاد پر ازسرنو لکھنا کافی ہوگا۔ البتہ ازاں بعد اگر کل ملا کر خاصی مقدار میں تازہ تر معلومات کا ذخیرہ ہدست ہو تو پھر ایک ایک واقعاتی باب کا بھی دوبارہ لکھنا دوسرے ایڈیشن کے بعد ضروری ہو سکتا ہے تاکہ مکمل نظرثانی ہوجائے۔

نوعیت کی رو سے ان مطبوعات کی دو اقسام بنتی ہیں۔ یعنی: (۱) راست مبارزالدولہ کی ہستی اور کارکردگی کے بلاواسطہ و بالواسطہ ماخذ نیز: (۲) ریاست اور خطے کی تاریخ اور ان وقتوں کی تمدنی و سیاسی حالت کو شواہد اور تبصروں کی مدد سے روشنی میں لانے والے مراجع۔ خیال ہے کہ آئندہ حتمی ترتیب منابع کے موقع پر تمام تر ماخذات کی فہرس نویسی واقعاتی لحاظ سے منقسم کرکے کی جائے، یعنی مجموعی ذرائع کو اولاً" نشان زد کرکے ابواب و اجزاء سے متعلقہ وسائل کی فہرستیں علیحدہ تیار ہوں۔ فی الحال یہ اضافی فہارس بھی جو ابتدائی درجہ بندی، یعنی بنیادی و ثانوی انواع کے بجائے مستقل کتب اور نگارشات کا عنوان رکھتی ہیں تاریخی لحاظ سے ہی مرتبہ ہیں۔ یہ سبھی مندرجات مکمل طور پر اور بالراست احقر کے زیر اکتساب ہیں۔

راقم کا حقیر سا طریقہ کار ہے کہ اپنے ہر سقیم و ناقص سے تحقیقاتی منصوبے میں نایاب لیکن معلوم مصادر کی بھی فہرست لازم گردانتا اور بطور جزو لاینفک شریک کیا کرتا ہے۔ زیر نظر آثار کی کتابیات کی جاریہ روایت کی پاسداری کے ساتھ خاکسار بخصوصیت ان کتابوں اور یا تحریروں کی نشان زدگی کا التزام ناگزیر سمجھتا ہے جو نفس مضمون کی نسبت سے سامنے رہنے تو چاہئیں لیکن تکمیل کار تک ناقابل حصول یا عدم دستیاب رہ جائیں۔ اس نایابی کہیے یا کم علمی یا ذاتی بے بسی کے بے تکلفانہ و برملا اظہار کی ضرورت اور افادیت کا صحیح صحیح اندازہ ایسی

Marfat.com

فہرستوں سے ممکن ہے۔ یہ نشاندہی ہر ایک عنوان اختتامیہ کے متعلقہ مباحث کی ضروریات کے تحت کی جارہی ہے' اس طرح یہ ذکر اذکار بر سر مواقع مکمل ہوتا جائے گا۔

جزوی اکتساب : تصانیف و تراجم اور تالیفات

(۱) راجہ مکھن لعل (۱۸۴۶) : "نذر خیام" معہ مقدمہ ڈاکٹر محمد تقی الدین حیدر آباد ۱۹۵۸' کتاب مشمولہ "نگار" کراچی' جولائی ۱۹۹۱۔ مبارزالدولہ کی معاصر فارسی "تاریخ یادگار مکھن لعل" کے مصنف کا اولین ترجمہ رباعیات۔ مرتب نے دوسرے اور تیسرے نظام کے ادوار کی علمی ادبی سرپرستی اور ترقی کی تحقیق کی ہے۔ مبارزالدولہ کے اپنے ذوق و شوق کی عدم تزئین کا اندازہ قائم کرنے میں مددگار۔

(۲) محمد مہدی واصف مدراسی (۱۸۵۴) : عربی "حدیقتہ المرام" مترجمہ سخاوت مرزا کراچی ۱۹۸۲ مع "تعلیقات" افسر صدیقی۔ مولوی محمد علی نمائندہ تحریک مقیم مدراس نیز دیگر مقامی حامی و مخالف علما پر ترجمہ متن کے ساتھ تعلیقات میں مختصر مفید احوال۔

(۳) ٹی ای BEALE (۱۸۶۵) : "ڈکشنری آف اورینٹل بایوگرافی" نیویارک ۱۹۶۵ جو BEALE کی اپنی تحقیقات سے ہی ماخوذ و مقتبس ہے اور متعدد مشرقی و مغربی اصحاب کے مجمل حالات اور ان کے ادبی کارناموں اور عہدہ دارانہ مشاغل کا حوالہ رکھتی ہے۔

(۴) نصیرالدین نقش حیدر آبادی (۱۸۷۳) : فارسی "تذکرہ عروس الاذکار" مرتبہ مرحوم افسر صدیقی کراچی ۱۹۷۵ مع حواشی و تعلیقات۔ "عطائے تمکین" نامی قبلاً "مذکورہ مخطوطہ کی اصل جس میں مبارزالدولہ کی غزل مندرج ہے' متعلقہ سطور منقول ہو رہی ہیں۔

(۵) نامعلوم نامہ نگار (۱۸۷۴) : "پایونیر" الہ آباد مورخہ منگل ۱۵ر۹ر۱۸۷۴ بعنوان "حیدر آباد افیرز"۔ گم شدہ عکس مرسلہ برٹش میوزیم اگست ۱۹۶۲۔ صفحہ ۲ پر پہلے ڈیڑھ کالم کے ابتدائی پیراگراف سے مبارزالدولہ کا مجمل حوالہ زیر اقتباس۔

(۶) محمد جعفر تھانیسری (۱۸۸۳) : "کالا پانی : تواریخ عجیب" لاہور ۱۹۹۳۔ حیدر آبادی دور کے بعد کے تحریکی کوائف پر مفید اشارات۔

(۷) سی بک لینڈ (۱۹۰۵) : "ڈکشنری آف انڈین بایوگرافی" لاہور ۱۹۸۵۔ انگریز و دیگر افسران و افراد مقیم ہند کے سوانح قدرے مفصل۔

Marfat.com

(۸) نصیر الدین ہاشمی (۱۹۲۳) : "دکن میں اردو" نئی دہلی ۱۹۸۵۔ مبارز الدولہ کے بزرگوں کے زمانے کی ادبی فضاء بندی مع عصری کیفیات۔

(۹) مجلس ممتحنین (مابعد ۱۹۲۳) : "ہمارے سوار اور سپاہی" دہلی ۱۹۴۷ (طبع سوم)۔ "جان کمپنی بہادر" کے ہندوستان گیر پیمانے پر "دیسی پلٹنیں کھڑی" کرنے کے تاریخی پس منظر کے ساتھ جنگ عظیم اول کے بعد کی سپاہ کے فرقہ وار اجزائے ترکیبی کی تشکیل و آمیزش پر مستند معلومات کا اہم سرکاری مجموعہ۔ کمپنی افواج کی ابتدائی کل ہند اساس اور ترکیب و آمیخت پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱۰) سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۲۸) : "دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ" مکمل متن مطبوعہ ہفتہ وار "آئین" لاہور ۲۵ر۶ر۱۹۸۷۔ "دکن کی سیاسی تاریخ" نامی مولانا مودودی کی کتاب کے گزشتہ تعارف میں اس تاریخ پر کچھ غلط فہمی در آئی ہے چنانچہ اس کا موضوع اس سے بالکلیہ جداگانہ بھی ہے اور ایک رخ سے ایک حد تک دونوں باہمدگر متصل بھی ہیں۔ دراصل "دکن کی سیاسی تاریخ" کے تسلسل میں نہیں بلکہ یہ تحقیق کمپنی کی حکومت اور مملکت آصفیہ کے باہمی زبردستانہ اور زیردستانہ تعلقات اور ازاں بعد کے ارتقائی عمل پر ہے۔ تاہم مبارزالدولہ کے خاص حوالے سے "دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ" سرے سے کسی کام کی نہیں نکلی ہے کیوں کہ ان کے تینوں ہی واقعات اور ان میں کمپنی کی سپاہ کا استعمال جیسے نمایاں مباحث ایک طرف تحریک مجاہدین جیسی بڑی ہی پھیلی ہوئی شورش اور اس کی گرفت میں کمپنی سرکار کے کردار کا تک احاطہ کجا اس میں مذکور بھی ناپید بلکہ معدوم ہے۔ "دکن کی سیاسی تاریخ" جیسے محققانہ کارنامے کے فائق مصنف کا یہ اغماض و تساہل حیران کن ہی نہیں بے حد تاسف انگیز ہے۔

(۱۱) سید ابوالحسن علی ندوی (۱۹۳۶) : "سیرت سید احمد شہید" لکھنؤ ۱۹۴۱۔ مبارزالدولہ پر وہابی تحریک ہی کے حوالے سے یہ بھی چنداں کارآمد نہیں ہے بلکہ مغالطہ انگیز ہے جبکہ مدراس میں متعینہ سید محمد علی کی حمایت اور مخالفت کی کچھ منظر کشی ہوئی ہے۔ ازاں بعد "تاریخ دعوت و عزیمت" کی مجلدات میں بطور آخری حصص مشمولہ، نظرثانی کے عمل سے لاعلمی ہے۔

(۱۲) ڈاکٹر سید عبداللہ (۱۹۴۲) : "اے ڈسکرپٹیو کیٹلاگ آف پرشین اردو اینڈ عربک مینسکرپٹس ان پنجاب یونیورسٹی لائبریری" جلد اول کراسہ اول لاہور۔ مہدوی فسادات

Marfat.com

قریب ۱۸۲۴ء پر مخطوطہ "وقایع شورش افغانیہ" کا علم ہوتا ہے۔

(۱۳) مرزا محمد بیگ (۱۹۵۰) : "خود نوشتہ" کراچی ۱۹۹۴ء۔ دیگر اضلاع کے علاوہ راقم کے ضلع نظام آباد کے بھی اول تعلقدار یعنی کلکٹر اور نظام ساگر وغیرہ جیسے بڑے تعمیراتی منصوبوں کے بھی کمشنر کی سرگزشت رواں صدی کے ریاستی حالات کو جامع۔

(۱۴) ڈاکٹر محمد اطہر علی (۱۹۶۱) : "اورنگ زیب کے عہد میں مغل امرا" ترجمہ محمد امین الدین نئی دہلی ۱۹۸۵۔ بانی خانوادہ کے والد اور دادا صاحبان پر درباری مناصب اور عہدوں نیز مراعات کے سوا باقاعدہ سوانحی تفصیلیں عنقا ہیں۔

(۱۵) عبدالقدوس ہاشمی (۱۹۶۵) : "تقویم تاریخی/ قاموس تاریخی" اسلام آباد ۱۹۸۷۔ تطابق سنین کے لئے قابل مشورہ۔

(۱۶) جے ایم لیڈنڈارف JANICE M. LADENDORF (۱۹۶۶) : "دی ریوولٹ ان انڈیا ۱۸۵۷ / ۱۸۵۸" زگ سوئٹزرلینڈ۔ چند اہم کتابوں کی ہندوستان میں طباعت دریافت ہوئی ہے۔

(۱۷) عبداللہ ملک (۱۹۶۶) : "بنگالی مسلمانوں کی صد سالہ جدوجہد آزادی سنہ ۱۷۵۷ تا ۱۸۵۷" لاہور ۱۹۸۶۔ اتفاقاً مبارزالدولہ کے بارے میں کچھ غلط اطلاعیں در آئی ہیں، تحریک مجاہدین کے حوالے سے۔

(۱۸) ڈاکٹر محمد بشیر حسین (۱۹۶۸) : "فہرست مخطوطات شیرانی" مخزونہ جامعہ پنجاب جلد اول لاہور۔ برائے تواریخ معاصر مبارزالدولہ۔

(۱۹) محمد اشرف (۱۹۷۱) : "پرشین مینسکرپٹس" متعلقہ قومی عجائب گھر کراچی۔ آصفی عہد کی چند اور تاریخی قلمیات کا تذکرہ۔

(۲۰) ڈاکٹر کلا تھارانی (۱۹۷۳) : "برٹش پولیٹیکل مشنز ٹو سندھ" بمبئی۔ کرنل پوٹنگر کی سفارت سندھ پر تفصیلات کی حامل۔

(۲۱) پروفیسر شیخ عبدالرشید (۱۹۷۸) : "ہسٹری آف دی مسلمس آف انڈو پاکستان ۱۷۰۷ / ۱۸۰۶" جلد اول لاہور۔ باب ۱۰ جزو متعلقہ نظام الملک آصف جاہ بانی سلطنت و جاء نشینان۔

(۲۲) افسر صدیقی امروہوی (۱۹۷۸) : "مخطوطات انجمن ترقی اردو" جلد ۵ کراچی۔ مبارزالدولہ کی معاصر ایک تاریخ مذکور ہے۔

Marfat.com

(۲۳) آئی سی ایچ آر (قبل ۱۹۷۹) : "جدید ہندوستان کے معمار" مترجمہ احمد' نئی دہلی ۱۹۸۸۔ ہندوستان کی سرکاری مجلس تاریخی تحقیق یعنی انڈین کونسل فار ہسٹاریکل ریسرچ کے شعبہ متعلقہ کی تالیف "میکرس آف ماڈرن انڈیا" کا اردو قالب' ممکن ہے اصل کتاب پر خود وہاں کڑی تنقید ہوئی ہو۔ "پہلے سو سال" نامی ابتدائی باب ہی میں مبارزالدولہ کی انگریز مخالف کاروائیاں کجا ۱۸۵۷ کے قبل و بعد کی تحریک مجاہدین کی کل ہند کوششوں نیز ٹیپو سلطان کے تک انگریزوں سے طویل تصادم اور آخری معرکے کو بھی قلم انداز کردیا گیا ہے۔

(۲۴) ڈاکٹر محب الحسن (قبل ۱۹۸۲) : "تاریخ ٹیپو سلطان" (س ن) مترجمہ حامداللہ افسر و عتیق صدیقی' نئی دہلی ۱۹۸۲۔ اخیر میں "ضمیمہ کتابیات" کے تحت ٹیپو کی اٹھارا عدد "معاصر تصانیف فارسی" کا تعارفی جائزہ لیا گیا ہے جو بیک وقت تذکرہ و تبصرہ کی شکل بھی رکھتا ہے۔ بطور ترجمہ سی اردو میں مراجع کے توضیحی تعارف یا Annotated Bibliography کا یہ واحد نمونہ ہے اور راقم کی کتابیات نویسی کی تکمیل کے بعد ہی اس تک رسائی ہو سکی ہے۔ اس طریقہ کار کے اثبات کے لئے بطور سند یا جواز یہاں یہ داخلہ مقصود ہے گو راقم کا عمل ٹھیٹ تکنیکی نوعیت نہیں رکھتا ہے۔

(۲۵) سید عارف نوشاہی (۱۹۸۴) : "فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی انجمن ترقی اردو کراچی"' اسلام آباد۔ معاصر مبارزالدولہ مورخین و ادبا کی کتب متذکرہ۔

(۲۶) ڈاکٹر مبارک علی (۱۹۸۴) : "آخری عہد مغلیہ کا ہندوستان"' حیدر آباد' متعلقہ عنوانات پر فکری رہبری کی حامل۔

(۲۷) محمد اسحٰق بھٹی (۱۹۸۹) : "فقہائے پاک و ہند تیرہویں صدی ہجری جلد سوم" لاہور۔ مولانا نصیرالدین قاید تحریک اور مولانا ولایت علی کی سوانحیں درج ہیں۔

(۲۸) ڈاکٹر مبارک علی (۱۹۸۹) : "علما' معاشرہ اور جہاد تحریک"' لاہور۔ فوری اور دوررس نوعیتوں کے تحریکی اثرات اور مضمرات کی بھی مختصر مفید تحقیقی و ناقدانہ تجزیہ کاری جو ہوشمندانہ اور بے حد قابل غور و توجہ ہے کہ خاصی دردمندی اور دل سوزی کے ساتھ جائزہ نگاری کی گئی ہے۔ تحریک کے حیدر آبادی باب کے بھی عقایدی و تنظیمی پہلوؤں میں سے کئی ایک پر یہ تاثرات نکتہ بہ نکتہ منطبق ہوتے ہیں' اگر سنجیدگی سے تقابل و تجزیہ ضروری سمجھا جائے۔ تحریک کے حیدر آبادی ارتقا کے امور پر فکری رہ نمائی کی حامل۔

Marfat.com

(۲۹) ڈاکٹر مبارک علی (۱۹۹۰) : "ہم تاریخ سے کیوں نہیں سیکھتے"' ترجمہ لڈہارٹ لاہور۔ افکار و اظہار کی عمومیت کے باوجود تاریخ دکن کے زیر مطالعہ عہد پر کئی ایک سوچنے سمجھنے کے قابل سوالات کا آینہ خانہ۔

(۳۰) کندن لال کندن (۱۹۹۱) : "جنوبی و شمالی ہند کی تاریخی مثنویاں" نئی دہلی' مہدوی فسادات قریب ۱۸۲۳ پر مثنویوں کی دریافت۔

(۳۱) نریندر شرما (س ن) : "مہاراجہ رنجیت سنگھ" مترجمہ کیلاش چند چودھری (س ن) لاہور ۱۹۹۲۔ مہاراجا اور شاہ شجاع پر قابل حوالہ۔

(۳۲) سید محمد جواد رضوی (۱۹۹۲) : "ریاست حیدر آباد میں جدوجہد آزادی : ابتدائی دور ۱۸۰۰ / ۱۹۰۰" نئی دہلی۔ مبارزالدولہ کی تینوں حراستوں کا احاطہ مگر نئے ماخذوں اور تازہ تحقیق عمل سے محصلہ اطلاعات یا کوائف کے بغیر۔

(۳۳) دی کے باوا (۱۹۹۲) : "دی لاسٹ نظام : دی لائف اینڈ ٹائمس آف میر عثمان علی خان" نئی دہلی۔ مبارزالدولہ کے دو حوادث کا مجمل سا تذکرہ' جن کی روداد اور ان کی نسبت غلط فہمانہ طور پر مذکور ہوگئی ہے۔

(۳۴) ڈاکٹر عبدالجبار عابد لغاری (۱۹۹۲) : "جدوجہد آزادی میں سندھ کا کردار"' لاہور۔ تحریک مجاہدین میں سید احمد شہید تا سید نصیرالدین دہلوی زعمائے سندھ کے حصہ لینے پر تحقیق کی گئی ہے لیکن ثانی الذکر کے ہاں دکنی وفد یا افراد کی آمد کا کوئی حوالہ نہیں ملتا ہے۔

(۳۵) عمر خالدی و معین الدین عقیل (۱۹۹۳) : "دکن کا عہد اسلامی : ایک بنیادی کتابیات"' کراچی۔ اول الذکر اسکالر کی پیشرو انگریزی تالیفوں کے نمونے پر اردو فارسی مندرجات پر مشتمل لیکن انگریزی مطبوعات اصل کتب سے شریک نہیں۔

(۳۶) ڈاکٹر ایچ بی خان (۱۹۹۳) : "برصغیر میں اسلامی سلطنت کے قیام سے تشکیل کانگریس تک علما کا سیاسی کردار" کراچی۔ "فصل ششم : سید احمد شہید اور تحریک جہاد" نئی تحقیق و دریافت سے معمور نہیں ہے' بطور خاص جنوب کی توسیع و ترقی کے لحاظ سے احاطہ و اضافہ مفقود ہے۔

(۳۷) سید کمال الدین احمد (۱۹۹۵) : "تاریخ حیدر آباد دکن اور رضاکار" کراچی۔ مبارزالدولہ اور وہابی تحریک سے تعلق پر مستفاد اشارات۔

Marfat.com

(۳۸) ڈاکٹر نبی ہادی (1995) : "ڈکشنری آف انڈو پرشین لٹریچر" دہلی۔ فارسی مصنفین اور مطبوعہ و مخطوطہ کتب کا جامع تذکرہ بغیر کتابیات۔

(۳۹) سید شفقت رضوی (1995) : "تحقیقی نقوش" کراچی۔ مبارزالدولہ کے بزرگوں کی قائم کردہ ادبی فضاء کی منظرکشی سے معمور۔

(۴۰) سارا انصاری (۱۹۹۶) : "سندھی پیر اور برطانوی راج" لاہور۔ ناقدانہ نقطہ نگاہ سے ایک بھرپور تحقیق' آزادانہ فکر و اظہار کی حامل۔

نگارشات : تاریخی نیز سوانحی اور تحریکی تحقیق و انتقاد

(۱) ابوالکلام آزاد : "سوانح سرمد شہید" (۱۹۰۰) مقدمہ "جواہر منظوم"' ترجمہ رباعیات سرمد از صولت لکھنوی در "نگار" کراچی ستمبر ۱۹۸۹۔ حالات و شہادت سرمد پر عالمگیری مورخین کی بے حسی و بدنیتی پر آزاد سخت شکوہ کناں ہیں۔ برسوں بعد کتابچہ لاہور سے شائع شدہ ما قبل آزادی بعنوان "سرمد شہید : حالات زندگی"' ناشر ملک دین' مدیر ماہ نامہ "صوفی"' تاریخ نامعلوم۔

(۲) پروفیسر گب H. A. R. GIBB : "تاریخ" (قریب ۱۹۱۰)' ترجمہ مقالہ در "اردو دائرہ معارف اسلامیہ" ج ۴ کراسہ نمبرا ۲' لاہور ۱۹۵۹۔ بلاد اسلامی اور مسلم سلاسل شاہی کے مختلف العہد مورخوں کے اسالیب اور رجحانات طبع کا پربصیرت رہ نمایانہ جایزہ۔

(۳) سید حسن برنی : "دکن میں مسلمان" (قریب ۱۹۴۰) دو ہم عنوان مضامین' در "مقالات برنی" جلد اول کراچی ۱۹۸۶۔

(۴) سخاوت مرزا : "تذکرۂ عروس الاذکار مولفہ نقش حیدر آبادی" در "اردو" کراچی۔ جنوری ۱۹۵۸' دیکھئے پیشرو فہرس نمبر۴۔

(۵) جون لنکاسٹر : مراسلہ انڈیا آفس ریکارڈز بدفتر اسسٹنٹ کیپر تعلقات عامہ دولت مشترکہ' لندن مورخہ ۲۵ر۷ر۶۲۔

(۶) ایضاً مورخہ لندن ۱۲ر اکتوبر ۱۹۶۲ء۔

(۷) این ایس نٹ راجن : مراسلہ اسسٹنٹ کیوریٹر مدراس ریکارڈ آفس واقع ایگمور Egmore مورخہ ۲۴ر۴ر۱۹۶۳۔

Marfat.com

(۸) ملک احمد نواز : "اخبار صبح صادق مدراس" در "فنون" لاہور جولائی اگست ۱۹۶۶ء۔ علمائے تحریک کی حمایت و مخالفت کے حوالے۔

(۹) سید عالم (بعدہ: ایس اے کیانی) : مکتوب مورخہ راولا کوٹ آزاد کشمیر قریب ۱۹۷۱/ ۱۹۷۲ (س۔ن) جو "سیارہ" لاہور۔ مئی ۱۹۷۱ کے مقالے "میر شمس الدین محمد فیض" سے استفادے پر مرسلہ عریضے کے جواب میں نظرافروز ہوا' تاریخی اقتباسات منقول ہیں۔

(۱۰) محمد حبیب اللہ رشدی : "اقبال اور سر اکبر حیدری" در "قومی زبان" کراچی۔ اپریل ۱۹۷۴ء۔ مبارزالدولہ کے جد امجد کا ضمنی تذکرہ۔

(۱۱) کریم بخش خالد : "مسلمانوں کی برصغیر میں آمد" (۱۹۷۹)' در "آثار و افکار" کراچی ۱۹۸۹ء۔

(۱۲) سید جمیل احمد رضوی : "پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں مائیکروفلم اور روٹوگراف : کتابیاتی جائزہ" در "مجلہ تحقیق" لاہور۔ جلد ۲ نمبر ۲ قریب ۱۹۸۰ء۔ مبارزالدولہ سے متعلقہ مراسلہ "پایونیر" کے شمارے کا اندراج۔ دیکھئے پیشرو فہرست نمبر ۵۔

(۱۳) سید شکیل احمد انور : "نواب مبارزالدولہ" : تحریک شہیدین کا ایک مجاہد شہزادہ" در رسالہ حیدر آباد دکن' ۱۹۸۳ء۔

(۱۴) ڈاکٹر مبارک علی : "تاریخ نویسی" اور "مسلمان حکمران خاندان" در "تاریخ اور روایات" حیدر آباد سندھ ۱۹۸۳ء۔

(۱۵) ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی : "سندھی ادب اور برطانوی اہل قلم" در "نگارشات سندھ" لاڑکانہ ۱۹۹۲ء۔ کرنل پوٹنگر کی آمد اور تعیناتی سندھ کے موقعوں کی تحقیقاتی روداد اختصار سے۔

(۱۶) ڈاکٹر شاہ محمد مری : مقدمہ "مری بلوچ جنگ مزاحمت" ترجمہ روئیداد چارلس رینالڈ ولیم (۱۸۴۱) لاہور ۱۹۹۲ء۔ فاضل مترجم نے بعض غورطلب تاریخی مسائل اور زاویوں کی جانب جسور اور حقیقت پسندانہ انداز میں متوجہ کیا ہے۔

(۱۷) ڈاکٹر معین الدین عقیل : "شہزادہ مبارزالدولہ" در "مجلہ عثمانیہ" کراچی۔ جولائی ۱۹۹۵ء۔ سوئے اتفاق کہ مقالہ بغیر حواشی کے طبع ہوسکا ہے جبکہ اصل مسودہ کثیر و بسیط تحقیقی حاشیوں سے مرصع ہے جن سے فائدہ اٹھانا اب خارج از امکان ہے کیونکہ اس کا حصول

Marfat.com

مشکل تر ہے۔

سوانح ہذا کی کتابیات کے داخلوں کی کل تعداد سوا سو سے اوپر جا پہنچی ہے جو راقم کے حالات کار کی اپنی رعایت سے خوش آیند امر ہے اور جس کا مجموعی حاصل بھی کچھ کم اہم نہیں واقع ہوا ہے۔ نفس موضوع شخصیت پر قابل اقتباس ذریعوں سے لے کر تحریک و سوانح کے ہر طرح کے متعلقات پر لایق اکتساب اور حوالہ طلب یہ مزید کتابیں اور نگارشیں خاصی تعداد میں اب زیر نگہ ہیں۔ تاہم مصادر اور اطلاعات کے بھی بامقدار اور طمانیت بخش اضافوں کے باوجود ایک سادہ اور سامنے کی سیدھی سچی سی حقیت ذہن نشین ہے جو گزشتہ معروضوں میں بھی زیر حوالہ رہی ہے۔ یعنی یہ اضافے مبارزالدولہ کی تاریخی سوانح اور وہابی تحریک کی دکن میں توسیع و اشاعت دونوں عنوانات کو تحقیق مزید سے بے نیاز ہرگز نہیں کرتے۔ تھوڑی سی طالب علمانہ جسارت کے ساتھ سہی عرض کیے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ سید جواد رضوی نیز سید شکیل احمد انور اور معین الدین عقیل صاحبان کی حالیہ تحقیقاتی کوششوں کے پیش نظر اس کی افزوں تر اور بشدت تمام ضرورت بیش از بیش محسوس اور تسلیم کی جائے گی جس کی وجوہ بہت کچھ اور یقینی طور پر واضح ہیں۔

حیدر آبادی افاضل خواہ وہیں مقیم ہوں یا پاکستان کے متوطن تحریک مجاہدین کی عقیدت کے ساتھ ساتھ خود مبارزالدولہ کی محبت میں جس قدر سرشار ہیں اس کا اندازہ مذکورہ تینوں اسکالروں کی محولہ تازہ کاوشوں سے خوب ممکن ہے۔ سابقہ مورخوں اور جدید سوانح نگاروں کے بعد حالیہ عرصے میں مبارزالدولہ کی سیاسی معروفیتوں اور تحریک مجاہدین کی حیدر آباد کی کارکردگی کو روشن تر کرنے کی ممکنہ اور پرجوش مساعی انھی محققین کی جانب خاص سے سامنے آئی ہے۔ البتہ گزشتہ سوانحی مقالہ نگار علما کی روش عام کے عین مطابق زاویہ نگہ حسن ظن کی جلوہ فرمائی اور ضوفشانی کے انعکاس نور کا مرقع بنا ہوا ہے۔ اسی اثر پذیری کے گہرے سائے اخذ نتائج کے عمل کو گہنا رہے ہیں اور یہی اثرات احقاق حق کے مسلمہ بنیادی مقتضیات کے برعکس و برخلاف ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل میں ایک معروضہ۔

اس نکتے پر دو رائیں ناممکنات سے ہیں کہ تحقیق نام ہی احقاق حق کا ہے جو علمی جستجو و تدقیق کے عمل میں مقصود اول بھی ہے مقصود آخر بھی گویا مقصد وحید۔ راہ تحقیق کا سالک عقیدت کی بیساکھی پر دو قدم بھی نہیں چل سکتا جبکہ نری دشمنی و عداوت کی بھی سواری پر وہ

Marfat.com

منزلوں پر منزلیں نہیں مار سکتا۔ دونوں میں سے کوئی بھی وسیلہ تحقیق کو اس کی حقیقی منزل پر پہنچانے میں شاید ہی کوئی کردار ادا کرنے کے قابل ہو بلکہ ان کا اپنانا اپنی منزل کھوٹی کرنا ہے۔ بد ظنی ہو یا خوش گمانی ایک حد تک ہی ٹھیک ہو سکتی ہے اور خاص کر تحقیق کے موضوع یا مبحث کا مقصود واحد کبھی نہیں ہو سکتی۔ امر واقعہ ہے کہ نہ تو احقاق حق عقیدت کا محتاج کرم ہو سکتا ہے اور نہ ہی بدگمانی یا سوئے ظن کے ذریعے تفحص و تجسس کی منزل احقاق حق ہوتی ہے۔ عقیدت کا جذبہ ہو یا اس کے برخلاف کوئی محرک اس کو تحقیق کی احتیاج ہوتی ہے مگر فی نفسہ' تحقیق کو ان کی کوئی حاجت لاحق نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی تحقیق کا مقصود بالذات ایسا کوئی عامل ہوتا ہے۔ صرف اور صرف تلاش حقیقت ہی تحقیق کے جذبہ صادق کی پہلی اور آخری ضرورت ہوا کرتی ہے اور دونوں ایک دوسرے کے حق میں لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔ نظریے کی نفی یا نقطہ نگہ کا اثبات بذاتہ ایک وقیع انسانی جذبہ نیز جستجوے حق میں عامل و محرک سا عنصر ضرور ہے جس کی قیمت اور موجودگی بلکہ موثر فعالیت سے کسی طور انکار ممکن ہی نہیں ہے۔ مگر فقط یہی مطلوب ہو تو تحقیقی عمل مدلل مداحی یا اس کے برعکس بن کر رہ جائے گا اور پھر احقاق حق کے بغیر بے فیض یا لاحاصل ہی کہلا سکے گا۔ افشائے حق کے بجائے ایسی تحقیق محض اور محض اخفائے حق کی کارگزاری ہی قرار پائے گی۔

مبارز الدولہ کی زندگانی سے لے کر تحریک مجاہدین تک کے چند ایک گوشوں پر سامنے آنے والی جزیات کی بھی تفصیلوں کو سوانحی متن میں اس لئے نہیں چھیڑا جاسکا کہ مزید وسائل کے بغیر ان پر معروضہ تشنہ رہ جاتا۔ مگر اختتامیہ ہذا کے مرحلے میں کہ اتنی مطبوعات کی جمع آوری ممکن ہو سکی ہے خوف طوالت بھی حائل ہو رہا ہے۔ چنانچہ آئندہ اوراق میں بطور خاص جن نکات کو خدانخواستہ بالتفصیل نہیں بطور اشارات ہی بیان کیا جاسکے گا ان کا تعارف پیش ہے۔ ان کی دو قسمیں بنتی ہیں یعنی تاریخی تحقیق اور تاریخی تنقید اور دونوں باہم گر پیوست ہیں بلکہ ایک دوسرے کے اجزائے لاینفک ہیں۔ تاریخی تحقیق میں پس منظری مسائل سے لیکر پیش منظری امور تک شمار ہوں گے یعنی: ریاستی تاریخ کی حد تک سعی بنیاد گزار حقائق' مبارز الدولہ پر مزید کچھ شخصی معلومات' جنوبی ہند کے تحریکی ارتقا کا بھی کچھ اور احوال نیز شہزادے کی حیات کے بعد کے کچھ رموز مملکت۔ تاریخی تنقید بھی سوانحی کوائف و متعلقات اور تحریکی معاملات نیز امور و احوال سلطنت سے قریبی طور پر مربوط بلکہ ہم رشتہ

Marfat.com

ہے۔ مختصرات پر اکتفاء کے قطع نظر تاریخی بنیاد پر تفتیش اور تاریخی تنقید کو بھی مساوی طور پر تحریک کرنے بلکہ بھرپور طور پر ان کا احاطہ کرنے والے ماخذات ہدست ہیں جن سے سامنے آنے والی حقیقتوں سے تعرض کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ البتہ اختصار ملحوظ رکھنا بھی ضروری محسوس ہوتا ہے۔

تاریخی تحقیق کے جو مضامین تشنہ تحریر رہ گئے ہیں اور وافر معلومات کی روشنی میں اب اضافہ طلب ہیں وہ ہیں: دوسرے نظام کے ولی عہد اور مبارزالدولہ کے تایا عالی جاہ کی بغاوت و موت کے سانحات' مبارزالدولہ کی تعلیم و تدریس نیزان کے باپ دادا اور چچا اور بھائی کی بھی علم دوستی اور ادب پروری کی فضا' مبارزالدولہ کی اولین رہائی سے لے کر دوسری شورش تک کی اثناء کے مہدوی فسادات' وہابی تحریک کی شمال و جنوب میں سلسلہ جنبانیوں کی کوششوں کی کچھ اور کڑیاں' جنوب یعنی مدراس میں قائدین کے مشاغل اور مقامی ردعمل کی مزید روداد' سندھ میں کمپنی کے ایجنٹ پوٹنگر کی مخالفانہ مصروفیت و کارگزاری' نیز ریاست میں تحریک مجاہدین کے خاتمے کے بعد کی صورت حالات ۱۸۵۷ تک کی چھوٹی بڑی کارروائیوں کے تسلسل میں۔ تاریخی تنقید کی ذیل میں بھی چند پہلودار نقوش مساوی طور پر اہمیت رکھتے ہیں اور ان کا مرتسم کرنا بھی واجب ہے۔ ان کا دائرہ خود مبارزالدولہ کی سرشت سے لے کر تحریکی و تنظیمی خام کاریوں تک وسیع ہے جن سے مفراگر ممکن بھی ہے تو افادیت سے عاری بلکہ باعث تاسف ہوگا اور یہ عدم تعرض صحت مندانہ مطالعہ تاریخ کے لحاظ سے موجب نقصان رہے گا۔

احساس یہ ہے کہ مبارزالدولہ کی زندگی کے واقعاتی اجزاء سے کہیں زیادہ کردار و عمل کے تجزیاتی اوراق کو ملاحظہ کرکے اب تک نہ جانے کتنی جبینوں پر شکنیں پڑچکی ہوں گی۔ مورخین کی سامنے کے حقایق سے ازراہ جاہ پرستی چشم پوشی ہماری ایک ایسی مذموم روایت رہی ہے جس پر اس قلمی بددیانتی کے نقصانات کو تاریخ کے عظیم المیوں میں شمار کرکے ہمارے ارباب بصیرت عجب بے بسی کے ساتھ متاسف ہوا کرتے ہیں۔ روایتی مورخوں کے اقتدار پرستانہ رویوں سے بھی بڑا المیہ اور عجوبہ جدید محققین کا وہ طرز فکر ہے جو کم سے کم الفاظ میں غیرحقیقت پسندانہ اور نرم سے نرم انداز میں محض اور محض مصلحت پرورانہ ہی قرار پاسکتا ہے جو سختی اور شدت سے رد کیے جانے کے سوا شاید ہی کسی قابل ہو۔ زیر مطالعہ شخصیت کو صرف ہیروپرستی کے جذبے سے ابھارنا ایسے ہی مصالح کا اثر اور نتیجہ محسوس ہوتا

Marfat.com

ہے جس کا حاصل کم از کم بے فائدہ شخصیت پرستی اور بیکار محض نفس پروری۔

ول ڈیوراں کے ترتیب دادہ "نقشہ کرداری عوامل" (Table of Character Elements) کو ملاحظہ کیجئے (Will and Ariel Durant : The Lessons of History) ۱۹۶۸ لاہور ۱۹۸۷ صفحہ ۳۴ منکشف ہوگا کہ تاریخ کی روشنی میں زیر گفتگو فرد کے کردار یا اعمال و افعال کا مطالعہ کتنا بنیادی اور کس درجہ افادی مبحث ہے اور اس کے نتیجہ خیز ممکنات کتنے مثبت اور وقیع ہیں۔ مبارزالدولہ کی فعالیت کو مجمع الاضداد و ذاتی خصایص کے اس تجزیے سے سمجھا جاسکتا ہے جو انسانی جبلت کے تمام و کمال مثبت اور منفی مظاہر کے ارتقائی عمل کو محیط ہے۔ پھر تاریخی ہی نہیں معاصرت کے حامل عوامی سیاسی افراد اور موجود رجال کے بھی کردار کو بے رحمانہ حقایق بینی کے ساتھ پرکھنا کس درجہ ناگزیر ہوتا ہے اس کا ادراک بھی ضروری ہے۔ کیا ہمارا اجتماعی شعور اور قومی ضمیر ابھی بلوغ کی اس ارفع سطح کو نہیں پہنچ سکا ہے جس کا مظاہرہ واٹرگیٹ اسکینڈل کی تفتیش کرنے والے متجسس اور تجربہ کار صحافیوں سے لے کر حال حال میں " نکسن: تھف دی ریکارڈ" کی نوجوان مصنفہ نے بے دردی باریک بینی کے ساتھ کیا ہے؟ مبارزالدولہ تو ماضی قریب کی تاریخ کا حصہ ہیں' سقوط ریاست سے عین قبل ہندوستان کے لال قلعے پر جھنڈا لہرانے کے دعویدار رضاکار قائد کی تک ناعاقبت اندیشانہ حرکتوں کی بھی حقیقت و اصلیت کی پردہ پوشی کو ہمارے فاضل محققین نے آج تک کار ثواب سمجھا ہوا ہے۔ ہیئت اجتماعیہ کے حال اور ان کی نسلوں کے مستقبل پر اثرانداز ہونے والی عوامی شخصیات کے اگر دوران حیات بھی نہ سہی ایک ڈیڑھ صدی جیسے طویل عرصے بعد بھی ان کے کردار اور افعال و اعمال کا پوسٹ مارٹم گوارا نہ ہو تو کب ہوگا اس پر غور فرمانے کی گزارش ہے۔

تحدیث نعمت کے بطور عرض ہے کہ ان حقیر اضافوں کی یہ مہم بامراد نہ ہوتی اگر ہمعصر کرم فرما افاضل کی سرپرستی اور فیض رسانی سے متمتع ہونے کا موقع نصیب نہ ہوتا۔ جن بزرگ علما اور معاصرین نے استمداد سے شکرگزار احسان فرمایا ہے طلبا نوازی ان حضرات کا یقیناً" فیضان عام ہے۔ احقرالعباد کے اپنے حق میں یہ ان کی علی الخصوص سی بندہ نوازی اور طالب علم پروری کا سلوک احسن ہے جس سے بھرپور فیض یابی ان تازہ بتازہ اضافی صفحات کی عملاً موجب ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری "نگار" کے عام شماروں کی باقاعدہ ترسیل کا اہتمام

Marfat.com

سلسلہ پہلے سے اور متصل جاری ہے جبکہ اعجاز حنیف اس احقر کے مستقل زحمت فرما اور عنایت گستر ہیں۔ حضرت شہزاد منظر نے اشاعت کے لیے رہبری اور حوصلہ افزائی فرمائی۔

پیشرو اور معاصر ادوار کا ادبی منظر اور مبارز الدولہ کی تعلیم و تربیت

آصف جاہ ثانی و ثالث یعنی مبارز الدولہ کے باپ دادا کے زمانوں میں شعر و نثر کی ترقی کی تفصیل تذکروں کے علاوہ حالیہ تحقیقات سے بھی عیاں ہے جو نصیر الدین ہاشمی و سید شفقت رضوی صاحبان اور ڈاکٹر لیق صلاح کی زیر حوالہ مطبوعات سے سامنے آئی ہیں۔ پروفیسر شفقت رضوی کی "مہ لقابائی چندا" اور ڈاکٹر ثمینہ شوکت کی "چندو لال شاہ شاداں" گو ابھی دسترس میں نہیں ہیں ان میں بھی اس ماحول کی منظر کشی موجود ہے۔ ما قبل آزادی کی کتب کے من جملہ مبارز الدولہ کے بھائی اور باپ دادا پر سید مراد علی طالع کے کتابچے تو خیر نہیں محمد سراج الدین طالب کی دو جلدی سوانح "نظام علی خاں" حیدر آباد ۱۹۳۲ کو مطلوبہ تہذیبی و ادبی فضا کی جائزہ نویسی کا حامل ضرور ہونا چاہیے۔ یہ کتابیں سبھی ناپید ہیں لیکن ان کی یہ عدم موجودگی صرف تفصیلی کوائف کی حد تک معلومات کے فقدان کی باعث ہے' وگرنہ عام سا تمدنی نظارہ بالکل ناممکن بھی نہیں محسوس ہوتا ہے۔

نظام علی خاں اور سکندر جاہ کے نہ صرف شہزادے بلکہ پرانے شاہی دستور کے بطور ان کی شہزادیاں بھی دربار کرتی تھیں اور ہر ایک کے متوسلین میں بہت ہی تعلیم و تربیت یافتہ حضرات و خواتین کے نام ملتے ہیں۔ ان ذیلی درباروں کے وابستگان نیز شاہی خاندان کے افراد اس مجموعی ادبی و تہذیبی ماحول کو پر فضاء بنانے کے لئے خود بھی بصورت نظم و نثر حصہ لیا کرتے تھے۔ آصفی شہزادوں شہزادیوں کی ان تمدنی معروفیات یعنی ادباء نوازی و ادب دوستی اور علمی سرپرستی کی ایک باقاعدہ اور مبسوط و مستقل تاریخ کئی عہد بعہد جلدوں میں منضبط ہو سکتی ہے۔ مبارز الدولہ کے بھی دوران حیات مہاراجا چندو لعل کی تحریک پر شاہ نصیر کے حیدر آباد کے چار دوروں کا احوال ڈاکٹر عبد الرزاق نے ان ادوار کے قلمی مشاغل کے ہی حوالے سے دریافت اور تحریر کیا ہے ("اردو" کراچی اکتوبر ۱۹۷۶)' جبکہ مبارز الدولہ کے معاصر فارسی مورخ لچھمن لعل شاہ جہاں پوری کے ادبی سوانح نگار ڈاکٹر محمد تقی الدین نے بھی خاصی تفصیل جمع اور پیش کی ہے۔

Marfat.com

نظام ناصرالدولہ کی ولی عہدی کا یہ حوالہ مبارزالدولہ کے ابتدائی حالات میں گزر چکا ہے کہ وہ اپنا زیادہ وقت مطالعہ کتب کی بنیاد پر توسیع علم میں صرف کرتے تھے' جب کہ ان کے دور شہزادگی کے دربار سے منسلک شعراء ادباء کے من جملہ باکمال اہل ادب شہید دہلوی پر میر فیاض الحق (عثمانیہ) کے مقالے سے ناصرالدولہ کے وابستگان دربار کا علمی مقام عیاں ہے۔ ("مجلہ عثمانیہ" کراچی' اپریل ۱۹۹۶ء)۔ دونوں کے منجھلے بھائی صمصام الدولہ کے بھی دربار سے وابستہ ادبی ہستیوں کا مذکور "دکن میں اردو" میں ہے۔ شاید اسی ادب پرور ماحول کا اثر تھا کہ صمصام الدولہ کے ایک پوتے میروزیر الدین علی خاں وزیر کا نام بطور شاعر تذکروں میں آتا ہے۔ صمصام الدولہ محل سے باہر کی مصروفیتوں میں خود بھی مبارزالدولہ کی سی شہرت کے مالک تھے اور مبارزالدولہ کے سخن فہم و سخن شناس سے طرف داروں میں ان کی جارحانہ سی کارگزاریوں پر ایک سے زائد اشارات آچکے ہیں۔ مدعا یہ ہے کہ باایں ہمہ بے داد صمصام الدولہ خود بھی اتنے ادبی یا شعری ذوق و شوق سے متصف تھے کہ جو دربار وہ کرتے تھے اس سے اہل قلم کو منسلک گویا خود سے نزدیک رکھا۔ ان بزرگوں میں سے ایک یعنی رائے ہیت رام کایستھ شاہ جہاں آبادی کے ایک فارسی مخطوطے کی نشاندہی انجمن ترقی اردو کراچی کے ذخیرے کے تذکرہ نگار سید عارف نوشاہی نے کی ہے۔ ناصرالدولہ وغیرہ شہزادوں کے ایک چچا اور سکندر جاہ کے بھائی فریدوں جاہ کی اپنی مختصر فارسی تصنیف انجمن کی ہی قلمیات کے تذکرہ نگار موصوف (بعدہٗ ڈاکٹر) سید عارف نوشاہی کے بقول محفوظ ہے۔ باقاعدہ جستجو پر تیسرے نظام کے عہد ۱۸۰۳ تا ۱۸۲۹ کی باضابطہ ادبی تذکرہ نویسی مفصل طور پر ممکن ہے۔

اس مجموعی پس منظر یعنی سکندر جاہ کے نسبتاً" خاصے ٹھہرے ہوئے پرسکون و پرامن دور کے ادب پرور حالات میں عمومی طور پر اور بطور خاص خود اپنے خانوادے کے ایسے ہی ادب دوستانہ ماحول کے بھی زاویے سے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ تیسرے نظام کا یہ سرکش اور ہنگامہ پرور بیٹا آیا ایسی دماغی مصروفیات اور ذہنی یکسوئی کے لئے خواہاں و کوشاں رہا بھی۔ عجیب سا سوئے اتفاق ہے کہ بخصوصیت کوشش کے باوجود خود مبارزالدولہ کے ایک باقاعدہ دربار کرنے نیز مصاحبوں اور مقربین میں ارباب کمال اور اہل دانش و بینش کو مجتمع رکھنے کے اہتمام کا کوئی واقعی ثبوت درکنار اشارہ تک زیر نظر نہیں ہے۔ اس بابت سوانحی تبصرے میں عرض بھی ہوا ہے مگر امید بہرحال یہ بھی رہی ہے کہ مزید سعی پر مبارزالدولہ کے متوسل اور

Marfat.com

تن خواہ دار اصحاب کی تہذیبی حیثیت کسی نہ کسی طرح سامنے آہی جائے گی۔ یہ توقع کسی طور پر تادم تحریر پوری نہیں ہوئی اور ظاہرا" اس کا امکان اب محدود سے محدود تر ہے۔

رہ گئی مبارزالدولہ کے دربار دار افراد کی طبعی اور ذہنی افتاد خواہ وہ منجانب سرکار خطاب و مناصب یافتہ اشخاص ہی کیوں نہ رہے ہوں ان کی روز و شب کی مشغولیات کا نقشہ سوانحی حصوں میں ممکنہ حد تک کھینچا گیا ہے۔ صرف تحریک مجاہدین کے حیطہ اثر و رسوخ میں آنے پر مبارزالدولہ کو معدودے چند صالح علما کے گروہ سے قربت و مناسبت نصیب ہو سکی، مگر اس تصویر کا دوسرا ہی رخ ایک سانحے سے کیا کم ہے۔ المیہ یہ ہوا کہ جس قبیل و قماش کے وظیفہ خوار حواریوں کے طبقات کی افرادی قوت کو انھوں نے دو عشروں سے اپنے اطراف جمع کر رکھا تھا اور جن کی مصاحبت کے وہ کوئی پچیس سال سے عادی رہے اس کو صحبت نیک شاید ہی باور کیا جاسکے۔ یہ مشاہدہ ایک گزشتہ موقع کے کسی مورخ کے اس قول کے کہ "بھروسے پر ایسی ناکارہ سپاہ کے" مبارزالدولہ کا تینوں مواقع پر کلی انحصار رہا، جس میں ان تنخواہ دار درباریوں کے ناکارہ ہونے سے مراد ان کی پست تر سماجی حیثیت ہی ہے۔ اس قماش و معاش کے ان گروہوں کے لئے وہابی تحریک یا تنظیم ایک ایسے بھاری پتھر کی طرح تھی جس کو وہ لوگ خواہ فرط عقیدت سے یا اپنے آقا کی اطاعت اور تعمیل کے بطور چوم تو سکتے تھے، اپنے دماغوں پر اس کوہ گراں بار کا بوجھ برداشت کرنے کے متحمل وہ کبھی اور ہرگز نہیں ہو سکتے تھے۔

مبارزالدولہ کی اپنی مزاجی کیفیت اور ذہنی ساخت کہیے یا افتاد طبع اور عجز طبیعت سمجھیے یا ذہنی تربیت اور اخلاقی جرات کی کمی، خود ان کا اپنا حوصلہ ایسا بلند اور عزم اتنا پختہ نہ تھا کہ وہ اس بھاری بھرکم مقدس پتھر کو اٹھا ہی سکتے۔ مولانا غلام رسول مہر نے مختصر سے تحریکی عرصے میں مبارزالدولہ کے دربار میں سلام و کلام کے طور طریقوں اور یا درباری آداب و اطوار میں تبدیلی و اصلاح کو بیان فرمایا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ یہ عمل نرا سطحی و رسمی سا تھا، خود اس روایت میں بھی اہل دماغ طبقے کے رجال کی مبارزالدولہ کے اطراف موجودگی کا تذکرہ کجا اشارہ تک نہیں ملتا ہے۔ تحریک کے موقع کے ان کے اہم اہم مقامی رفقاء کی جو فہارس مولانا مہر کی تحقیقات سے منقول ہیں یہ علانیہ ظاہر ہے کہ وہ حضرات اس کے منتظم مولوی سلیم کے مذہبی یا دعوتی و تبلیغی اثر سے شریک کارواں ہوئے تھے گو مولوی سلیم کے اپنے وجود اور ان کے فعال مشاغل یا تنظیمی کارناموں سے وہ اور دیگر محققین لاعلم رہے۔

Marfat.com

مختصر ترین اور سادہ لفظوں میں مبارزالدولہ نے دادا اور والد کے وزرا و امراء اور اپنے بھی سینئر اہل خانوادہ کی روایت کو عملی زندگی میں سرے سے کوئی اہمیت نہیں دی جس کو واقعاتی کہا جائے یا حقیقی "سبب اس کے سوا شاید ہی کچھ ہو کہ وہ طبعا" اس کی استطاعت سے بہرہ مند نہیں تھے۔ مبارزالدولہ کے شد و مد سے حامی جدید سوانح نگار محققین کے مقالات میں ان کے دربار سے ارباب خرد اور اہل کمال افراد کی تفصیل درکنار ان کی وابستگی کا تک کوئی حوالہ نہیں ہے۔ عین عنفوان شباب میں ان کی افتاد طبع کا اندازہ اس امر سے ہوجاتا ہے کہ ۱۸۱۵ گویا صرف بیس سال کی ہی عمر تک وہ کم از کم دو شادیاں رچا چکے تھے حالاں کہ اپنی والدہ کے وہ تیسرے بیٹے تھے۔ ان کی بیویوں سے پہلی ولادت تو عین "جنگ مبارزالدولہ" کے دن ہوئی اور دوسری معا" بعد کی قلعہ گول کنڈا کی اولین اسیری کے قریبی عرصے میں۔ ان شادیوں کو جو غالبا" ہم کفو خاندانوں میں نہیں ہوئیں جیسا کہ متعلقہ عورتوں کے ناموں سے ہی ظاہر ہے مبارزالدولہ کے شوریدہ اور خاصے سرکش مزاج کی اٹھان کا پہلا پہل مظاہرہ سمجھنا چاہیے۔ اس سے ذہنی تربیت اور خانوادے کی معاشرے میں برتری کے مثبت و مفید اثرات دونوں کا فقدان کھل کر سامنے آتا ہے جو ان کے سیاسی کردار کا قابل غور پہلو ہے۔

مبارزالدولہ کی مروجہ تعلیم کے اہتمام کا جہاں تک تعلق ہے کچھ اطلاعات مکرر ہیں تو چند تاثرات بڑھا چڑھا کر ظاہر ہوئے ہیں اور کچھ نئی معلومات بھی میسر ہیں۔ "تذکرۂ عروس الاذکار" کے مرتب افسر صدیقی نے مبارزالدولہ کا چند سطری تعارف دیا ہے جبکہ صاحب تذکرہ نصیرالدین نقش نے صرف اس جملے پر قناعت کی ہے جو ان کے عام طریق کے مطابق ہے:

"آصف' میر گوہر علی خاں: آصف تخلص' میر گوہر علی خاں مخاطب بہ مبارزالدولہ بہادر' پور نواب سکندر جاہ مغفور والی حیدر آباد' تلمیذ حضرت فیض" (صفحہ ۲۸)۔ "ایشاں است" لکھ کر وہ تین اشعار درج کئے ہیں جو ابتدائی سوانحی اوراق میں راقم نے اسی تذکرے کے اولا" معروف نام "عطائے تمکین" سے نقل کیے ہیں۔ اس مطبوعہ متن کی دستیابی کا اضافی فائدہ یہ معلوم ہوا ہے کہ ترجیحا" زیر استعمال نسخے میں "وہاں" اور "یہاں" کی کتابت اسی طریق پر ہوئی ہے جیسا کہ راقم نے منقولہ شعر میں اس تبدیلی کو از خود روا رکھا تھا' یعنی "واں" اور "یاں" جو برائے وزن بیت ضروری ہوگیا تھا۔ صاحب تعلیقات نے انجمن کے کتب خانے کی ایک بیاض سے جس کا عنوان قلم زد ہے مبارزالدولہ کے اس ہجویہ قصیدے کے کچھ ابتدائی

Marfat.com

فرماتے ہیں جو پرانے متون کی طباعت نو پر مشتمل ہونے کے باعث خاص اشاعتوں کا درجہ رکھتے ہیں اور ان میں سے دو زیر حوالہ ہیں۔ مولانا مودودی کی کتاب کی حالیہ اشاعت کا انکشاف پروفیسر سید محمد سلیم نے فرمایا جن کی رہبری پر مدیر "آئین" سے رابطہ اور شمارۂ متعلقہ کا حصول ممکن ہوا۔ برادر بزرگ سراج الحسن نعمانی نے مولانا علی میاں یعنی سید ابوالحسن علی ندوی کی تحقیق مرحمت اور عکسی نقل کی اجازت عنایت کی۔

ڈاکٹر مبارک علی سے ارادت کیشی راقم کی حقیر قلمی زندگی کا مبارک و مسعود واقعہ ہے جس کے گواہ ان کے متعدد تصنیفی عطیات ہیں جن میں سے چند سے یہاں فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ پروفیسر رفیع الدین ہاشمی نے قلمیات جامعہ کے تذکرۂ سید عبداللہ کے حصول نیز اورینٹل ڈکشنری کے عکس کا بھی انتظام فرمایا۔ ڈاکٹر اعجاز حنیف نے ۱۸۵۷ کی کتابیات کی عکسی نقل کی زحمت گوارا فرمائی جبکہ پروفیسر محمد ارشد خان نے عبداللہ ملک کی دونوں کتب ارسال کرنے کی تکلیف برداشت کی۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل کے فرمانے پر کتابیات دکن کی جلد ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہاں پوری نے روانہ کی جب کہ مرحوم مرزا محمد بیگ کی خودنوشت ان کے فرزند مغفور ماجد بیگ کا تحفہ ہے۔ پروفیسر میمن عبدالمجید سندھی اعلیٰ اللہ مقامہ نے اولا" امام راشدی کے بدست "نگارشات سندھ" کا نسخہ مرحمت کیا اور پھر کراچی آمد پر دست خاص سے ایک اور جلد عطا کی۔ پروفیسر سید شفقت رضوی نے ازراہ شفقت فرمائی دیگر تصانیف کے علاوہ "تحقیقی نقوش" بھی عنایت کی اور حضرت کریم بخش خالد نے علمی و تحقیقاتی مجموعے سے مشرف فرمایا۔ سید شکیل احمد انور نے مبارزالدولہ پر مقالے کا عکسی تراشہ ارسال فرمایا اور ہم موضوع مقالہ معین الدین عقیل والا "مجلہ عثمانیہ" کا شمارہ مدیر اعلیٰ رشید شکیب کی عطایا میں سے ہے۔ بینک کے ۲۵ سالہ رفیق کار محب بے ریا ابراہیم خان غوری نے "ہمارے سوار اور سپاہی" جیسی نادر کتاب راقم کو بخش دی اور مرتضیٰ احمد خان میکش کی تحقیق تاریخ سے بھی مستفید کیا۔ مطبوعات کی خرید کے تعلق سے متعلقہ اہل کاروبار کی مدد و رہبری کا شکرانہ بھی واجب ہے۔ جن میں حضرت صفدر مہدی اور ان کے فرزند عاطف قابل ذکر ہیں۔

غرض ارباب کرم گستر و گرامی قدر کی نوازشات بے پایاں کے بغیر یہ آخری پیشرفت اس طور ممکن نہ ہوسکتی۔ بزرگان کار کے من جملہ سید شفقت رضوی، مبارک علی خاں، رفیع الدین ہاشمی، رشید شکیب اور محمد ارشد خاں صاحبان کی ان عملی توجہات اور کرم فرمائیوں کا

Marfat.com

شعر نقل کیے ہیں جس کو پروفیسر ثمینہ شوکت مقالہ "نوائے ادب" میں مکمل طبع کر چکی ہیں اور جو اس سوانح میں اعادے کے قابل نہیں معلوم ہوا۔

مولوی سخاوت مرزا نے اسی تذکرے پر اپنے تعارفی مقالے مطبوعہ "اردو" کراچی جنوری ۱۹۵۸ میں جو ان کی بے نظیر محققانہ و تنقیدی نگارشات میں سے ایک ہے اور جس سے "عروس الاذکار" کا ایڈیشن افسوس کہ محروم ہی رہ گیا بعنوان "تعین ارشد تلامذۂ فیض" مبارزالدولہ کی اس غزل کا مطلع پیش کرتے ہوئے لکھا: "آصف' میر گوہر علی خاں مبارزالدولہ ابن سکندر جاہ ہیں جنھوں نے مولانا سید احمد بریلوی کی تحریک جہاد میں حصہ لیا تھا۔ اچھے شاعر تھے' رنگ یہ ہے" (صفحہ ۲۱)۔ مرتب تذکرہ نے "حواشی و تعلیقات" میں نہیں معلوم کس سند کی بنا پر یا پھر محض عقیدتاً "ہی مبارزالدولہ کو عالم فاضل قرار دیا ہے' ان الفاظ میں انھیں متعارف کرایا ہے۔ "آصف' میر گوہر علی خان مبارزالدولہ: آصف سنہ ۱۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے ("تزک محبوبیہ")' علم و فضل میں یکتا اور سپہ گری میں کامل تھے۔ سید احمد بریلوی سے عقیدت رکھتے تھے اور ان کی تحریک آزادیِ وطن کے سرگرم موید تھے۔ نوجوانی میں ایک ہزار سواروں کے ساتھ انگریزی رزیڈنٹ سے جنگ کر کے اسے شکست دی تھی۔ ۱۹؍ رمضان سنہ ۱۲۷۰ھ کو وفات پائی اور درگاہ برہنہ شاہ میں دفن ہوئے۔ سات لڑکے اور تین لڑکیاں یادگار چھوڑیں------کتب خانے کی بیاض ۳ ف ۱۵۱ میں آصف کا ایک قصیدہ ہے جس میں نظام کے عہد کی تعریف اور راجہ چندو لعل دیوان کی ہجو کی گئی ہے۔ اس قصیدے کے صرف (۱۶) اشعار مل سکے کیونکہ بعد کے صفحات پھٹ گئے ہیں۔ عنوان میں قصیدہ مبارزالدولہ بہادر لکھا ہوا ہے' قصیدہ یہ ہے" (صفحہ ۱۸۳)۔ بیاض کا حوالہ بلا عنوان ہی ہے۔

جناب سید عالم بعدہ' ایس اے کیانی کے مقالہ "سیارہ" متعلقہ فیض حیدر آبادی سے استفادے پر اس میں متذکرہ مبارزالدولہ کی شاگردی فیض کے بارے میں مزید رہبری کے لیے عرض کیا تھا۔ صاحب موصوف نے جواباً "ڈاکٹر زور کی تالیف "فیض سخن" کے مقدمے سے دو بیانات اقتباس کیے جو دونوں کی استادی اور طالب علمی سے متعلق ہیں۔ ڈاکٹر زور نے اولاً" روایت کیا "شہزادہ مبارزالدولہ بہادر نے حضرت فیض کے آگے زانوے شاگردی طے کیا تھا۔ یہی مرشد زادہ نواب آصف جاہ ثالث کی اولاد میں سب سے زیادہ علم و فضل اور مذہب و دین داری کے دلدادہ تھے اور ان کی افتاد طبع کی تعمیر میں حضرت فیض کو کافی دخل تھا۔ مشہور ہے

Marfat.com

کہ مبارزالدولہ بعد کو بعض وہابی علما کی ترغیب سے وہابیت کی طرف مائل ہوگئے تھے۔"
(مقدمہ "فیض سخن" صفحہ ۱۶)۔ مبارزالدولہ کے "علم و فضل اور مذہب و دین داری" کے دل دادہ ہونے کا یہ بیان جدید سوانح نگاری کے گزشتہ منقولہ اقتباسات سے کوئی دو عشرے پیشتر اور ما قبل آزادی کا ہے اور ظاہرا" اسی روایت کو نصیرالدین ہاشمی اور افسر صدیقی صاحبان نے بطور تحقیقی شہادت قبول کیا۔

زور صاحب نے مبارزالدولہ کی تعلیم کی غرض سے حضرت فیض کی تعیناتی پر ایک اہم اور بڑی حد تک فراموش شدہ تذکرے کی سند پیش کی جو جناب سید عالم کے اسی مکتوب کے الفاظ میں منقول ہے: "اس کے ساتھ ہی چند صفحات کے بعد ڈاکٹر صاحب مرحوم نے فیض کے شاگرد بہاری لال رمز کی یہ تحریر بھی نقل کی ہے: "برائے تعلیم مبارزالدولہ بہادر مرشد زادہ والی دکن بہ تقرر پانصد روپیہ ماہانہ مقرر شد" ایضا" صفحہ ۲۲"۔ اتفاقیہ نہ تو ابتدا" متذکرہ "فیض سخن" اور نہ ہی دیوان موسومہ "مرقع فیض" / "شمع فیض" سے اکتساب کی توفیق راقم کو ہوئی اور نہ ہی فی الفور اول الذکر کا حصول ممکن ہے کہ بہاری لال رمز کے تذکرے کا نام ہی معلوم ہو پاتا۔ لاریب کہ رمز کی اس تالیف کی اطلاع ایک اہم انکشاف ضرور ہے' اور افسوس کہ اور ذریعوں سے اس نامعلوم نسخے پر معلومات بر آمد نہیں ہو سکی ہیں۔ مثلاً خود "عروس الاذکار" نامی تذکرہ اور اس پر تعلیقات مرتب نیز مولوی سخاوت مرزا کا پیشرو مقالہ۔ دو قدیم و جدید سوانحی لغات یعنی اورینٹل بایوگرافیکل اور انڈو پرشین ڈکشنریوں میں بھی بہاری لال رمز اور ان کے تذکرے کا کوئی اندراج نہیں ہے اور اغلب ہے کہ یہ عرصے تک غیر مطبوعہ ہی رہا ہے۔ جن متعدد تذکرہ ہائے شعرا کا علم ہوتا ہے ان تک بھی رسائی غیر ممکن رہی ہے وگرنہ مبارزالدولہ کی شخصیت اور شاعری پر خواہ وہ جس سطح یا معیار کی ہو کچھ نہ کچھ اطلاعات شاید اخذ ہو سکتیں۔ موہوم سہی اس کا تھوڑا بہت امکان ضرور پایا جاتا ہے۔

مبارزالدولہ کی تعلیم و تدریس پر تشنہ سی کیفیت کے ساتھ یہ جاننا بھی کچھ کم متاسف کن نہیں ہے کہ کم از کم تیسرے نظام کے دور تک شہزادوں کو فرانسیسی کیا انگریزی پڑھانے پر بھی کوئی توجہ ضروری نہیں سمجھی گئی تھی' حالانکہ نظام ثانی کے وقت سے ہی انگریزوں سے خاصی سیاسی معاملت و سفارت کے امور از قسم فوجی تعاون اور جنگی معاہدوں کے وسیلے سے بے حد قریبی اور مضبوط و مستحکم ربط ضبط آغاز پا چکا تھا۔ مسلمانان برصغیر کے عظیم قومی المیوں

Marfat.com

میں سے ایک یہ پہلو بھی ہے جو بیک وقت ایک تاریخی عجوبے سے کم نہیں ہے اور انگریزوں کے نوآبادیاتی استعمار میں مسلمانوں کی جدید خطوط پر تعلیمی ترقی کی تحقیقات میں اس طویل اور حد درجہ سنگین اجتماعی کیفیت پر اظہار افسوس کجا کوئی فکر انگیز اشارہ تک نہیں ملتا ہے۔ راجا رام موہن رائے کی عین اسی زمانے یعنی اوائل انیسویں صدی میں بپا کی ہوئی وسیع و موثر اور نتیجہ خیز و دوررس تعلیماتی تحریک کے ایک دم برعکس مسلم مقتدر طبقے از قسم سلاطین ریاست بھی عامتہ المسلمین درکنار اپنے اہل خانوادہ کی تک انگریزی تعلیم سے غفلت شعارانہ طور پر پیش آتے رہے۔ مملکت آصفیہ اس کی بڑی تحیر خیز اور بدرجہا زیادہ پر تاسف مثال ہے' اور یہ سب ان بہت کچھ زبردستانہ اور زیردست تعلقات کے علی الرغم ہوتا رہا جن کی تاریخ ان وقتوں تک نصف تا پون صدی کا دورانیہ پورا کررہی تھی۔ فرنگی استعمار کے بانیوں نے اپنے کارندوں کی تحصیل کی غرض سے متعدد مقامی زبانوں کی تعلیم و اشاعت کی عملی صورت گری مبارزالدولہ کی ولادت کے زمانے میں بڑے پیانے اور منصوبہ بند طریقے پر فورٹ ولیم کالج کے روپ میں کردی' دراں حالیکہ تب تک جان کمپنی بہادر کی مختلف علاقائی افواج مرکز کجا اپنے اپنے جغرافیائی یا ریاستی منطقوں میں بھی پوری طرح قبضہ و تسلط نہیں پاسکی تھیں۔ ذہنی یک جہتی کی کارفرمائی ملاحظہ ہو کہ میڈوز ٹیلر جیسے کئی ایک فوجی عہدہ دار اور انتظامی عمال اپنی ہی لگن سے فارسی اور اردو نیز علاقائی السنہ میں گفتگو ہی نہیں تحریر پر تک عبور پاچکے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ کئی انگریز افسروں اور کارکنوں نے اپنے بچوں کو تک اردو فارسی وغیرہ پڑھوانے کے لئے معلمین کو مشاہرے پر رکھا ہوا تھا جس سے ان کی دوراندیشی بلکہ مستقبل بینی بالکل عیاں ہے۔ عبرت کی جائے اور عاقبت ناشناسی کی انتہا کہ مبارزالدولہ اور ان کے معاصروں کے لئے انگریزی کی معقول و کارآمد سطح پر تدریس پر ان کے بزرگوں نے کوئی توجہ نہ دی اور چنداں ضرورت محسوس نہیں کی۔ اندریں حالات کیا یہ کوئی عجوبہ نہیں کہ مبارزالدولہ کی دوسری نظربندی سے نجات کی کوشش کے دوران کرنل ٹیلر دربار سے ان کے مکتوبی رابطے میں انھی کی ذاتی تشفی کی خاطر ان کے نامہ و پیام کے لئے فارسی بلکہ اردو میں تک ان کی درخواستیں اپنے حسب منشا تحریر کرتا رہا اور شہزادہ ٹیلر پر انگریزی میں اظہار مدعا سے قاصر رہا۔ سوانحی سے کہیں زیادہ تاریخی لحاظ سے یہ صورت واقعہ سانحے سے کیا کم ہے۔

Marfat.com

وہابی تحریک میں مبارزالدولہ کا حصہ : چند اور بیانات

تحریک مجاہدین کی تفتیشی روداد میں آیا ہے کہ مبارزالدولہ کے مشیر اور عملاً منتظم اعلیٰ مولوی سلیم کے اقدامات میں رنجیت سنگھ سے فوجی اعانت کے حصول کی کوشش بھی شامل تھی۔ دوسری طرف اصل صورت حال یہ ہے کہ حضرت سید احمد کی شہادت عظمیٰ کے سانحے سے رنجیت سنگھ کی حکومت اور اولاد نیز ان سب کی سپاہ کا جو راست تعلق رہا ہے وہ اتنا زیادہ بھیانک اور اتنا ہی مسلم الثبوت بھی ہے کہ تحقیق مزید سے آج تک محض بے نیاز ہے۔ اس واقعی بلکہ حقیقی پس منظر میں یہ بے بصیرتی کی انتہا ہوتی اگر خدانخواستہ ایسا کوئی قدم اٹھایا جاتا' اور بصورت دیگر یہ باور کرنے اور اس پر یقین کرنے والے ہر دو گروہوں کی اپنی بے عقلی کا منہ بولتا ثبوت سمجھا جائے گا جس کے لئے دلایل و براہین کی چنداں حاجت نہیں ہے۔ غرض نریندر سنگھ کے سوا "مہاراجہ رنجیت سنگھ" پر کوئی اور ماخذ سامنے نہیں ہے' جبکہ اسی کتاب سے معزول افغان سربراہ شاہ شجاع کی اس علاقے میں موجودگی و مشغولیات کی جھلکیاں ملتی ہیں جن کی تصویر کشی "ضمیمہ : لاہور میں شاہ شجاع : ۱۸۱۳ سے ۱۸۱۵ تک" میں کی گئی ہے۔ مبارزالدولہ وغیرہ کی جانب سے شاہ شجاع کی جلاوطنی کے دوران اس سے بھی امداد طلبی کے لیے سلسلہ جنبانی کا ذکر بھی کمیشن کی ہی رویداد میں آیا ہے لیکن معزولی کی اثناء میں اس کے خاص کر مستقلاً" مہم جویانہ سفر سندھ و پنجاب کے معلومہ نقشے کے مدنظر دکنیوں اور افغانیوں کے رابطے کا معاملہ بھی خالی از اشتباہ نہیں ہے۔ یہ مسئلہ بھی نری غلط فہمیوں بلکہ دانستہ غلط بیانیوں کی ایک کڑی ہو سکتا ہے کیونکہ شاہ شجاع خود ہی اپنی تھوڑی بہت افواج قاہرہ کے ساتھ معزولی و جلاوطنی کے عالم میں بھی ایک طرف مارکٹائی اور لوٹ کھسوٹ میں درانہ ملوث تھا تو بحالی تخت کے لئے ہندوستان میں مقتدر طاقت یعنی انگریزوں کی دستگیری کا خواستگار تھا۔ تحریک مجاہدین ہندوستان کی مرکزی اور دکن کی مقامی تنظیم کی قیادت میں انھی انگریزوں کے خلاف جدوجہد کر رہی تھی جو اس دربدر شاہ شجاع کو اپنے دام تزویر میں پھانسنے کے لئے اسی کے مفادات کی آڑ میں کوشاں تھے۔ اگر واقعی شاہ شجاع سے مدد کی سعی اور امید کی جا رہی تھی تو پھر یہ بھی اتنی اور ویسی ہی ناعاقبت اندیشانہ ہوتی اور ناقابل یقین بھی جتنی قاتلین سید احمد شہید سے معاملہ کرنے کی مفروضہ کوشش۔

وہابی تحریک کے حیدرآباد میں نفوذ کی خبریں متعاقب تواریخ اور جدید تذکروں میں جس

Marfat.com

طرح بار پاسکیں ان کے تعلق سے صحت و صداقت کا کوئی معیار بعض راویوں کے ہاں ملحوظ ہونے سے رہ گیا ہے۔ "بنگالی مسلمانوں کی صد سالہ جدوجہد آزادی" کے محقق کی اس روایت سے یہی اندازہ ہوتا ہے جو صاحب موصوف نے ماخذ یا سند کے حوالے کے بغیر تحریر کی ہے اور جو مولانا ولایت علی کی حیدر آباد آمد سے لے کر مبارز الدولہ کی آخری اسیری اور وفات تک کی سرگزشت کی مبہم اور برخود غلط تلخیص ہے۔ جناب عبداللہ ملک کا اپنا تاثر ہے۔ "مولانا ولایت علی سب سے پہلے حیدر آباد گئے اور وہاں تبلیغ و تنظیم کا کام شروع کیا' چنانچہ وہاں ایک اچھا خاصا حلقہ پیدا ہوگیا جو محض عام لوگوں پر مشتمل نہ تھا بلکہ اس میں حیدر آباد کے حکام بھی شامل تھے۔ ان کو بعد میں اس تحریک میں شامل ہونے کی سزا بھگتنی پڑی' ریاست کے تخت سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔" (صفحہ ۳۹۰)۔ متصل سطور میں "یہ واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے" کہہ کر مصنف نے جو اقتباس دیا ہے کئی اور روایتوں کی طرح اس کا بھی حوالہ نہیں ہے۔ کوئی پچاس "ماخذ" کی فہرس میں سے ممکن ہے۔ ان کتب میں ایسی ہی حکائتیں ہوں جن کا خلاصہ انھوں نے کیا: مولانا محمد میاں دہلوی کی مجلدات "علمائے ہند کا شاندار ماضی" اور مولانا مسعود عالم ندوی کی "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" جو دونوں ہی عدم دستیاب ہیں۔ تاہم ثانی الذکر مختصر مفید تاریخ سے ازیں بعد مظہر ہوا کہ مولانا ولایت علی کے قیام دکن کا تذکرہ اس میں مجمل ہے اور مبارز الدولہ کا حوالہ ہی غیرمذکور۔ "بنگالی مسلمانوں کی صد سالہ جدوجہد آزادی" میں صفحہ ۳۹۱ پر "اس وقت ریاست کے نواب مبارز الدولہ" اور قبل ازاں "ریاست کے تخت سے بھی ہاتھ دھونا پڑا" جیسے الفاظ محض زیب داستاں تو ہیں ہی ایجاد بندہ بھی ہیں۔ عبداللہ ملک کے اس بیان کا متن سطور ذیل میں ملاحظہ فرمایا جائے۔

"یہ واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے" جیسا کہ "بنگالی مسلمانوں کی صد سالہ جدوجہد آزادی" کے محقق ناقل ہیں: "جب مولانا ولایت علی حیدر آباد پہنچے اور انھوں نے وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع کیا تو اس وقت ریاست کے نواب مبارز الدولہ کو بھی مولانا ولایت علی سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ جب ملاقات ہوئی تو نواب پہلی ملاقات ہی میں مولانا کے علم اور زہد و تقویٰ سے بہت متاثر ہوئے اور انھوں نے اسی وقت سے تحریک کی تائید و حمایت کا فیصلہ کیا۔ مولانا ولایت علی کا مسلک دل و جان سے قبول کیا۔ اس کے بعد خود مبارز الدولہ کی زندگی میں انقلاب آگیا' انھوں نے اپنی زندگی سنت رسول کے مطابق ڈھالنی شروع کردی۔

Marfat.com

نتیجہ یہ ہوا کہ چند سال بعد جب برطانوی حکومت کو وہابیت کا خوف ستانے لگا تو مبارزالدولہ پر بھی وہابیت کا الزام عاید ہوا اور ان کو گرفتار کرلیا گیا۔ ان کے ہمراہ ریاست کے عمال کو بھی وہابیت کے الزام میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں اور نواب مبارزالدولہ نے قلعہ گول کنڈا میں نظربندی کے دوران میں ہی اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی" (صفحہ ۳۹۱)۔
بخوف طوالت بیان بلا تبصرہ و تعرض نقل کیا گیا ہے کہ مرکزی نکتے اور دوسرے بھی پہلوؤں کے رد کے لئے سامنے کی معلومات ہی کافی ہیں جن کی بہت کچھ تفصیل درج ہوتی آئی ہے۔

"سیرت سید احمد شہید" مصنفہ مولانا علی میاں کے باب متعلقہ خلفائے حضرت و اکابر تحریک میں "مولانا سید محمد علی صاحب رامپوری" کے ذکر میں نیز "مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادی" کے بھی احوال میں معاصر تحریکی منابع کی سند پر مبارزالدولہ کا یکے بعد دیگرے دونوں بزرگوں سے بیعت ہونا مذکور ہے۔ راقم نے سوانحی متن میں ثانی الذکر کے خاص حوالے سے بہ صراحت عرض کیا ہے کہ ان سے مبارزالدولہ کی بیعت درکنار ملاقاتوں کا ہی تصور ایک دم محال ہے۔ مولانا ولایت علی کی آمد حیدر آباد سے لے کر شہادت بالاکوٹ اور اپنے والد کی بھی وفات کی خبروں پر حیدر آباد سے واپس روانگی کے دورانیے میں مبارزالدولہ اولاً" اپنے گھر کوٹلا عالی جاہ میں اور پھر شورش تنخواہ کے سبب گول کنڈا میں نظربند رہے۔ اول الذکر عالم مولانا رام پوری کے بھی مختصر قیام حیدر آباد کی اثناء میں ان کی حاضری اور بیعت کا کوئی واقعی ثبوت بائید و شاید کہ وہ حکماً" اسی محل میں زیربندش رہے اور باہر کی ملاقاتیں بڑی بات ہے مراسلت بھی سخت منع رہی۔ مصنف سیرت اپنی اس ابتدائی کتاب میں علمی و تاریخی تحقیق کے ان لوازم اور مقتضیات کا مطلوبہ اہتمام نہ فرماسکے جو مثلاً مبارزالدولہ جیسے ذیلی یا علاقائی سطح کے کرداروں کے تحریکی تعلق کی حقیقت و اصلیت آشکار کرنے کی غرض سے ناگزیر تھے۔ تحقیقی نکتہ نگاہ سے موقع بہ موقع نظرثانی بھی بعد کی طباعتوں کے لئے نہیں ممکن ہو سکی جبکہ ابتداً" بھی معتبر مقامی مراجع سے مشورت کے بجائے معلومہ کوائف نقل کرنے پر ہی انھوں نے انحصار و اکتفا روا رکھا۔ گویا مختصر ترین لفظوں میں مولانا ابوالحسن زیادہ یا مناسب گہرائی میں گئے ہی نہیں اور ان کے کوئی دو عشرے بعد کی مولانا مہر کی بھی کتب میں کم از کم مبارزالدولہ کی حد تک سہی دکنی منابع سے رجوع کا عمل معدوم ہی ہے۔

مولانا علی میاں نے محمد علی واعظ رام پوری کے مختصر سے قیام حیدر آباد پر "تاریخ

Marfat.com

احمدیہ" کا اور مدراس کے طویل تر کوائف پر "سوانح احمدی" کا نام لیا ہے مگر مولانا ولایت علی کے احوال حیدر آباد کا کوئی حوالہ ماخذ نہیں دیا ہے جبکہ ان سے مبارزالدولہ کی ملاقات اور بیعت کے خوش فہمانہ بلکہ غلط بیان سے راست تعلق ہے۔ "کتاب کے ماخذ" کے مطابق "سوانح احمدی" مصنف "کالا پانی" مولانا محمد جعفر تھانیسری کی تصنیف ہے اور فارسی "تواریخ احمدیہ" حضرت شہید کے کاتب خاص مولانا سید جعفر علی نقوی کی مصنفہ ہے۔ خدشہ ہے کہ ان دونوں نمایندگان تحریک کے سفر دکن اور وہاں کے دعوتی مشاغل کی تفصیلیں زیادہ چھان بین کے بغیر ہی ان اور دوسرے اصل و ثانوی مصادر میں در آئی ہیں۔ اولین سوانحی و تحریکی تذکروں میں زیادہ اہمیت و توجہ خود حضرت سید احمد کی زندگانی کی کیفیتوں بلکہ ان کی تفاصیل و جزیات کی بھی جمع آوری کو حاصل رہی' اور دور دراز اقصائے ملک حیدر آباد و مدراس میں متعین نمایندوں اور دوسرے افراد کی ذاتی اور تنظیمی تفصیلوں کی تنقید و تنقیح کو ذری وقعت نہیں دی گئی۔ نظر بظاہر قدیم و جدید تحریکی وقایع نگاروں یا تذکرہ و تاریخ نویسوں نے تحریکی اکابر و اصاغر کی فرداً" فرداً" سوانحی روایتیں بڑی کاہش سے اکٹھی کیں اور ریزہ ریزہ مجموعہ آوری کی صعوبتیں اٹھایں' تاہم حقیر سا معروضہ ہے کہ خزف ریزوں کو چھانٹنا کیا پرکھنا بھی ان حضرات کے لیے عملاً غیر ممکن رہا۔ ایک سامنے کی وجہ تو بربنائے عقیدت و خوش فہمی رہی اور دوسری یہی کہ دکن کی اپنی فارسی و اردو اور انگریزی کتب تواریخ اور متعلقہ مطبوعات سے لاعلمی اور ان کے تئیں عدم جستجو بھی اس میں حائل رہی' وگرنہ خاص کر مبارزالدولہ کی اپنی اصلیت و حقیقت کچھ تو خوش گمانی کی پردہ دری کرتی۔

"مولانا سید محمد علی صاحب رام پوری" اور "مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادی" کے مولانا ابوالحسن ندوی سے منقولہ ذیل تذکروں سے مترشح ہے کہ مبارزالدولہ کی دونوں علمائے تحریک سے بیعت کا ان کوائف کی بنیاد پر اثبات و استناد بلکہ محض استشہاد و استدلال تک قطعی ناممکن ہے۔ امر واقعہ ہے کہ کم از کم حیدر آباد کے تحریکی ارتقا کے آغاز کے باب میں اس خاص جزو کی اپنی قیمت شاید ہی زیب داستاں سے زیادہ ہو جس پر ازراہ حسن عقیدت بہت زیادہ انحصار کو ترجیح دی گئی۔ اول الذکر نمائندۂ سید شہید کی شہر میں آمد پر سید ابوالحسن ندوی راوی ہیں کہ مولانا محمد علی واعظ: "راستہ میں وعظ و تبلیغ فرماتے ہوئے حیدر آباد دکن پہنچے۔ حاسدوں اور بدخواہوں نے بدنام و ناکام کرنے کی بہت کوشش کی' حکام کو غلط اطلاعیں

Marfat.com

پہنچائیں۔ لیکن آپ کے پہنچنے پر نائب السلطنت نے آپ کا ایسا عظیم الشان استقبال کیا جو صرف نواب سکندر جاہ کا ہوتا تھا اور ڈھائی سو روپیہ نذرانہ مقرر کیا۔ ہزارہا آدمیوں نے بیعت کی۔ نواب ناصرالدولہ کے بھائی نواب مبارزالدولہ بھی مرید ہوئے اور خلافت حاصل کی، بیعت سے نواب صاحب کی حالت بدل گئی۔ آپ کی چار سے زیادہ بیویاں تھیں، آپ نے چار کے علاوہ باقی کو چھوڑ دیا" (صفحہ ۳۵۸ / ۳۵۹)۔ معاً" بعد مولانا واعظ رام پوری کے نایب السلطنت منیرالملک سے مراسم اور عازم مدراس ہونے کے ذکر میں "تاریخ احمدیہ" کا حوالہ ہے، ممکن ہے مبارزالدولہ کی بیعت اور مولانا محمد علی کی مدراس روانگی و آمد کی روایات اسی سے مستفاد ہوں۔ اس سفر اور قیام مدراس کے بیان کا ایک حصہ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی سے سوانحی متن میں منقول ہوچکا ہے۔

اسی سے متصل مولانا ابوالحسن کا بلا حوالہ بیان ہے کہ ازاں بعد مولانا رام پوری کے جانشین اور حضرت سید شہید کے نئے نمایندے مولانا ولایت علی جب: "حیدر آباد دکن آئے چند روز میں حیدر آباد کے گلی کوچہ میں آپ کا شہرہ ہوگیا، نواب مبارزالدولہ نے بیعت کی۔ لاکھوں آدمی آپ کے وعظ سے توحید و سنت کے پابند ہوگئے۔ آپ کو اسی اثنا میں بالاکوٹ کے حادثہ کی اطلاع ہوئی----" الخ (صفحہ ۳۶۴)۔ سکندر جاہ کے سخت احکام کے تحت مبارزالدولہ کی کوٹلا عالی جاہ کی خانہ بندی سے فایق سیرت نگار لاعلم رہ گئے اور ازاں بعد کی نظربندی گول کنڈا سے بھی عدم واقفیت ظاہر ہی ہے۔ ان دونوں بزرگوں کی تشریف آوری مبارزالدولہ پر عائد اول الذکر سخت پابندی کی اثناء میں ہوئی، اس سے نجات کے قریبی عرصے میں مبارزالدولہ کی علانیہ سرپرستی میں شورش عروب و افاغنہ شہر بھر میں چھڑ گئی جس کی کیفیتوں میں ان کی کسی ایک شخصیت سے عملی نیازمندی کسی دکنی تاریخ میں مذکور نہیں ہوئی اور اسی شورش تنخواہ کی پاداش میں وہ گول کنڈا میں منتقل کیے گئے، مولانا ولایت علی کا خاص اسی دوران شہر میں قیام بھی رہا اور بالاکوٹ کی شہادت عظمیٰ کی خبر پر ان کی واپسی بھی عمل میں آئی جس کے بعد مبارزالدولہ کی قلعے کی اسارت ختم ہوئی۔ ان سبھی حالات کے وقوع پذیر ہونے اور ان کے سلسلہ روز و شب یا کیلنڈر سے کلی ناواقفیت تواریخ دکن سے عدم رجوع کے غیر علمی اور غیر تحقیقی رویے کا شاخسانہ ہے جس کے باعث مبارزالدولہ کی ان علما سے ملاقاتوں اور بیعت کے سارے ہی حوالے ارتقائے واقعات کے تعلق سے غیر محققانہ اور خوش فہمانہ

Marfat.com

مغالطوں بلکہ غلو سے پر ہیں۔ یہی صورت مولانا مہر کے بھی مبارزالدولہ کی بیعت سے متعلقہ بیانات کی ہے جن میں انھی وجوہ سے تاریخی غلط فہمی در آئی ہے۔ مولانا علی میاں نے "تاریخ دعوت و عزیمت" کی آخری مجلدات کے طور پر "سیرت سید احمد شہید" کو بھی اضافہ کیا ہے، تاہم معلوم نہیں کہ آیا انھوں نے مبارزالدولہ کی معاصر تواریخ دکن ملاحظہ کرکے ترامیم فرمایں اور سابقہ اظہارات میں کوئی تبدیلی کی یا نہیں۔

سوانحی حصہ تحریک میں راقم نے شمال و جنوب کی ان تمام مقامی اور تحریکی تواریخ کے ہم مضمون تذکروں کی تردید میں بالتفصیل عرض کیا ہے جن میں مبارزالدولہ کی بیعت اور یہ ملاقاتیں روایت ہوئی ہیں کہ ان اجزا کو خواہ غلط فہمانہ کہیے یا خوش فہمی کا نمونہ تاریخی سند اور حقایق دونوں کے ہی خلاف پایا گیا ہے۔ ایک اور بار معروضہ ضروری ہے کہ اور تو اور صاحب "گلزار آصفیہ" بھی مبارزالدولہ کے تینوں حوادث کی تفصیلوں کے باوجود مولوی سلیم کے کسی پیشرو تحریکی بزرگ سے شہزادے کے روابط کیا اظہار نیاز پر بھی اشارہ تک نہیں کرتا ہے۔ ادھر حیدرآبادی تحریکات آزادی کے جدید محققین نے بھی مبارزالدولہ پر جلد اول کے مستقل ابواب میں ان علما سے ان کے تعلق کی کوئی نشاندہی نہیں کی ہے، جبکہ تیسری طرف تفتیشی کمیشن کی روداد بھی چھوٹی چھوٹی سی تنظیمی شخصیتوں اور مصروفیات کے بھی احاطے کے باوجود دونوں ہی بزرگان تحریک سے شہزادے کے ربط ضبط کے حوالوں سے خالی ہے۔ ان سہ گانہ مراجع کے علاوہ کوئی اور وسیلہ اس ملاقات و بیعت کا ثبوت فراہم کرنے سے قاصر ہے، الا اس کے کہ علمی جستجو یا تحریکی و سوانحی تحقیقات کو فسانہ طرازی سے بے طرح ملوث کردیا گیا ہے۔ غرض تا دم تحریر اس افسانے کو واقعاتی شواہد کی نہیں خوش عقیدہ حسن ظن کی کارفرمائی بلکہ پشت پناہی کا نتیجہ ہی سمجھا جاسکتا ہے۔

سید شکیل احمد انور نے ایک مستند و معتبر ذریعے سے اہم انکشاف کیا ہے جو حیدرآباد سے ان کی فاضلانہ علمی اعانت کے فیض مبارزالدولہ کی بعد کی تنظیمی تیاریوں پر ایک قیمتی اطلاع ہے: "سنہ ۱۸۶۴ میں مدراس کے انگریزی اخبار "دی انگلش مین" کا حیدرآبادی نامہ نگار لکھتا ہے: "سرہیوبرٹ ایڈورڈز نے مقدمہ امبالہ کی روئیداد کا جو خلاصہ بیان کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سید احمد کے بعد بھی مسلمانوں میں روح جہاد مفقود نہیں ہوئی ہے۔ حیدرآباد میں اس تحریک کا احیاء مولوی سلیم کی ان کوششوں کی وجہ سے ہوا جس میں انھوں

Marfat.com

نے پنجاب کے سکھ حکمرانوں کے خلاف جہاد میں مدد دینے مبارزالدولہ کو ہموار کرلیا تھا۔ انھوں نے شہزادہ کو عملی فوجی تربیت دینے اور تھکا دینے والی مشقت کا عادی بنانے کے لئے ان پر لازم کردیا تھا کہ ایک تیز رفتار اونٹنی پر روزانہ گھنٹوں تک سواری کریں اور اپنے باغ کے احاطے میں دوڑ دھوپ کی مشقیں انجام دیں۔ یہ سارے امور انتہائی رازداری سے انجام دیئے جاتے تھے۔" (صفحہ ۲۰۔ مترجمہ از "انگلش مین" اگست ۱۸۶۴، ماخوذ از "حیدرآباد افیرز" جلد ۴ صفحہ ۶۵۴)۔ مذکورہ جج کا درست نام ہیوبرٹ نہیں ہربرٹ ہے جس کی عدالت میں بعض متعاقب تحریکی قائدین پر فوجداری کا مقدمہ انبالہ ۱۸۶۴ میں ہی چلا جس کی تفصیل ڈاکٹر قیام الدین احمد نے مولانا عبدالرحیم کے "تذکرۂ صادقہ" سے اقتباس کی۔ سخت ناانصافی ہوگی اگر عرض نہ کردیا جائے کہ قریب ۳۵ سال پہلے "حیدرآباد افیرز" کی مجلدات سے ارم منزل کے آثار خانے میں راست استفاضہ واخذ کے باوجود راقم سید شکیل احمد انور کے منقولہ اس متن سے لاعلم رہ گیا جو مقالہ نگار موصوف کے شکرانے کے ساتھ اضافہ ہوا۔

وی کے باوا کے ہاں مبارزالدولہ کے وہابی تحریک سے تعلق اور انجام کا دو جگہ ذکر ہے، لیکن غلطی سے ان کی نسبت خلط ملط کردی ہے۔ پہلے بیان میں وقوع کا سال بھی بالکل غلط درج کرگئے ہیں اور یہ پہلی روایت سکندر جاہ اور کمپنی کے معاملات کے حوالے سے ہے:

"Meanwhile in 1815, the British had intervened to appoint a commission of inquiry and imprison for life another brother of Sikandor Jah Mubarizud Dowla, who was implicated in a Wahabi conspiracy against the British" (P.16)

دوسرا حوالہ ولی اللہی اثرات ما قبل ۱۸۵۷ کی بنیاد پر اسی کارروائی کے سلسلے میں ہے اور پہلے کی طرح ضمناً ہی تحریر ہوگیا ہے چناں چہ ویسا ہی سرسری بھی ہے:

"A few years earlier in 1839 an all-India conspiracy was discovered. Mubarizud Dowla, brother of the Nizam Sikandar Jah, was imprisoned for life in Golconda fort after being found guilty by a British Court of inquiry for participating in this conspiracy" (P. 55)

Marfat.com

تحریک مجاہدین مدراس سے سندھ تک بحوالہ مبارزالدولہ

عربی تذکرہ علمائے مدراس "حدیقتہ المرام" میں وہابی تحریک کے مقررہ نمائندے مولانا سید محمد علی رام پوری واعظ کے بجائے دیگر حامی و مخالف شخصیات کا اجمالی احوال ملتا ہے۔ اس میں ان بزرگوں کے نظریاتی و عقایدی تصادم پر اشارات ہیں جبکہ تعلیقات افسر صدیقی سے بھی مدراس کے تحریکی عمل و رد عمل دونوں کا کچھ اور بھی حال ان افراد کے حوالے سے کھلتا ہے گو اختصار سے ہی۔ ان سب پر صاحب تذکرہ کے فردا" فردا" کوائف کے بجائے صرف تعلق باہمی پر متعلقہ کلمات بطور خلاصہ اولا" اقتباس ہیں: (ا) "مولوی جلال الدین حسن خان شافی: محکمہ عالیہ کے احکام آپ ہی نافذ فرمایا کرتے تھے۔ بڑے شیخ صالح اور متقی تھے' علم فقہ میں آپ کو بڑی مہارت حاصل تھی۔ میر محمد علی واعظ سے بیعت ہوئے۔" (شمار ۳۵ صفحہ ۳۲)۔ (۲) "مولوی حسن محمد زماں حیدر آبادی: شیخ کامل اور عالم فاضل شخص تھے' عربی و فارسی میں بڑا تبحر تھا۔ حافظ محمد علی مرحوم سے بیعت تھے" (نمبر۴۲ صفحہ ۳۴)۔ (۳) "مولوی غیاث الدین: آپ صاحب علم و فضل تھے' "احیا العلوم" امام غزالی کی تلخیص کی ہے۔ بزعم خود "خلاصتہ الاحیا" سے موسوم فرمایا ہے' حقیقت تو یہ ہے کہ کل ابواب کو اپنی اس تلخیص میں مسخ کردیا۔ مولانا میر محمد علی سے بیعت اور خلافت سے مشرف ہوئے" (نمبر۱۳۳' صفحہ ۶۲)۔ (۴) "معین الدین: علم دین میں بڑی قوت اور استقامت حاصل تھی' علما اور مشائخ کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ حضرت بادشاہ اور میر محمد علی واعظ سے بیعت تھے۔ آپ کا شغل ورد اور وظائف تھا' صبح کی نماز کے بعد گریہ و زاری کے ساتھ دعا کرتے" (نمبر۱۸۵' صفحہ ۷۶) گویا مولانا محمد علی سے وابستگی میں سب ہم رشتہ تھے۔

مدراس کے اخبار "صبح صادق" کی مولانا محمد علی کی تحریکی مہم کے کوئی دو عشروں بعد کی فائلوں میں ان کی تنظیمی کاوشوں اور مخالفین کی بھی کوششوں کی صدائے بازگشت محفوظ ہے اور سردست اس بابت ایک مجمل سی اطلاع ہمدست اور نقل ہے۔ "تحریک آزادی" کی تعارفی سرخی کے تحت مقالہ نگار ملک احمد نواز تحریک مجاہدین کی مدراس تک توسیع کے خاص حوالے سے انکشاف کرتے ہیں: "یہ اخبار تحریک آزادی کا سخت مخالف تھا' آزادی کے علم برداروں کو "ذات شریف" اور جدوجہد آزادی کو "فتنہ" کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ مجاہدین کی ذات اور مذہب میں اسے "فتنہ و فساد" نظر آتا ہے' نیز وہ سید احمد شہید اور حضرت

Marfat.com

اسمٰعیل شہید کے مذہبی خیالات کو "مکروہ" خیال کرتا ہے۔ چنانچہ جلد ۱۲ شمارہ ۱۹ (مورخہ ۲۰ر دسمبر ۱۸۶۵ء) شمارہ ۲۰ (مورخہ ۳۱ر دسمبر ۱۸۶۵ء) اور شمارہ ۲۱ (مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۸۶۶) میں مولانا محمد علی رام پوری اور مولانا ولایت علی صادق پوری کی مدراس میں آمد پر مدراس کے لوگوں کی مخالفت، لفظ وہابی کی تشریح، ستھانہ، اکبر شاہ، مبارک شاہ، عمران اور سید عمر کے متعلق بالترتیب حالات ملتے ہیں۔ سید احمد شہید نے مولانا محمد علی رام پوری اور مولانا ولایت علی صادق پوری کو میدان جہاد سے مدراس اور دکن میں تبلیغ کے لئے بھیجا۔ ۱۲۴۵ھ / جولائی ۱۸۲۹ کو مولانا محمد علی حیدر آباد سے مدراس پہنچے اور ملا بحر العلوم کے فرزند مولوی عبدالرب کے مدرسے میں رہائش اختیار کی۔ یہاں کے تنگ نظر علما نے آپ کے ساتھ مناظرے شروع کیے جن میں مولانا جمال فرنگی محلی، مولوی اسلمی اور ارتضا علی پیش پیش تھے" (مقالہ "فنون" صفحہ ۶۲۲)۔ افسوس کہ ملک احمد نواز کی تحقیق کا بقیہ حصہ ملا اور نہ رابطہ ہو سکا۔

"حدیقتہ المرام" مصنفہ محمد واصف مدراسی سے جہاں مولانا محمد علی واعظ کے حامی و ناصر رجال اور ان کی تحریکی دلچسپیوں کا بھی کچھ نہ کچھ علم ہوتا ہے "صبح صادق" میں متذکرہ طبقہ مخالفین کے بھی چند بزرگوں کا تعارف موجود ہے۔ تاہم اس احتیاط کے ساتھ کہ تحریکی مناد طبقے کے میلانات پر طنز کیا ہے تو ان نقاد حضرات کے رجحانات کی پردہ پوشی کی ہے جس سے خود تذکرہ نگار کا مسلک ظاہر ہے۔ اس عربی تذکرے میں اکبر شاہ مبارک شاہ اور عمران و سید عمر نامی لوگوں کا احوال ناپید ہے البتہ "صبح صادق" کے آخر الذکر چار مخالف علما کے مختصر حالات درج ہیں۔ "مولوی اسلم سلیمی" (نمبر ۳ صفحہ ۱۹)، "مولانا ارتضا علی" (نمبر ۲ صفحہ ۱۸) اور "مولوی عبدالرب" (نمبر ۱۰۶ صفحہ ۵۴) سے ان کے فضایل تو ہویدا ہیں لیکن وہابیوں کے خلاف ردعمل کا حوالہ نہیں ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ وسیع تعلقات کی بنا پر مقامی حامیان تحریک کے نظریاتی اثرات کا حامل طبقہ وجود میں آگیا تھا جبکہ ان کے یا وہابی عقاید کے مخالفوں کا بھی حلقہ نفوذ دینی و علمی اعتبارات سے موقر بلکہ مقتدر تھا۔ مولانا واعظ رام پوری کے متاثرین اور ہم نواؤں میں سے صرف خان عالم خاں فاروق کی زندگی کا کچھ نقشہ "حدیقتہ المرام" میں پیش ہوا ہے مگر تحریکی کام سے زیادہ متعلق یہ **تفصیل** نہیں البتہ حسب معمول مخاصمت رکھتا ہے۔ ان کا احوال دلچسپ بھی ہے مخالفانہ بھی۔

خان عالم خان فاروق پر تذکرہ نگار کا بیان اس لحاظ سے پر مذمت سا ہے: "واقعہ یہ ہے

Marfat.com

کہ خان عالم کے معلومات کچھ وہابیانہ ہوگئے تھے کیونکہ انھوں نے میر محمد علی رام پوری جیسے وہابی سے بیعت کی تھی اور خلافت بھی حاصل فرمائی تھی۔ علماء نے ان کے شیخ کی طرح ان کو بھی گمراہ قرار دیا تھا اس لئے میں نے ان کی صحبت ترک کردی کیونکہ میں حقیقت میں شیخ الاسلام اور علماء سنت جماعت کا پیرو تھا۔" قبلاً "مولانا رام پوری کے ان خلیفہ کے تعلقات کی وسعت اور ان کی علمیت نیز ان کی متواضع اور مہمان دارانہ عادات اور اپنی نیاز کیشی کا بھی ذکر کیا ہے: "میں نے ان سے بعض فارسی انگریزی اور عربی کتابیں پڑھی ہیں اور بارہا ان کے دسترخوان پر کھانا بھی کھایا ہے۔" دیگر یہ کہ "خان عالم نے بھی ایک مبسوط کتاب اردو زبان میں لکھی ہے جس میں انھوں نے اپنے مخالف کے رسالہ کے جواب میں احادیث شریفہ اور اقوال ایمہ کے اسناد سے مدلل جواب دیا ہے۔ مگر میری نظر سے وہ کتاب نہیں گزری۔ یہ مطبع جامع الاخبار مدراس میں طبع ہوئی تھی" (صفحہ ۳۷/۳۸)۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر حامد اللہ ندوی کی بمبئی قلمیات کی تحقیق میں ایسی چند اور کتب زیر تذکرہ ہیں جو ولی اللہی معتقدات کے حق اور رد میں مدراس اور دیگر اقصائے دکن میں انھی دنوں تصنیف ہوئیں۔

افسر صدیقی امروہوی نے تعلیقات میں "حدیقتہ المرام" کے صاحب عنوان معاصرین تذکرہ کے سوا دیگر جن بزرگوں پر لکھا ہے مولانا سید محمد علی واعظ پر ان کی سطور یہاں اضافہ طلب ہیں: "مولوی محمد علی رام پوری: عام طور پر واعظ رام پوری کے نام سے مشہور تھے، مدراس و کرناٹک کی طرف چلے گئے تھے اور اپنے مریدوں کا ایک حلقہ بنالیا تھا۔ ان میں حکیم غلام محی الدین خان بصارت کو خاصی شہرت حاصل تھی۔ ان کی کرامات کے بارے میں ایک تصنیف ہے، یہ کتاب ان کے لڑکے افسرالدولہ نے لکھی ہے۔ مدراس میں ان کے عقاید کے خلاف اچھا خاصا ہنگامہ ہوگیا تھا جس کی کچھ تفصیل مولوی حکیم وکیل احمد سکندرپوری نے اپنی تصنیف "حیات الایمان" میں درج کی ہے" (صفحہ ۹۳)۔ اس مطبوعہ کتاب "حیات الایمان عن قلب الاطمینان" کے صفحہ ۴۹ کی سند پر فاضل تعلیقات نگار نے مزید روایت کیا ہے: "جب مولوی محمد علی رام پوری ۱۲۴۵ھ میں افق افروز مدراس ہوئے "تقویتہ الایمان" مصنفہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی ان کے بعض مریدین کے جزودان میں نظر آئی، عوام میں ان کے عقاید کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہوئے۔ آخر رمضان المبارک ۱۲۵۱ھ میں مولوی صاحب موصوف دوبارہ مدراس آئے تو عامتہ المسلمین نواب عظیم صاحب کے پاس

Marfat.com

پہنچے اور عرض کیا کہ مولوی محمد علی موجود ہیں ان سے "تقویتہ الایمان" کے بارے میں استفسار کیا جائے۔ آخر مولانا محمد علی کو اقرار کرنا پڑا کہ وہ "تقویت الایمان" کے مطالب سے موافق نہیں اور اس کا اظہار (تحریر؟) کے ذریعے سے کیا گیا جس میں بدرالدولہ اور مشرق الملک (کذا) وغیرہ کے اسماء بھی تھے" (صفحہ ۹۳/۹۴)۔

مدراس کی طرح سندھ میں ارتقائے تحریک کا عمل سندھ کی مختلف العصر تحریکات آزادی کی جدید تحقیقی تاریخوں کے باوجود وثوق اور تفصیل سے ریکارڈ پر نہیں آنے پارہا ہے۔ راقم کی جستجو اس کے محض ایک چھوٹے موٹے سے جزو یعنی دکن کی سفارت سندھ تک ہی محدود و مختص ہے اس کی گہرائی تک پہنچ عملی موانع کے باعث غیر ممکن بنی ہوئی ہے۔ اس حقیقت کا یہاں اعتراف ضروری ہے کہ صرف اس حد تک بھی جو نامُرادی رہی ہے وہ تحریک مجاہدین میں حیدر آباد کے حصے پر اس ناقص و سقیم سی کاہش کی اپنی بڑی اور اہم ناکامیوں میں سے ایک ہے۔ حیدر آباد سندھ کو حیدر آباد دکن سے مبارز الدولہ کے عملاً منتظم اعلیٰ مولوی سلیم کی تحریکی سفارت کی کیفیت مولانا غلام رسول مہر کی سند پر راقم نے سوانحی باب میں اقتباس کی ہے۔ اسی اثناء میں سندھ کے انگریزوں کے قبضہ و تصرف سے عین قبل موجود اور سرگرم عمل عناصر کی سیاسی مصروفیات میں انگریز کارندہ پونٹگر کی مداخلت کا حوالہ پروفیسر قیام الدین نے دیا ہے مگر بغیر تفصیل کے۔ موجودہ پاکستانی علاقے میں قائدین تحریک اور دکنی وفد کی رابطہ و جائزۂ احوال کی غرض سے آمد کے وقتوں میں کمپنی کی طرف سے تعیناتی کا سلسلہ ابتداً ۱۸۰۹ کے بعد کے عشرے سے لے کر ۱۸۴۰ تک کی مدت میں جاری رہا۔ اولاً لیفٹیننٹ اور بعدہٗ کرنل ہنری پونٹگر کی صرف ابتدائی عرصے کی سیاسی و فوجی مہمات کی سیاحانہ یادداشتیں ہی یادگار ہیں، یعنی "ٹراولیس ان بلوچستان اینڈ سندھ" لندن ۱۸۴۳۔ سندھی ادبی بورڈ نے محمد حنیف صدیقی کا ترجمہ طبع کیا ہے جو نایاب ہے جبکہ کوئٹہ سے اردو ترجمے کی اشاعت حال میں متوقع رہی ہے، ممکن ہے فاضل مترجمین نے اپنے تحقیقی مقدمات میں پونٹگر کے ۱۸۴۰ کے قریب کے قیام سندھ کو مفصل تحریر فرمایا ہو۔

معاصر انگریز زعما و حکام متعینہ سندھ کی نیم سوانحی نیم تاریخی کتب از قسم یادداشتوں سفرناموں اور فوجی و سیاسی مبصرانہ تذکروں میں پونٹگر کا نام جستہ جستہ آتا ضرور ہے مگر امیران سندھ یا تحریکی اکابر کے ساتھ معاملت درکنار اس کے اپنے مخفی کوائف کے بغیر ہی۔ حال میں

Marfat.com

پروفیسر میمن عبدالمجید سندھی نے پوٹنگر کی دوبار سندھ آمد بعنوانات "ہنری پاٹنجر" صفحہ ۱۵۶/۱۵۷ نیز "ہنری پاٹنجر کی دوبارہ آمد" صفحہ ۱۵۸/۱۵۹ بیان کی ہے' مگر ازاں بعد بطور پولیٹکل ایجنٹ اور پھر رزیڈنٹ اس کی سندھ میں موجودگی پر روشنی نہیں پڑتی ہے کیونکہ اس کا تذکرہ دوسرے مغربی اہل قلم مقیم سندھ کے ہمراہ اسی خاص حیثیت سے ہوا ہے۔ متاخر دورانیے میں تحریک کے امیروقت مولانا سید نصیرالدین دہلوی کے میران تالپور کے ہاں قیام اور مبارزالدولہ کے تحریکی وفد کی ان کے حضور حیدر آباد دکن سے حیدر آباد سندھ آمد کے موقع پر پوٹنگر کو دخل در معقولات اور رخنہ اندازی کے ذریعے دونوں قسم کے سفرائے تحریک کا یہ دورہ ختم کروانے کا موقع ملا۔ ڈاکٹر عبدالجبار عابد لغاری کے ہاں سوائے دکنی سفرا یا وفود کے بقیہ تینوں عناصر یعنی امیران سندھ کے ہاں قاید تحریک کی اور علاقے میں بطور کمپنی کی نیابت پوٹنگر کی بھی موجودگی بیان ہوئی ہے۔ مقام حیرت و حسرت ہے کہ پوٹنگر کے سندھ میں سرکاری و سیاسی مشاغل کے خاص تعلق سے تفتیشی کمیشن کی روداد بالکل خاموش ہے ہر چند کہ مبارزالدولہ کے وفد کی سندھ کی روانگی اور واپسی ہی کئی بار مذکور نہیں ہے بلکہ "نصیرالدین" سے ان کے نمائندوں کی ملاقاتیں بھی زیر تذکرہ رہی ہیں۔ ڈاکٹر نینی گوپال چودھری نے گزشتہ منقولہ روئیداد میں اس موقع پر کمپنی کی حکومت کی مداخلت کا تذکرہ پوٹنگر کا حوالہ دیئے بغیر کیا ہے' مگر اس کے ذکر کی غیرموجودگی میں بھی ظاہر ہے کہ ان دنوں پوٹنگر ہی بطور اولین رزیڈنٹ کمپنی کی کارگزاریوں کا ذمہ دار تھا۔

ڈاکٹر کلا تھا پراتی کی ماقبل آزادی کی تحقیقات پوٹنگر کے حوالے سے یوں تو عام طور پر معلوماتی اور مفید بھی ہیں لیکن مطلوبہ زاویے سے قابل اکتساب نہیں ثابت ہو سکی ہیں۔ آخری نظام عثمان علی پاشا کے سوانح نگاروں کے باوا کی طرح ان کی یہ پیشرو محقق بھی فارسی تواریخ اور دیگر مصادر سندھ سے کسب کمال سے محروم محض ہی رہ گئی ہیں جس کا نتیجہ واضح ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ موصوفہ نے ہنری پوٹنگر کی کمپنی کی حکومت کی طرف سے سفارتی و سیاسی مشغولیات بڑی کاوش سے دریافت تو کی ہیں مگر زیر نظر گوشے خارج از جستجو ہی رہے جس کی ایک وجہ ضرور ظاہر ہے جو ابھی عرض ہوئی۔ چنانچہ پوٹنگر کی موجودگی کے دوران امیران سندھ کے ہاں مرکزی قائد تحریک کی آمد و اقامت اور پھر دکنی وفد کی بھی آمد پر ان سہ گانہ عوامل کے اجتماع اور تعلق باہمی جیسے امور میں پوٹنگر کی مداخلت کارانہ حرکتوں پر تفصیل درکنار

Marfat.com

اشارہ بھی نہیں ہے' بلکہ خود تحریک کی سربراہ نصیرالدین دہلوی کا تک ذکر نہیں ہے۔ باور آتا ہے کہ کلاتھا پرانی کے انگریزی ماخذ خود بھی اس سہ طرفہ سلسلہ عمل و ردعمل پر قابل اکتساب کوائف سے خالی ہی ہوں کیونکہ پونٹگر کی جتنی معاصر مطبوعات اس کے ہم قوموں کی مصنفہ و مولفہ پیش نگہ رہی ہیں راقم ان میں پونٹگر پر غیر اہم سے مجمل تذکروں کے سوا کوئی ڈھنگ کی بات نہیں کھوج سکا۔ انگریز عملداروں اور خاص کر کمپنی کے اونچے عہدیداروں کے سرکاری یا سفارتی فرائض منصبی میں اس نوع کی دخل اندازی ان کی سیاسی ذمہ داریوں کا جزو لاینفک رہا کرتی تھی۔ لیکن پولیٹکل ایجنٹ اور پھر بحیثیت اولین رزیڈنٹ متعینہ سندھ پونٹگر کی یہ کارگزاریاں اغماض کی نذر ہوتی آرہی ہیں۔

غرض کرنل ہنری پونٹگر بعدہ' سر سندھ میں مبارزالدولہ کے وفود کی آمد کے وقت ایک اہم و موثر عامل ضرور تھا کہ قبل ازاں چند جبری معاہدات کی تکمیل اور تعمیل کے معاملوں میں اس نے فعال اور کامیاب کردار ادا کیا۔ سندھ سے واپسی ۱۸۴۰ تک اس کی سرکاری سفارت اور اس کے پردے میں سیاسی سازشوں کا سلسلہ جاری رہا۔ پونٹگر نے بھوج پور میں تقرر و قیام کے دور میں ۱۸۳۵ میں میران تالپور کے علاقے میں کمپنی کی نیابت اور رزیڈنسی کا منصوبہ پیش کیا تھا اور وہی متعین بھی ہوا۔ دکن والوں کے آنے اور نصیرالدین دہلوی کی امیران سندھ کے ہاں سکونت کے زمانے میں وہ پہلا ہی رزیڈنٹ تھا۔ اسی لئے پونٹگر سندھ میں ان سب ہم خیال و ہم فکر اور متفق و متحد دیسی عناصر کے مجتمع ہونے پر ہی تحفظات نہیں رکھتا تھا بلکہ ان کے اجتماع کے ممکنہ و متوقعہ مقاصد کو شک و شبہ سے دیکھ کر مخل ہوا۔

مبارزالدولہ کی سوانح نگاری میں جدید تحقیقات

سوانح مبارزالدولہ پر فی الجملہ نظر کرنے والے حالیہ محققین کی نگارشات کا جائزہ اب پیش ہے جو سید محمد جواد رضوی کی تصنیف کے ایک جزو نیز سید شکیل احمد انور اور معین الدین عقیل صاحبان کے مقالات کو محیط ہے۔

"ریاست حیدر آباد میں جدوجہد آزادی" نامی جواد رضوی کی کتاب کے تقریباً سولہ صفحے کی سرخیاں یہ ہیں: "مبارزالدولہ کی بغاوت: ۱۸۱۵/۱۸۳۹" "وہابی تحریک" "میر گوہر علی خان الخاطب نواب مبارزالدولہ ۱۷۹۵/۱۸۵۴" اور "پہلی نظربندی اگست ۱۸۱۵/"

Marfat.com

"دوسری نظربندی ۱۸۲۹/ ۱۸۳۰"" "تیسری نظربندی ۱۸۳۹"" "مبارزالدولہ کی بغاوت ۱۸۱۵/ ۱۸۳۹ میں حصہ لینے والے یا مدد کرنے والے اصحاب کی فہرست"" "کرنول کے نواب کی بغاوت"۔ بیشتر دارومدار "فریڈم اسٹرگل" کی سہ جلدی سرکاری تاریخ پر ہے 'گو "کتابیات" میں دوسرے نئے پرانے ذرائع بھی درج ہیں۔ کسی قسم کی بھی نئی اطلاعات اضافہ نہیں ہیں' نتیجہ یہ ہے کہ مبارزالدولہ سے متعلقہ سرخیوں سے وابستہ ٹھوس اور اہم تازہ معلومات کی کوئی امید پوری نہیں ہو سکی ہے۔

"جنگ مبارزالدولہ" تا تحریک مجاہدین کے بڑے بڑے یا خاص خاص رفقا کی نیم تعارفی فہرس "فریڈم اسٹرگل" میں منقولہ تفتیشی کمیشن کی روداد سے مترجمہ ہے۔ بظاہر یہ ایک نیا عنوان ہے جس سے اچھی توقع بندھتی ہے کہ کچھ اور شرکاء کی مختصر سہی سوانحیں سامنے آئیں گی' مگر باید و شاید۔ فاضل مصنف حیدر آبادی ہوتے ہوئے بھی مقامی ناموں کو انگریزی متون کے وسیلے سے سمجھنے کی کوشش کرتے اور غلط فہمی کا شکار ہوتے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ نظام آباد کے تعلقہ آرمور کے گاؤں مورتاڑ کو اپنے انگریزی ماخذ سے MURTAD نقل کرکے اردو میں "مرتاد" تحریر کیا ہے۔ حیرت ہے کہ سامنے کی باتوں کی تک صحت اور درستی پر توجہ مرکوز نہیں۔

مبارزالدولہ کے معتقد جدید مقالہ نگار سید شکیل احمد انور کی تحقیقی تحریر جستجو اور عقیدت کا ملا جلا نمونہ ہے مگر ان کی تدقیقی کاوش کی باقاعدہ کتابی صورت گری ابھی ایک حقیقت منتظرہ ہے کہ اسکالر موصوف حیدر آباد کے سرکاری عجائب خانہ آثار و دستاویزات جیسے خزانہ عامرہ میں فائز ہیں۔ جہاں یہ صرف خاص ان کی دسترس میں ہے وہیں وہ مبارزالدولہ کے تئیں خاصے حسن ظن کے ساتھ علمی تحقیق کے ذریعے ان کے عزائم اور منصوبوں اور کارناموں پر تصدیق اور توثیق کی مہر زریں رقم ثبت کرنے کے شوق وافر اور ذوق نمود ایسی خصوصیات سے بھی متصف ہیں۔ اندریں اثناء انتظار و اشتیاق ہی رہا کہ ان کے قلم سے تازہ تر دریافتوں کا ایک ایسا مجموعہ ظہور میں آئے گا جو مبارزالدولہ کی ہستی پر پڑے ہوئے فریب کے پردے چاک کرکے اس ایک عالم تمام کو حلقہ دام خیال سے برآمد کرسکے گا۔ ممکن ہے مصنف مقالہ باضابطہ تحقیقی عمل میں مصروف جہد ہوں کہ وہ ان دفینوں اور خزاین تک راست رسائی رکھتے ہیں جو مبارزالدولہ پر جدید مورخ و محقق علما اور سوانح نگاروں کے عام و مشترکہ

Marfat.com

دعاوی کی توثیق و تصدیق کا بہت خاصا سامان بہم پہنچا سکتے ہیں اور شکوک و اشکال کو رفع کرسکتے ہیں یعنی اگر محض' سیرو پرستی کی غرض اور نیت سے کام کریں تو بھی یہ ممکن ضرور ہے۔

فی الوقت تو سید شکیل احمد انور کے بعض اظہارات غور طلب ہیں کہ ان کا کوئی ثبوت فراہم نہیں ہوا ہے' مثلاً یہ کہ "دوسری کشمکش ۱۸۲۹ میں ہوئی جبکہ سکندر جاہ کے انتقال پر ناصرالدولہ کی جانشینی سے ناراض ہو کر انھوں نے بغاوت کردی" (صفحہ ۱۸)۔ اگر اولین اسارت سے رہائی ۱۸۲۰ سے متصلہ والد کی عاید کردہ سخت پابندیوں کا معاملہ ذہن نشین رہتا تو مقالہ نگار یہ دعوئ ہرگز نہ کرتے۔ مبارزالدولہ تو والد کی وفات پر ہی ناصرالدولہ کی نرمی کی بنا پر کوٹلے کی خانہ بندی سے باہر آسکے' آخر ان کی کیونکر مجال ہو سکتی تھی کہ بڑے بھائی کی مسند نشینی پر باغیانہ رویہ کجا زبان اعتراض ہی دراز کرتے۔ البتہ بھائی کی اسی نرم دلی کا اور ان کی بخشی ہوئی آزادی کا فائدہ اٹھاتے بلکہ استحصال کرتے ہوئے انھوں نے اپنے متوسلین یعنی وظیفہ یاب عروب و افاغنہ کی جمعیتوں کوشہ دے کر شورش تنخواہ برپا کروائی اور اسی کو صاحب مقالہ جانشینی کی ناراضگی پر محمول کر رہے ہیں جو فقط ظن و قیاس کا معاملہ ہے۔

وہابی تحریک کے بھی بعض پہلوؤں پر مقالہ شکیل انور کی روایتیں بعید از حقیقت ہیں۔ جیسے یہ ذکر جو خلاف واقعہ ہے کہ "۱۸۳۸ میں مولوی ولایت علی اور مولوی سلیم الدین جو تحریک کے سرکردہ قائدین میں سے تھے حیدرآباد تشریف لائے" (صفحہ ۱۹)۔ یہ سال تو مولانا ولایت علی کی حیدرآباد سے واپسی کے بھی کئی برس بعد کا ہے جب مولانا شمال اور مغرب میں مصروف جہد تھے جہاں سے دوبارہ نہ کبھی ان کا آنا ہوا اور نہ ہی وہ آسکتے تھے۔ دیگر یہ کہ مولوی سلیم کے نام اور کام سے تحریک مجاہدین کے عظیم محقق مولانا غلام رسول مہر خود بمشکل تمام اسی ایک حوالے سے واقف تھے کہ وہ مبارزالدولہ کے ملازم اور انھی کے ساتھ مقیم تھے۔ قائدانہ حیثیت تکلف برطرف مولوی سلیم کے گزشتہ کردار کا کوئی مذکور تحریکی تواریخ میں نہیں ہے جب کہ مولانا ولایت علی کی حیدرآباد آمد کا مذکورہ سال ۱۸۳۸ ان کے تحریکی مشاغل درکنار خود قیام حیدرآباد کے تک احوال سے لاعلمی کا ثبوت ہے۔

مقالہ نگار نے غلط فہمانہ انداز سے سکندر جاہ کے نام حضرت سید احمد کی دعوتی مراسلت اور مبارزالدولہ کی تحریک میں شرکت کو ایک ہی زمانے کی بات خیال کیا ہے جس کے زمانی تطابق اور تاریخی جواز دونوں ہی کا کوئی سوال ہرگز نہیں پیدا ہو سکتا ہے۔ ادھر مولانا شجاع

Marfat.com

الدین سے بھی کچھ غلط باتیں منسوب کردی ہیں چنانچہ سید شکیل احمد انور کا کہنا یہ ہے کہ سکندر جاہ سے لے کر مبارز الدولہ تک کے عشروں میں مولانا نے تحریک مجاہدین کے کٹر مخالف کا کردار ادا کیا حتیٰ کہ اپنے مرید نواب کرنول کو بھی اس کی حمایت و اعانت سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ دیگر والیان ریاست کی طرح جب نظام کو سید احمد شہید نے اپنے منصوبے کے لئے مالی و افرادی قوت بہم پہنچانے کے لئے بذریعہ مکتوب متحرک کرنا چاہا تو بقول صاحب مقالہ :"مقامی علما کے زیر اثر جن میں حضرت شجاع الدین پیش پیش تھے آصف جاہ نے اس تحریک کا ساتھ نہیں دیا۔ مولانا شجاع الدین نے کرنول کے نواب غلام رسول خاں کو مکتوب لکھا تھا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے ایک طرف اپنے مرید نواب کرنول کو انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے اور مبارز الدولہ کا ساتھ دینے سے روکا اور دوسری طرف تحریک شہیدین کو ناعاقبت اندیشی پر مبنی قرار دیا۔" یہ تاثر غلط فہمی پر مبنی تو ہے ہی حقایق کے بھی خلاف ہے۔

تفتیشی کمیشن کی مترجمہ روداد سے معلوم ہوچکا ہے کہ متذکرہ اسکالر وہابی تحریک کے قائل و موئید ہی نہیں حامی و ناصر تھے۔ وہ ان علمائے حق میں سے تھے جو بوجوہ یعنی بربنائے وقتی حالات و مصالح درپردہ انگریزوں کے نفوذ و اقتدار سے سخت نفور اور ان کے سیاسی و انتظامی اثرات کے بے حد مخالف تھے۔ یہ انھی کی تعلیمات کا فیضان اور نواب کرنول کی اپنی حب الوطنی کا نتیجہ اثر تھا کہ نواب نے مبارز الدولہ کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ فعال و موثر کردار ہی ادا نہیں کیا بلکہ مبارزالدولہ کی تائید و حمایت میں ان سے عملاً ہزار گنا زیادہ اخلاص اور بغایت سنجیدگی کے ساتھ انگریز دشمی کا راستہ اختیار کیا حتیٰ کہ اس جادہ کی حقیقی منزل کو وہ پہنچا اور انگریزوں کے ہی ہاتھوں شہادت بھی پائی۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل کی محققانہ تحریر کی بابت کہ اس سلسلے کی آخری کڑی ہے بلاخوف تردید دو باتیں کہی جاسکتی ہیں۔ ایک تو یہی کہ یہ بھرپور اور مکمل طور پر ایک تحقیقی نگارش ہے جو موقع بموقع بکثرت حواشی اور حسب ضرورت متعدد حوالوں سے مزین ہے اور گو مقالہ رسالے کی تکنیکی مجبوری سے حاشیوں کے بغیر مطبوعہ ہے اس کے حاشیے تعداد میں پچاس ساٹھ ہیں تو ضخامت میں اصل مضمون کی برابری کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ زیب عنوان شخصیت کی سوانح کے ساتھ ساتھ ان کے ذاتی امیج بلکہ Personality Cult سے

Marfat.com

خوب خوب انصاف کا اہتمام بھی اس مقالے کی ایک اور خصوصیت ہے۔ ان دوگونہ خصایص کے پہلو بہ پہلو معروضہ ہے اور خوف تردید کے بغیر کہ خود تاریخ اور واقعاتی حقایق کے تئیں انصاف کی ذری سے توقع بھی اس مبسوط تحقیقی و تحریری عمل میں کہیں پوری نہیں ہوئی۔ گویا مصنف ممدوح کا شمار بھی مبارزالدولہ کے ان سب جدید مقالہ نگار افاضل میں ہی ہوسکے گا جو تاریخی حقیقتوں یا کرداری سانحات کو دیدہ و دانستہ قلم انداز کرنا ضروری فرض کیے ہوئے ہوں تاکہ صرف اور صرف بربنائے شخصی عقیدت مبارزالدولہ کے بطل حریت ہونے کے تصور بلکہ مفروضے کا اثبات اور شد و مد سے اظہار کرتے رہیں۔ سوانح نگار موصوف نے البتہ اپنے مخصوص اور منفرد تحقیقی اور تصنیفی اسلوب کے عین مطابق دریافت و تدقیق اور پیشکش کا عمل اپنایا ہے' تاریخی اغلاط سے بالکلیہ مبرا اگرچہ یہ نہیں ہے۔ مثلاً "جنگ مبارزالدولہ ۱۸۱۵" کی خاص مناسبت سے مبارزالدولہ کے سن ولادت کے تعین کے لئے غور و توجہ کی ضرورت تھی جس کو انھوں نے روایتاً "۱۸۰۰ہی قرار دے دیا ہے۔ مولانا ولایت علی کی ۱۸۳۱ کی واپسی کے بیان کے بعد مبارزالدولہ کی ان سے بیعت کا ذکر کرنے سے قبل کے پیراگراف میں مبارزالدولہ کی ۱۸۳۰ میں دوبارہ قید اور دو سال بعد رہائی کے حوالے سے بیعت کے اس مشہور واقعے اور مولانا کی آمد کا زمانہ طے کرنے پر بھی وہ متوجہ نہیں ہوسکے۔ نیز ۱۸۲۹ کی شورش کی اصلیت اور تفصیل کو شاید دانستہ قلم انداز کیا جو مصلحت کا ثبوت ہے۔

مبارزالدولہ کے تئیں ان کی عقیدت پرورانہ بلکہ غلو آمیز حمایت و نصرت کے اجتماعی طرز فکر و عمل کا سلسلہ مولانا نصیرالدین ہاشمی جیسے تاریخ و ادب کے بزرگ اسکالر سے لے کر ڈاکٹر معین الدین عقیل ایسے جدید محقق تک دراز ہوچکا ہے۔ لیکن اتنی زیادہ سعی بلیغ و جمیل کے علی الرغم یہ سوال برقرار ہے کہ آیا اس طریق فکر کو جسے بادی النظر میں تحقیقی عمل کی پشت پناہی پوری طرح حاصل رہی ہے حقیقت پسندانہ اور قرین صواب نیز تاریخی و سوانحی واقعات و حقایق کے عین مطابق باور اور تسلیم بھی کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ کہیں یہ مجرد عقیدت مع مصالح کی مشترکہ کارفرمائی بلکہ اس کا شاخسانہ تو نہیں ہے جس پر تاریخ اور حقیقت تصدیق کی مہر شاید ہی کبھی لگا سکے۔ نئے پرانے تمام ذریعوں سے منقولہ گزشتہ شہادتیں جیسا کہ زبان حال سے گویا ہیں یہ مبارزالدولہ کی سوانح میں کوئی کانٹے کا یا الجھتا ہوا سا سوال نہیں ہے' سامنے کی اور سیدھی سچی کھری کھری سی بات ہے اور کچھ نہیں۔

Marfat.com

تحقیق مزید کا دروازہ یقیناً کھلا ہے اور یہ باب قیامت تک ہرگز بند نہیں ہوگا کہ طلب علم کی ازلی جبلت کا یہ فطری اقتضاء ہے جس پر کوئی سی قدغن سرے سے ناممکن ہے۔

دریافت طلب مباحث و متعلقات اور وسائل

حیات مبازالدولہ کے پس منظری امور و عنوانات سے لے کر پیش منظر کے موضوعات اور معاملوں تک اتنے زیادہ اور مختلف فیہ گوشے زیر نگہ ہیں جو پہلودار بھی ہیں اور اس سے قریبی طور پر متعلق بھی۔ تاہم ان کی تہہ داری اور باہم پیوستگی کے باوجود زیادہ تر طوالت کے ڈر سے نہ تو ان میں سے چند پر اشارتی معروضے ممکن ہوسکے ہیں اور نہ ہی ۔عضوں کی محض کتابیات ہی اضافہ ہوسکی ہے۔ ان آخری صفحوں میں کسی پر اشارات تو کسی پر ذرائع کی نشاندہی اور بعض بعض پر دونوں کو ہی اجمال سے ممکن بنایا جارہا ہے تاکہ زمانی ترتیب سے ان پر مطالعہ و جستجو کی حقیر سی تحریک ہوسکے۔ خواہ مبارزالدولہ کی خاص نسبت سے یا اس کے بغیر بھی سہی ایک ایک مبحث کے تاریخی منظر و مقام نیز آج اور مستقبل پر بھی اس کے اثر و رسوخ کے ممکنات پر متوجہ کرنا اصلاً مقصود ہے۔ اس نکتہ بہ نکتہ جائزے کا محوری موضوع بڑی حد تک وہی ہے جو وی کے باوا کی عدم دستیاب پیشرو تحقیق The Nizam between Mughals and British نئی دلی ۱۹۸۶ کا عنوان ہے' گو بطور خاص یہ کتاب سالار جنگ اول اور آخری سے پہلے نظام محبوب علی پاشا کے دور پر ہے جو بہرحال مبارزالدولہ کے خاصا بعد کا زمانہ ہے۔

انگریزوں کے استعماری اثرات کے بالحاذی آج تک برصغیر کے اہالیان کیا عامی کیا خواص دوسرے یورپیوں کے بارے میں بڑی حد تک نرم گوشہ رکھنے کے عادی رہے ہیں' جبکہ خواہ فرانسیسی ہوں یا پرتگالی اپنے مفادات سے زیادہ کسی اور شئے کو ہرگز عزیز نہیں رکھتے تھے۔ یہ سب کچھ نہ صرف قدیم سے ریکارڈ پر ہے بلکہ جدید تحقیق سے ناقابل تردید طور پر ثابت بھی ہورہا ہے کہ بطور تاجر چھوٹے موٹے بحری گروہوں میں انگریزوں سے قبل و بعد آنے والے یوروپی افراد کی نگاہیں تھوڑی بہت دوربینی کے ساتھ قومی مفاد پر لگی رہتی تھیں اور ان کے سارے انفرادی یا مجموعی اعمال و اقدامات صرف اسی کے تابع ہوا کرتے تھے۔ وہ نہ تو ہندوستانی قوم کے نجات دہندہ ہوسکتے تھے بمقابلہ انگریز استبداد اور نہ ہی ہندوستانیوں کے

Marfat.com

اجتماعی قومی تصورات اور تقاضوں سے انھیں پرِکاہ کے برابر دلچسپی و ہمدردی ہو سکتی تھی۔ مثلاً پر تگیزیوں کے ہی نہیں سبھی یورپین اقوام کے اولین تاجر واسکوڈی گاما کی ہند آمد ۲۷ مئی ۱۴۹۸ کے واقعات پر دہلی کے ادارۂ معاشرتی تحقیق کے ڈاکٹر والٹر فرنانڈیس اور ترقی پذیر معاشروں کے مطالعاتی مرکز کے ڈاکٹر اشیش نندی کے نظریات کی رو سے یہ دورۂ ہند ہی استعماری استبداد کا نقطہ آغاز ہے۔ یہ آغاز خود کس نوعیت کا تھا اس کا اندازہ فرمایئے کہ رنجیتا بسواس کے صحافیانہ جائزے کے مطابق ۱۵۰۲ میں دوبارہ آمد پر اس نے باقاعدہ اور وحشیانہ جرائم کا سنگدلی بلکہ شقاوت سے ارتکاب کرتے ہوئے قتل و خون کی اجتماعی وارداتیں کیں۔ واسکوڈی گاما نے ایک تو واپس آنے والے حجاج کا قیمتی مال اسباب سے لدا جہاز لوٹا پھر دو سو حاجیوں کو اسی میں مقید کر کے نذر آتش کر دیا' دوسرے یہ کہ تیس ہندوؤں کو بھی کسی مسئلے پر مشتعل ہو کر پھانسی پر لٹکا دیا۔ ("ڈان" مورخہ ۲۸/۶/۱۹۹۶ صفحہ ۱۳)۔ فرانسیسی انگریزوں کے مقابلے میں کون سے بہتر تھے یہ خاص کر جنوبی ہند کے سلسلہ واقعات ماقبل و مابعد ٹیپو سے پوری طرح ظاہر ہے جو ان کی بڑی ہی بدنیت سیاسی مصلحتوں کی ہی تاریخ ہے۔

"کمپنی کی حکومت" پر باری علیگ کی تفاصیل کے بعد یورپی اقوام کی عام اور خاص کر خود انگریزوں کی استبدادی کارگزاریوں کی اجمالی تاریخ مرتضیٰ احمد خان (میکش) نے اپنی مبسوط تحقیقی تصنیف "تاریخ اقوام عالم" (۱۹۴۵) لاہور ۱۹۵۸ میں بارہویں باب کے صفحات ۴۸۵ تا ۵۹۰ کے عنوان "اہل فرنگ کی استعماری سرگرمیاں" کی ذیلی سرخیوں کے تحت بیان کی ہے۔ کمپنی کی سپاہ کی مدراس اور بنگال و بمبئی کی پریسیڈنسیوں میں ملک گیر بھرتی کے ادوار ۱۷۵۹ تا ۱۸۵۷ و بعد پر دستاویزی تالیف "ہمارے سوار اور سپاہی" سے افرادی قوت بہم پہنچانے کے انتظامات اور امور و معاملات پر جو کچھ تفصیل معلوم ہوئی ہے بڑی عبرت انگیز ہے۔ اس مخصوص و محدود تعلیمی یا درسی کتاب کا ہم نام تعارفی ابتدایہ ۱۳ صفحوں کا ہے اور پہلی جنگ کے بعد تک کی فوجی تشکیل اور چھوٹی بڑی مہمات کا نقشہ اختصار سے کھینچتا ہے' چنانچہ ریاستوں میں کھڑی کی گئی افواج مثلاً رسل بریگیڈ حیدر آباد کے اعداد و شمار کجا ان کا تذکرہ بھی نہیں ہے۔ گویا ۱۷۵۹ تا ۱۹۲۴ راست کمپنی اور تاج برطانیہ کی سرکاروں کی اپنی پلٹنوں کی یہ تاریخ ہے۔

"ہمارے سوار اور سپاہی" دراصل وہ مجموعۂ وحوش و کلاب ہے جس کی پرورش و

Marfat.com

پرداخت برصغیر کے چپے چپے پر استحصالی قبضے کی اغراض کے تحت انگریز یا کمپنی کے اعلیٰ سے ادنیٰ ہر سطح اور عہدے کے کارپرداز کر رہے تھے۔ وہ اس کو اپنی تنظیمی صلاحیت اور قوت عمل کا دودھ اور اس کے اپنے ہم قوموں کا خون پلا پلا کر استعماری مفادات کی تکمیل نیز حفاظت و ترقی کی ضرورت کے طور پر پالتے رہے' جبکہ یہ طبقہ فقط دو وقت کی روزی روٹی کا غلام بنا ہوا تھا اور خاص انھی اغراض کے ساتھ ابنائے وطن کے خلاف جدال و قتال میں سردھڑ کی بازی لگایا کرتا تھا۔ ان طبقوں کے افراد کا اصل چہرہ برٹش لائبریری میں متعین فاضل محقق سلیم قریشی نے دستاویزی ثبوتوں کے ساتھ "اس گھر کو آگ لگ گئی" نامی حالیہ جلد میں دکھایا ہے' جو ۱۸۵۷ کے معرکہ آزادی و غلامی کے دوران ایسے ہی وطن فروش کرداروں کی ذریات کی جمہور دشمن اور ننگ وطن حرکات کی عملی تباہ کاریوں کا تاریخی ریکارڈ ہے۔ عجیب تر یہ کہ عین انھی طبقات کے مراعات یافتہ اخلاف قومی قیادت کے افق پر نزول اجلال کے موروثی طور پر حقدار بنے ہوئے ہیں اور عامتہ الناس نسل در نسل انھی جدی پشتی سیاسی لات و منات کی فریب کارانہ سیادت کا طوق زیب گلو کیے جا رہے ہیں۔ نہیں معلوم آزادی سی آزادی ہے یا غلامی سی غلامی کہ کمپنی کی حکومت کا تسلسل؟ انھی ننگ دیں ننگ قوم ننگ وطن افراد کی دین فروش وطن دشمن اور قوم کو ہلاکت میں ڈالنے والی خدمات کے عوض بخشی گئی زر و زمین کی عطایا سے فائدہ اٹھانے والی نسلوں کی مضبوط و مستحکم معاشرتی مقتدرہ کی صورت اور اسی کے طفیل جاری ہے۔ "ڈان میگزین" مورخہ ۶/۹/۱۹۹۶ میں صفحہ ۶ طبع شدہ مبصرانہ تاریخی ملاحظات کے آخری سے پہلے کالم کے ختم پر ڈاکٹر احمد حسن دانی کے تجزیے کی رو سے جاگیرداری کے عدم انسداد کی بنیادی وجہ اقتدار کے سرچشموں پر انھی طبقات کی مضبوط و مستحکم اور کڑی گرفت ہے جبکہ آج ہر کوئی زیردست گروہ اسی مقتدرہ کے چنگل سے آزادی کے لئے بے تاب ہے۔ لطیفہ یہ کہ اس غلامی کی چکی میں مسلسل پسنے والی پیڑھیوں کے نجات دہندہ بن کر آنے گویا عید آزاداں منانے کے دعووں اور وعدوں کا جھانسا دے کر ایوانوں میں براجمان ہونے والے خود بھی انھی استعماری آلہ کار اب وجد کے اخلاف ہیں۔ ساحر لدھیانوی سے ذی شعور سخن ور کے حساس مشاہدے اور تلخیوں سے معمور اظہار کی رو سے خوب عیاں ہے کہ کن شیطان الرجیم سے پُرکھوں کی یہ ابلیسی ذریات ہیں:

میں ان اجداد کا بیٹا ہوں جنھوں نے پیہم

Marfat.com

اجنبی قوم کے سائے کی حمایت کی ہے
غدر کی ساعت ناپاک سے لے کر اب تک
ہر کڑے وقت میں سرکار کی خدمت کی ہے

استحصال کے متصل عمل کا شکار ہونے والی نسلیں نئی اور پہلے سے زیادہ جھوٹی امیدوں کے ساتھ ساتھ انھی تسمہ پا پیران پارسا کو نیز ان کی سیاست و مبارزت کے شرار بولہبی کو بھی پالتی رہتی ہیں' انھی کی جنگ زرگری کا نشانہ بنتی بھی رہتی ہیں اور اپنے سروں پر بٹھا کر انھیں ایوان اقتدار تک پہنچاتی بھی ہیں۔ خواہ ان سے مقتدر طاقتیں ان بدعنوان شعبدہ بازوں کو حکومتی محلات سے بزور قوت دو تین دفعہ بلکہ بارا پندرا مرتبہ سہی بہ یک بینی و دوگوش نکال باہر کریں' بار بار چلیے اور چہروں کے نقاب بدل کر نئے نئے بہروپوں میں سامنے آنے والے انھی بازی گروں کو خود پر مسلط کر کے انھیں ان ایوانوں کے تخت اقتدار پر متمکن کرتے رہنے کے شیطانی چکر کی مکروہ و تباہ کن اور گھناؤنی سی مشقوں میں برضا و رغبت مبتلا رہا کرتی ہیں۔ اپنے آپ پر یہ ستم یہ سمجھے بغیر توڑے جا رہی ہیں کہ یہ طبقات کمپنی کے پیدا کردہ ان جعلی گورے نوابوں Nabobs کی اولاد معنوی ہیں جنھوں نے دوران ملازمت کی تجارت کی آڑ میں بری طرح لوٹ مار کا کوئی موقع ضائع نہیں کیا۔ Nabobs کے اس گروہ پر جو شہرت یافتہ اور کم معروف انگریزی ناول ملتے ہیں ان میں آج کے جانشین طبقوں کی ہی کرداری تصویریں چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہیں۔ غرض کمپنی کی حکومت کا یہ سلسلہ معاشرے کے رگ و پے میں جب تک سرائیت کیے ہوئے ہے' شاید ہی کوئی ستیزہ کار اٹھ سکے گا اور اولاد ابراہیم آگے بڑھ بڑھ کر نئے نئے نمرودوں کو خود پر مسلط کرتی ہی رہے گی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ ایک نہ ایک دن قومی زندگی کی بقول عزیز احمد۔

شاہرہ کی نبض خستہ رات کو رک جائے گی
ان بیابانوں میں کاہل کارواں مٹ جائیں گے

کمپنی کی حکومت کے تشکیلی اور ابتدائی ارتقائی ادوار سے متصل وہ زمانہ نفس مضمون شخصیت کے اپنے حوالے سے اہم تر ہے جب قریبی عرصے کے جنگی و علاقائی معاہدوں کی پابند سکندر جاہی حکومت کے مسائل و امور میں رزیڈنٹ کی انتظامی حتی کہ فوجی مداخلتوں کی تک شروعات ہو کر رہی۔ اس کے پہلو بہ پہلو اواخر مغل عہد کی چھوٹی بڑی ہر خودمختار یا نیم آزاد

Marfat.com

ریاست کے اندرونی معاملوں میں بس ایک صدی کے اندر اندر یہ عمل ایک زبردستانہ روایت بن گیا اور حیدر آباد کے استثنا کا سرے سے کوئی سوال نہیں رہا۔ اواخر مغل دور کا ٹوٹ پھوٹ کا عمل نصف صدی کی شکست و ریخت یعنی وفات عالمگیر ۱۷۰۷ تا جنگ پلاسی و شہادت سراج الدولہ ۱۷۵۷ کے دوران نو تشکیلیت بھی اپنے اندر رکھتا تھا۔ اس توڑپھوڑ اور نواشتمالیت میں کمپنی کی حکومت بھی نو آزاد چھوٹی بڑی مملکتوں کے ساتھ اپنا زبردستی کا حصہ علاقائی جنگ و جدل اور سازشوں کے وسیلے سے بٹاتی رہی تاآں کہ آئندہ پچاس برسوں میں ملکی سلطنتیں اپنی اپنی جگہ جیسے تیسے مستحکم ہوتی گئیں۔ نیز کمپنی کی حکومت بھی ٹیپو کی شہادت اور مراٹھا طاقت کے بھی خاتمے جیسی کامرانیوں کے طفیل اور آصفی ریاست کا سرنگوں کر کے ملک گیر منظر پر بعد کے پچاس سال گویا ۱۸۵۷ تک کے لئے من حیث المجموع تمام تر مقامی نیم خود مختار طاقتوں پر مقتدر حیثیت کی مالک ہوگئی۔ ادھر مبارزالدولہ کی شعور کی آنکھ کھلنے تک آصف جاہی حکمران بھی کمپنی کی حکومت کی سرکاری سیاست کی مداخلت کاری کی فہمائشی یا مفہومانہ یعنی عملاً بڑی حد تک قابل فہم پیشگی شرط Understood Pre-condition کے تحت بیرونی خطرات اور آزمائشوں کی تکرار سے محفوظ ہو کر اندرونی طور پر بھی استحکام پانے میں بہرحال کامیاب رہے۔ اس پورے پس منظری سلسلہ واقعات کی اہمیت تاریخی بھی ہے کسی قدر سوانحی بھی۔

مملکت آصفیہ کے دو گوشتہ تاسیسی حقایق کا جڑواں مگر تاریخی اعتبار سے پیشرو رخ اواخر مغل عہد کی کل ہند طوایف الملوکی کا لاینفک جزو ہے۔ مبارزالدولہ کے بزرگان خانوادہ یعنی نظام الملک آصف جاہ کے وسط ایشیا سے بعہد شاہ جہاں ہندوستان وارد اور قطب شاہی پایۂ تخت گول کنڈا کے آخری محاصرے میں زخمی و فوت ہونے پر قلعے کے سامنے ہی مدفون ہو کر آصفیہ سلطنت کا سنگ میل قرار پانے والے دادا خواجہ عابد سے لے کر مبارزالدولہ کے باغی تایا عالی جاہ کی جواں مرگی تک کی مختصر سی تفصیل اس منظر کا تاریخی سے زیادہ سوانحی رنگ ہے۔ اس کو قلم انداز کرنا پڑ رہا ہے اور اس کی کمی ریاست کے بنیاد گزار واقعات کی طرح محسوس کی بھی جا سکتی ہے۔ بانی ریاست اور مبارزالدولہ کے پردادا آصف جاہ کی وصیت اپنے دوسرے بیٹے اور غیاب میں مقررہ نائب السلطنت ناصر جنگ کے نام برہان پور میں وفات ۱۱۶۱/۱۷۴۸ھ کے وقت کی عجائب گھر کراچی کی قلمیات میں موجود ہے۔ "وصیت نامہ نواب

Marfat.com

غفران مآب آصف جاہ علیہ الرحمت وقت رحلت" کا اختتامی جملہ قابل اقتباس ہے: "گر ہستی شارا تمام عمر باقی است السلام علیکم" کہ متن شاید آج تک ایڈٹ ہو کر طباعت نہیں پا سکا ہے۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان کی تحقیق "نظام الملک آصف جاہ: فاؤنڈر آف دی حیدر آباد اسٹیٹ" بنگلور ۱۹۳۶ میں جس کا علم اب ہوا ہے صفحات ۱۸۴/۲۲۰ ترجمہ درج ہے۔ ممکن ہے ان کی انگریزی تالیف متعلقہ دستاویزات و فرامین مسلم دکنی سلاطین اور اس کے اردو ایڈیشن موسومہ "فرامین و اسناد سلاطین دکن میں ابتدائے ۱۴۰۸ء لغایت ۱۶۸۷" حیدر آباد ۱۹۸۰ کے ضمایم یا ذیلی منسلکات میں وصیت نامے کا اصل متن شریک ہوا ہو۔ مبارزالدولہ کے تایا عالی جاہ نے ولی عہدی میں بغاوت و ناکامی نیز بیدر پھر اورنگ آباد کو فرار اور وہاں آخری مقابلے میں نامرادی پر گرفتاری کے بعد حیدر آباد منتقلی کے دوران اپنی بندوق سے خودکشی کر لی تھی' ان کا یہ احوال نظام ثانی یعنی عالی جاہ کے والد میر نظام علی خاں پر محمد سراج الدین طالب کی تصنیف نیز مولانا مودودی کی دوسری محولہ کتاب اور جواد رضوی کی بھی تاریخ تحریکات میں منقول ہے۔

مبارزالدولہ کی زندگی کے ابتدائی دور الیے پر چند نو دریافت تواریخ سے روشنی پڑنے کا امکان ہے مگر یہ ضروری بھی نہیں ہے کیونکہ مورخین اور تذکرہ نگار معاصرین کا رویہ اقبالِ کرم کا محتاج رہتا آیا ہے۔ ڈاکٹر محمد بشیر حسین کی فہارس قلمیات شیرانی سے دو ایسے نسخوں کا علم ہوتا ہے جن سے "جنگ مبارزالدولہ" ۱۸۱۵ کا کچھ نہ کچھ حال ملنا چاہیے' ایک ہے "وقایع دکن" از ۱۶۵۵ تا ۱۸۱۸ مولفہ فیض حق صدیقی ۱۸۲۰ مذکورہ صفحہ ۵۲ جبکہ دوسرا ہے صفحہ ۲۸ "اخبار دربار نواب آصف جاہ" مصنفہ ۱۸۲۶۔ دونوں میں اس اولین معرکے اور انجام کے واقعات کی بازیافت ممکن ہے جیسے قومی عجائب گھر کے مخطوطے "توزک بہارستان" از قادر خان ۲۵۷ ورق مورخہ ۱۲۳۹/ ۱۸۲۴ سے بھی توقع ہوئی ہے۔ بقول مرتب محمد اشرف صفحہ ۹۸/۹۹ نسخہ نادر ہے اور اس کی کوئی اور نقل مندرج نہیں ہے یعنی منحصر بفرد ہے۔ اسی مصنف کے ایک اور مختصر مسودے کا ذریعہ ہذا کے اسی مقام سے معلوم ہوتا ہے جو صرف ۳۱ ورق پر قطب شاہی و آصف جاہی مملکتوں کا تذکرہ ہے' نظام ناصرالدولہ کے نام نامی سے معنون اس مجمل سی "تاریخ فرخندہ" میں ان کی ۱۸۲۹ کی مسند نشینی تک دونوں خاندانوں کے سلاطین دکن کے اس احوال نامہ میں مبارزالدولہ کے واقعات شاید ہی ہوں۔ ۱۸۲۳ کی

Marfat.com

"تاریخ آصف جاہی" مصنفہ محمد بدیع الدین علی ۲۶۰ تا ۲۹۰ ورق مذکورہ سید عارف نوشاہی صفحہ ۱۸۲/ ۱۸۳ مخزونہ انجمن ترقی اردو کراچی میں بھی "جنگ مبارزالدولہ" کا احوال دریافت ہو سکتا ہے۔ محولہ اول تواریخ میں سے ایک کی ایک اور نقل ہندوستان کے مخطوطات میں دریافت ہوئی ہے لیکن متعلقہ کتب خانے سے علمی استفادہ اس زندگی میں خدا بخشے شاید ہی کبھی ممکن ہو۔ دراصل خزائن مخطوطات چاہے ادھر ہوں یا ادھر علمی لحاظ سے متدین اور عابد و زاہد کہلائے جاسکنے والے ان ارباب فضل و کمال سے محروم ہیں جو بیک وقت بیدار مغز بھی ہوں اور از خود نہ سہی سائلین کی صدائے فقیرانہ کے جواب باصواب کی صورت یا ازراہ تماشائے اہل کرم ہی ارشاد کر سکیں کہ بتا تیری رضا کیا ہے۔

"جنگ مبارزالدولہ" کے حوالہ خاص سے رزیڈنٹ رسل سے متعلقہ دو انگریزی مطبوعات کی بھی اطلاع ہے جن میں سے کم از کم ڈاکٹر زبیدہ یزدانی کی تحقیق میں معلومات خاصی ہونی چاہیے' ان حالیہ ذرائع کا علم عمر خالدی کی اصل انگریزی کتابیات دکن سے ہوا ہے۔ ایک تو رسل کی تعیناتی کے دنوں کے مراحلوں اور خطوط کا مجموعہ ۱۹۵۵ ہے' جبکہ زبیدہ یزدانی کی کتاب رسل بریگیڈ اور دوسری مشترکہ افواج کے قیام اور رسل کی واپسی ۱۸۲۰ تک ریاست میں مختلف مواقع اور مقامات پر ان کے استعمال کے واقعات کا احاطہ کرتی ہے۔ ڈاکٹر زبیدہ کی تصنیف ۱۸۱۵ کی "جنگ مبارزالدولہ" پر روشنی کا سامان فراہم کر سکتی ہے جس کا عنوان حضرت معین الدین عقیل نے کرم نامے میں یہ تحریر فرمایا ہے:

"Hyderabad during the residency of Henry Russel 1811-1820: A case study of the subsidiary Alliances", O.U.P London 1976.

دونوں مطبوعات کا غائبانہ علم دکن پر انگریزی کتابیات عمر خالدی سے تعارف کے ذریعے ڈاکٹر معین الدین عقیل کے فیض وساطت سے ممکن ہوا ہے' اور ان کی قیمت و قدر کا اندازہ کرتے ہوئے راقم نے اپنی سی جدوجہد کم از کم زبیدہ یزدانی کے تھیس کے حصول کے لئے کی ہے لیکن وہ دن اور آج کا دن کہ کراچی و لاہور اور اسلام آباد سے اصل کیا نقل بھی برآمد نہیں ہو سکی ہے۔ کتاب ممدوح نے دیکھی تھی' حاصل نہ کر سکے تھے۔

انڈیا آفس ریکارڈ سے ۱۹۶۲ میں محصلہ اور "تعارف کتابیات" میں بطور اولین داخلہ مندرجہ "اپنڈکس" متعلقہ "جنگ مبارزالدولہ" ۱۸۱۵ کے سلسلے میں ایک اطلاع کا اضافہ

Marfat.com

مستقبل قریب کے سوانح نگار محققین کے حق میں خوش آیند ثابت ہوگا۔ دفتر مذکورہ کے ازاں بعد کے مراسلہ نمبر آر ۲۱۵۶/۶۳ مورخہ ۱۲/۱۰/۱۹۶۲ میں وہاں کی ایک عہدیدار جون لنکاسٹر صاحبہ نے یہ انکشاف کیا کہ محولہ اپنڈکس بی کے اپنے اصل ماخذات کیا کیا ہیں۔ حیدر آباد میں اس مراسلے کی موصولی کے وقت والد ماجد کی رحلت کے سانحے کے بعد ترک وطن کا آخری مرحلہ سر پر تھا اور وسط دسمبر میں وطن پاک کو یہ ہجرت عمل میں آگئی' یہاں ان اصل کاغذات کے لندن سے حصول کے لئے ایک سال کی متصل بے روزگاری نے سوچنے تک نہ دیا۔ بینک کی ملازمت ملتان کی شاخ سے شروع ہوئی جہاں بطور زیر تربیت افسر عملی کام کی روز و شب کی کثرت و شدت نے بری طرح الجھائے رکھا' ۱۹۶۶ میں کراچی واپسی پر بھی برسوں ذہنی فراغت نصیب نہ ہو سکی اور مسودات مع خطوط مستقلاً" بند رہے اور اب یہ پیشرفت ممکن نہیں رہی ہے۔ مبارزالدولہ پر تحقیق مزید کے خواہاں و کوشاں کسی نئے ریسرچ اسکالر کو چاہیے کہ اب برٹش لائبریری کے جناب سلیم قریشی سے بحوالہ ذیل رابطہ قائم کریں۔

1) D/ 20.9.1815 : Consultation Nos. 116-131;
2) D/ 27.9.1815 : Nos. 19-20, and 29-34;
3) D/ 4.x.1815 : Nos. 10-11, 16-17, and 29-30;
4) D/ 7.x.1815 : Nos.29-30, 42-44, and 54-66.

Total number of exposures for microfilming is 75; yet may vary if xerox effects desired from India Office Records at the British Library London,

اپنڈکس کا علم جس ذریعے سے ہوا تھا کتابیات میں اس کو بھی متعارف کرایا گیا ہے' مرتب کیٹلاگ کا دیا ہوا عنوانیہ فائل کے ابتدا" محولہ سرنامہ سے مختلف بھی ہے طویل بھی اور مبارزالدولہ و صمصام الدولہ کے نام اس میں اضافہ ہیں۔

"Catalogue of the Home Miscellaneous Series of the India Office Records", by S.C. Hill, London 1927. Entry No. 603 (3):

"No. 603 (3) PP. 325-31 : Appendix B : Abstract of Government secret Proceedings 20th September to 7th October 1815 respecting the commotions at Hyderabad,

Marfat.com

caused by the violence and tyranny of the Nizam's two younger sons, Samsamud Dowla and Mobarizud Dowla."

محترمہ جون لنکاسٹر اسسٹنٹ کیپر آثار خانہ دفتر ہند نے ازاں قبل کے مراسلے مورخہ ۲۵ر۷ر۱۹۶۲ میں اس اپنڈکس کی فوٹو کاپیوں میں دو جگہ موجود ابہام کو اصل الفاظ نقل کرتے ہوئے دور کیا۔ اسی مراسلے میں بتایا گیا ہے کہ مبارزالدولہ پر انڈیا آفس میں محفوظ دیگر کاغذات اور حوالوں کی بابت کتب خانہ اور ریکارڈز میں چھان بین کر کے مطلع کیا جائے گا۔ تاہم بعد ازاں معلوم ہونے پر کہ مدراس ریکارڈ آفس سے رجوع مفید رہے گا وہاں بھی راقم نے رابطہ کیا۔ مدراس سے صرف یہ بتایا گیا کہ حیدر آباد کے امور پر وہاں معلومات کے قابل دستاویزیں وغیرہ موجود نہیں ہیں۔

مبارزالدولہ کی ولادت تا "جنگ مبارزالدولہ" اور شورش تنخواہ و خزانہ نیز وہابی تحریک کی آخری قید اور رحلت تک کے واقعات کی چھان بین کی غرض سے دکن کی عام تواریخ کی تلاش اور ان میں مطلوبہ معلومات کے لیے سازی کوشش جامعہ عثمانیہ کی اپنی لائبریری اور کتب خانہ آصفیہ تک ہی مرکوز و مخصوص بھی رہی اور بامر مجبوری انھی تک محدود بھی۔ راقم کی ۱۹۶۲ کی یادداشتوں کے اندراجات کے مطابق جو تاریخی کتابیں دریافت ہوئیں ان میں "بستان آصفیہ" اور تجلی علی شاہ تجلی کی "آصف نامہ" اور "توزک آصفیہ" مصنفہ غلام صمدانی گوہر خاص اسی عہد پر ہیں جبکہ دو اور مورخین منالعل رائے اور عبدالعلیم نصراللہ خاں کی ہم نام فارسی "تاریخ دکن" کا بھی معلوم ہوا۔ فارسی ہی میں قادر خان بیدری کی "تاریخ قادری" اور مہ لقابائی چندا کے منشی غلام حسین خاں جوہر کی "تاریخ ماہ نامہ" کا بھی علم ہوا۔ سکندر جاہ و ناصرالدولہ کے ادوار پر ان تاریخوں سے کوئی یادداشتیں محفوظ نہیں ہیں۔ البتہ غلام صمدانی گوہر کی توزک کے بارۂ خاص میں اتنا ہی معلوم ہے کہ اس کے چند بیانات سنین اور واقعات کے لحاظ سے جانچ پرکھ کے طالب ہیں۔ مگر چھان پھٹک کی یہ صورت ہماری تاریخی کتابوں کی بڑی ہی عام ضرورت بھی ہوا کرتی ہے۔ عمومیت کی حامل اور طویل ادوار کو محیط کتب تواریخ میں شاہی خاندانوں کے اراکین کے حالات عام طور پر مفقود اور خاص کر بغاوتوں میں ان کے ملوث ہونے کے واقعات اور نتائج معدوم ہیں۔ جیسا کہ زیرِ اکتساب اقتباسات اصل متن کتاب سے مظہر ہیں جن معاصر اور متعاقب راویوں نے تھوڑا بہت جو

Marfat.com

کچھ بھی لکھا ہے وہ ذاتی مصلحتوں اور سرکاری تحفظات دونوں کا دباؤ ثابت کرتا ہے۔ ہمعصر یا قریبی بعد کے ادوار کے ان تذکروں پر پڑنے والے اثرات کے ہوتے ہوئے عمومی نوعیت اور طویل زمانوں کا احاطہ رکھنے والی تاریخوں سے کوئی توقع عبث ہی ہو سکتی ہے۔ اردو میں اس کی مثال اختر مینائی و فصاحت جنگ جلیل اور انگریزی میں سی ولموٹ و بلگرامی کی تواریخ ہیں جن میں مبارزالدولہ پر فقط ایک ایک جملہ ہی لکھا ہے جو علمی بددیانتی ہے گو یہ زیادہ نمایاں نہیں ہے۔ ادھر دوسری طرف جیسا کہ بار بار ہی اندازہ ہوتا آیا ہے تفصیلات جہاں ملتی ہیں ان مراجع میں بھی بعض کوایف میں افشا کی جگہ اخفائے واقعہ کی دخل اندازی ملتی ہے تو کہیں حالات یا سنین کی روایت میں اغلاط اور غلط فہمیاں بھی در آئی ہیں۔

ازاں بعد کے حوادث میں سے ۱۸۲۰ کی رہائی تا ۱۸۲۹ کی دو گوشہ شورش تنخواہ و خزانہ کے دورانیے کے مہدوی فسادات پر بھی صرف اشارتی حوالہ پہلے کافی معلوم ہوا۔ اب بھی ثانی الذکر شورش عروب و افاغنہ کے سر آغاز کے پیشرو کے بطور اس کی وقایع نویسی غیر ممکن اور غیر ضروری بھی رہے گی کیونکہ یہ سلسلہ مبارزالدولہ کی برپا کرائی ہوئی اس شورش کے اپنے پس منظر کی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ درحقیقت مبارزالدولہ کی اپنی ذات جن ہنگاموں کی باعث رہی ۱۸۲۰ و بعد کے یہ فسادات ان میں سے نہیں تھے' البتہ ان کے پروردہ اور مقرب طبقوں میں سے چند مہدوی لوگ انفرادی طور پر ملوث رہے اور انھی میں سے کچھ اپنے مخالفین کے ہاتھوں مارے گئے۔ مبارزالدولہ ان سارے برسوں میں اپنے والد کی نافذ کردہ سخت پابندیوں کی زد میں رہے اور اپنے محل کوٹلا عالی جاہ میں خانہ بند۔ چنانچہ باپ کی وفات ۱۸۲۹ تک ان جکڑ بندیوں میں رہتے ہوئے وہ نہ مہدویوں اور ان کے مخالفوں کے نیم مذہبی نیم سماجی فسادی سلسلے کی کسی طور پر حوصلہ افزائی بلکہ داغ بیل کے ہی مرتکب ہو سکتے تھے اور نہ جیسا کہ عرض ہو چکا ہے اس نگرانی و نظربندی کی حالت میں مولانا سید محمد علی واعظ اور یا مولانا ولایت علی سے ملاقات و بیعت بلکہ مراسلت اور رابطہ ہی کر سکتے تھے۔

۱۸۲۰ کی مبارزالدولہ کی قلعے سے واپسی اور کوٹلے کی خانہ بندی سے لے کر والد کے انتقال پر اس کی برخاستگی تک یہ مہدوی فسادات تقریباً تواتر سے رونما ہوتے رہے جبکہ شدت اور نمود دونوں کی کمی بیشی کے ساتھ مبارزالدولہ سے قبل سے لے کر ایک صدی بعد تک شہر میں یہ سانحات مختلف وقفوں سے جاری رہے۔ ممکن ہے اس مفسدانہ سلسلے کی بھی تاریخ

Marfat.com

عمرانی مطالعے کے بطور حیدر آباد میں لکھی گئی ہو' جس کے تقابلی جائزے کے طور پر بانی فرقہ سید میراں محمد جونپوری کی پانچ سو سال قبل کی سندھ میں نقل مکانی کے وقت کی نظریاتی مخالفت کے واقعات کو زیر نگہ رکھا جا سکتا ہے جن پر حضرت کریم بخش خالد کی کتاب تحقیقی اشارات رکھتی ہے۔ حیدر آباد دکن سے پاکستان مہاجرت اختیار کرنے والے چند مہدوی حضرات نے اپنے فرقے کے تبلیغی و اشاعتی مقاصد کے مدنظر اندرون سندھ منتقلی و اقامت کو پسند کیا مثلاً سید شہاب الدین یداللہی' جس کی ایک وجہ ہم مسلک خاندانوں کی تین صدی پیشتر سے موجودگی بھی ہو سکتی ہے۔ محقق موصوف نے سندھ میں داعیٔ مہدویت کی آمد اور عقایدی مخالفتوں کے باوجود کسی فساد پرورانہ کیفیت کا حوالہ نہیں دیا ہے اور اگر واقعی صورت معاملہ یہی ہے تو پھر یہ پہلو مطالعہ و تقابل کے لحاظ سے اہم تر ہو جاتا ہے کہ دکن میں افغانان مہدویہ کی موجودگی ہی بنیادی عامل نہ رہی ہو جو تاریخوں میں افاغنہ ملاعنہ سے معنون بلکہ مطعون ہی ہوئے۔

غرضیکہ یہاں مبارز الدولہ کے اپنے حوالے کی حد تک چند ایک معلومہ کتب کی نشان زدگی پر اکتفاء مقصود ہے تاکہ اہل جستجو کے لیے یہ آزمایش طلب پہلو سامنے رہ سکے۔ "وقایع شورش افغانیہ" فارسی میں سولہ اوراق کا شاید واحد نثری مسودہ ہے جو پروفیسر سید عبداللہ کے کیٹلاگ میں درج ہے اور جس کی تاریخ کتابت بمطابق ۱۸۵۲ء ہے مگر سن تصنیف غیر مذکور ہے۔ برج ناتھ خیال جن کے سنین حیات نامعلوم ہیں اس کے مصنف ہیں' بقول ڈاکٹر نبی ہادی حیدر آباد میں انھوں نے مہدوی افغانوں کا عروج دیکھا اور ۱۸۲۰ کے ان کے مفسدانہ سلسلہ سانحات کو ۱۸۲۱ میں تحریر کیا۔ بقیہ قلمی کتب نہ صرف اردو کی ہیں بلکہ منظوم تصانیف ہی ہیں گو ان کا بھی مفصل حال نہیں کھلتا ہے۔ انجمن ترقی اردو کراچی کے ذخائر کا نسخہ "فتح المجاہدین" مذکورہ جلد پنجم کی رو سے: "(۳۷۴) ابیات کی یہ مثنوی اس فساد کی یادگار ہے جو سنہ ۱۲۳۸ھ میں مہدوی افغانوں اور اہل سنت کے درمیان حیدر آباد دکن میں واقع ہوا۔ اس موضوع پر دو کتابیں اور بھی ہیں' ایک کا نام "وقایع شورش افغانیہ" ہے------ دوسری کتاب "واقعہ شہادت مولوی عبدالکریم" ہے۔ اس کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہو سکا البتہ سنہ تصنیف ۱۲۸۹ھ ہے" گویا قریب ۱۸۷۲ تقریباً نصف صدی کے بعد۔ ایک جدید اور فاضل ہندوستانی محقق کندن لال کندن کی جستجو سے دو ہم موضوع منظومات منکشف ہوئی ہیں جن کا ثانوی ماخذ مطبوعہ ہے۔ میاں سید مصطفےٰ تشریف الٰہی کے بمصنفہ "مقدمہ سراج الابصار" حیدر آباد طبع

Marfat.com

دوم ۱۹۷۴ کی سند پر دونوں مثنویوں سے اشعار اور مختصر کوائف اقتباس کیے ہیں: (۱) عنایت علی دولت زی ناطق کی "مثنوی قصہ شہیداں" ۱۸۲۳ کے فساد عظیم کے معا" بعد کی مصنفہ نیز چشم دید اور مہدویوں کے حق میں ہمدردانہ احوال سے پر' (۲) عرفان کی "مثنوی اخبار شہیداں" جو تین عشرے بعد نظم ہوئی۔ مزید حامیانہ اور مخالفانہ کتب بھی ہونی ہی چاہئیں۔

پروفیسر نبی ہادی کے مطابق مذکورہ "سراج الابصار" دراصل مہدویت کے عقاید اور بڑے بڑے مریدین و شارحین کے اظہارات کو جامع ہے اور عبدالمالک سجاوندی متوفی ۹۸۱ھ / ۷۴-۱۵۷۳ء کی ترتیب دادہ ہے "گویا فرقے کی تعلیمات و اصولیات کی کتاب مقدس ہے۔ زیر نظر اطلاعات کی رو سے حیدر آباد میں مبارزالدولہ کے معاصر و متعاقب روہیلے یا افغانان مہدویہ دراصل سید محمد جونپوری سے متاثر ان ہم عصر افغانوں کی اولاد تھے اور ہیں جو ان داعی کی افغانستان منتقلی تا رحلت ۱۵۰۵ء اور مابعد کے زمانوں میں مہدوی ہوگئے تھے' دکن تا سندھ کے معلوم ناموں سے مظہر ہے کہ زی قبایل کی شاخوں کے مہدوی پٹھان خاندان دونوں اقصائے ہند میں موجود ہیں جن کے علاوہ سادات گھرانے بھی ان کے پیروکار ہیں' نیز مبارزالدولہ کے دنوں میں مہدوی افغانوں کے مخالف گروہوں میں صرف سنی عوام ہی نہیں اہل تشیع بھی تھے۔

مبارزالدولہ کا اپنا تعلق فقط اس حد تک اور خاصا واضح ہے کہ انھوں نے اپنی سرپرستی میں مہدویوں اور ان کے مخالف بدو نژاد عرب چاؤشوں کو اپنی مخصوص اغراض و ضروریات کے تحت "جنگ مبارزالدولہ" کے زمانے ۱۸۱۵ سے ہی لیا ہوا تھا' دونوں فریقوں کے عام و خاص افراد ان کی سرکار سے بطور ملازم اور یا متوسلین کم و بیش دو عشرے وابستہ اور ان کے منصوبوں یا ہنگاموں کے مسلح کارکنوں کے طور پر مستقلاً" آمادۂ پیکار رہے۔ سکندر جاہ کے بڑی حد تک امن و امان سے معمور اور خارجی حملوں سے محفوظ و مامون عہد پر ان کے ان بیٹے کی بپاکردہ شورشوں کے ساتھ مہدوی فسادات ایک بڑا داغ تھے۔ نظام نے جس طرح مبارزالدولہ کے معاملے میں ذرا سی رو رعایت نہ گرفتاری میں روا رکھی اور نہ رہائی کے بعد کی جکڑبندی میں ہی گوارا کی اسی طرح فرقہ وارانہ تصادم کے ان واقعات پر بھی بڑی سختی سے پیش آئے۔ وزیراعظم چندولعل شاہ کو انھوں نے سخت رویے کے ساتھ ایک بڑے اقدام کا حکم دیا اور چنچل گوڑا وغیرہ متعلقہ محلے مہدوی خاندانوں سے خالی کرا کے انہیں شہربدر کروادیا۔ تاہم مہاراجا کی اپنی نرمی سے چند لوگ جو پہلے سے خطاب یافتہ تھے بہرحال بچ گئے

Marfat.com

اور انھی میں مبارزالدولہ کے بھی حواری تھے، جن میں سے ایک شخص مبارزالدولہ کے اپنے بناء کردہ ہنگامہ تنخواہ و خزانہ کے باقاعدہ آغاز سے عین قبل رقمی لین دین کے جھگڑے میں مارا گیا جس کا ذکر ہو گزرا۔ محملہ معلومات کے لحاظ سے بادی النظر میں شہزادے اور مہدویوں کے شوریدہ سر عناصر میں نہ تو اعتقادات و مقاصد کا اتحاد و اتفاق تھا اور نہ ہی مہدویوں کی عام مسلح افرادی قوت مجموعی طور پر مبارزالدولہ کی پروردہ افواج بے قاعدہ کے ساتھ ایک دوسرے کی پشت پناہ تھی۔ البتہ شہزادے نے اپنے وسایل کی بنیاد پر زرپاشی کی مدد سے ان باہم متصادم طبقات عروب و افاغنہ کے متعدد لوگوں کو اپنا متوسل و ملازم بنایا ہوا تھا اور ۱۸۱۵، ۱۸۲۹ کے واقعات میں ان سے کام بھی لیا۔ گویا وہ کسی فریق کے پشت پناہ کیا حامی بھی نہ تھے۔

۱۸۲۹ کے ہنگامہ تنخواہ میں مبارزالدولہ کی دوسری گرفتاری کے وقت بھی مہاراجا چندولعل ہی انتظامیہ میں سیاہ و سفید کے مالک تھے پھر بھی ان کے کردار سے لاعلمی رہی۔ حسن اتفاق کہ "پایونیر" الہ آباد کا برٹش میوزیم سے موصولہ جو عکسی تراشہ گمشدہ تھا دبے ہوئے کاغذات میں سے برآمد ہوگیا اور اس میں خاص اسی امر پر اشارتی بیان بھی نکل آیا۔ گو یہ قریب نصف صدی بعد کا ہی تاثر ہے اور پھر چندولعل شاہ کے طویل کیریئر کے تجزیے میں ہے نہ کہ مبارزالدولہ کے اپنے تعلق سے، اس کا ایک حصہ محفوظ کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا:

"The Dewan, Rajah Chundoo Lall acting conjointly with Mooner-oul-Moolk, the nominal Prime Minister , usurped all executive authority, squandered vast sums, and eventually brought the Government to the brink of bankruptcy. Secunder Jah found himself powerless to resent the conduct of his Minister. Chandoo Lall even consigned Moobariz -ud- Dowla, Secunder Jah's youngest son, to captivity in the fort of Golconda, in spite of the pressing remonstrances of his eldest brother, Nawab Nasir -ud- Dowlah who succeeded to the musnud by the death of his father. The circumstances connected with this curious episode in Hyderabad affairs did not rebound much to the credit of the British Government, as the Resident of the day Mr. Byam Martins was misled into giving the measures his

Marfat.com

official consent even to the extent of supporting it by British arms. This caused great indignation at the Nizam's Durbar, besides creating discontent among the people and nearly ended in an insurrection". ("The Pioneer," Allahabad, Tuesday, September 15, 1874, P.2. Quoted from an unknown correspondent's despatch entitled "Hyderabad affairs", appears to be a Britisher, place also is not mentioned.)

مبارزالدولہ کے واقعات ۱۸۱۵ نیز ۱۸۲۹ اور ۱۸۳۹ پر طالب علمانہ سی کتابی جستجو کے اولین عرصے ۱۹۶۰، ۱۹۶۱ کے دوران راقم نے ارم منزل کے آثار خانے میں خود کو مطبوعات سے استفادے تک محدود رکھا تھا کیونکہ مراسلات و مخطوطات تک رسائی کے لیے جو شرائط اور پابندیاں لاگو تھیں اس احقر کے یونیورسٹی کا باقاعدہ ریسرچ اسکالر نہ ہونے کے باعث ان کی تکمیل و تعمیل غیر ممکن تھی۔ جون ۱۹۶۱ کی ایک یادداشت میں وہاں موجود زیر اقتباس قدیم و جدید کتب کے ہمراہ رزیڈنسی ریکارڈز کی جلد ۷۵ و ۹۳ کا اندراج کسی قسم کی تفصیل کے بغیر موجود ہے، اور کوئی اور کیفیت بھی مستحضر نہیں ہے کہ وہ جلدیں کن منین سے متعلق ہیں۔ مولانا نصیرالدین ہاشمی نے آزادی سے قبل و بعد کے عشروں میں حیدر آباد کے جن قلمی خزینوں کی تذکرہ نویسی کی ذمہ داری ادا کی ان میں "سنٹرل ریکارڈ آفس کی اردو قلمی کتابیں" بھی درج فہرست فرمایں جن کے ساتھ ساتھ وہ اس کے فارسی ذخایر و دستاویزات و کاغذات سے بھی کمال و تمام واقف تھے۔ مولانا مرحوم نے پاکستان کے دورے میں کراچی میں ارشاد کیا کہ ریکارڈ آفس میں وہابی تحریک پر ایک مخطوطہ موجود ہے اور متعلقہ مخفوظات کے ایک ماہر فن بزرگ سے غائبانہ متعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ ان سے رابطہ مفید رہے گا۔ کوئی سال بھر بعد ۲؍۱۱؍۱۹۶۴ کو ان ماہر آثار کی خدمت میں ملتان سے انگریزی میں جو عریضہ گزرا تا اس کی ٹائپ شدہ کاربن کاپی محفوظ تو ہے، لیکن ان بزرگ ہستی کا نام اس پر درج نہیں ہے جنہیں صرف "ڈیر مولانا صاحب" کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے اور ان کا نام نامی یاد بھی نہیں آرہا ہے۔ قدیم دستاویزات اور اسناد و کاغذات کے ان ماہر بزرگ سے سرکاری آثار خانے کی حاضریوں کے دوران راقم کی کوئی ملاقات بلکہ واقفیت بھی نہ تھی کیونکہ اگر ہوتی تو بطور تعارف و یاددہانی اس کا حوالہ دیا جاتا۔ غالباً ان سے کوئی ربط ضبط قائم نہیں ہو سکا گو مولانا

Marfat.com

ہاشمی کا حوالہ انھیں دیا تھا۔

تحریک مجاہدین کے قاید وقت پر "اخبار سید نصیرالدین" نامی قلمی احوال متذکرہ مولانا مہر کی بازیابی کی حقیری مساعی بھی حالیہ عرصے میں بامراد نہیں ہو سکی ہے اور ڈاکٹر محمد بشیر حسین کے کیٹلاگ کے صفحہ ۲۴۷ سے ذخیرۂ شیرانی میں موجودگی کا ہی علم ہوا ہے: "۳۸۲۔ رسالہ در حالات مولوی نصیرالدین جانشین سید احمد شہید---- بہ فرمائش نواب وزیرالدولہ والی ٹونک مشتمل بردوباب مسودۂ مصنف است۔ ناقص الاخر۔ مولفہ ابواحمد ابن احمد۔" مولانا غلام رسول مہر کی عادات شریفہ میں سے تھا کہ اہم اہم تاریخی و سوانحی نسخوں کی نقول معاونین و رفقا سے تیار کروالیا کرتے تھے تاکہ حسب موقع و ضرورت زیرملاحظہ رہ سکیں۔ مولانا کے محقق ڈاکٹر شفیق احمد کی نشاندہی پر مولانا کے فرزند سے احقر نے گزارش کی اور ان سے معلوم یہ ہوا کہ آں مرحوم کا تمام ذخیرۂ کاغذات عجائب گھر کو عطیہ کردیا گیا جہاں رابطے کی ابتدائی کوشش بے سود رہی اور مزید تعاقب کی ہمت نہیں ہو سکی۔

مبارزالدولہ اور تاریخ کے تئیں مورخین و محققین کا رویہ

آخر میں بطور نگاہ واپسیں اس حصہ گفتگو کا بھی کچھ نہ کچھ حق بنتا ہے جس کو تاریخی واقعات و حقایق کی سیدھی سچی اور سامنے کی صداقتوں سے ان کے معاصر تذکرہ نگاروں سے لے کر متعاقب راویوں اور جدید محققوں اور مصنفین کے سلوک کا عنوان دیا جا سکتا ہے۔ اس نکتہ بحث پر جستہ جستہ حقیر معروضات کی جسارت کی گئی ہے جبکہ برصغیر اور اس کے زیر جائزہ خطے کے عام اور خانوادۂ آصفی کے خاص تعلق سے یہ موضوع وسیع تناظر کا حامل ہے۔ بڑے پیمانے پر علمی تحقیق و انتقاد کے قابل بھی یہ مبحث ہے اور اس کی تلخ و ترش حقیقتوں کی جانب علاقائی تاریخ کے ڈاکٹر مبارک علی جیسے اور یجنل دانشور کے مستقل اور وقیع اظہارات تواتر سے اشارہ کناں ہیں۔ احساس یہ ہے کہ تاریخ نگاروں کے تاریخ کے ہی تئیں سلوک بد کو ذاتی سہل انگاری پر محمول کرنا یا اقتدار پرستی کہہ کر گزر جانا بھی آج ایک مجرمانہ سی سوچ ہے جو اسی جرائم پیشہ رویے کے متصل سرایت کیے رہنے کی ہمت افزائی کی تاریخ کش وجوہ میں سے یقیناً ایک ہے۔ کم سے کم الفاظ اور نرم سے نرم انداز میں مورخوں کے رویے کو تاریخی جرائم کی پردہ پوشی بھی نہیں سیدھے طور پر جرائم پرستی سے ہی تعبیر کیا جانا چاہیے۔

Marfat.com

صاحب اعتبار و استناد مورخین کی اپنی اصلیت یہ ہے کہ ابوالکلام آزاد سا غیر جذباتی اور سنجیدہ اسکالر سرمد کی حیات و شہادت کو یکسر قلم انداز کر کے غیر اہم واقعات کی تفصیلیں جمع کرنے والے وقایع نویسوں میں سے ہر ایک کا نام لے لے کر شکوہ کناں ہے کہ ان ظالموں اور بدتوفیقوں نے کتنی بڑی ہستی کو کس ڈھٹائی سے صرف نظر کر دیا۔ مسلم ہند کی تاریخ پر آخری مغل شہنشاہ کے احسانات کی کتنی دھوم ہے مگر دکن کی متمدن مسلمان سلطنتوں کی منصوبہ بند تاراجی جیسا اجتماعی تباہ کاری کا واقعہ ہو یا سندھ کے عالم فاضل اور تہذیب پرور حکمرانوں کی شہزادی کو ہتھیانے اور قتل سرمد سے لے کر داراشکوہ ایسے صاحب فضل و کمال ولئ عصر کی ہلاکت جیسے انفرادی سانحات کا معاملہ' جلال عالم گیری کے قیامت خیز مظاہروں پر مسلم ہند کی ہی تاریخ آج تک ماتم کناں ہے اور ہمیشہ ہی نوحہ کرتی رہے گی۔ دوسری طرف ننگی جارحیت اور کھلی بربریت جیسے انسانیت کش مظالم کی پردہ داری کا حق بھی مورخین کی جماعت سے لے کر جدید محققین کی نسلیں تک آج ادا کر رہی ہیں۔

مبارزالدولہ کے خاص حوالے سے جو طرز فکر و تحریر معاصر و متعاقب مصنفین تواریخ کے ہاں ظاہر ہوتا رہا ہے ہمارے اپنے ہمعصر تحقیقی و سوانحی تذکروں میں بھی سرائیت کیے ہوئے ہے۔ چنانچہ ایک طرف نہ تو ان کی حرکات اور پروردہ طبقوں کی شرارتوں کی بھرپور نقشہ کشی ملتی ہے نیز نہ ہی اشرار اور مجاہدین جیسے بعدالمشرقین سے اضداد کے قائدین اور افراد سے رابطہ و استفادہ کی صحیح کیفیت اختصار سے سہی سامنے آتی ہے۔ مبارزالدولہ کے دنوں کے اور معاً بعد کے بھی تاریخی تذکرہ نگاروں کے روبرو موضوعات یعنی مقتدر شخصیتوں کی کثرت اور تحریر طلب واقعات کی بہتات جیسے مسائل کے دباؤ سے انکار نہیں کہ ان سے مفران کے لئے شاید ہی ممکن ہوتا لیکن جاہ پرستی اور اس سے وابستہ نوافع کو ہی حقیقی موانع کا درجہ حاصل تھا اس کو کبھی جھٹلایا نہیں جا سکے گا۔ ان کے اقتضا اور پھر ان پر عمل درآمد کی زیرنگہ صورتیں عجوبہ ہیں تو بعد کے اور یا جدید مصنفوں اور محققوں کا مماثل رویہ عجیب تر۔

وہابی تحریک کے شمالی قائدین پر معلومات کے تعلق سے جنوبی مورخوں کی ناواقفیت نیز مبارزالدولہ کے اپنے سابقہ و متعلقہ سلسلہ روز و شب سے شمال کے تحریکی تواریخ و سوانح نگاروں کی عدم شناسائی کو بھی ان کے دائرہ علم و تحقیق کی محدودیت پر محمول کر کے کسی نہ کسی لحاظ سے یا کچھ حد تک سہی نظرانداز کیا جا سکتا ہے۔ زیادہ حسرت تو ایک ایسی تاریخ پر ہوتی

Marfat.com

ہے جو راست انھی آصف جاہی ادوار پر اور خود حیدر آباد میں ہی مقیم جدید محقق اور بڑے اسکالر کی تصنیف ہے' جس کے حیطہ تحریر میں انگریزوں سے متصادم سارے بڑے محرکین و عوامل کے ذاتی و اجتماعی منصوبوں اور نیم فوجی نیم باغیانہ مشاغل کا مذکور جزو لاینفک کے طور پر امر ناگزیر ہونا چاہیے۔ "دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ: سیاسی تعلقات کی تاریخ پر ایک نظر" عرض کردہ موقف کے بالکلیہ برعکس و برخلاف اور عجیب و غریب طور پر مبارز الدولہ کجا تحریک مجاہدین کے تک واقعات درکنار سرسری تذکرے سے بھی ایک دم عاری ہے۔ کتاب میں نیم حیدر آبادی نیم انگریز افواج پر ایک نہ دو پانچ چھے سرخیوں سے تفصیلات کا اہتمام ہے۔ ابتدائے خانوادہ تا عہد عثمانی کے انگریزوں سے ہر سطح کے حکومتی ربط و تعلق کی یہ محض سیاسی ہی نہیں فوجی تاریخ بھی ہے مگر انگریزی سپاہ کے اندرون ریاست مبارز الدولہ کی ہنگامہ پرور حرکتوں کے مواقع پر انگریز افسروں کی ہی کمان میں فوری و موثر استعمال کا معمولی سا ذکر کیا کسی ایک واقعے کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔ اس چشم پوشی کے نہ اسباب واضح ہیں نہ جواز ممکن ہے۔ ۱۹۲۸ و ۱۹۴۱ کے ابتدائی ایڈیشنوں کے بعد متن کتاب حیدر آبادی اسکالر سید شکیل احمد انور کی دریافت و تدقیق سے از سرنو اشاعت پذیر ہو سکا ہے۔

مبارز الدولہ تو مبارز الدولہ حیرانی یہی ہے کہ خود وہابی تحریک کے بھی تدارک کے لئے انگریزی فوجی کارروائیوں اور اقدامات سے تک یہ سیاسی تاریخ پوری طرح خالی ہے۔ "دکن کی سیاسی تاریخ" سے خوب اچھی طرح مترشح ہے کہ آصفی ادوار اور اواخر مغلیہ عہد ہی نہیں اسلامی ہند کے بڑے بڑے مطبوعہ و مخطوطہ ماخذ صاحب کتاب کی دسترس میں رہے ہیں اور عجب نہیں جو جدید مورخین کے لئے کچھ قلمی مصادر کا حوالہ آج نصف صدی سے زائد بعد بھی ایک بڑا اور موقر انکشاف ہو اور یقیناً ہوگا۔ لیکن دوسری جانب پیش نظر کتاب کے لئے مقامی مراجع کی بکثرت و بہ آسانی دستیابی کے باوجود خاص کر تحریک مجاہدین کے عمل اور انگریزوں کے سیاسی و فوجی ردعمل کے کوائف کو جس طور قلم زد کردیا گیا کم از کم دکن کی تحریکی تاریخ کی حد تک یہ طرز کار بھی ایک انکشاف سے شاید ہی کم ہو۔ غرضیکہ بہ ہرنوع و بہ ہر اعتبار مبارز الدولہ کی پیشرو مصروفیات اور وہابیوں کی بھی منصوبہ سازی کے خلاف انگریزوں کی ساختہ پرداختہ افواج کے قوی و غالب کردار کا اضافہ کس درجہ ضروری بلکہ بطور محقق فرض اور مورخ کے طور پر بھی لازم تھا نیز اس کا مکمل فقدان سوانحی نہ سہی تاریخی واقعات

Marfat.com

و حقایق کے بہ ہر لحاظ خلاف رہا اس کا اندازہ فرمایئے۔ مبارزالدولہ کے اپنے حوالے سے پروردۂ سرکار و دربار مورخین کی قلمی کوتاہ اندیشی اور وقتی یا ذاتی مصلحت کوشی کے نتیجے میں ان کی بے فیض کیفیت کی طرح یہ جدید تحقیق بھی کم از کم اس عنوان پر کوہ کندن و کاہ بر آوردن سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی دکھائی دیتی ہے۔

"جدید ہندوستان کے معمار"/ "میکرس آف ماڈرن انڈیا" نامی جدید سرکاری تاریخ کو متعارف کراتے ہوئے جیسا کہ عرض کیا گیا ہے اس میں اور تو اور ملک گیر سطح پر تحریک مجاہدین کی انگریز مخالف کاروائیوں سے لیکر انگریزوں سے ٹیپو سلطان کی تاریخی جنگوں اور شہادت کو تک صرف نظر کردیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مبارزالدولہ کے تعلق سے شکوہ شکایت کا شاید ہی کوئی محل ہو کہ وہ بے چارہ کس شمار و قطار میں۔ حد یہ ہے کہ جنوبی ہند کی دو مقامی شورشوں کو جو انگریزوں کے خلاف محدود طور پر بپا ہوئیں شریک جائزہ رکھا گیا ہے، یعنی (۱) "ویرپانڈے کٹابومان کی بغاوت ۱۷۹۲ تا ۱۷۹۹" اور (۲) "دیوان ویلو تھمبی کی بغاوت ۱۸۰۸ تا ۱۸۰۹" جن میں کی دوسری میسور کی پڑوسی چھوٹی سی ریاست ٹرانکور میں رونما ہوئی۔ اول الذکر کی معاصر ٹیپو کی جنگ آزادی سے لیکر ۱۸۵۷ کے قبل و بعد کی وہابی تحریک کی کل ہند پیمانے پر بپا ہونے والی انگریز دشمن کارگزاریاں اتنے مختصر ترین حوالے کے بھی قابل کیوں نہیں قرار پائیں ہمارے سنجیدہ ارباب فکر و تحقیق شاید اس کو چبھتا ہوا سوال خیال فرمائیں، لیکن زمینی حقایق پر نظر فرمائی جائے تو اس کی تہہ میں جانا امر دشوار ہرگز نہ ہوگا۔

جدید تذکرہ نویسی یا عینی شاہدوں کی وقایع نگاری کے اپنے حوالے سے دیکھیے تو مبارزالدولہ کے خانوادے کی سلطنت کے سقوط سے عین قبل کی ریاستی جمہور کی بھاری بھرکم اکثریت اور مقتدر و حکمران اقلیت کی بڑی حد تک خاموشی سے جاری باہمی کشاکش کی انتہائی درجہ یک طرفہ تواریخ کو بھی نابیناؤں کی تحریر سمجھنا کون سا مشکل ہے۔ بے بصارتی ہی نہیں بہت کچھ بے بصیرتی کا بھی یہ عمل مملکت کے خاتمے سے لے کر ہمارے ہاں اب تک جاری ہے اور اسی یک رخے پن کا مظاہرہ قومی درد اور قلبی سوز کے انداز میں مگر اور طرح سے شاید کامل بے حسی کے ساتھ برابر ہوتا آرہا ہے۔ محسوس یہ ہوتا ہے کہ ماضی قریب کی اجتماعی سوچ کی غلطیاں تو بہت دور کی اور بڑی بات ہے ہم سیدھی سی حقیقتوں اور تاریخ کی صداقتوں کے ادراک کا تک کوئی تکلف ابھی نہیں کرنا چاہتے۔ ڈاکٹر مبارک علی نے زمینی حقایق کو تاریخ

Marfat.com

کے عمل میں محسوس اور تسلیم کرنے کی ضرورت کی طرف ہوشمندی سے اور بارہا متوجہ بلکہ متنبہ تک کیا ہے مگر برا ہو من حیث القوم ہمارے مجموعی سے احساس برتری کا کہ ابھی یہ پکار بے آب و گیاہ صحرا کی اذان بنی ہوئی ہے۔ ہم اس بڑی ہی نمایاں سی حقیقت کی تہہ تک بھی نہیں پہنچنا چاہتے کہ انگریزوں نے برصغیر پر اقتدار کی رفتہ رفتہ تشکیل پذیر متنوع حکمت عملی میں یہ نسخہ کیمیا بھی ایجاد کر رکھا تھا کہ اکثریتی علاقوں پر اقلیتی حکمرانی کو برقرار رکھا اور قائم کیا جائے تاکہ اس وسیلے سے برصغیر بھر میں ان کی اپنی متقدر حیثیت زیادہ سے زیادہ طول بلکہ لاطایل عرصے کے لئے دوام ہی پاسکے۔ ریاست تو ریاست چھوٹے پیمانے پر انھوں نے جاگیرداریوں کی عطایا میں بھی یہی مصلحت اختیار کیے رکھی کہ مثلاً "مسلم اکثریتی بنگالے میں ہندو رجواڑے قائم کیے اور ہندو اکثریت کے صوبہ جات متحدہ آگرہ و اودھ میں مسلمانوں کو جاگیریں بخش دیں۔ پروفیسر احمد حسن دانی نے سابقہ محولہ اظہارات میں یہ مشاہدہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ غرض ہندوستانی ریاستوں کی حد تک حیدر آباد اس کی بہت نمایاں اور کشمیر بدترین مثال ہے جس کی وجوہ علانیہ سامنے ہیں' جبکہ ٹیپو فرانسیسیوں کے بجائے انگریزوں سے مفاہمت رکھتا تو آزادی تک ریاست میسور بھی ایک اور ایسی مثال ہوتی۔ یعنی مسلم خاندان اس اکثریتی ہندو ریاست کا حکمران ہوتا' لیکن انگریزوں سے ٹکراؤ اور زیر ہونے کی بناء پر انھوں نے وہاں ہندو حکمرانی کو اور مصالح کے زیر اثر بحال کردیا اور اپنا مطیع بنالیا۔

حیدر آبادی مصنفین کی بیشتر کتب میں جو زیر نگہ ہیں غیر متقدر اکثریت کے تحفظات و مطلوبات کا حوالہ یا تو نہ ہونے کے برابر یا نرا مخاصمانہ ہوتا ہے' جو بڑی حد تک یک رخا اور غیر حقیقت پسندانہ رہتا ہے۔ لیکن اور زاویوں سے متعلقہ گویا اکثریتی محققین کا جو کام سامنے آرہا ہے اس میں آخری برسوں کی فرقہ وارانہ یا طبقہ وار خاموش عوامی کشمکش کا تذکرہ و تبصرہ خاصا رہتا ہے۔ خاص اختتامی عشروں کی اہل اکثریت کی منظم و فعال سیاست کے اسرار و مظاہر اور رموز و آثار خواہ ہمارے لئے ایسا قصہ پارینہ ہوں جس کی گاہے گاہے بازخوانی انقباض و پشیمانی ہی کی موجب ہو ایک ایسی حقیقت ثابتہ وہ ہیں جنھیں اب شاید اکثریت کے نمائندہ تحقیق و تصنیف کرنے والوں کی زبان قلم ہی پر جاری دیکھا جاسکے گا۔ مثلاً وی کے باوا کی کتاب کے آخری تین ابواب نیز ایک اور اسکالر وی ایچ ڈیسائی کی بھی حالیہ جایزہ نگاری موسومہ:

Marfat.com

V. H. Desai: "Vandey Maataram to Jana Gana Mana: The Saga of Hyderabad Freedom Struggle"; Bombay 1990 (Pages 244)

مبارزالدولہ ہوں یا قاسم رضوی اور زیادہ بڑے تناظر میں بحوالہ اظہارات پروفیسر حمزہ علوی مطبوعہ "ڈان" میگزین مئی تا اگست ۱۹۹۶ برادران رام پوریا اہل لال قلعہ کی ذریات سے ابھرنے والی قیادت کے سرگروہ و سرخیل۔ کم از کم ملک گیر جنگ آزادی کے ایک مسلمہ قاید نانا صاحب پر سنجیدہ تفحص اور وزنی تنقید کے نمونوں از قسم حسب ذیل سی تجزیہ کاری سبھی پر فردا" فردا" اور بطور خاص ناگزیر ہے:

1) Anand Swarup Misra: "Nana Sahib Peshwa and the fight for freedom", Lucknow 1961 (Pages 636);

2) Praful Chandra Gupta: "Nana Sahib and the rising at Cawnpore", Oxford 1963 (Pages 227)

ایسی تحقیقات جب تک منظر پر نہیں آسکیں گی ہمارے ماضی ہی نہیں حال و مستقبل کی بھی شخصیتوں کی سوانحیں برخود غلط خوش فہمیوں اور تحریکوں کی تواریخ بے روح و بے جان خوش بیانیوں کا دفتر لایعنی ہی بنی رہیں گی۔ جن کے حق میں دفتر بے معنی والے محاورے سے زیادہ بلیغ اشارے پر مبنی کوئی اور پربصیرت بلکہ حکیمانہ سا کلمہ خیر کیا ہو سکتا ہے۔ جراٴت آزما سی ایک آدھ مساعی مثلاً سارا انصاری کی محولہ کتاب اس سمت مفید و مثبت اور حوصلہ مندانہ پیشرفت ضرور ہے۔

اختتامیہ ہذا کے حوالہ طباعت ہونے سے عین قبل کے کچھ اور مختصر تر اضافی اشارات جن سے فی الوقت تھوڑی بہت نئی اطلاعیں مقصود ہیں۔

(ا) مبارزالدولہ کے اتالیق حضرت فیض حیدر آبادی کے تلمیذ اور فارسی تذکرہ نگار رمز پر ڈاکٹر زور کی تالیف "رمز سخن" کا علم ان کے "ادارۂ ادبیات اردو" کے سب "رس کتاب گھر" کی فہرس بابت ۱۹۶۴ سے ہوا۔ یہ "انتخاب کلام سدانند جوگی بہاری لال رمز" کی شاید صرف اردو شعریات تک محدود ہے "جس میں شاعر کے حالات زندگی اور خصوصیات

Marfat.com

کلام پر ایک مقدمہ بھی شامل ہے" (ص ۲۴)۔ رمز کے فارسی تذکرے نیز ان کے ان استاد بھائی مبارزالدولہ سے بھی تعلق باہمی اور ان کی شاگردی فیض کی اور کوئی تفصیل احوال رمز میں ممکن ہے ہو، جیسا کہ ڈاکٹر زور کے اشارات مقدمہ "مرقع فیض" سے ظاہر ہے۔

(۲) مبارزالدولہ ایسے لاتعداد ذیلی کارکنوں یا حامیان تحریک حتیٰ کہ ان جیسے مقامی سرپرستوں کے تک سوانح کیا تذکرے بلکہ ان کی محض فہرست کی بھی متحمل مختصر سی تاریخیں نہیں ہوسکتیں۔ چنانچہ مولانا مسعود عالم ندوی کی مجمل تاریخ "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" میں یہ تلاش بے سود رہی کہ اتنے اختصار سے تحریر کیا ہوا تذکرہ خواہ کتنا ہی محققانہ کیوں نہ ہو ان تفاصیل سے پر نہیں ہوسکتا۔ مولانا ولایت علی کے سفر حیدرآباد کے شخصی فیض یا تنظیمی فوائد کے ضمن میں ملاقات و بیعت غرض کسی بھی مشہور و معروف حوالے سے مبارزالدولہ کا کوئی سا واقعہ کیا تذکرتا" سہی نام بھی درج نہیں ہے۔ یہ غیر بلکہ عدم موجودگی کم از کم اس لحاظ سے اچھی رہی کہ مولانا کو مفصل تحقیق و تصنیف مقصود ہی چونکہ نہیں تھی وہ اگر صرف نشاندہی پر کفایت کرتے تو اغلب تھا کہ اپنی ذاتی ثقاہت اور علمی متانت بلکہ دیانت و صداقت کے باوجود وہ بھی خوش گمانی کے شکار ہوجاتے اور جستجوئے حقایق سے مبارزالدولہ کا یہ ذکر بھی محروم رہ جاتا۔ مولانا ندوی نے خاص خاص کارکنان و شرکائے تحریک کے لئے حضرت سید احمد کی جانب سے مقررہ خفیہ ناموں کی اصلیت تو بصورت فہرس ظاہر کردی ہے لیکن اعداد کے کوڈ (Code) یا رموز کا حل یا انکشاف توجہ نہیں پاسکا۔ اسی طرح مدراس پر یسیڈنسی کے شہر نیلور کے انگریز مجسٹریٹ کے برآمد کیے ہوئے تحریکی کاغذات سے دریافت ہونے والے اور منقولہ گزشتہ عددی نقشے کی اصل کیفیت منکشف نہ ہوسکی ہے اور یہ محرومی جاری ہے۔

(۳) مبارزالدولہ کے وہابی تحریک سے عملی تعلق پر "موج کوثر" میں کچھ مذکور ملتا ہے مگر یہ چند جملے صرف بر سبیل تذکرہ سے شاید ہی زیادہ ہوں۔ شیخ محمد اکرام کے کوثری سلسلۃ الذہب کی مجلدات میں سے اس آخری کتاب کی خاص ان سطور میں ضروری حد تک مطلوب سوانحی دریافت یا واقعاتی جانچ پرکھ کا عمل دخل کارفرما نہیں ہے پھر بھی اس مجمل حوالہ کو آئندہ اضافوں کے موقع پر اقتباس کردیا جائے گا تاکہ ایسے ثانوی ذریعوں سے مبارزالدولہ کا کوئی سا ذکر اذکار منقول ہونے سے رہنے نہ پائے۔

Marfat.com

(۴) مبارزالدولہ کے تحریکی ربط و تعلق کی کوئی روایت دکن کے آغاز کار یا ان کی سفارت سندھ کی بنیاد پر مولانا محمد اسحٰق بھٹی کی سوانحی ڈکشنری متعلقہ "فقہائے پاک و ہند" مجلد سوم لاہور ۱۹۸۹ کی شخصیات کے تذکروں میں کہیں منقول نہیں ہے۔ مولانا ولایت علی اور نصیرالدین دہلوی کی مفصل تعارفی سوانحیں مع مراجع موجود ہیں لیکن مبارزالدولہ کے حوالے دونوں مقالات میں ناپید ہیں۔ ولایت علی کے قیام دکن کے کوائف میں مبارزالدولہ کے واقعہ بیعت نیز "اخبار سید نصیرالدین دہلوی" کے نسخے سے اخذ و اندراج کے باوجود مبارزالدولہ کے سفرائے سندھ کا بھی ذکر مفقود ہے۔

(۵) "تحریک مجاہدین" از ڈاکٹر صادق حسین کی بازیابی کی دو سالہ مہم میں ناکامی پر راقم نے چند کرم فرما افاضل سے رہبری فرمانے کی درخواست کی۔ مشفقی حضرت اختر راہی کے مکرمت نامہ مورخہ واہ چھاؤنی ۲۳٫۸٫۹۶ کے مطابق: "ڈاکٹر صادق حسین کی تالیف "تحریک مجاہدین" کی جلد اول ۱۹۷۵ میں شائع ہوئی تھی' خود مؤلف نے شائع کی تھی۔ اس کے بعد دو مزید حصے گوجرانوالہ سے شائع ہوئے جو میری نظر سے نہیں گزرے۔ یہ کتاب انگریزی میں نہیں بلکہ اردو میں ہے۔" فاضل مکرم قبلہ پروفیسر سجاد مرزا نے گوجرانوالہ سے ۲۳٫۹٫۹۶ کے نامہ عطوفت میں ارشاد کیا: "میں "تحریک مجاہدین" کی تلاش میں تھا' میری رسائی پانچویں اور چھٹی جلد تک ہوئی ہے ان دونوں جلدوں میں مبارزالدولہ کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ "تحریک مجاہدین" کے مصنف ڈاکٹر صادق حسین ایم بی بی ایس کا تعلق لاہور سے تھا۔ میں نے باقی جلدوں کی تلاش میں اپنے ایک دوست کو لاہور بھیجا تھا' لیکن مزید جلدیں نہیں مل سکیں۔" عرایض نویسی اور سلسلہ جنبانی جاری ہے اور حتمی معلومات کا اضافہ آئندہ کے لئے بامر مجبوری معرض التوا میں رہے گا۔

(۶) "سید بادشاہ کا قافلہ" از آباد شاہ پوری لاہور ۱۹۸۱ میں "مجاہد کی اذاں" کے بعنوان صفحہ ۱۱۱ تا صفحہ ۱۱۹ مولانا ولایت علی کے قیام حیدر آباد کی کیفیت میں مبارزالدولہ کا جستہ جستہ ذکر بھی ہے' نیز اگلی سرخی کے تحت صفحات ۱۳۳ تا ۱۴۷ خاص مبارزالدولہ کی تحریکی وابستگی کو سابقہ بیانیے سے گویا متصل طور پر ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ عنوان کتاب غیر ذمہ دارانہ و غیر سنجیدہ سا ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے مبارزالدولہ پر ہی ہمارے ہاں کے ایک تحقیقی مضمون کے "باغی شہزادہ" جیسے نرے افسانوی عنوان کا لطیفہ

Marfat.com

ہو گزرا ہے، مبارزالدولہ کی جو اور جتنی اور جیسی تفصیلات خاص اس حصہ کتاب میں ہیں تاریخی دریافت اور چھان پھٹک کے اقتضا بلکہ تصنیفی معمول کے تک برعکس و برخلاف واقع ہوئی ہیں۔ مبارزالدولہ تو خیر خوش قسمت تھے کہ ثمینہ شوکت کے افسانے "باغی شہزادہ" متعلقہ "جنگ مبارزالدولہ" کے بعد وہابی تحریک میں ان کے جیسے تیسے کردار کو بھی اتنے عقیدت کیشانہ داستانی اسلوب میں پیش کرنے والا ایک اور قصہ گو ان کے بخت نیک میں لکھا تھا، رہ گئی اس حکایت لذیذ میں تاریخیت یا صاحب داستان کی جانب خاص سے اس حکایت دراز میں واقعیت تو بے چاری تاریخ کے نصیبوں میں نوحہ کناں رہنا ہی لکھا ہے۔ بقول فاضل مصنف "نواب سکندرجاہ ناصرالدولہ" (کذا) کے بھائی کی اس قصہ گوئی و قصیدہ خوانی کو تاریخی واقعات کی کھلے عام سامنے آنے والی اصلیت سے آخر تعلق ہی کیا ہو سکتا ہے صاف ظاہر ہے۔ حقایق بیانی کے بجائے ایسی اہم موضوع کتب کے مصنفین کے مقصود اول و آخر کو فسانہ گری سے زیادہ شاید ہی کسی اور بات سے کوئی نسبت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس ساری افسانہ سازی کو امر واقعہ اور اس کی حقیقت و صداقت پھر اس کے دیانت شعارانہ طور پر خواہ بطور کہانی سہی معرض تحریر میں لانے سے کیا تعلق ممکن ہے یہ بھی خوب عیاں ہے۔ صاحب قصہ اپنی مقصدیت اور ذہنیت کی ترجیحات کے لئے ذمہ دار شاید نہیں ہیں بلکہ اپنی گزشتہ مطبوعات کی رعایت سے مکلف تک نہیں ہیں۔ جب ثقہ سوانحی محققین تلاش حق سے گریزاں اور شخصیت کے سحر میں مبتلا رہنے ہی کو ترجیحی طور پر پسند اور اختیار فرمائیں نیز متین و معتبر مورخین کو بھی واقعاتی حقایق سے بدرجہا زیادہ دل بستگی اور ذہنی پیوستگی متعلقہ کردار کے تئیں سرگشتہ خمار گویا اس کی ہستی کے فریب میں حصار بند ہونے سے ہو تو ایسے سخت غیر سنجیدہ ماحول سے اثر پذیر قصہ نویسی میں تاریخی دیانت دارانہ تفتیش خارج از سوال و امکان۔ گویا سوانحی مقالہ نگاروں نے تاریخ و تحقیق کے فریب نظر عنوان سے شوق عقیدت میں مبارزالدولہ کی ہی آڑ میں خود تاریخ پر جتنی گرد اڑائی اس کی رہی سہی کسر پوری کرتے ہوئے افسانہ نویسوں نے بھی حسب توفیق زیب داستاں قصوں کی مدد سے کچھ اور دھول اڑانی ضروری سمجھی۔

پروفیسر حمزہ علوی کے نہایت گراں مایہ و گراں قدر معروضی اور واشگاف و برملا مشاہدے کو اگر اردو تاثر کا قالب دینے کی سعادت مل سکی تو یہ احقر بتان وہم و گماں ہی نہیں لات و منات کی پرستش جیسے الفاظ سے کم استعمال نہیں کر سکے گا۔ ممدوح بزرگ کا فرمودۂ ذیل

Marfat.com

گو صرف برادران رام پور کے بارۂ خاص میں ہے خواہ کسی درجہ اور کس قدر تلخ و ترش کیوں نہ ہو اپنی جگہ امرواقعہ ہی نہیں حقیقت ثابتہ ہے جس کے تئیں مجال انکار ناممکن ہے فایق موصوف نے جس طرح دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا ہے یہ ایک بے حد وانتہا سیدھی سچی اور بالکل کھری نکتہ رسی کی بات ہے چاہے اس صدق ولانہ و راست گویانہ اور چشم کشا و پربصیرت تاریخی تبصرے کی عین تاریخ کے نام پر تردید یا مخالفت میں تعریض و تنقیص کے مرتکب کتنا ہی زور قلم صرف کریں۔ اس انتہائی عبرت انگیز بیش بہا قول صادق قول فیصل کی حکیمانہ افادیت اور تاریخی واقعیت سے انکار سخت کفران صداقت ہوگا۔

"Generations of Pakistan have been brought up on falsified history. Spurious and idiologically glossed up images of Muslim leaders have been handed down to us. They are glorifed indiscriminately, regardless of what each of them stood for. We have too many false heroes____" ("Perspective" by Prof. Hamza Alvi : "Our heroes and anti-heroes" : in "Dawn Mag". D/Friday Aug. 9/1996 P.I; being inaugural comments of the theory.)

Pseudo - Heroism کی خستہ و بوسیدہ بنیادوں پر کلیتاً" خلاف استحقاق و پرفریب ہیرو پرستی کی گرتی دیواریں اٹھانے کا رجحان خود تاریخ کے سفاکانہ عمل اور تدقیق و تفتیش کے بے درد نتائج کو تو مفروضوں اور عقیدت کی ریت کے قلعے میں حصار بند نہیں کرسکتا۔ خودفریبی کے اثرات بد کی اشاعت و توسیع کے لئے آئندہ نسلوں کے آگے جس طرح ہم خود جواب دہ ہوں گے "وعدہ گاہ انتقام اشقیا روز جزا" کی پرسش سے پہلے پہلے کے اس مواخذہ کا احساس کرنے کی ضرورت ہے' وگرنہ معدوم حیثیت میں سہی ایسے ایک ناگزیر یوم بد کے لئے ذہنی طور پر خود کو آمادہ رکھے بغیر چارۂ کار نہ ہوگا۔

"مبارزالدولہ ایک تاریخی سوانح" کے حقیر اوراق میں مندرجہ اسماء الرجال کی انفرادی طور پر چند سطری سہی تعارفی فہرس اضافہ طلب تھی تاکہ ہر ایک کا اپنا ذاتی پس منظر اس سوانحی تاریخ کے واقعاتی و کرداری حوالے سے آشکار ہوتا۔ مثلاً "امرائے دربار' کمپنی کے حکام و عمال' تحریکی کارکنان و رفقا' افراد خانوادہ' مورخین و محققین نیز دیگر بھی متذکرہ

Marfat.com

مقامی و غیر ملکی اشخاص۔ لیکن محض کمپنی کے سرکاری نمایندگان متعینہ مبارزالدولہ کی اثنائے حیات کے بھی ناموں کی حد تک وسائل دسترس میں نہ تو ہیں اور نہ ہی جمع آوری ممکن۔ مثلاً" کمپنی کے چند ایک متعلقہ فوجی افسروں کے علاوہ ۱۸۲۹ کی شورش تنخواہ و خزانہ کے دنوں کے رزیڈنٹ مارٹنز Byam Martins کا نام بک لینڈ کی سوانحی فرہنگ میں نہیں ہے۔ درباری زعمائے حیدر آباد اور دیگر اہم ریاستی عہدیداروں کا حال "گلزار آصفیہ" میں اچھی خاصی تعداد میں اور تفصیل سے بھی اخیر میں لکھا ہے جبکہ عصری تواریخ اور تذکروں سے متعدد شخصیتوں کا احوال مل سکتا ہے۔ پروفیسر سید شفقت رضوی نے اپنی مطبوعات کے من جملہ "مکاتیب سر محمد اقبال بنام مولانا سید سلیمان ندوی" کراچی ۱۹۹۲ کو زیر تذکرہ شخصیتوں کے تعارف سے مزین فرمایا ہے اور ایسی مستقل بالذات "تعلیقات" کی ایک یقیناً" روشن مثال پیش کی ہے جو قابل اتباع ہے۔ سوانح مبارزالدولہ کی طوالت و ضخامت کے قطع نظر راقم اس خیال سے زیادہ متامل رہا کہ متعدد کرداروں کو تو متعارف کرادیا جاسکتا تھا مگر بعضوں کے تذکرے کا بہرحال فقدان رہتا جو صاف اور عام طور پر محسوس ہوتا۔ ایسے ثانی الذکر اشخاص میں مبارزالدولہ سے متعلق حکام و امرائے ریاست کے ساتھ کمپنی کے وہ فوجی افسر بھی ہوتے جو مبارزالدولہ کے خلاف سرکاری مہمات میں ملوث رہے مگر ان دونوں طبقوں کے اشخاص پر مفصل اطلاعیں کیا ذرایع ہی رسائی میں نہیں۔ مثلاً" بک لینڈ کے ہاں کمپنی کے تین ایسے کپتانوں کی سوانحیں ملتی ہیں جو ہم نام بھی ہیں اور حیدر آباد یا قرب و جوار میں متعینہ بھی مگر مختلف سے زمانوں کی تقرری کے باعث یہ طے ہونا غیر ممکن ہی ہے کہ مبارزالدولہ کے خلاف ایک مہم میں کون مقرر و ملوث ہوا تھا۔

"تاریخ خورشید جاہی" اور "رشید الدین خانی" کو کتابیات میں راقم نے بربنائے غلط فہمی ہمنام مصنفین کی کتب قرار دیا ہوا ہے جس کی تصحیح ضروری ہوگئی ہے۔ مولانا اسحٰق بھٹی کی "فقہائے پاک و ہند" جلد۳ سے منکشف ہے کہ اصلاً" ہر دو تواریخ ایک ہی وقایع نگار کی مصنفہ ہیں جو علمی لحاظ سے پائے کی ہستی تھے یعنی "مولانا غلام امام حیدر آبادی" (ص۴۱/ ۴۳)۔ سوانح کے مطابق "مولانا غلام امام افغانی حیدر آبادی" متولد ۱۲۲۳ھ/ قریب ۱۸۰۸ء نے : "تاریخ میں ایک کتاب "رشید الدین خانی" کے نام سے تصنیف کی" (ص۴۱) نیز: "رشید الدین خانی اور دیوان شعری کے علاوہ انھوں نے مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف کیں۔

Marfat.com

(۱) "خورشید جاہی": تاریخ کی ایک مبسوط کتاب ہے جو ۱۲۸۳ھ میں لکھی" (ص ۴۲)۔ ان کے مربی امرا خورشید جاہ اور رشید الدین خاں کے نام مذکور نہیں ہیں البتہ معقولات و منقولات میں ان کی بارا کتب میں سے چار اول الذکر سرپرست کا نام زیب عنوان کی ہوئی ہیں۔

صاحب تواریخ کی جو تعریفات بیان ہوئی ہیں ان میں ان کی فقہی حیثیت اور بطور عالم دین فضیلت بڑی مستند و معتبر تحریر ہوئی ہے۔ حیرت کے ساتھ حسرت کی بھی جاء ہے کہ اتنا بڑا دینی اسکالر بطور مورخ ذمہ داریوں یا فرایض سے ایسی غفلت برتے جس کے نقصانات ایسے سے کم نہ ہوں جیسا کہ متعلقہ مقامات پر عرض ہوا ہے۔ اندریں حالات وہ لوگ جو تھے ہی نرے درباری تاریخ نویس گویا نہ تو بڑے اہل فضل و کمال تھے نہ دینی علماء میں جن کا شمار ہوتا ان سے گلہ شکوہ کیونکر ممکن ہے۔ ان کی جانب داری و پردہ پوشی اور رنگ آمیزی کی کیفیتوں یعنی افشا و انکشاف کے بجائے اخفائے اصلیت کے طریقہ واردات نویسی کی کیا خاک شکایت کیجئے جب ثقہ عالم بطور مورخ وقایع نگاری میں دربارداارانہ ذہنیت کا شکار ہو جائے۔ احساس یہی ہے کہ منقولات کے ماہرین فن تاریخ و سوانح کے باب میں جیسی کچھ دراندازی فرمایا کرتے ہیں وہ دست بردیا دخل در معقولات کے عام سے محاوراتی انداز سے مختلف نہیں ہوتی ہے۔

آخر میں تمام تر بزرگان کار اور معاصرین کرام کی عنایات بے پایاں اور پیہم نوازشوں کے تئیں حقیری طالب علمانہ شکرگزاری کے ساتھ نیشنل بک فاؤنڈیشن کے علاقائی ناظم جناب محمد یعقوب اور ان کے رفیق کار لطیف اکبر آبادی صاحب کی عملی زحمت فرمای کے لئے قلبی ممنونیت راقم پر واجب ہے۔ کمپیوٹر مسودات کی درستی کے مراحل میں بطور حق مصنف متعدد و مسلسل اضافوں اور ترامیم کو جس خندہ پیشانی سے برداشت کیا گیا ہے اس کا اعتراف اور اقبال کرم بھی اس احقر کا خوشگوار فریضہ ہے۔

ابوسعادت جلیلی، کراچی۔ مورخہ ۲۵/۱۱/۱۹۹۶ء

سلیمان پلازا، سی۔1۔ گلشن اقبال نمبر ۱۰، کراچی ۴۷۔ پاکستان ۷۵۳۰۰

Marfat.com

MUBARIZUD DOWLAH

LEADER OF ANTI-BRITISH
MOVEMENTS & WAHABI TEHRIK
IN HYDERABAD DECCAN : 1815 - 1840

A HISTORICAL BIOGRAPHY
OF THE STATE PRINCE : 1795 - 1854

ABU SAADAT JALILI

نیشنل بُک فاؤنڈیشن

اسلام آباد

لاہور ـ راولپنڈی ـ ملتان ـ کراچی ـ سکھر ـ پشاور ـ کوئٹہ

قیمت -/130 روپے

Marfat.com